وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کامل

تحریر و ترتیب:

مولانا عبدالسلام ندوی

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ ○ چوک اردو بازار ○ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کامل

تحریر و ترتیب

مولانا عبد السلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ، علم و عمل، امن و آشتی، عدل و انصاف، شفقت و رافت، عزم و ہمت، جرات و شجاعت، صدق و صفا اور اخلاق و تمدن کے دلآویز، دل پذیر اور دلنشین تذکروں پر مشتمل تاریخی کتاب

ناشر

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اُردو بازار لاہور
فون : 042 - 7223506

نام کتاب .... اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم (کامل دو حصے)

طابع .... ممتاز احمد

ناشر .... اسلامی کتب خانہ

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

قیمت .... روپے

ملنے کے پتے

⇦ مکتبہ رحمانیہ — غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور

⇦ ممتاز اکیڈمی — فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ مکتبۃ العلم — ۱۸/اُردو بازار لاہور

⇦ خزینہ علم و ادب — الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ' معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

فہرست مضامین

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ اوّل

فہرست مضامین

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کا پہلا ایڈیشن جب شائع ہوا تو وہ اگرچہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ لوگوں نے اس کی تنقید کی طرف بہت کم توجہ کی۔ تاہم بہ مقتضائے فطرتِ انسانی اس میں جا بجا غلطیاں تھیں اور وہ صرف کتابت ہی کی غلطیوں تک محدود نہ تھیں بلکہ بعض مقامات پر خود مجھ سے نقل و ترجمہ و ادائے معنی و مطالب میں متعدد غلطیاں ہو گئی تھیں' بعض لوگوں نے ان کی طرف توجہ دلائی تو اسی وقت میں نے ارادہ کر لیا کہ جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گا تو میں تمام و کمال دوبارہ اس کتاب پر نظر ثانی کروں گا۔ اور اس وقت ان تمام غلطیوں کی اصلاح ہو جائے گی' چنانچہ امسال اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے طبع و اشاعت کی باری آئی تو میں نے اس پر نظر ثانی کی اور صرف عبارت و کتابت کی اصلاح تک اپنی کوشش کو محدود نہیں رکھا' بلکہ ایک ایک روایت کی تطبیق کی اور اس کو اصل کتاب سے ملایا۔ اسی طرح تمام آیات قرآنی کی تصحیح کی۔ اسی سلسلے میں اور بھی متعدد واقعات نظر سے گزرے جن کا اضافہ کیا اور بعض چیزیں حذف کر دیں اگرچہ اس کوشش کے بعد بھی تیری؟ نفس کا دعویٰ نہیں' تاہم صحت کی کوشش بہت کی ہے اور عبارت میں بہت کچھ تغیر کیا ہے۔ بعض روایتوں کی تطبیق و تصحیح میں ہمارے عزیز رفیق مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی نے مجھ کو مدد دی ہے اس لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عبدالسلام ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ)).

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسانی کی اصلاح اور نفوس بشری کی تہذیب و تکمیل کی جائے' علوم و فنون' تہذیب و تمدن' صنعت و حرفت' غرض وہ تمام چیزیں جو ہمیشہ سے دنیا کا سرمایہ ناز رہی ہیں۔ آسمان کی ہزاروں گردشوں اور زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے بعد عالم وجود میں آئیں' لیکن تہذیب نفوس انسانی کا فرض اس قدر ضروری تھا کہ دنیا کا پہلا انسان' (آدمؑ) دنیا میں آیا تو اس کی ذمہ داریوں سے گرانبار ہو کر آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اس سلسلے کو زیادہ ترقی ہوئی اور بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے لیکن ان سب کے فضائل و مناقب کا مجموعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تھی جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ابدالآباد تک کے لئے مکمل ہو گیا اور وحی الٰہی نے یہ مژدہ سنایا۔

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدۂ اصفیاء اور عصارۂ انبیاءؑ، یعنی سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس فرض کو کس وسعت اور کس جامعیت کے ساتھ ادا کیا؟ اور نفوس بشریہ کو تہذیب اخلاق کے کس ذروۂ کمال تک پہنچایا؟ تو اس کا جواب ہم کو اسلام کے ان مقدس بزرگوں کے فضائل اخلاق کی خاموش زبان سے دینا ہوگا جو آپؐ کے اخلاق و اعمال کے مظہر اتم' آپ کی تعلیم و تربیت کی مثال ہیں آپ کی ہدایت و ارشاد کے مخاطب اول اور آپ کے فیض صحبت سے شب و روز بہرہ اندوز تھے۔

اس مقدس جماعت کی نشو و نما بھی دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب و

غریب مثال ہے' اول اول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو عقائد و اعمال کے اصلاح کی دعوت دی تو ریگستانِ عرب کے ایک ذرّے نے بھی اس کا جواب نہ دیا' لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں آپ کے آگے پیچھے' دائیں بائیں غرض ہر طرف ان بزرگوں کی قطاریں کھڑی کر دیں جن کے وجود سے دعوتِ نوح بعثت موسیٰ اور نبوت عیسیٰ کی تاریخ اکثر خالی ہے' ابتداً ان بزرگوں کا نام انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا' ہجرت کے زمانہ تک ان میں معتد بہ اضافہ ہوا' اور غزوۂ بدر کی صف میں تین سو تیرہ سرفروش تیغ بکف نظر آئے۔ فتح مکہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی اور حجۃ الوداع میں تیرہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جلو میں روانہ ہوئے' لیکن جب آپ نے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزر و مد کا یہ کتنا عجیب و غریب منظر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام مدتوں توحید کا غلغلہ بلند کرتے رہے لیکن ان کے سائے کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انصار و اعوان کی جستجو میں ''من انصاری الی اللّٰہ'' کا نعرہ لگایا لیکن چند حوارین کے سوا کسی نے ان کی حمایت نہ کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب عالمتاب کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ روشن تھا' لیکن دوسرے پیغمبروں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف یہی فضیلت حاصل نہیں ہے کہ آپ کے اصحاب کی تعداد اکثر پیغمبروں کے اصحاب سے زیادہ ہے بلکہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ کے نور ہدایت نے جن ذروں کو روشن کر دیا تھا وہ اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں اور گم گشتگان راہ انہیں ستاروں کی روشنی میں اصحابی کالنجوم' اپنی منزل مقصود کا پتا لگا رہے ہیں' اگر ہم شناورانِ طوفان نوح کے حالات کا پتہ لگانا چاہیں تو ناکامی کے سوا ہم کو کیا ملے گا؟ اگر ہم معتکفان وادی تیہ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہیں تو خاک بیزی کے سوا کیا حاصل ہو گا؟ اگر ہم حوارین عیسیٰ کے سوانح تلاش کریں تو چند غیر مرئی نقوش کے سوا ہم کو تاریخ کے صفحوں میں کیا نظر آئے گا۔ لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع میں دیکھ سکتے ہیں اور اس مرقع کو مذہبی' علمی'

سیاسی' اخلاقی غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے اسی خاص سلسلے کا نام سیر الصحابہ ہے اور علمائے اسلام کو اس سلسلہ کی تدوین و ترتیب کا خیال اس بناء پر پیدا ہوا کہ روایات میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا نام آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوّل اوّل محدثین نے اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں سب سے پہلی کتاب امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے تصنیف کی جس کا نام اسماء الصحابہ تھا اور جس کا کچھ حصہ علامہ ابوالقاسم بغوی کبیر نے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل کیا ہے[1] اس کے بعد اس فن کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور بکثرت علماء مثلاً ابوبکر بن ابوداؤد' عبدان' مطین' ابوعلی بن السکن' ابوحفص بن شاہین' ابومنصور ماوردی' ابو حاتم بن حبان اور طبرانی وغیرہ نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سب سے زیادہ ابوعبداللہ مندہ' ابونعیم اور قاضی ابوعمر بن عبدالبر کی کتابیں مقبول ہوئیں اور انہیں کو تمام متاخرین نے اپنی کتابوں کا ماخذ قرار دیا۔

یہ کتابیں اگرچہ قدماء کی کتابوں سے زیادہ جامع تھیں تاہم ان میں بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات رہ گئے تھے اس لیے متعدد علماء نے ان پر ذیل لکھے' چنانچہ ابوالموسیٰ المدینی نے عبداللہ بن مندہ کی کتاب پر اور ابوبکر بن فتحون اور ابوعلی غسانی نے قاضی عبدالبر کی تصنیف پر ذیل لکھا اور اس میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کا اضافہ کیا لیکن یہ تمام کتابیں ناپید ہیں۔ صرف قاضی عبدالبر کی کتاب استیعاب دو جلدوں میں موجود ہے جس میں ساڑھے تین ہزار صحابہؓ کے حالات مذکور ہیں اور ابن فتحون نے جو ذیل لکھا تھا اس میں قریب قریب اسی قدر ناموں کا اور اضافہ کیا تھا۔[2]

ان سب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری (المتوفی ۶۳۰ھ) نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی جس کا نام اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم ہے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سو چون صحابہؓ کے حالات ہیں اور اس کا ماخذ ابن مندہ قاضی عبدالبر و ابونعیم اور ابوموسیٰ کی کتابیں ہیں جن میں صحابہؓ کے جس قدر حالات مذکور

---

[1] مقدمہ اصابہ و کشف الظنون ۱۲۔ [2] مقدمہ اصابہ و اسد الغابہ۔

تھے علامہ موصوف نے ان سب کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور ذیل ابوعلی غسانی وغیرہ کی مدد سے بہت سے ناموں کا اضافہ کیا اس کے ساتھ اور بھی بہت سی کتابوں سے مدد لی اور سب کی مختلف خصوصیات کو ایک جگہ جمع کر دیا لیکن اس کتاب میں بھی بہت سے ایسے لوگوں کے نام آ گئے ہیں جو صحابی نہ تھے اس لیے علامہ ذہبی نے تجرید الصحابہؓ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ان غلطیوں کی اصلاح کی اور آٹھ ہزار صحابہؓ کے ناموں کا اور اضافہ کیا۔[1]

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے پانچ جلدوں میں ایک نہایت مفصل کتاب لکھی جس کا نام "اصابہ فی تمیز الصحابہ" رکھا اور اس میں ان تمام صحابہؓ کے علاوہ جو استیعاب' ذیل استیعاب اور اسد الغابہ میں مذکور ہیں اور بہت سے صحابہؓ کے حالات کا اضافہ کیا اور حافظ جلال الدین سیوطی نے "عین الاصابہ" کے نام سے اس کا ایک خلاصہ لکھا جو ناتمام رہا۔[2] لیکن بایں ہمہ ضبط و استقصاء یہ کل سرمایہ اس دریا کا صرف ایک قطرہ ہے جو مدتوں ریگستان عرب میں موجیں مارتا رہا' ابوزرعہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا آپ سے سنا ان کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی۔[3]

بہر حال صحابہؓ کے حالات میں سر دست جو کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ صرف یہی استیعاب' اسد الغابہ' اصابہ اور تجرید اسماء الصحابہ ہیں' لیکن ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں سے صحابہؓ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں' مثلاً حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں ان تمام صحابہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مصر میں قیام کیا ہے طبقات الحفاظ اور طبری میں بھی اکابر صحابہؓ کے حالات مذکور ہیں اور طبقات ابن سعد کی متعدد جلدوں میں بھی صحابہؓ کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

لیکن اب تک بار بار مشک کے رگڑنے کی ضرورت باقی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان

---

[1] مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ' مقدمہ اسد الغابہ و مقدمہ اصابہ۔۱۲ [2] کشف الظنون ذکر اصابہ و عین الاصابہ۔

[3] مقدمہ تجرید اسماء الصحابہ۔۱۲

کتابوں کے ذریعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگوں میں شوق عمل پیدا ہو اور اس مثال کو پیش نظر رکھ کر لوگ خود بخود اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور تجدید و اصلاح میں ہندوستان کے مجدد اعظم مولانا شبلی مرحوم کو جب مسلمانوں کی ترقی و اصلاح کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے اسی تریاق اکبر کو اس درد کا علاج قرار دیا اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب اس ترتیب و جامعیت کے ساتھ لکھے جائیں کہ دنیا کے سامنے معاشرت و اخلاق اور عبادات و معاملات کا بہترین عملی مجموعہ آ جائے چنانچہ ایک بار مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اس مقدس کام کے لیے آمادگی ظاہر کی تو یہ دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی اور ان کو ایک خط میں لکھا:

"واللہ میرے دل کی بات چھین لی' صحابہؓ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لیے نمونہ نہیں بن سکتی' لیکن ہر پہلو کو لیجئے اور ان پہلوؤں کو صاف دکھلائیے جن سے آج کل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں۔"

مفصلہ ذیل کتابیں اس کے لیے ضروری ہیں' استیعاب قاضی عبدالبر' اسد الغابہ اصابہ' ابن کثیر شامی"۔[1]

سیرت نبوی کی تدوین و تالیف میں مصروف ہوئے تو یہ ضرورت اور بھی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی اور عملاً اس کام کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا' چنانچہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ ریاست بھوپال کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سیرت کی رقم بھی مستقل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا' اس مد کی تصنیف کا مستقل سلسلہ قائم رہتا کانوں میں بھنک تو ڈال دیجئے وسیع سلسلہ ہے مثلاً سیر الصحابہ سیر ازواج پیغمبر علیہ السلام وغیرہ"۔[2]

---

[1] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۲۴۔ [2] مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۶۸۔

لیکن ابھی خود سیرت بھی مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

تاہم کاروان رفتہ کا نقش قدم باقی تھا' یعنی مولانائے مرحوم کے فرزندان روحانی باقی تھے اور ان کے غیر مختتم اعمال صالحہ کی تکمیل کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر چکے تھے' اس لیے انہوں نے سیرت نبوی کی تکمیل کے ساتھ سیر الصحابہ کی تدوین و تالیف کا کام بھی شروع کر دیا اور الحمد للہ کہ توفیق ایزدی نے ان کو اس ارادہ میں کامیاب کیا۔ اور مولانائے مرحوم نے اس کتاب کا جو ذہنی خاکہ قائم کیا تھا اسی کے مطابق کتاب کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا اور تین شخصیتوں نے اس مقدس کام میں شب و روز مصروف و سرگرم رہ کر مندرجہ ذیل طریقہ سے مکمل کیا۔

1. ایک شخص نے متعدد جلدوں میں مہاجرین کے حالات لکھے جس میں عشرۂ مبشرہ کے لیے ایک حصہ مخصوص کر لیا گیا اور بقیہ حصے عام مہاجرین کے حالات میں لکھے گئے۔
2. ایک شخص نے انصار کے حالات زندگی متعدد جلدوں میں لکھے' جس میں خلفائے انصار کے تذکرے بھی شامل ہیں۔
3. اسی سلسلے میں صحابیات کے حالات بھی ایک مستقل جلد میں لکھے جس میں مہاجرات اور انصاریات دونوں کے حالات ہیں۔
4. سادہ حالات زندگی کے علاوہ ایک جلد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد' عبادات' معاملات معاشرت' اخلاق و سیاست اور کارنامہائے زندگی کی تفصیل کی گئی اور یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو اس وقت قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

انبیاء صوفیاء اور پیشوایان مذہب کے متعلق جو مبالغہ آمیز اور موضوع روایتیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ قدرتی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی پیدا ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ اسلامی لٹریچر میں سرایت کر گئیں کہ عام طور پر فضائل و مناقب کے لفظ سے اسی قسم کی روایتوں کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے لیکن اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس قسم کی دوراز کار روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور تمام واقعات اسماء الرجال

اور تاریخ کی مستند کتابوں سے بہم پہنچائے گئے ہیں اور جہاں تک ہو سکا ہے تاریخ و رجال کی کتابوں کے علاوہ صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مدد لی گئی ہے۔

کتاب کی مقبولیت و عدم مقبولیت کا تمامتر دار و مدار خدا کے فضل و کرم' قوم کے مذہبی احساس اور ذوق صحیح پر ہے لیکن کتاب کی ترتیب میں جو کدو کاوش کی گئی ہے' صحت کا جو التزام کیا گیا ہے فضائل اخلاق کے جو عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے ایک ایک خدوخال کو جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے یہ دعویٰ بے جا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر آج تک ایسی جامع کتاب اردو فارسی کیا عربی میں بھی نہیں لکھی گئی' لیکن اس کتاب کی تدوین و تالیف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قوم سے صرف حسن قبول کا تمغہ حاصل کیا جائے' بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے قوم میں وہی اخلاقی مذہبی اور علمی روح پیدا کر دے جو صحابہ کرامؓ کے قالب میں موجود تھی' اس بنا پر اگر قوم نے اس حیثیت سے اس کتاب کا خیر مقدم کیا تو وہی اس ناچیز (کی) کوششوں کا صلہ ہوگا' جو اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں کی گئی ہیں۔

السعی منی و الاتمام من اللّٰہ.

عبدالسلام ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

مُقدّمہ

صحابی کی تعریف:

عہد رسالت میں بہت سے بزرگوں نے مدتوں جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا' بہت سے بزرگوں نے آپ کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی تھی' بہت سے بزرگوں نے آپ سے بکثرت احادیث کی روایتیں کی تھیں۔[1] بہت سے بزرگوں نے مسلمان ہو کر سن بلوغ میں آپ کو دیکھا تھا۔[2] بہت سے بزرگوں نے آپ کو قبل اسلام تو دیکھا تھا' لیکن بعد اسلام ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔[3] بہت سے لوگ گو عہد رسالت میں موجود تھے' لیکن ان کو آپ سے ملنے یا آپ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔[4] بہت سے لوگوں نے آپ کی زندگی میں تو آپ کو نہیں دیکھا' لیکن آپ کی وفات کے بعد ان کو آپ کا دیدار نصیب ہوا[5] اور ان کے علاوہ بہت سے بچے تھے جو آپ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حصول برکت کے لیے ان کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور آپ نے ان کا نام رکھا اور ان کو دعا دی[6] اب سوال یہ ہے کہ ان مختلف

---

1 مثلاً خلفائے راشدین اور تمام اکابر صحابہؓ۔ 2 مثلاً شرکائے حجۃ الوداع۔ 3 مثلاً ورقہ بن نوفل۔

4 مثلاً حضرت اویس قرنی اور احنف بن قیسؓ۔ 5 مثلاً ابن ابی ذویب الہندلی شاعر۔

6 مثلاً عبیداللہ بن الحارث بن نوفل' عبداللہؓ بن ابی طلحہ الانصاری اور محمد بن ابی بکر الصدیقؓ جو آپ کی وفات سے تقریباً تین مہینے پیشتر حجۃ الوداع کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔

الحیثیات بزرگوں میں کون لوگ ہیں جن پر لفظ صحابی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؟ اور وہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خطاب سے یاد کیے جا سکتے ہیں۔

① محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کو ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہو' کیونکہ عرف عام میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا ساتھی یا رفیق ہے تو اس سے صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ایک کافی زمانہ تک اس کی صحبت اٹھائی ہے جو لوگ کسی شخص کو محض دور یا قریب سے دیکھ لیتے ہیں اور ان کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملتا' ان کو عام طور پر اس کا رفیق و ساتھی نہیں کہا جاتا قاضی ابوبکر محمد بن الطیب کا قول ہے کہ باتفاق اہل لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو' اس لیے کہا جاتا ہے کہ میں نے ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی تک ایک شخص کی صحبت اٹھائی' اس لیے صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں پر صحبت کا اطلاق ہوسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عرفاً۔ صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اٹھائی ہو' عرفاً اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سنی ہو[1]

بلکہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ایک غزوات میں شرکت کا موقع ملا ہو اور کم از کم اس نے سال دو سال تک آپ ؐ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

② بعض لوگوں کے نزدیک صحابی صرف اس کو کہتے ہیں' جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہو۔

③ بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے صرف طویل صحبت کافی نہیں ہے' بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے آپ کی صحبت بغرض حصول علم و عمل

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۱۲

اختیار کی ہے' چنانچہ علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

قال ابو الحسين في المعتمد هو من طالت مجالسة له على طريق التبع له و الاخذ عنه امامن طالت بدون قصد الاتباع اولم تطل كالوا فدين فلا.[1]

''ابوالحسین نے معتمد میں کہا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ سے علم حاصل کیا ہو۔ جن لوگوں نے اس کے بغیر آپ کی طویل صحبت اٹھائی یا اس مقصد کو تو پیش نظر رکھا لیکن طویل صحبت نہیں اٹھائی مثلاً وفود میں آنے والے لوگ' تو وہ صحابی نہیں''۔

④ بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت بلوغ اور حالت صحت عقل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

⑤ بعض لوگوں کے نزدیک آپ کا دیکھنا بھی ضروری نہیں بلکہ ہر اس مسلمان کو صحابی کہہ سکتے ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھا' چنانچہ قاضی عبدالبر نے اپنی کتاب استیعاب میں اور ابن مندہ نے اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ میں اسی شرط کی بناء پر صحابہؓ کے ساتھ بہت سے ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آپ کے عہد میں موجود تھے مگر آپ کو دیکھا نہیں تھا' لیکن درحقیقت یہ لوگ صحابی نہ تھے بلکہ اس سے مقصود یہ تھا کہ اس زمانہ کے تمام لوگوں کے حالات کا استقصاء کر لیا جائے۔

⑥ محدثین کی ایک جماعت جس میں امام احمد' علی بن مدینی اور امام بخاری بھی شامل ہیں' صحابی کا خطاب صرف ان لوگوں کو دیتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت اسلام میں دیکھا ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنا بھی ضروری نہیں صرف آپ کی ملاقات کافی ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اندھے تھے اس لیے آپ کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے' لیکن بااین ہمہ ان کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے کیونکہ ان کو آپ کا شرف ملاقات حاصل تھا۔

---

[1] فتح المغیث ص ۳۷۱۔

ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ لغت کی رو سے ہر اس شخص کو صحابی کہہ سکتے ہیں جس نے زمانہ کی کسی ساعت میں ایک شخص کی صحبت اٹھائی ہے' امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ وہ شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپ کو صرف دیکھا وہ صحابی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جس مسلمان نے آپ کی صحبت اٹھائی یا آپ کو دیکھا وہ صحابی ہے۔[1]

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کے عہد مبارک میں پیدا ہو کر سن بلوغ کو نہیں پہنچے وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں:

ذکر اولئک فی الصحابة انما هو علی سبیل الا لحاق لغلبة الظن علی انه صلی الله علیه وسلم راٰهم.[2]

''صحابہ میں ان بچوں کا ذکر بالکل الحاقی ہے کیونکہ ظن غالب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا ہوگا''۔

لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہؓ کے گروہ میں داخل ہیں چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب ظفر الامانی میں لکھتے ہیں:

والمرجح هو دخوله فیهم نعم حدیثهم مرسل لکنه مرسل مقبول.[3]

''مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہؓ میں داخل ہیں البتہ ان کی حدیث مرسل ہے' لیکن وہ مرسل مقبول ہے''۔

اسی طرح جن لوگوں نے آپ کو بعد وفات دیکھا تھا وہ بھی صحابہ کی جماعت میں داخل نہیں' چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ اصابہ میں لکھتے ہیں:

و الراجح عدم الدخول.[4]

''قول راجح یہ ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں''۔

جو مسلمان آپ کے زمانے میں موجود تھے' لیکن ان کو آپ کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ بھی صحابی نہیں ہیں' چنانچہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے بزرگ ہیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ا ص ۱۲۔ [2] مقدمہ اصابہ ص ۵۔ [3] کتاب مذکور ص ۳۰۷۔ [4] مقدمہ اصابہ ص ۸۔

جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے آپ کو دیکھا تھا' لیکن اسلام لانے کے بعد ان کو آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی وہ بھی صحابی نہیں ہیں بلکہ ان کا شمار کبار تابعین میں ہے[1] اب ان اقوال کے مطابق صرف ان لوگوں کو صحابی کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ جنھوں نے ایک مدت تک آپ ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا ہے۔
۲۔ یا کم از کم ایک غزوہ میں آپؐ کے ساتھ شرکت کی ہے۔
۳۔ یا آپ ﷺ سے احادیث کی روایت کی ہے۔
۴۔ یا آپ ﷺ کی صحبت حصول علم و عمل کے لیے اختیار کی ہے۔
۵۔ یا مسلمان ہونے کے ساتھ آپ کو حالت بلوغ و حالت ثبات عقل میں دیکھا ہے یا آپ ﷺ سے ملاقات کی ہے[2]
۶۔ یا حالت اسلام میں محض آپ ﷺ کو دیکھا ہے یا ملاقات کی ہے۔

ان اقوال میں چھٹا یعنی آخری قول جمہور کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح اور عام مسلمانوں میں مقبول ہے کیونکہ یہ ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو شامل ہے جن سے احادیث کی روایت کی جا سکتی ہے' اور ان کو اسوۂ حسنہ بنایا جا سکتا ہے اس کے بعد پہلا یعنی اصولیین کا قول قابل اعتبار ہے' کیونکہ اس سے اگرچہ بہت سے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے صرف رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا' لیکن آپ کے فیض صحبت سے کافی زمانہ تک متمتع نہیں ہوئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے نکل جاتے ہیں تاہم اس کے ذریعے سے صحابیت کا ایک بلند معیار قائم ہوتا ہے اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شامل ہو جاتے ہیں ان کے علاوہ اور تمام اقوال درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں کیونکہ ان میں بعض اس قدر وسیع اور عام ہیں کہ عہد رسالت کا ہر مسلمان صحابہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور بعض اس قدر محدود

---

[1] ظفر الامانی ص ۳۰۸۔ [2] ''اور جس کا خاتمہ اسلام پر ہوا'' یعنی مرتے وقت وہ مسلمان تھے کیونکہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے مسلمان ہونے کے ساتھ یا حالت اسلام میں آپ کو دیکھا یا ملاقات کی مگر بعد میں وہ دین سے پھر گئے اور اسی حالت میں مر گئے۔ (خورشید)

ہیں کہ بہت سے کبار صحابہؓ کے گروہ سے نکل جاتے ہیں‘ اس کے علاوہ فضیلت کا دار و مدار صرف علم و عمل پر ہے‘ اصولیین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت پر اخذ مسائل اور روایت حدیث کے لحاظ سے نظر ڈالی اس لیے انہوں نے صرف اس شخص کو صحابی قرار دیا جس نے مدت تک آنحضرت ﷺ کا شرف صحبت حاصل کیا‘ لیکن جمہور کے نزدیک صحابیت کا معیار صرف زہد و تقدس ہے‘ اس لیے وہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں آپ کو دیکھا ہے‘ یا آپ سے ملاقات کی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد:

صحابہؓ کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے صحابہ کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا سخت مشکل ہے اور اس کو خود ان کتابوں کے مصنفین تسلیم کرتے ہیں‘ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری اسد الغابہ میں لکھتے ہیں:

و لو حفظوا ذلک الزمان لکانوا اضعاف من ذکره العلماء۔[1]

’’اگر خود صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے زمانے میں صحابہؓ کے نام محفوظ رکھتے تو ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی جس کو علماء نے بیان کیا ہے‘‘۔

البتہ احادیث کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد صحابہ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور آپ کی وفات تک صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم الشان جماعت تیار ہو گئی‘ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔

اکتبوا لی من تلفظ بالاسلام من الناس.

’’جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں‘ مجھے ان کا نام لکھ کر دو‘‘۔

اور جب اس حکم کی تعمیل کی گئی تو پندرہ سو مسلمانوں کی فہرست مرتب ہوئی[2] لیکن اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم کس موقع پر دیا گیا‘ اس لیے محدثین نے مختلف رائیں قائم کی ہیں‘ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ غالباً یہ حکم اس وقت دیا گیا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۔ [2] بخاری کتاب الجہاد باب کتابۃ الامام الناس۔

تھا' جب صحابہ جنگ احد کے لیے جا رہے تھے' ابن متین کے نزدیک یہ حکم غزوہ خندق میں دیا گیا تھا' داؤدی کے نزدیک یہ حدیبیہ کے زمانے کا واقعہ ہے اس کے بعد اس تعداد میں اوراضافہ ہوا چنانچہ فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے[1] اور فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب مسلمان ہو گیا تو یہ تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو گئی غزوۂ حنین میں خادموں اور عورتوں کے علاوہ بارہ ہزار[2] اور غزوہ تبوک میں ۳۰ ہزار مجاہد آپؐ کے ساتھ تھے[3] حجۃ الوداع میں جس کے ایک سال بعد آپ کا وصال ہوا ۴۰ ہزار صحابہ شریک تھے[4] غرض ۱۰ھ تک مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو۔[5] شرکائے حجۃ الوداع میں چار ہزار صحابہ کی مزید تعداد بھی شامل ہے[6] امام شافعی کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا' تو ساٹھ ہزار مسلمان موجود تھے جن میں تیس ہزار خاص مدینہ میں اور تیس ہزار مدینہ سے باہر اور مقامات میں تھے' ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ آپ کی وفات کے وقت جن لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ سے حدیث سنی ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی[7] جن میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے' اور ان میں ہر ایک نے آپ سے روایت کی تھی[8] ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے یہ تعداد صرف ان لوگوں کی بتائی ہے جو رواۃ حدیث میں تھے' لیکن ان کے علاوہ صحابہؓ کی جو تعداد ہو گی وہ اس سے کہیں زیادہ ہو گی[9] بہر حال اکابر صحابہؓ کے نام ان کی تعداد اور ان کے حالات تو ہم کو صحیح طور پر معلوم ہیں' لیکن ان کے علاوہ ہم اور صحابہ کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے' اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں مشاغل دینیہ نے صحابہ کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ اپنی تعداد کو محفوظ رکھیں[10] اس کے علاوہ اکثر صحابہ صحرا نشین بدوی تھے' اس لیے ایسی حالت میں ان کا گمنام رہنا ضروری تھا۔[11]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔ [2] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۔ [3] طبقات ابن سعد ذکر غزوۂ تبوک۔ [4] مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۵۱۔ [5] مقدمہ اصابہ ص ۹۔ [6] ایضاً ص ۱۲۷۔ [7] تجرید جلد ۱ ص ۳۔ [8] مقدمہ اصابہ ص ۳۔ [9] ایضاً۔ [10] مقدمہ اسد الغابہ ص ۳۔
[11] مقدمہ اصابہ ص ۴

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شناخت:

جن بزرگوں کی نسبت صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اس کی صحت کی دلیلیں اور علامتیں یہ ہیں کہ:

(۱) ان کا صحابی ہونا بطریق تواتر ثابت ہو' مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۲) ان کے صحابی ہونے کا ثبوت اگر تواتر کے درجہ تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم بطریق روایت مشہور ان کا صحابی ہونا ثابت ہو' حضرت عکاشہ بن حصن رضی اللہ عنہ' حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا صحابی ہونا اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) جن صحابہ کا صحابی ہونا یقینی طور پر ثابت ہے' ان کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے' مثلاً ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فلاں شخص کے ساتھ حاضر ہوا یا آپ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو کی اس شخص کے صحابی ہونے کی دلیل ہے' بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۴) اسی طرح ثقات تابعین کی شہادت سے بھی اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

(۵) چونکہ روایات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عہد خلافت میں صرف صحابہ ہی امیر العسکر بنائے جاتے تھے' اس لیے اگر غزوات و فتوحات میں کسی کی نسبت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ امیر بنایا گیا' تو اس سے بھی صحابیت ثابت ہو جائے گی۔

(۶) روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہؓ کے گھروں میں جب بچے پیدا ہوتے تھے تو وہ تبریک و تحنیک کی غرض سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرتے تھے' اس لیے جن بچوں کی نسبت روایات سے یہ ثابت ہو جائے' ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۷) روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے' اس لیے جن لوگوں کی نسبت یہ ثابت ہو

جائے کہ وہ اس وقت موجود تھے' ان کا صحابی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۸) لیکن اگر کوئی شخص بذات خود صحابی ہونے کا مدعی ہو' اور اس کے دعویٰ کی صحت کے لیے متذکرہ بالا دلیلوں میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس کی نسبت محدثین کی مختلف رائیں ہیں:

(۱) بعض محدثین کا خیال ہے کہ چونکہ وہ خود اپنے لیے ایک شرف کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا۔

(۲) بعضوں کے نزدیک اگر وہ نہایت مختصر اور محدود صحبت کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا' کیونکہ بہت سی گھڑیاں ایسی ہوتی تھیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہتے تھے' اس لیے اگر اس حالت میں کسی نے آپ سے ملاقات کی ہو' یا آپ کو دیکھا ہو تو اس کا ثبوت کسی دوسرے صحابی کی شہادت سے بہ مشکل ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مدتوں آپ کی صحبت اٹھائی ہے اور مدتوں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا ہے تو اس کا یہ دعویٰ مقبول نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کو عام طور پر لوگ آپؐ کے پاس دیکھتے رہے ہوں گے' اس لیے جب تک اس کی صحابیت نقل صحیح اور روایت عامہ سے ثابت نہ ہو جائے' اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۴) لیکن محدث ابن عبدالبر نے اس معاملہ میں بہت زیادہ فیاضی کی ہے' اور دو شرطوں کے ساتھ اس قسم کے اشخاص کے دعوؤں کو مطلقاً مقبول قرار دیا ہے' ایک یہ کہ اس دعوے سے پہلے اس شخص کا عادل' ثقہ اور مقبول الروایۃ ہونا ثابت ہو' دوسرے یہ کہ خارجی قرائن اس کے دعوے کی تکذیب نہ کرتے ہوں' مثلاً ہجرت کی ایک صدی گزرنے کے بعد اگر کوئی شخص دوسری صدی کے دسویں سال صحابی ہونے کا مدعی ہو تو اس کا دعویٰ مردود قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہو گیا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے تک صحابہؓ کا دور گزر جائے گا اور اس کے بعد کوئی صحابی باقی نہ رہے گا۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک شخص رتن ہندی گزرا ہے جس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تھا' لیکن محدثین نے اس کو دجال اور کذاب قرار دیا۔

صحابہؓ کی عدالت:

اگر چہ اصول کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ "الصحابۃ کلہم عدول" یعنی تمام صحابہ عادل ہیں لیکن شافعیہ میں ابو الحسین بن القطان نے اس عموم سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ میں چند بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں جن سے کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔ مثلاً ولیدؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے شراب پی ہے' حاطب بن ابی بلتعہؓ صحابی تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے منشاء کے خلاف کفار مکہ کو خط لکھا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ خانہ جنگی کے زمانے سے پہلے گو تمام صحابہ عادل تھے' لیکن جب خود صحابہ میں خانہ جنگی پھیل گئی اور صفین و جمل کے معرکے گرم ہوئے تو ان لوگوں کی عدالت قابل بحث و تحقیق ہو گئی' معتزلہ کے نزدیک جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ عادل نہیں رہے' لیکن جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار ہیں وہ اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں[1] محدث مازری نے عدالت کو صرف ان صحابہ کے لیے مخصوص کیا ہے' جو شب و روز رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ کی اعانت میں مصروف رہتے تھے۔ اس لیے ان کے نزدیک ہر صحابی عادل نہیں ہے چنانچہ ان کا قول ہے کہ:

لسنا نعنی بقولنا "الصحابة عدول" کل من رای صلی الله علیه واله وسلم یوما ما اوزاره لمما او اجتمع به لغرض و انصرف عن کثب و انما نعنی به الذین لا زموه و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون.[2]

"ہم جو یہ کہتے ہیں کہ "صحابہ عدول ہیں" تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ شخص جس نے آپ کو کسی دن دیکھ لیا یا چلتے پھرتے آپ کی زیارت کر لی یا کسی غرض سے آپ کی ملاقات کر کے تھوڑی دیر کے بعد واپس گیا عادل ہے' بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے' آپ کی تائید و اعانت کی' اور اس نور کا اتباع کیا جو آپ کے ساتھ اتارا گیا' یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں"۔

---

[1] فتح المغیث ص ۳۷۷۔ [2] مقدمہ اصابہ ص ۱۱

لیکن عام محدثین کے نزدیک ان آیات کی بنا پر جو قرآن مجید میں عموماً تمام صحابہ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں' یہ خصوصیت تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پائی جاتی ہے اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ اس میں صحابہ کا ہر فرد داخل ہے' اور جو لوگ اس اصول کی ہمہ گیری کے مخالف ہیں انہوں نے عدالت کے مفہوم پر غور نہیں کیا ہے' عدالت ایک مشترک لفظ ہے۔ جس کے مختلف معنی ہیں' مثلاً:

① کبھی عدالت کو جور و ظلم کے مقابل میں بولا جاتا ہے' اور اس وقت یہ لفظ انصاف کا مترادف ہو جاتا ہے۔

② کبھی فسق و فجور کے مقابل میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس وقت یہ لفظ تقویٰ کا ہم معنی ہوتا ہے۔

③ کبھی یہ لفظ صرف عصمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ وصف صرف انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

④ کبھی یہ لفظ گناہوں سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتا ہے' اور نتائج کے لحاظ سے اگرچہ اس میں اور عصمت میں کوئی فرق نہیں تاہم عصمت ایک ملکہ فطری و وہبی ہے' اور گناہوں سے محفوظ رہنا ایک ملکہ کسبی ہے' اسی بناء پر انبیاء کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہا جاتا ہے۔

⑤ کبھی عدالت کے معنی روایت حدیث میں جھوٹ سے بچنے کے ہوتے ہیں اور اس معنی میں عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو روایت حدیث میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔

لیکن یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ کوئی کام انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا۔ وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں۔ یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی روایت کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا' چنانچہ ابن الانباری کا قول ہے کہ:

لیس المراد بعدالتهم ثبوت العصمة لهم و استحالة المعصية منهم و انما المراد قبول روایاتهم من غیر تکلف البحث عن اسباب العدالة و طلب

التزکیة الا ان یثبت ارتکاب قادح لم یثبت ذلک.

''ابن انباری کا قول ہے کہ صحابہ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہ بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے' بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کی روایتوں کو اسبابِ عدالت و ثقاہت کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہیے' بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قادح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے''۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں:

اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کل کے کل عادل ہیں یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف عدالت فی روایة الحدیث مراد ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں ہے' اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں جھوٹ سے بچنا ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہ کی سیرت کو خوب ٹٹولا' یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کیا جو خانہ جنگیوں فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں' اور اس سے شدت کی ساتھ احتراز کرتے ہیں''۔[1]

صحابہ رضی اللہ عنہم کے طبقے:

مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے صحابہؓ کے مختلف طبقے ہیں' چنانچہ قلت و کثرتِ روایت کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کیے گئے ہیں' لیکن فضائل و مناقب کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

تمام صحابہؓ سے افضل ہیں' اور خلفاء میں بھی بہ ترتیب خلافت مدارج فضیلت قائم ہوئے ہیں۔ خلفاء کے بعد'

---

[1] ظفر الامانی ص ۳۱۱۔۳۱۲۔۳۱۳۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن:

افضل ہیں اور ان دونوں کے بعد فضیلت کی ترتیب یہ ہے۔

مہاجرین اولین رضی اللہ عنہم:

لیکن ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔

اہل عقبہ:

مہاجرین اولین کے بعد اہل عقبہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

اہل بدر:

اہل عقبہ کے بعد شرکائے بدر کا درجہ ہے۔

اہل مشاہد:

اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل مشاہد کو فضیلت حاصل ہے' یعنی جو غزوہ پہلے ہوا ہے اس کے شرکا ان صحابہ سے افضل ہیں جو اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

﴿ لاَ یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدِ وَ قَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰی ﴾ (حدید : ۱)

''تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہِ خدا میں مال) خرچ کیے' اور (دشمنوں سے) لڑے وہ درجہ میں ان (مسلمانوں) سے بڑھ کر ہیں' جنہوں نے (فتح مکہ) کے پیچھے (مال) خرچ کیے اور لڑے' اور (یوں) حسن سلوک کا وعدہ (تو) اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثت سے شروع ہو کر پہلی صدی کے آخر تک ختم ہو گیا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ معجزانہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے:

فان راس مائة سنه لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد.

''جو لوگ آج روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے سو سال کے بعد کوئی باقی نہ رہے گا''۔
لیکن ان مبہم الفاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکا ہوا' اور وہ یہ سمجھے کہ سو سال کے بعد قیامت آ کر تمام دنیا ہی کا خاتمہ کر دے گی' حالانکہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے سب فنا ہو جائیں گے [1] اور نسل انسانی کا یہ مخصوص دور ختم ہو جائے گا۔ اور جہاں تک عہد صحابہ کا تعلق ہے' واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں' چنانچہ مدینہ کے صحابہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ آخری صحابی ہیں جنہوں نے باختلاف روایت ۸۸ھ میں ۹۶ سال یا ۹۱ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی' وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر میں مر جاؤں تو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ملے گا'' [2]

بصرہ کے صحابہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آخری صحابی تھے جنہوں نے باختلاف روایت ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۳ سال کی عمر میں وفات پائی' [3] خود ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی باقی ہے یا نہیں؟ تو بولے کہ ''دیہات کے چند بدو البتہ باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے' لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے' جس نے آپ کی صحبت اٹھائی ہو'' [4]
لیکن ان سب میں حضرت ابوالطفیل عامر رضی اللہ عنہ بن واثلہ سب سے آخری صحابی تھے جنہوں نے ۱۱۰ھ میں مکہ میں وفات پائی' وہ خود کہا کرتے تھے کہ آج میرے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ [5]
بہرحال حدیث صحیح اور عام روایات کی رو سے پہلی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور مبارک ختم ہو گیا۔ اور اب صرف ان کے اعمال صالحہ باقی رہ گئے ہیں اور اس کتاب میں ہم انہیں اعمال صالحہ کی تفصیل کرتے ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء۔
[2] استیعاب تذکرہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت انس بن مالکؓ۔
[4] مقدمہ ابن صلاح باب ۳۹ ص ۱۴۸۔ [5] استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیلؓ۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم. نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم

اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم

قبولِ اِسلام

لطافتِ طبع' رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت' تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے' پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں' لیکن تناور درختوں کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے' شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے' بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے' ایک لطیف الطبع رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے' لیکن سنگدل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے' اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے' کفار میں ہم کو بہت سے اشقیا کا نام معلوم ہے۔ جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات' آپ کے مواعظ و نصائح' شکل و شباہت' دعاۃِ اسلام کی تعلیم' ہدایت و ارشاد اور معجزات و آیات غرض ہر مؤثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور بطوع و رضا اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید کا اثر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل نورِ ایمان سے لبریز ہو گیا[1] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے[2]

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] صحیح مسلم فضائل ابوذرؓ۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (نحل: ۱۳)

''خدا عدل' احسان اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری' برائی اور ظلم سے روکتا ہے' وہ اس لیے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کرلو''۔

توان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

فذلک حین استقر الایمان فی قلبی و احببت محمدا.[1]

''یہی وہ وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے لگا''۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیتیں سنیں:

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴾

''کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں' کیا آسمان و زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبرؐ) کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ سربراہ کار ہیں''۔

تو وہ خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا[2] حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے[3] طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ آیت سنی:

﴿ وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ﴾ ''آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم''۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۳۱۸۔ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور۔

[3] استیعاب وطبقات ابن سعد تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ۔

تو اسی وقت پوری سورۃ کو یاد کر لیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔[1]

اشخاص سے الگ صحابہ کی جماعت کی جماعت قرآن مجید کے اثر سے متاثر ہوئی اور اسلام لائی مثلاً حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دعوتِ اسلام دی' اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔[2]

قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔[3]

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر:

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ نے اس کا سوال پورا کیا' اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آ کر کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگدست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔[4]

ایک یہودی عالم نے جب آپ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا اور پکڑا کہ ظہر کی نماز سے لے کر فجر تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو سخت دھمکیاں دیں' لیکن آپ نے فرمایا خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے' دن چڑھا تو وہ اسلام لایا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے' اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ توراۃ میں آپ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں[5] ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر آئے تھے لیکن جب آپ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا' تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام' داعی اسلام اور

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۲۵۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ ابوسلمہؓ بن عبد الاسد۔ [3] ترمذی کتاب التفسیر' تفسیر سورۃ روم۔ [4] مسلم کتاب الفضائل باب ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیاء قط فقال لا وکثرت عطاء

[5] مشکوۃ کتاب الفتن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔[1]

مواعظ نبوی ﷺ کا اثر:

ایک بار حضرت ضماد رضی اللہ عنہ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے۔ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ "میں جنون کا علاج کرتا ہوں" آپؐ نے ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے[2] حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی آپ کے رضائی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا ہے تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ "لوگوں کو مر کر پھر جینا ہو گا" انہوں نے آپؐ سے کہا بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا: "اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا"۔ وہ فوراً مسلمان ہو گئے' اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا' کہا کرتے تھے کہ "میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا"۔[3]

شمائل نبوی ﷺ کا اثر:

بعض صحابہؓ نے صرف آپ ﷺ کی شکل وصورت ہی دیکھ کر آپ کی نبوت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپؐ پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے اور بالآخر علانیہ اسلام قبول کر لیا۔[4] حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو آپ کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ:

وجهه ليس بوجه كذاب.[5] "جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہو سکتا"۔

دعاۃ اسلام کا اثر:

صحابہ میں بکثرت دعاۃ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے۔ متعدد صحابہؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اثر سے اسلام قبول کیا۔ یمن کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد و ہدایت سے اسلام لائے' حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا' قبیلہ ہمدان حضرت عامر بن شہر رضی اللہ عنہ کے اثر سے اسلام لایا' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا' غرض احادیث وسیر میں اس قسم کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب ربط الاسیر۔ [2] مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔
[3] اصابہ تذکرہ حضرت حارثؓ بن عبدالعزیٰ۔ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب یستجن بالامام فی العہود۔
[5] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۹۔

بکثرت واقعات مذکور ہیں اور اشاعتِ اسلام کے عنوان میں ان کی تفصیل آئے گی۔

معجزات کا اثر:

ایک سفر میں صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی' آپؐ نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا' یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں' ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے ایک برتن منگوایا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیئے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہ آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے۔ لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آ کر بیان کیا کہ خدا کی قسم آسمان و زمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبرؐ ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور چند غیبی امور کے متعلق سوالات کیے' آپؐ نے ان کے جوابات دیئے تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔[2]

فتح مکہ کا اثر:

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہ داخل ہیں۔ متذکرۂ بالا اسباب سے اسلام قبول کیا' تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کر رہی تھی اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو عام اہل عرب نے بطوع و رضا خود بخود اسلام قبول کر لیا' صحیح بخاری میں ہے:

و کانت العرب تلوم باسلامهم الفتح' فیقولون اترکوه و قومه فانه ان ظهر علیهم فهو نبی صادق فلما کانت وقعة اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم.[3]

''تمام عرب اپنے اسلام کے لیے فتح مکہ کا منتظر تھا' وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو اپنی قوم سے نپٹ لینے دو۔ اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے''۔

---

[1] بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء۔ [2] بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینہ مع فتح الباری۔ [3] بخاری کتاب المغازی ذکر فتح مکہ۔

قوتِ ایمان

طمع وترغیب سے برگشتہ از اسلام نہ ہونا:

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر مفلوک الحال تھے کہ افلاس کی وجہ سے بعض مسلمان خاندانوں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا[1] لیکن مخالفین اسلام یعنی یہود و کفار دولت و ثروت سے مالا مال تھے بالخصوص یہود کے پاس یہ ایک ایسا زریں آلہ تھا کہ جس کے ذریعہ سے وہ صحابہ کی روحانی طاقت پر زد لگا سکتے تھے۔ اس افلاس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صدقہ و زکوۃ بھی ادا کرنا پڑتا تھا اور بظاہر یہ ایک ایسا بار تھا جس سے سبکدوش ہونے کے لیے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام سے برگشتہ ہونے کی ترغیب دی جاسکتی تھی' چنانچہ جب محمد ابن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف سے حیلۃً گرانباری صدقہ کی شکایت کی اور اس غرض کے لیے اس سے قرض لینا چاہا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے کہا: ''تم محمدؐ سے گھبرا اٹھو گے''[2] اس کے ساتھ صحابہ کو اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اس حالت میں ان سے نجات دلانے کا وعدہ ایک ضعیف الایمان دل کو ڈانواں ڈول کر سکتا تھا' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں سے کسی چیز کے اثر کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کی قوت ایمان نے یہودیوں کی مالی ترغیبات کو اس قدر بے اثر کر دیا کہ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ جس یہودی تاجر سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے' جوش اسلام میں خود اسی کو قتل کر دیا جس پر ان کے بڑے بھائی نے جواب تک کافر تھے ان کو یہ طعنہ دیا کہ ''او خدا کے دشمن! تیرے پیٹ کی کل چربی اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے''[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب السلف فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف۔ [3] ابوداؤد کتاب الخراج باب کیف کان اخراج الیہود من المدینہ۔

مصیبتوں سے نجات دلانے کی توقعات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بے پروائی کے ساتھ ٹھکرا دیا کہ جب غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے اور آپ کے حکم سے تمام صحابہؓ نے ان سے معاشرتی تعلقات منقطع کر لیے تو شاہ غسان نے ان کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کیا ہے۔ لیکن خدا تم کو ذلت اور کسمپرسی کی زمین میں نہ رہنے دے گا' آؤ اور ہم سے مل جاؤ' ہم اپنے مال کے ذریعہ تمہاری غم خواری کریں گے" لیکن انہوں نے اس خط کو خود تنور میں ڈال دیا اور حسرت سے کہا "اِنَّا لِلّٰہِ اب کفار مجھ کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے" [1]

انسان دوسروں کے مال دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے' لیکن خود اپنے ذاتی مال و جائیداد کو نہیں چھوڑ سکتا' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مال و جائیداد کو بھی اسلام پر قربان کر دیا اور ان میں کسی چیز کی محبت ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکی' عاص بن وائل پر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اجرت باقی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اس کا تقاضہ کیا تو ملعون نے کہا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار نہ کرو گے نہ دوں گا' لیکن انہوں نے کہا کہ "یہ تو قیامت تک بھی نہ ہو گا" [2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی تو اپنے تمام مال و متاع کو خیر باد کہا' اور وراثت سے جو مال ملتا اس سے اس لیے محروم ہو گئے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن ان چیزوں میں ایک چیز بھی ان کے رشتہ ایمان کو ڈھیلا نہ کر سکی۔ ہجرت کرنے کے بعد بھی ابتلا و امتحان کے مختلف مواقع پیش آئے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عارضی فوائد کے لیے اپنے عقائد کے اظہار میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کی چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبش کو گئے تو نجاشی کے ظلِ عاطفت میں نہایت امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے' لیکن قریش کو یہ گوارا نہ ہوا اور انہوں نے دو ممتاز آدمیوں کو مکہ کے بہترین تحائف و ہدایا کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ نجاشی کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ صحابہ کو مکہ میں واپس بھیج دے' قریش کی بڑی خواہش یہ تھی کہ نجاشی اور صحابہؓ کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہ ہونے پائے لیکن نجاشی نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ جب تک میں اس معاملہ کے متعلق ان سے

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک مع فتح الباری۔ [2] بخاری کتاب التفسیر' تفسیر کھیعص

گفتگو نہ کرلوں گا ان کو واپس نہیں کرسکتا۔ اس غرض سے اس نے صحابہ کو طلب کیا اور صحابہؓ نے باہمی مشورہ سے یک زباں ہو کر کہا کہ نتیجہ جو کچھ بھی ہو لیکن ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہم کو یقین ہے اور جس کا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے چنانچہ اس قرار داد کے بموجب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اسلام کی پاک تعلیمات کو نجاشی کے سامنے بیان کیا تو اس پر نہایت عمدہ اثر پڑا اور کفار کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اب انہوں نے نجاشی کو اشتعال دلانے کے لیے دوسری تدبیر اختیار کی اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں یعنی ان کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں خود ان کو بلا کر پوچھ لے"۔

صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ اس سوال کا کیا جواب دیا جائے گا؟ سب نے کہا کہ "جو کچھ بھی ہو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کہیں گے جو خدا نے کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے" نجاشی ایک عیسائی بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں آدمیوں نے اس سوال پر اس کو آمادہ کیا تھا لیکن جب اس نے سوال کیا تو صحابہؓ نے صاف صاف کہا کہ "وہ خدا کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں"۔ اب نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ "اس کے سوا عیسیٰ بن مریم اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں"۔[1]

تحمل شدائد:

ضعیف القلب انسان مصائب کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کفار نے لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا' لڑکے ان کو مکہ کے پہاڑوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ لیکن ان کے قوتِ ایمان نے کسی قسم کا ضعف نہیں[2] پایا' حضرت خباب رضی اللہ عنہ ام انمار کے غلام تھے' وہ اسلام لائے تو ام انمار نے لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا' ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیٹھ دیکھی' تو کہا کہ آج تک ایسی پیٹھ میری نظر سے نہیں گزری' حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "کفار

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اوّل ص ۲۰۲۔ [2] سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فضل سلیمان وابی ذر والمقداد۔

نے انگاروں پر لٹا کر مجھ کو گھسیٹا تھا"۔[1] حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کفار لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔[2]

کفار حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بیڑی ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے' پھر پشت پر پتھر کی چٹان رکھ دیتے' یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہو جاتے' ایک دن امیہ نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں کو ان کے گھسیٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا' اتفاق سے راہ میں ایک گبریلا جا رہا تھا امیہ نے استہزاء کہا "تیرا پروردگار یہی تو نہیں؟" بولے "میرا اور تیرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے" اس پر اس نے زور سے ان کا گلا گھونٹا لیکن اس کے بیدرد بھائی کو جو اس وقت اس کے ساتھ تھا اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور اس نے کہا کہ "اس کو اور اذیت دو"۔[3]

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں ایک دن کفار نے ان کو دھوپ میں لٹا دیا تھا' اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو فرمایا "صبر کرو صبر' تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے" لیکن ابوجہل کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی' اور اس نے برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا' چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا"۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا' لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی۔[5]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب خانہ کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے زمین پر لٹا دیا۔[6]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اوّل اوّل خانہ کعبہ میں قرآن مجید کی چند آیتیں بآواز بلند پڑھیں تو کفار نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرے پر نشان پڑ گئے' لیکن انہوں

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ خباب بن ارتؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ صہیب رضی اللہ عنہ۔ [3] ایضاً تذکرہ ابوفکیہ رضی اللہ عنہ۔
[4] اسد الغابہ تذکرہ سمیہؓ۔ [5] ایضاً تذکرہ عمرؓ۔ [6] مسلم کتاب مناقب فضائل حضرت ابوذر غفاریؓ۔

نے صحابہؓ سے کہا کہ "اگر کہو تو کل پھر اسی طرح بآواز بلند قرآن کی تلاوت کر آؤں"۔[1]

ان اذیتوں کے علاوہ کفار ان غریبوں کو اور بھی مختلف طریقوں سے ستاتے تھے۔ پانی میں غوطے دیتے تھے' مارتے تھے' بھوکا پیاسا رکھتے تھے' یہاں تک کہ ضعف سے بیچارے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔[2]

یہ وہ لوگ تھے جن میں اکثر یا تو لونڈی غلام تھے یا غریب الوطن لیکن ان کے علاوہ بہت سے دولتمند اور معزز لوگ بھی کفار کے دست تطاول سے محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت معزز شخص تھے لیکن جب اسلام لائے تو خود ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ دیا۔[3]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا۔ پھر نیچے سے ان کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسیوں میں باندھ دیا۔[5]

حضرت عیاش بن ابی رضی اللہ عنہ ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو کفار نے دونوں کے پاؤں کو ایک ساتھ باندھ دیا۔[6]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ایک تقریر کے ذریعہ سے دعوت اسلام دی' کفار نے یہ نامانوس آواز سنی تو ان پر دفعتہً ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم کو ان کی موت کا یقین آ گیا اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا اب خاندان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے' لیکن ان کو اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی رہی' بالآخر لوگوں نے ان کو آپ تک پہنچا دیا' آپ نے یہ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ۔ [2] ایضاً تذکرہ عمارؓ۔ [3] طبقات ابن سعد ترجمہ عثمان بن عفان۔
[4] ریاض النضرہ للمحب الطبری تذکرہ حضرت زبیر بن عوامؓ۔ [5] بخاری کتاب الاکراہ باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر۔ [6] طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولید۔

حالت دیکھی تو ان کے اوپر گر پڑے ان کا بوسہ لیا اور سخت رقت طبع کا اظہار فرمایا۔[1]

صبر و استقامت کی یہ بہترین مثالیں تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خود اہل کتاب تک ان کے معترف تھے' چنانچہ استیعاب میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام میں گئے تو ایک اہل کتاب نے ان کو دیکھ کر کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام کے وہ اصحاب جو آروں سے چیرے اور سولی پر لٹکائے گئے ان سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والے نہ تھے۔[2]

قطع علائق:

انسان مال و دولت سے بے نیاز ہو سکتا ہے' اگر عزم و استقلال سے کام لے تو ابتلاء و امتحان پر بھی صبر کر سکتا ہے' لیکن ماں باپ' بھائی' بہن' اعزہ و اقارب اور اہل و عیال کے تعلقات کو منقطع نہیں کر سکتا' یہی لوگ غربت و افلاس کی حالت میں اس کی دستگیری کرتے ہیں۔ تکلیف و مصیبت میں تسکین دیتے ہیں' عیش و عشرت میں لطف زندگی بڑھاتے ہیں۔ غرض کسی حالت میں ان کے تعلقات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' لیکن جو لوگ اپنا رشتہ صرف خدا سے جوڑتے ہیں ان کو کبھی کبھی یہ رشتہ بھی توڑنا پڑتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو حالات نے ان کو اس رشتے کے توڑنے پر مجبور کیا اور ایمان و اسلام کے لیے انہوں نے آسانی کے ساتھ اس کو گوارا کر لیا' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی ماں نے قسم کھا لی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے وہ ان سے نہ بات چیت کریں گی نہ کھانا کھائیں گی نہ پانی پئیں گی' چنانچہ انہوں نے یہ قسم پوری کی یہاں تک کہ تیسرے دن کے فاقہ میں بے ہوش ہو گئیں[3] لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور انہوں نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تمہارے قالب میں ہزار جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی میں اپنے اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔[4]

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے باپ نے ان کو سخت سرزنش

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ ام الخیر۔ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۶۔ [3] مسلم کتاب المناقب سعد بن ابی وقاصؓ۔
[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔

کی' کوڑے مارے' قید کیا' کھانا پینا بند کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نہ چھوڑی اور آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے' اب ان کے باپ کو اور بھی رنج ہوا اور کہا کہ مجھے ان صابیوں سے الگ ہو جانا پسند ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ اپنے باپ دادا اور معبودوں کے معائب سنوں' چنانچہ وہ طائف کے ایک مقام میں جہاں ان کی کچھ جائیداد تھی چلے گئے۔[1]

دین و ایمان کے معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف معاشرتی بے تعلقی کو گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو اعزہ و اقارب کے رشتہ حیات کے منقطع کر دینے میں بھی تامل نہ ہوا' ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی سلول نے انصار کو مہاجرین کے خلاف اشتعال دلایا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں"۔[2]

عتبہ غزوہ بدر میں شمشیر بکف میدان میں آیا تو مقابلے کے لیے اس کے لختِ جگر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے' چنانچہ عتبہ کی بیٹی ہند نے اس پر ان کی ہجو میں یہ اشعار لکھے ۔

فما شکرت اباباك من صغر حتی شببت شبابا غیر محجون

تو نے اس باپ کا شکر ادا نہیں کیا۔ جس نے تجھے لڑکپن میں پالا یہاں تک کہ تو جوان ہوا۔

الاحول الا ثعل المشئوم طائره ابو حذیفة شر الناس فی الدین

او! احول' کج دندان' بد بخت۔ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو مذہبی حیثیت سے بدترین شخص ہے۔[3]

اسی غزوہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (اس وقت وہ کافر تھے) صفِ جنگ سے نکلے تو ان کے والد بزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کیا۔[4]

اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم علی کو ان کے بھائی عقیل کی گردن مارنے کا حکم دیجئے اور مجھ کو میرے ایک عزیز کو حوالہ کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں"۔[5] یہود بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے[6] اور عرب میں

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمرو بن سعید و خالد بن سعیدؓ۔ [2] استیعاب تذکرہ عبداللہ بن ابی سلول
[3] استیعاب تذکرہ ابوحذیفہؓ۔ [4] ایضاً تذکرہ عبدالرحمٰنؓ۔ [5] مسلم کتاب الجہاد باب الامداد فی الملئکہ فی غزوہ بدر و اباحۃ الغنائم۔ [6] اسد الغابہ تذکرہ سعد بن معاذ و طبقات ابن سعد ذکر غزوہ بنو قریظہ۔

حلیفوں میں بالکل برادرانہ تعلقات پیدا ہو جاتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر رکھ دیا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے تو انہوں نے اس تعلق کی کچھ پرواہ نہ کی اور بے لاگ فیصلہ کر دیا کہ لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال واسباب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔[1]

صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ "کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو"۔

اور اس کے ذریعہ سے صحابہ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافرہ عورتیں ہیں ان کو چھوڑ دیں[2] تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ بہت سی صحابیات اپنے اپنے شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے دین سے برگشتہ نہ ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما نعلم ان احدا من المهاجرات ارتدت بعد ايمانها۔[3]

"ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں ہوا جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو"۔

اعزہ و اقارب کے علاوہ قبائل کی یکجہتی بھی عرب کی سب سے بڑی طاقت تھی' لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کے لیے قبیلہ کے تعلق کو بھی منقطع کر دیا' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے تمام تعلقات منقطع کر لیے اور کہا کہ "مجھ پر تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات چیت کرنا حرام ہے"[4] لیکن ان تمام واقعات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قساوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی اور اسی سنگدلی کی وجہ سے انہوں نے تمام اعزہ و اقارب سے تعلقات منقطع کر لیے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس اسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبہ محبت کو اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا تھا' اس لیے جب وہ اپنے اعزہ و اقارب بالخصوص اپنی اولاد اور اپنی شریک زندگی بی بی کو دیکھتے

---

[1] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ بنو قریظہ۔ [2] بخاری کتاب التفسیر سورہ ممتحنہ۔
[3] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذؓ۔

تھے کہ وہ کفر کی بدولت جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں تو فطری محبت کی بناء پر ان کا دل جلتا تھا اور وہ سخت اضطراب کی حالت میں خدا سے دعا کرتے تھے کہ:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا.

''اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں (کی طرف) سے اور ہماری اولاد (کی طرف) سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا''۔

یعنی ہماری ہی طرح ہماری بیبیوں اور بچوں کو بھی ایمان و اسلام کی دولت عطا کر اور وہ اس معاملہ میں ہماری پیروی کریں تا کہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم پرہیزگاروں کے پیشوا بن سکیں۔[1]

ہجرت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے لیے جو مصائب برداشت کیے' ان میں ہجرت کی داستان نہایت دردانگیز ہے' خود حدیث شریف میں آیا ہے:

ان الهجرة شانها شديد.[2] ''ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہمیشہ مصائب برداشت کرنے کے خوگر تھے' وہ بھی اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکے' چنانچہ ایک بدو مدینہ میں ہجرت کر کے آیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی' سوئے اتفاق سے اسلام لانے کے بعد اس کو بخار آ گیا اس لیے اس نے اصرار کے ساتھ بیعت فسخ کرالی' اس موقع پر آپ ؐ نے فرمایا:

انما المدينة كالكير تنفي خبثها و تنصع طيبها.[3]

''مدینہ سنار کی بھٹی کے مثل ہے جو میل کچیل کو باہر پھینک دیتی ہے اور خالص سونے کو الگ کر دیتی ہے''۔

یہ زر خالص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے' جو مدتوں مدینہ میں نعل در آتش رہے' لیکن اسلام کے لیے ان تمام سختیوں کو گوارا کر لیا' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے آئے تو

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۵۹ [2] بخاری باب ہجرۃ النبیؐ و اصحابہؓ الی المدینۃ۔
[3] بخاری کتاب الاحکام باب من بائع ثم استقال البیعۃ مع فتح الباری۔

مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور متعدد بزرگ بخار میں مبتلا ہو گئے اس حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

کل امری مصبح فی اھلہ و الموت ادنی من شراك نعلہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی وادیوں' چشموں اور پہاڑیوں کو یاد کر کے چیخ اٹھتے تھے اور اپنے رنج وغم کا اظہار ان حسرت ناک اشعار میں کرتے تھے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بواد و حولی اذخر و جلیل

کاش میں ایک رات اس میدان میں بسر کرتا۔ جس میں میرے گرد اذخر و جلیل ہوتے (مکہ کی دو قسم کی گھاسوں کا نام ہے)

و ھل اردن یوما میاہ مجنۃ و ھل یبدون لی شامۃ و طفیل[1]

کیا میں پھر کسی دن کوہ مجنہ کے چشموں سے سیراب ہوں گا۔ کیا میرے سامنے پھر شامہ و طفیل (دو پہاڑیاں) ہوں گی۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

انی وجدت الموت قبل ذوقہ ان الجبان حتفہ من فوقہ[2]

مجھے موت سے پہلے ہی موت آ گئی۔ نامردوں کی موت اوپر سے آتی ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے تو بیمار ہو گئے' حالت مرض میں رسول اللہ ﷺ نے حال پوچھا بولے بیمار ہوں' اگر بطحان کا پانی پی لیتا تو اچھا ہو جاتا' فرمایا تو کون روکتا ہے؟ بولے ہجرت' ارشاد ہوا' جاؤ' تم ہر جگہ مہاجر ہی رہو گے۔[3]

سخت سے سخت رکاوٹیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت سے باز نہیں رکھ سکتی تھیں' کفار نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں' لیکن حدیبیہ کا معاہدہ صلح ہو رہا تھا کہ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ اگرچہ معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ جو مسلمان مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا۔ تاہم چونکہ معاہدہ اب تک مکمل نہیں ہوا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کی حالت پر رحم

---

1 بخاری کتاب الحج فضائل مدینہ۔ 2 مسند ج ۶ ص ۵۔ 3 اسد الغابہ تذکرہ وسداؤ بن اسید۔

آیا' اور فرمایا کہ "اب تک ہم نے مصالحت نہیں کی ہے" لیکن ابو جندل رضی اللہ عنہ کے باپ سہیل نے کہا کہ "سب سے پہلے ان ہی کو واپس کرنا ہوگا" ﷺ آپ نے ان کو واپس کرنا چاہا تو انہوں نے کہا "مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف پھر واپس کر دیا جاؤں گا؟ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں' کیا تم میری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے" اس وقت اگرچہ وہ واپس کر دیئے گئے' تاہم دوبارہ بھاگ کر آئے اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے سمندر کے ساحل پر اس قسم کے مہاجرین کی جو جماعت قائم کر لی تھی اس میں شامل ہو گئے۔[1]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ "تم مکہ میں محتاج آئے تھے' لیکن یہاں آ کر دولت مند ہو گئے' اب یہ مال لے کر کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا "اگر میں سب مال تم کو دیدوں تو مجھے جانے دو گے؟" کفار راضی ہو گئے اور انہوں نے تمام مال ان کو دے دیا۔[2]

ان تمام تکلیفوں اور مزاحمتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے صرف یہ خیال مسرت خیز تھا کہ انہوں نے کفر کے گہوارہ سے باہر قدم نکالا اور اسلام کے دائرہ میں آ گئے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو گو طویل سفر سے اکتا گئے' تاہم یہ شعر زبان پر تھا۔

یـا لیلـة مـن طولهـا و عنـائهـا   علـى أنها من دارة الكفر نجت [3]

کتنی لمبی اور تکلیف دہ یہ رات ہے' تاہم یہ بات تسکین بخش ہے کہ اس نے دار الکفر سے نجات دلائی'

فتح مکہ کے بعد اگرچہ تمام عرب میں امن و امان قائم ہو گیا تھا اور ہر شخص آزادی سے فرائض اسلام بجا لا سکتا تھا' تاہم بعض مسلمانوں کے دلوں میں اب بھی ہجرت کا شوق باقی تھا' چنانچہ چند لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے' کوفہ تک پہنچے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا۔[4]

---

[1] بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ۔ [3] بخاری کتاب الا العتاق۔

[4] بخاری کتاب المغازی ذکر وفات النبی و بعث اسامہ۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف جان و مال کی حفاظت کے لیے ہجرت کی تھی لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں بلکہ ہجرت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ دین کی حفاظت ہو اور ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکے' چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''ہر مسلمان اپنے دین کو لے کر خدا اور خدا کے رسولؐ کی طرف بھاگ آتا تھا' تاکہ دینی فتنہ میں نہ مبتلا ہو۔[1] لیکن یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا کہ جس سرزمین میں برائی نظر آتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتے تھے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو' چنانچہ ایک بار حضرت لبابہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمنذر سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اور ان پر اس کا اس قدر اثر پڑا کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ جس سرزمین میں میں نے گناہ کیا ہے چھوڑ دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ رہوں اور اپنا کل مال اللہ و رسول کو صدقہ میں دے دوں۔[2]

اسلامی اوج حکومت کے زمانہ شباب میں بھی جب کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدی کا احساس ہوتا تو فوراً اس مقام کو چھوڑ کر مدینہ کا رخ کرتے تھے۔

ایک بار غزوۂ روم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ انصاری نے دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑے اشرفیوں سے اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے بیچ رہے ہیں' فرمایا ''لوگو! تم سود کھا رہے ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے کو سونے کے برابر خریدو اس میں نہ زیادتی ہے نہ ادھار' اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میرے نزدیک صرف ادھار کی صورت میں سود ہے''۔ بولے میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے ظاہر کرتے ہو' اگر خدا نے توفیق دی تو جس سرزمین میں مجھ پر تمہاری حکومت ہے' اس میں قیام نہ کروں گا۔ چنانچہ پلٹے تو سیدھے مدینہ چلے آئے۔[3]

ثواب آخرت کی تمنا نے دارالہجرت یعنی مدینہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔ [2] مؤطا امام مالک کتاب الایمان والنذور باب جامع الایمان۔ [3] سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والتغلیظ علی من عارضہ۔

میں اس قدر محبوب بنا دیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہوئے تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ شام کو نکل چلیں' وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت حاصل ہو گی' بولے ''میں دارالہجرت اور مجاورت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق ہرگز گوارا نہ کروں گا''[1]

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ میں سخت بیمار ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تو ان کو صرف یہ افسوس ہوا کہ وہ دارالہجرت سے دور ایسی سرزمین میں مر رہے ہیں جس سے انہوں نے ہجرت کر لی ہے[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مکہ میں مجھے موت نہ آئے۔ مکہ میں ان کا انتقال ہونے لگا تو اپنے بیٹے سالم رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد میری لاش حدود حرم سے باہر دفن کی جائے' کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہیں سے ہجرت کی اور وہیں دفن ہوں[3] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ میں آتے تھے تو اپنے زمانہ جاہلیت کے قدیم مکان میں جس سے وہ ہجرت کر چکے تھے اترنا پسند نہیں کرتے تھے۔[4]

---
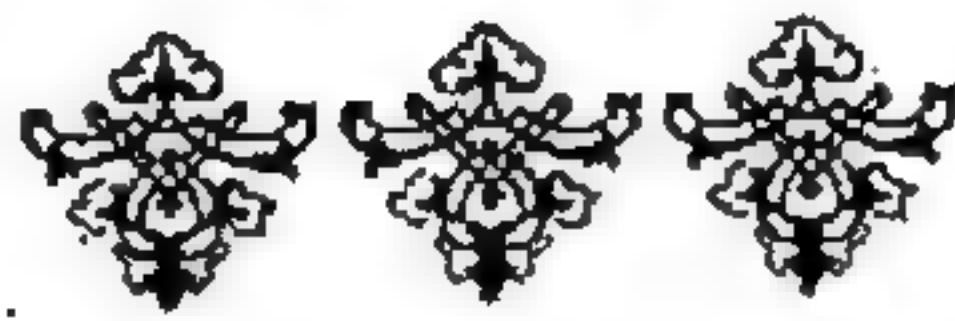
[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ٦٧' مسند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

[2] مسلم کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالثلث لا تیجاوز۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

عقائد

توحید:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگرچہ اپنی زندگی میں بہت سے نیک کام کیے تھے' لیکن ان سب میں کلمہ توحید کو راس الاعمال سمجھتے تھے' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے' ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا موت کے ڈر سے؟ بولے خدا کی قسم! نہیں' صرف واقعات مابعد الممات کا خوف ہے۔ انہوں نے تسکین دی اور کہا ''آپ عمر بھر نیک کام کرتے رہے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت پایا اور آپ نے مصر و شام میں فتوحات کیں' بولے ''تم نے ان سے بہتر چیز یعنی شہادت لا الہ الا اللہ کو تو چھوڑ ہی دیا''۔[1]

کفار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کس قدر اذیت دیتے تھے' لیکن ان کی زبان سے صرف احد احد نکلتا تھا[2] حضرت ابو فکیہ رضی اللہ عنہ بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے' لیکن اس حالت میں بھی جب ان کے آقا امیہ نے ایک گبریلے کی طرف اشارہ کر کے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ ''تمہارا پروردگار یہی تو نہیں'' تو بولے کہ ''میرا اور تیرا دونوں کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے''۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایمان لائیں تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے تھے اور پانی تک نہیں پلاتے تھے' جب اس طرح تین دن گذر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو'' وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب ہی نہ سمجھ سکیں' اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید کا انکار مقصود ہے' بولیں: ''خدا کی قسم! میں تو اسی عقیدۂ پر قائم ہوں''۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ [2] سنن ابن ماجہ ص ۱۴ فضل سلمان وابی ذر والمقدادؓ۔
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ام شریک رضی اللہ عنہا اصابہ میں یہ واقعہ کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

تنزہ عن الشرک:

لیکن توحید کی تکمیل کے لیے صرف اسی قدر کافی نہ تھا بلکہ اہل عرب میں جو مشرکانہ خیالات پھیلے ہوئے تھے ان کا انکار بھی توحید کا ایک جزو تھا' اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لانے کے ساتھ ہی اس گورکھ دھندے سے بھی نکل گئے مثلاً عرب کا خیال تھا کہ جو بتوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں ان کو برص یا جذام یا جنون ہو جاتا ہے' لیکن حضرت ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت سے اسلام کے نشہ میں چور ہو کر واپس گئے اور اپنی قوم کے سامنے لات وعزیٰ کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو اس خیال کی بناء پر سب نے کہا کہ ''ضمام برص جذام اور جنون سے ڈرو'' بولے ''خدا کی قسم یہ دونوں بت کچھ بھی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے'' [1]

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا کہ لات وعزیٰ نے ان کو اندھا کر دیا ہے' بولیں کہ لات وعزیٰ کو پوجنے والوں کو کیا خبر؟ یہ مصیبت تو آسمان سے آئی ہے'' [2]

زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کا عام رواج تھا' لیکن چونکہ اس میں عموماً شرک کی آمیزش پائی جاتی تھی' اس لیے وہ ایک مشتبہ چیز تھی' لیکن ایک سفر میں اتفاق سے چند صحابہ عرب کے ایک قبیلے کے یہاں اترے اور ان لوگوں نے ان کے مذہبی تقدس کی بناء پر درخواست کی کہ ہمارے رئیس کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہے کیا آپ لوگ اس کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں ان میں ایک بزرگ رئیس کے پاس آئے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بھلا چنگا ہو گیا ان لوگوں نے صحابہ کو اس کا معاوضہ دیا جس کو ان لوگوں نے تقسیم کرنا چاہا' لیکن جس بزرگ نے سورۂ فاتحہ کا دم کیا تھا اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس کے متعلق چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کر لینا چاہیے چنانچہ آپ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ جھاڑ پھونک ہے؟ معاوضہ تقسیم کر لو اور میرا بھی ایک حصہ لگاؤ'' [3]

---

[1] مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الوضوء والصلوٰۃ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ۔

[3] ابوداؤد کتاب الطب' باب کیف الرقی۔

زمانہ جاہلیت میں تعویذ گنڈے کا عام رواج تھا لیکن ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ بی بی نے گلے میں گنڈا ڈال رکھا ہے توڑ کے پھینک دیا اور کہا کہ آل عبداللہ شرک سے بے نیاز ہیں' رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ "تعویذ گنڈا شرک ہے"۔[1]

عرب کے لوگ بچوں کے بچھونے کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ ٹونے ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے"۔[2]

بت شکنی:

عرب میں شرک کا اصلی مظہر بت تھے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو سب سے پہلے راہ توحید سے اسی سنگ گراں کو دور کیا' عرب میں دستور تھا کہ سرداران قبائل خاص طور پر اپنے لیے بت بناتے تھے اور ان کو گھروں میں رکھتے تھے اس طریقہ کے مطابق قبیلہ بنوسلمہ کے سردار عمرو بن الجموح نے ایک لکڑی کا بت بنوا کر گھر میں رکھا تھا نوجوانان بنوسلمہ یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام لائے تو رات کو خفیہ طور پر آتے تھے اور اس بت کو اٹھا کر ایک گڑھے میں جس کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا' پھینک آتے تھے عمرو بن الجموح صبح کو اٹھتا تو بت کو وہاں سے ڈھونڈ کے اٹھا لاتا اور پاک صاف کر کے گھر میں رکھ دیتا۔ اور کہتا کہ "اے بت جس نے تیرے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے اگر میں اس کو پاجاتا تو اس کی بڑی فضیحت کرتا' دوسرے دن یہ پرجوش نوجوان بت کے ساتھ پھر یہی سلوک کرتے اس طرح جب یہ واقعہ پے درپے ہوا تو عمرو بن الجموح نے بت کے گلے میں ایک تلوار لٹکا دی اور کہا کہ "اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو خود اپنی حفاظت کر" رات کو یہ نوجوان حسب معمول پھر آئے اور بت کو ایک مردہ کتے کے ساتھ رسی میں باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ عمرو بن الجموح نے بت کو

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب تعلیق التمائم۔

[2] الادب المفرد باب الطیرۃ من الجن ص ۸۰۔

اس حالت میں پایا تو خود بخود مسلمان ہو گیا''۔[1]

قبیلہ سعد کا ایک بت تھا جس کا نام فراض تھا' حضرت ذباب بن حارث اسلام لائے تو اس کو چکنا چور کر دیا اور اس کے متعلق یہ اشعار کہے:

تبعت رسول الله اذجاء بالهدی و خلفت فراضا بدار هوان

جب رسول اللہ ﷺ ہدایت لائے تو میں نے آپ کا اتباع کیا اور فراض کو ذلیل ترین مقام میں چھوڑ دیا۔

شددت علیه شدة فکسرته کان لم یکن والله هرذ و حدثان

میں نے اس پر حملہ کیا اور اس کو اس طرح چور چور کر دیا کہ گویا اس کا وجود ہی نہ تھا۔[2]

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے''۔[3]

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا کہ ''ابو طلحہ کیا یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ زمین سے اگا ہے'' بولے ''مجھے معلوم ہے'' بولیں تو کیا تمہیں ایک درخت کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟'' چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔[4]

ایمان بالرسالۃ:

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر ہو گیا تھا' اس لیے وہ کسی حالت میں اس کو مٹنے نہیں دیتے تھے' غزوۂ حدیبیہ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصالحت نامہ لکھا تو کفار نے اصرار کیا کہ اس پر ''رسول اللہ'' کا لفظ نہ لکھا جائے رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس

---

[1] یہ تفصیل ابن ہشام جلد اوّل ص ۲۲۸ میں ہے۔ اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں اجمالاً صرف اس قدر مذکور ہے۔ کان معاذ ممن یکسر اصنام بنی سلمہ یعنی معاذ ان لوگوں میں ہیں جو بنی سلمہ کے بت کو توڑا کرتے تھے۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ ذباب۔ [3] اصابہ تذکرہ ہند بن عتبہ۔ [4] اصابہ تذکرہ حضرت ام سلیم۔

فقرے کو مٹا دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر چہ کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے تاہم اس موقع پر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "میں اس کو نہیں مٹا سکتا" بالآخر آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔[1]

ایمان کا درجہ کمال یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے اقوال پر اس وثوق کے ساتھ ایمان لایا جائے کہ محال ممکن، مستقبل حال اور غائب حاضر بن جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر اسی شدت کے ساتھ ایمان لائے تھے اور اسی درجہ کمال نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب دیا تھا۔

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ "بکری کے ایک گلے پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری اٹھا لے چلا، چرواہے نے اس کو بلایا تو بھیڑیے نے جواب دیا کہ یوم السبع میں بکری کا نگران کون ہوگا جب کہ میرے سوا ان کا چرواہا کوئی نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر بوجھ لادے ہوئے جا رہا تھا بیل نے مڑ کر کہا میں اس کے لیے نہیں بنایا گیا۔ میں صرف کھیتی باڑی کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ بہت سے صحابہؓ نے اس کو استعجاب سے سنا اور کہا "سبحان اللہ" لیکن آپ نے فرمایا "ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس پر ایمان لائے ہیں"۔[2]

ایک بار حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ "اہل و عیال کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے" اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ "اگر ایک آدمی خراسان میں مر جائے اور اہل و عیال یہاں پر ماتم کریں تو کیا آپ کے خیال میں اس پر خراسان میں عذاب ہوگا؟" بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وہ سچ ہے اور تو جھوٹ بکتا ہے"۔[3]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آئندہ زمانے میں تمہاری مختلف جماعتیں قائم ہو جائیں گی۔ کوئی جماعت شام میں رہے گی کوئی یمن میں اقامت پذیر ہوگی اور کوئی عراق میں سکونت اختیار کرے گی" اس پیشین گوئی پر حضرت ابن حوالہؓ اس وثوق کے

---

[1] مسلم کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ۔ [2] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔
[3] نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت۔

ساتھ ایمان لائے کہ آپ سے درخواست کی کہ "مبادا میں بھی اس زمانہ تک زندہ رہوں اس لیے آپ خود میری اقامت گاہ متعین فرما دیجیے"۔[1]

ایک بار آپؐ نے کسی بدو سے گھوڑا خریدا اور قیمت ادا کرنے کے لیے اس کو ساتھ لے چلے لیکن آپ تیزی سے آگے بڑھ گئے اور بدو پیچھے رہ گیا لیکن جن لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ آپ نے اس کو خرید لیا ہے وہ بدو سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ خریداروں کو دیکھ کر بدو نے آپ کو پکار کر کہا۔ "لینا ہو تو لیجیے ورنہ میں گھوڑے کو فروخت کر ڈالتا ہوں" آپؐ نے فرمایا کہ "تم نے اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے" بولا "نہیں" اگر گواہ ہو تو لائیے حضرت خذیمہؓ ابن ثابت اگرچہ بیع کے موقع پر موجود نہ تھے۔ تاہم کہا کہ "میں شہادت دیتا ہوں تم نے آپ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کر دیا ہے" ارشاد ہوا "تم نے کیوں کر شہادت دی؟" بولے "آپ کی تصدیق کی بناء پر" اس موقع پر ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بچہ بچہ یہ راسخ عقیدہ رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکل جائے گا اس کے خلاف نہ ہوگا ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ "تیرا سن زیادہ نہ ہو" وہ روتی ہوئی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ "آپؐ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن ترقی نہ کرے گا" وہ فوراً حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ "آپؐ نے میری یتیمہ کو بددعا دے دی" آپ ہنس پڑے اور فرمایا "میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں تو یہ اس کے لیے پاکی، تزکیہ اور نیکی ہوگی"۔[3]

جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی معجزہ صادر ہوتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت ایمانیہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی جانب سے بہت سے لوگوں کا قرض ادا کرنا تھا اور کھجوروں کے باغ کے سوا ادا کرنے کا کوئی سامان نہ تھا لیکن

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سکنی الشام۔ [2] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب اذا علم الحاکم صدق الشاہد الواحد یجوز لہ الحکم۔ [3] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ۔

قرض دار باغ کے پھل لینے پر آمادہ نہ تھے بالآخر رسول اللہ ﷺ خود باغ میں آئے اور اس کی کھجوروں کے لیے دعائے برکت فرمائی نتیجہ یہ ہوا کہ جب کھجوریں توڑی گئیں تو سب کا قرض بھی ادا ہو گیا اور بہت کچھ کھجوریں بچ بھی رہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس کی خبر کی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا سنتے ہو؟ بولے ''ہم کو تو یقین ہی تھا کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں' خدا کے پیغمبر ہیں''۔[1]

غزوہ خیبر میں ایک شخص نہایت بے جگری سے لڑ رہا تھا' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ''دوزخی ہے'' اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کی تصدیق کے لیے اس کے ساتھ ہو لیے سوء اتفاق سے وہ زخمی ہو کر زندگی سے تنگ آ گیا اور خودکشی کر لی اس حالت کو دیکھ کر وہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں''۔[2]

یہ قوت ایمانیہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قائم تھی اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی قائم رہی' رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے رو کر کہا کہ ''کاش ہم آپ سے پہلے ہی مر جاتے ایسا نہ ہو کہ آپ کے بعد ہمارے دین میں کوئی خلل آئے'' لیکن حضرت معن رضی اللہ عنہ بن عدی نے کہا کہ ''میں آپ سے پہلے مرنا پسند نہیں کرتا تاکہ جس طرح میں نے آپ کی زندگی میں آپ کی تصدیق کی اسی طرح بعد وصال بھی آپ کی تصدیق کروں''۔[3]

ایمان بالغیب:

شریعت میں صرف ایمان بالغیب معتبر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیب کی تمام چیزوں پر اس شدت کے ساتھ یقین تھا کہ گویا ان کو یہ چیزیں علانیہ نظر آتی تھیں۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ بولے ''یا رسول اللہ ﷺ خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں'' فرمایا ''ہر چیز کی ایک

---

[1] بخاری کتاب الہبۃ باب اذا وہب دینا علی رجل۔ [2] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوۂ خیبر۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ معن بن عدی رضی اللہ عنہ۔

حقیقت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے''؟ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے۔ اس لیے رات کو جاگتا ہوں' دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں' گویا مجھ کو خدا کا عرش علانیہ نظر آتا ہے' گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں' آپ نے فرمایا ''تم نے جان لیا اب اس پر قائم رہو''۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے یہ ایمان اور بھی تازہ رہتا تھا' حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے تھے اور آپ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے تھے تو گویا ہمارے سامنے ان کی تصویر پھر جاتی تھی۔[2]

ایمان بالقدر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تقدیر پر شدت کے ساتھ یقین رکھتے تھے' طاؤس یمانی کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہؓ سے ملاقات کی۔ سب کے سب کہتے تھے کہ کل چیزیں تقدیر سے وجود میں آئی ہیں[3] ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میرے دل میں مسئلہ تقدیر کے متعلق خدشہ پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی راہ میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا صرف کرو گے تو خدا اس وقت تک قبول نہ کرے گا' جب تک تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے اور اگر اس عقیدہ کے خلاف تم کو موت آئی تو جہنم میں داخل ہو گے' اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب نے یہی کہا' حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ابو حفصہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ بیٹے تم کو اس وقت تک حقیقت ایمان کی لذت نہ ملے گی جب تک تم کو یہ یقین نہ ہو کہ جو کچھ ہوا اس کا ہونا لازمی تھا اور جو کچھ نہیں ہوا اس کا نہ ہونا ضروری تھا[4] اس بناء پر جب کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدت کے ساتھ اس سے تحاشی کرتے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حارث بن مالکؓ۔ [2] ترمذی ابواب الزہد ص ۳۱۳۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۰۔ [4] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی القدر۔

بصرہ میں جب معبد جہنی نے مسئلہ تقدیر کا انکار کیا تو یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہا حسن اتفاق سے ایک سفر حج میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوگئی' دونوں نے ان کو دائیں بائیں سے گھیر لیا اور کہا کہ "کچھ مسلمان ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں" فرمایا: "ان سے ملنا تو کہہ دینا کہ میں ان سے الگ ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں' خدا کی قسم جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے اگر کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا خیرات کریں گے تو خدا اس کو قبول نہ کرے گا"[1] ان کا ایک دوست شام میں رہتا تھا اور باہم اس قدر تعلقات تھے کہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لیکن ایک بار انہوں نے اس کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسئلہ تقدیر کے متعلق کچھ قیل و قال شروع کی ہے' اس لیے اب خط و کتابت کا سلسلہ بند کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہو جائیں گے جو تقدیر کا انکار کریں گے"۔[2]

یہ صرف اعتقاد ہی اعتقاد نہ تھا بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سخت سے سخت مصیبت میں اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔ طاعون عمواس کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرغ تک پہنچ کر واپس آنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

افرار من قدر اللّٰہ. "کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں"۔

بولے کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا اختلاف کرتا' ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں مگر تقدیر الٰہی ہی کی طرف۔[3]

بصرہ میں طاعون آیا تو کسی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ "ہم کو مقام وابق میں لے کر نکل چلیئے"۔ بولے:

الی اللّٰہ آبق لا الی و ابق.[4] خدا کی طرف بھاگوں گا نہ کہ وابق کی طرف۔

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب ماجاء فی الایمان والاسلام وذکر القدر وغیرہ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۹۰۔ [3] مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ ونحوہا۔

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

عبادات

(ابوابُ الطھارة)

پنجوقتہ نیا وضو کرنا:

ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا بڑی پاکی اور بڑے ثواب کا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اوّل اوّل رسول اللہ ﷺ پر پنج وقتہ نماز کے ساتھ پنج وقتہ وضو بھی فرض کر دیا تھا۔ بعد کو اگر چہ اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' لیکن بعض صحابہؓ عملاً اس کے پابند رہے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر نماز نئے وضو کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔[1]

ہمیشہ باوضو رہنا:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ باوضو رہتے تھے' حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

ما اقيمت الصلوة منذا سلمت الا و انا على وضوء.[2]

''جب سے میں اسلام لایا ہر نماز کے وقت باوضو رہتا تھا''۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کل تم مجھ سے پہلے کیونکر جنت میں داخل ہو گئے؟'' بولے ''یا رسول اللہ ﷺ! میرا معمول یہ ہے کہ جب اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز لازمی طور پر پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے' اسی وقت فوراً وضو کر لیتا ہوں۔[3]

پنج وقتہ مسواک کرنا:

رسول اللہ ﷺ کمال طہارت و نظافت کی وجہ سے پنج وقتہ مسواک کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''اگر امت پر شاق نہ ہوتا تو میں پنجوقتہ نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا بھی حکم دیتا''

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب السواک و مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۳۵۔ [2] اصابہ تذکرہ حضرت عدی بن حاتمؓ۔ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۵' تذکرہ حضرت بلالؓ۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوشِ عمل کے سامنے کون سا کام شاق تھا' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس شدت کے ساتھ اس کا التزام کیا کہ ہمیشہ قلم کی طرح کان پر مسواک رکھے رہتے تھے[1]

(ابواب الصلوٰۃ)

نماز پنج گانہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس مستعدی و سرگرمی کے ساتھ نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے' اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں' بخاری میں ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوتی تھی تو تمام صحابہؓ اس تیزی کے ساتھ دوڑتے تھے کہ شور ہو جاتا تھا[2] سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تھا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كانوا يتبايعون و لا يدعون الصلوات المكتوبات في الجماعة.

''صحابہ رضی اللہ عنہم بیع و شرا کرتے تھے' لیکن نماز مفروضہ کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''ایک بار میں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آ گیا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم دوکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے' چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

''صحابہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور کاروبار خدا کی یاد سے نہیں روکتے''

ان ہی لوگوں کی شان میں نازل ہوئی''۔[3]

سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز قضاء نہیں ہو سکتی تھی' جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخم لگا۔ اسی رات کی صبح کو لوگوں نے نماز فجر کے لیے جگایا تو بولے'

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارت باب السواک۔ [2] بخاری کتاب الاذان باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ۔

[3] فتح الباری جلد ۴ ص ۲۵۳۔

"ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے۔ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں" چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے متصل خون جاری تھا نماز پڑھی۔[1]

اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت برہمی پیدا ہوتی' غزوہ خندق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہوگئی تو کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے آئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ سورج غروب ہو رہا ہے اور میں نے اب تک نماز عصر نہیں پڑھی"۔[2]

نماز جمعہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ کو نہایت اہم سمجھتے تھے اور اس اہمیت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے تھے' اسلام کی تاریخ میں حضرت اسعد بن زرارہؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ میں جمعہ کو قائم کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد جب جمعہ کی اذان ہوتی تھی تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان پر رحمت کی دعا کرتے تھے' ان کے بیٹے نے ایک روز اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ "وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہم کو جمعہ کے لیے جمع کیا' اس وقت ہماری تعداد صرف چالیس تھی"۔[3]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنے کھیتوں میں چقندر بو دیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکاتی تھیں اور جمعہ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھلاتی تھیں۔[4]

تمام صحابہ غسل جمعہ کا نہایت اہتمام کرتے تھے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "غسل جنابت کی طرح غسل جمعہ بھی فرض ہے" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بغیر غسل کیے ہوئے اور بغیر خوشبو لگائے ہوئے کبھی شریک جمعہ نہیں ہوتے تھے۔[5]

---

[1] مؤطا امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فیمن غلبہ الدم من جرح اور عاف۔

[2] بخاری کتاب الصلوۃ ابواب صلوۃ الخوف باب الصلوۃ عند مناہضۃ ولقاء العدو۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الجمعہ فی القریٰ۔ [4] بخاری کتاب الجمعہ باب فی قول اللہ عزوجل "فاذا قضیت الصلوۃ فانتشر و افی الارض و ابتغو من فضل اللہ۔"

[5] موطائے امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعہ و باب وقت الجمعہ و مایستحب من الطیب والدہان للرجل۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے' بولے "بھلا یہ کون سا وقت ہے؟" فرمایا: "بازار سے پلٹا تو اذان سنی اور صرف وضو کر کے چلا آیا" فرمایا: "یہ بھی قابل اعتراض بات ہے کہ صرف وضو کیا حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیتے تھے"۔[1]

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً پابندی اوقات نماز کا لحاظ رکھتے تھے' لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر یہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ مسجد کی مغربی دیوار پر ایک چادر تان دی جاتی تھی اور جب دیوار کا سایہ اس کو پورے طور پر ڈھک لیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً نماز کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔[2]

عہد نبوت میں اگرچہ جہاد افضل الاعمال سمجھا جاتا تھا' لیکن جمعہ کا شوق اس پر بھی غالب آ تا تھا' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں جانے کا حکم دیا لیکن اور لوگ تو روانہ ہو گئے وہ ٹھہر گئے' جمعہ کا دن تھا' آپ نے جماعت میں دیکھا تو فرمایا کیوں رک گئے؟ بولے "میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ جمعہ پڑھ لوں تو جاؤں"۔[3]

نوافل' اشراق اور صلوٰۃ کسوف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس شوق و مستعدی کے ساتھ نماز مفروضہ ادا فرماتے تھے' اسی طرح نوافل' اشراق اور صلوٰۃ کسوف وغیرہ بھی پڑھتے تھے' بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لقد ادرکت کبار اصحاب النبیؐ یبتدرون السواری عند المغرب.[4]

"میں نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ مغرب کے وقت مسجد کے ستونوں کی طرف نماز کے لیے دوڑتے تھے"۔

---

[1] موطا امام محمد باب الاغتسال یوم الجمعہ۔ [2] موطائے امام محمد باب وقت الجمعہ و ما یستحب من الطیب و الدہان۔ [3] ترمذی ابواب الجمعہ باب ماجاء فی السفر یوم الجمعہ۔ [4] بخاری کتاب الصلوٰۃ الی الاستوانۃ

اور شراح حدیث نے تصریح کی ہے کہ یہ نفل کی نماز ہوتی تھی جس کو مغرب کی نماز شروع ہونے سے پہلے صحابہ کرامؓ ادا فرماتے تھے' خود اس حدیث میں ہے:

حتی یخرج النبی ﷺ

''یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نفل اس وقت تک پڑھتے تھے جب تک رسول اللہ ﷺ امامت کے لیے نکل نہ آئیں''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیتے تھے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھتے تھے۔[1]

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے بہت کم پڑھی ہے' لیکن بہت سے صحابہؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپؐ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر اس لیے عمل نہیں کرتے تھے کہ مبادا امت پر فرض نہ ہو جائے'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے نماز اشراق کی وصیت فرمائی تھی۔ اس لیے یہ دونوں بزرگ اس کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔[2]

چاند اور سورج میں جب گہن لگتا تھا تو تمام صحابہؓ صلوٰۃ الکسوف ادا فرماتے تھے' ایک بار مدینہ میں گہن لگا تو عبداللہ بن زبیرؓ نے دو رکعت نماز پڑھی[3] ایک بار اور گہن لگا تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صفہ زمزم میں لوگوں کو جمع کیا اور با جماعت نماز ادا فرمائی۔[4]

تہجد و نمازِ شب:

رات جس میں ہم نیند کا لطف اٹھاتے ہیں اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبادت الٰہی اور تہجد گزاری میں مصروف رہتے تھے ایک صحابی نے رات کو نماز میں نہایت بلند آہنگی

---

1. مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت۔
2. ایضاً باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ۔ 3. بخاری ابواب صلوٰۃ الکسوف باب خطبۃ الامام فی الکسوف۔
4. بخاری باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃً۔

سے قرأت کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خدا اس پر رحم کرے مجھے بہت سی آیتیں یاد دلائیں جن کو میں بھول گیا تھا"۔

ایک بار آپ مسجد میں معتکف تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مصروف نماز تھے اور اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ قرأت کرتے تھے کہ آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا "تم میں ہر شخص خدا کے ساتھ سرگوشی کر رہا ہے۔ اتنا نہ چلاؤ کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچے"۔[1]

حضرت ابوالدرداءؓ رات کے اکثر حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان کی بی بی کی شکایت پر اس سے ان کو باصرار روکا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راتوں کو نہ صرف خود نمازیں پڑھتے تھے بلکہ غیروں بالخصوص اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کر کے شریک نماز کرتے تھے ایک روز آپ رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پست آواز کے ساتھ نماز میں قرأت کر رہے ہیں، آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ نماز میں قرأت کرتے ہوئے نظر آئے دونوں بزرگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ! نماز میں تمہاری آواز پست تھی" بولے کہ "میں جس سے (خدا سے) سرگوشی کر رہا تھا اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا کہ "تمہاری آواز نہایت بلند تھی" بولے کہ "یا رسول اللہ ﷺ میں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں"۔[3]

موطائے امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھتے تھے تو اخیر شب میں اپنے اہل وعیال کو بھی نماز کے لیے جگاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے تھے:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (طٰهٰ: ۱۳۲)[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت بالقراۃ۔
[2] بخاری کتاب الصوم، اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع۔
[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب رفع الصوت بالقراۃ فی صلوۃ اللیل۔
[4] موطا کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بی بی اور خادم نے نماز کے لیے رات کے تین حصے کر لیے تھے اور ان میں جب ایک نماز سے فارغ ہو چکتا تھا تو دوسرے کو نماز کے لیے جگا دیتا تھا۔[1]

یہ ذوق نماز صرف چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں پایا جاتا تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغرب سے عشاء تک بیدار رہ کر نمازیں پڑھتے تھے' چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾[2]

"یہ لوگ (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب سے) راتوں کو بہت ہی کم سوتے تھے"۔

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں' اول اول سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تراویح کی طرح راتوں کو نماز پڑھتے تھے' یہاں تک کہ پاؤں پھول جاتے' تھے۔[3]

قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ (سورۃ سجدہ)

"ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں' وہ لوگ خوف و رجا سے خدا کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے صرف کرتے ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد اور نوافل میں شرکت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں' مثلاً سورۂ بقرہ' آل عمران' مائدہ اور انعام پڑھتے تھے اور جس قدر وقت قیام میں صرف ہوتا تھا' اتنا ہی وقت رکوع وسجود میں بھی صرف فرماتے تھے اس لیے اس قدر طویل اور پرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہوسکتا تھا جس کا دل شوق عبادت اور شوق اقتدائے رسولؐ سے لبریز ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی

---

[1] بخاری باب الاطعمہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب نسخ قیام اللیل و باب فی صلوۃ اللیل۔

قسم کا شوق عبادت اور شوق اقتداء رسول رکھتے تھے' اس لیے آپ کے ساتھ شریک نماز ہو کر اس دولت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ایک بار آپ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے آپ نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھی اور وہ ذوق عبادت میں کھڑے رہے۔

ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔[1]

آپ نمازِ شب میں بقرہ' آل عمران اور نساء کی سورتیں پوری پوری پڑھتے اگر کوئی خوف کی آیت آ جاتی تو خدا سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے' اسی طرح اگر کوئی بشارت آمیز آیت آتی تو دعا کرتے اور اس کی خواہش فرماتے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ اس نماز میں شریک رہتیں۔[2]

یہ شوق صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ عموماً تمام صحابہ میں پایا جاتا تھا۔

ایک بار چند صحابہؓ نے آپ کو شب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور شریک ہو گئے۔ صبح کو اور لوگوں سے ذکر کیا تو وہ بھی شریک ہوئے اور متصل دو تین شب برابر شریک ہوتے رہے' آپ نے یہ حالت دیکھی تو ایک شب گھر سے نہ نکلے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف طریقوں سے اپنے شوق کا اظہار کیا' کھانسے' کھنکارے' چلائے اور دروازے پر کنکریاں ماریں۔ آپ اندر سے غصہ میں نکلے' اور فرمایا کہ تمہاری ان حرکتوں سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔[3]

آپ شب میں چٹائی کو گھیر کر حجرے کی صورت پیدا کر لیتے تھے اور اس میں نماز ادا فرماتے تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر ہوئی تو وہ بھی شریک نماز ہونے لگے۔ لیکن آپ نے ان کو اس سے روک دیا۔[4]

یہ شوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کا دل بھی اس سے خالی

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مایقوم الرجل فی رکوعہ وسجودہ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ٦ ص ٩٢۔

[3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا کان بین الامام وبین القوم حایط او سترۃ وابوداؤد باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی فضل التطوع فی البیت۔ [4] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل۔

نہ تھا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عہد نبوت میں نہایت صغیر السن تھے' لیکن اس شوق میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوئے آدھی رات ہوئی تو آپ نے اٹھ کر پہلے آل عمران کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' پھر وضو کر کے نماز شروع کی' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ان اعمال کی تقلید کی اور آپ کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔[1]

قیام رمضان:

صبح سے شام تک کی بھوک پیاس کے بعد ہم لوگ بمشکل تراویح پڑھنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بھوکے تھے اس لیے ان کو کبھی اس سے سیری نہیں ہوتی تھی۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ادا فرمائی تو چند صحابہ شریک ہوئے' دوسرے روز اس تعداد میں اور اضافہ ہوا' لیکن تیسرے روز اس مقصد سے جمع ہوئے تو آپ گھر سے نہ نکلے اور فرمایا کہ ''مجھے خوف ہے کہ وہ تم پر کہیں فرض نہ ہو جائے''۔

آپ نے ایک بار اخیر رمضان میں تراویح شروع کی اور پہلے دن ثلث شب تک پڑھی' دوسرے دن ناغہ فرما دیا' تیسرے دن آدھی رات تک پڑھی لیکن ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اور آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ کاش آپ اس کو رات بھر ادا فرماتے۔[2]

حضرت انیس جہنی رضی اللہ عنہ صحرا میں رہتے تھے' اس لیے مستقل مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رمضان کی تیسویں شب کو صحرا سے آ کر نماز عصر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے صبح تک مصروف نماز رہتے اور نماز فجر ادا کر کے صحرا کو روانہ ہو جاتے۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح کے ادا کرنے میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں' لیکن ان کے شوق میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی' حضرت عمرؓ نے جب تراویح

---

[1] ابواب صلوٰۃ الوتر۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی قیام شہر رمضان۔
[3] ایضاً باب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی لیلۃ القدر۔

کو باجماعت کر دیا تو امام ایک ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا تھا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے کھڑے اس قدر تھک جاتے تھے کہ لکڑی کے سہارے کی ضرورت ہوتی تھی اور سحر کے وقت فارغ ہو کر واپس آتے تھے۔[1]

پابندی اوقات نماز:

نماز اکثر مسلمان پڑھتے ہیں لیکن ان میں کتنے ہیں جو اوقات نماز کی ٹھیک طور پر پابندی کرتے ہیں' لیکن سخت سے سخت خطرہ اور مستعدی کی حالت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کا وقت فوت نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پُرخطر کام کے لیے ایک جگہ روانہ فرمایا جب وہ منزل مقصود کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا' انہوں نے دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں نماز میں دیر ہو جائے اس لیے منزل مقصود کی طرف بڑھے اشاروں ہی میں نماز پڑھتے ہوئے بڑھے[2] غزوہ احزاب سے واپسی کے بعد آپ نے صحابہ کو بنوقریظہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ عصر کی نماز جا کر وہیں پڑھیں لیکن راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو بہت سے صحابہ نے فوراً نماز پڑھائی[3]

ایک دن ظہر کے بعد کچھ لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے لگے تو ان لوگوں نے کہا ''آپ نے بڑی عجلت کی'' بولے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''یہ منافقین کی نماز ہے' منافقین کی نماز ہے' منافقین کی نماز ہے' کہ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب سورج زرد ہونے لگتا ہے تو چار رکعت پڑھ لیتے ہیں اور خدا کو اس میں بہت کم یاد کرتے ہیں''۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں حجاج کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے' لیکن جب اس نے تاخیر کرنا شروع کی تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور مکہ سے نکل گئے[5]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الصلوٰۃ' باب ماجاء فی قیام رمضان مع زرقانی شرح موطا۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الطالب۔ [3] بخاری باب صلوٰۃ الخوف ابواب صلوٰۃ الطالب والمطلوب راکباً وایماء۔
[4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت صلوٰۃ العصر۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

پابندی جماعت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز باجماعت کو نہ صرف ذریعہ ازدیادِ ثواب خیال کرتے تھے' بلکہ اس کو اسلام و نفاق اور ایمان و کفر کے درمیان حدِ فاصل سمجھتے تھے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے' لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر لیتے تھے پھر اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے لیکن ایک روز دیر میں واپس آئے اور نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی ایک کاروباری آدمی تھک کر جماعت سے علیحدہ ہو گیا اور الگ نماز پڑھ لی تو ایک صحابی نے فوراً کہا کہ تم منافق ہو گئے۔[1]

ایک صحابی کہتے ہیں کہ نماز باجماعت سے صرف مشہور منافق ہی الگ رہتا تھا۔ ورنہ بعض لوگوں کی حالت یہ تھی کہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آ کر شریک جماعت ہوتے تھے۔[2]

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا تھا کہ بارش اور آندھی میں لوگ اپنے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک دن پانی برس رہا تھا اور سخت آندھی چھائی ہوئی تھی کہ اس حالت میں چند صحابہؓ اس غرض سے نکلے کہ چل کے آپؐ کے ساتھ نماز ادا کریں۔[3]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا گھر مدینہ کے انتہائی کنارے پر تھا' لیکن ہر وقت کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے' ایک صحابی کو ان کی حالت پر رحم آ گیا اور کہنے لگے کہ کاش تم ایک گدھا خرید لیتے جو زمین کی تمازت' ٹھوکر اور سانپ بچھو سے تم کو محفوظ رکھتا' بولے ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے قریب رہنا نہیں چاہتا' کیونکہ مجھ کو اپنے ہر نقشِ قدم کے ثواب کی توقع ہے''۔

مدینہ میں قبیلہ بنو سلمہ کا محلہ مسجد سے بہت دور تھا' لیکن وہ لوگ نماز باجماعت کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ اپنا محلہ چھوڑ کر مسجد نبویؐ کے آس پاس آباد ہو جانا چاہا۔ لیکن

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ للامر یحدث۔

[2] نسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب المحافظۃ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بہن۔

[3] ابوداؤد کتاب الادب' باب مایقول اذا اصبح۔

چونکہ اس سے ایک محلہ ویران ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "تم کو ہر اس قدم کا ثواب ملے گا جو مسجد کی جانب اٹھے گا"۔[1]

جماعت کے انتظار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے' لیکن اس کی پابندی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا' ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام پیش آ گیا' اس لیے عشاء کی نماز میں بہت تاخیر ہو گئی' یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے۔ لیکن نماز کا روحانی خواب کیونکر بھلایا جا سکتا تھا' پھر جاگے پھر سوئے پھر اٹھے' پھر نیند آ گئی' آپ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ "آج دنیا میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نماز کا انتظار نہیں کرتا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ عشاء کا انتظار اتنی دیر تک کرتے تھے کہ نیند کے مارے ان کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک شب نماز عشاء کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے' ایک تہائی رات گزر گئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ "اگر امت پر شاق نہ گزرتا تو میں اسی وقت نماز عشاء ادا کرتا"۔

ایک دن نماز عشاء کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں اس قدر دیر ہوئی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ آپ نماز ادا کر چکے اور اب گھر سے نہ نکلیں گے۔ آپ تشریف لائے اور لوگوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو فرمایا کہ "اس نماز کو اسی وقت پڑھو تم کو تمام امتوں پر اسی کی وجہ سے فضیلت ہے تم سے پہلے کسی امت نے اس نماز کو ادا نہیں کیا"۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نماز عشاء کے لیے آدھی رات تک آپ کا انتظار کیا' آپ گھر سے نکلے تو فرمایا کہ "اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ" ہم لوگ بیٹھ گئے تو ارشاد ہوا کہ "اور لوگ تو نماز پڑھ کر سو گئے' لیکن تمہارے انتظار کی گھڑیاں بھی نماز میں داخل تھیں"۔[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجر

[2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من النوم

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت العشاء الآخرۃ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے سفر جب مدینہ آئے تو بقیع بطحان میں قیام کیا' وہاں سے اگرچہ تمام لوگ نماز عشاء میں شریک نہیں ہو سکتے تھے' تاہم باری باندھ لی تھی اور اپنی اپنی باری پر لوگ آ کر آپؐ کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے تھے۔[1]

نماز میں خشوع وخضوع:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازوں میں نہایت محویت' استغراق' خشوع وخضوع اور تضرع وزاری پائی جاتی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز اور قرآن پڑھتے کہ ان پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا اور کفار کی عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر پڑتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں اس شدت سے روتے کہ پچھلی صف کے لوگ رونے کی آواز سنتے' حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنتا تھا''۔[2]

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت یعنی ''اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ الخ'' کی قرأت میں صبح کر دی اسی کو بار بار پڑھتے تھے رکوع کرتے تھے' سجدے میں جاتے تھے اور روتے تھے۔[3]

سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ محویت رہتی تھی' دو بہادر صحابی ایک پہاڑ کے درے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھے ان میں ایک بزرگ مصروف نماز ہوئے تو اسی حالت میں ایک انتقام کیش مشرک آیا۔ اور ان کے جسم میں تین تیر لگائے لیکن انہوں نے نماز کو برابر قائم رکھا' ان کے دوسرے رفیق سو گئے تھے' بیدار ہوئے اور ان کے خون آلود زخم دیکھے تو کہا'' مجھے پہلے ہی کیوں نہیں جگایا''؟ بولے کہ ''میں نماز میں ایک سورۃ پڑھ رہا تھا جس کو ناتمام چھوڑنا مجھ کو پسند نہ آیا''۔[4]

محبوب سے محبوب چیز بھی اگر صحابہ کی حضوری نماز میں خلل انداز ہوتی تو وہ ان

---

[1] بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب فضل العشاء۔

[2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجماعۃ والامامۃ باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم داری۔ [4] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم

کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتی' ایک دن حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں' پھنس گئی اور نکلنے کی راہیں ڈھونڈنے لگی' ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے' پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں' دل میں کہا کہ ''اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا ''یا رسول اللہ ﷺ میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں''۔

ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے فصل کا زمانہ تھا' دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی ہیں اس قدر فریفتہ ہوئے کہ نماز کی رکعتیں یاد نہ رہیں نماز سے فارغ ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''اس باغ کی وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہو گیا' اس کو اموال صدقہ میں داخل کر لیجئے''۔ چنانچہ انہوں نے اس کو ۵۰ ہزار پر فروخت کیا اور اس مناسبت سے اس کا نام خمسین پڑ گیا۔[1]

اسی خشوع و خضوع کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے' حضرت انس رضی اللہ عنہ رکوع کے بعد قیام میں دونوں سجدوں کے درمیان اس قدر دیر لگاتے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں۔[2]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ستون کھڑا ہے۔ ایک دن رکوع میں اس قدر جھکے رہے کہ ایک شخص نے سورہ بقرہ' سورہ آل عمران' سورہ نساء اور سورہ مائدہ جیسی طویل سورتوں کی تلاوت کر ڈالی لیکن انہوں نے اس درمیان میں سر نہ اٹھایا۔[3]

---

[1] موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ النظر فی الصلوٰۃ الی ما یشغلک عنہا

[2] بخاری کتاب الصلوٰۃ ابواب صفۃ الصلوٰۃ باب المکث بین السجدتین

[3] اسد الغابہ و اصابہ تذکرہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

ابواب الزکوٰۃ

زکوٰۃ مفروضہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ سخت مفلس اور نادار تھے' تاہم خدا کی راہ میں وہ اپنا مال سینکڑوں طریقے سے صرف کرتے تھے' جہاد کے سامان اور نومسلموں کی کفالت کے علاوہ صدقہ وخیرات سے کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا' زکوٰۃ سب سے مقدم اور حاوی چیز تھی' یعنی غلہ پر الگ سامان تجارت پر الگ' گھوڑوں پر الگ' اونٹوں پر الگ' باغوں پر الگ غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں خدا کا حق نہ ہوتا تاہم وہ نہ اس سے گھبراتے تھے نہ تنگدل ہوتے تھے۔ بلکہ نہایت فیاضی کے ساتھ خدا کے اس حق کو ادا کرتے تھے۔

جب کھجوروں کی فصل تیار ہوتی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم زکوٰۃ کی کھجوریں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے گرد کھجوروں کا ڈھیر لگا دیتے۔[1]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ طے کا صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو چونکہ اسلام میں یہ پہلا صدقہ تھا اس لیے اس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک اٹھے۔[2]

جو لوگ اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ لے کر آتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعائے خیر فرماتے حضرت ابواوفی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی زکوٰۃ لے کر آئے تو آپؐ نے دعا دی۔[3]

اللھم صل علی آل ابی اوفی. ''خداوند آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما''۔

جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجے جاتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ان کو رضا مند رکھتے' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند بدوں نے محصلین زکوٰۃ کے ظلم کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا ''ان کو راضی رکھو'' حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

---

1. بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام النخل
2. مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل غفار واسلم وغیرہا
3. ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المصدق لاہل الصدقۃ

کہ جب سے میں نے یہ سنا میرے پاس سے محصل زکوٰۃ ہمیشہ خوش گیا"۔[1]

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی' ایک بار آپ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کے ساتھ حاضر ہوئیں جس کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپؐ نے کنگن دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو بولی نہیں فرمایا "کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن ان کے بدلے تمہارے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے"؟ انہوں نے فوراً کنگن آپؐ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول اللہ ﷺ کے ہیں"۔[2]

صدقہ فطر ادا کرنا:

صدقہ فطر واجب ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد کی طرف سے نہایت التزام کے ساتھ صدقہ فطر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے غلام نافع کے بچوں بلکہ کافر غلاموں کی جانب سے بھی صدقہ فطر دیتے تھے[3] رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے کہ دو ایک دن پیشتر ہی صدقہ فطر دیتے تھے[4] ان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام صحابہؓ ایسا کرتے تھے۔ عہد رسالت میں ایک صاع جو یا کھجور یا منقی صدقہ' فطر میں دیا جاتا تھا' لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا تو انہوں نے ان چیزوں کی بجائے نصف صاع گیہوں کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے لوگوں نے دو مد شامی گیہوں کے دینے کا التزام کر لیا۔[5]

زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر وصول کرنے کے لیے بھی اشخاص مقرر ہوئے تھے جو

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ارضاء السعادۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ہو وزکوٰۃ الحلی۔

[3] بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک۔

[4] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب متی تودی صدقۃ الفطر۔ [5] بخاری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطر و الحر والمملوک۔ [5] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر

اس کو وصول کر کے ایک جگہ جمع کرتے تھے[1] بخاری کتاب الوکالہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے:

و کلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان.

''رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ رمضان کا مجھ کو وکیل بنایا''۔

اس میں زکوۃ رمضان سے صدقہ فطر ہی مراد ہے' جو ادا کرنے کے لیے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔[2]

صدقہ و خیرات:

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت تنگدست تھے تاہم ان کو تھوڑا بہت جو کچھ ملتا تھا اس کو صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازاروں میں جاتے اور حمالی کرتے' محنت و مزدوری میں جو کچھ ملتا اس کو صدقہ کر دیتے۔[3]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی فروخت کی اور اس کی قیمت گود میں لیے بیٹھی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور قیمت دیکھ کر کہا ''مجھے دے دو'' بولیں ''میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا''۔[4]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت ہی میں نیک کاموں کے کرنے میں مشہور تھے' اسلام لائے تو زمانہ جاہلیت میں جو نیک کام کیے تھے' اسلام میں بھی اسی قسم کے نیک کام کیے' دارالندوہ جو قریش کا ایک قابل فخر یادگار تھا' ان ہی کے قبضہ میں تھا' انہوں نے اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر فروخت کیا اور اس کی کل

---

[1] بخاری مع فتح الباری ابواب صدقۃ الفطر باب صدقۃ الفطری علی الحر والمملوک

[2] بخاری مع فتح الباری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیاء' فاجازہ الموکل فھو جائز

[3] بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ۔

[4] مسلم کتاب آداب باب جواز المراۃ الاجنبیۃ

قیمت خیرات کر دی۔[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے۔ لیکن جب بیت المال سے وظیفہ کی رقم ملتی تھی تو کل کی کل خیرات کر دیتے تھے اور خود اپنے کسب سے روزی پیدا کرتے تھے۔[2]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہزار غلام تھے وہ کما لاتے تھے تو کل رقم صدقہ کر دیتے تھے' گھر میں ایک جبہ بھی نہ آنے پاتا تھا۔[3]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سرے سے مال کا جمع کرنا ہی ناجائز سمجھتے تھے۔[4]

بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو چیز صدقہ میں دے دے اس کو دوبارہ نہ خریدے اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر صدقہ کا مال دے کر پھر خریدتے تو اس کو اپنے ملک میں نہ رکھتے بلکہ صدقہ کر دیتے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کی ترغیب وتحریض سے صحابہ کرامؓ اور بھی زیادہ صدقہ وخیرات کی طرف مائل ہو جاتے تھے' ایک بار آپ نے خطبہ عید میں صدقہ کی ترغیب دی' عورتوں کا مجمع تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور عورتیں اپنے کان کی بالیاں اور ہاتھ کی انگوٹھیاں پھینکتی جاتی تھیں[6] ایک بار قبیلہ مضر کے بہت سے فاقہ زدہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کی حالت دیکھی تو چہرے کا رنگ بدل گیا اور نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ایک صحابی کے پاس درہم ودینار کی ایک تھیلی اس قدر وزنی تھی کہ اس کو بمشکل اٹھا سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کو آپ کے سامنے ڈال دیا۔ اس کے بعد اور تمام صحابہؓ نے کپڑے اور غلہ کا ڈھیر لگا دیا۔[7]

ایک بار آپؐ نے دیکھا کہ انصار نے اپنے باغوں کے گرد چار دیواریاں قائم کر

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حکیم بن حزامؓ۔ [2] استیعاب حضرت سلمان فارسیؓ۔ [3] اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن عوامؓ۔ [4] بخاری کتاب الزکوۃ باب ما ادی زکوۃ فلیس بکنز۔ [5] بخاری کتاب الزکوۃ باب ہل یشتری صدقتہ۔ [6] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الخطبہ فی یوم العید۔ [7] نسائی کتاب الزکوۃ باب التحریض علی الصدقہ۔

دی ہیں۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں کرتے تھے فرمایا کہ "نماز جمعہ کے بعد چلے نہ جانا میں کچھ کہوں گا" جب نماز ہو چکی تو تمام انصار منبر کے گرد جمع ہو گئے' آپؐ نے فرمایا کہ "تم پہلے قوم کا تاوان دیتے تھے یتیموں کی پرورش کرتے تھے اور دوسری نیکیاں کرتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو مال کی اس قدر حفاظت کرتے ہو؟ انسان جو کچھ کھا لیتا ہے اس کا ثواب ملتا ہے اور چڑیاں جو کچھ کھا لیتی ہیں اس کا ثواب ملتا ہے' انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی دیواروں میں ایک ایک دو دو شگاف کر دیئے[1] کہ ان کا فائدہ سب کو پہنچے۔

ایک بار مسجد نبویؐ میں ایک سائل آیا آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے اپنے کپڑے زمین پر ڈال دیں۔ سب نے اپنے اپنے کپڑے ڈال دیئے اور ان میں سے آپؐ نے سائل کو دو کپڑے دے دیئے پھر آپؐ نے صدقہ کی ترغیب دی' اب خود سائل نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پھینک دیا۔[2]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ "آج تم میں کسی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے"؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے جہاں ان کو ایک سائل ملا ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا ان سے لے کر سائل کو دے دیا۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہر قسم کی چھوٹی بڑی چیز خالصتاً بوجہ اللہ صدقہ میں دیتے' اس کو دیکھ کر منافقین طعنہ دیتے بدگمانی کرتے لیکن ان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑتا' ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار صدقہ میں دیئے تو منافقین نے کہا کہ "یہ ریا کار آدمی ہیں" لیکن ایک صحابی نے ڈول کھینچنے کی اجرت میں ایک صاع پایا اور اس کو صدقہ میں دیا تو منافقین نے کہا کہ "خدا اس حقیر خیرات سے بے نیاز ہے" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَ الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ خالد بن صخرؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یخرج من مالہ۔ [3] ایضاً اب المسألۃ فی المساجد۔ [4] بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ مع فتح الباری جلد ۳ ص ۲۳۴۔

"یہ (منافق) ہی تو ہیں کہ مسلمانوں میں جو لوگ (بامقدر ہیں اور) خوش دلی سے خیرات کرتے ہیں ان پر (ریاکاری) کا عیب لگاتے ہیں اور جو لوگ اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا (زیادہ) کا مقدور نہیں رکھتے (اور اس پر بھی جو میسر آ جاتا ہے خدا کی راہ میں دینے کو موجود ہو جاتے ہیں) ان پر (ناحق کی شیخی کا) عیب لگاتے ہیں۔ غرض ان (سب) پر ہنستے ہیں اللہ ان منافقوں پر ہنستا ہے اور ان کے لیے عذاب دردناک (تیار) ہے"۔

مردوں کی جانب سے صدقہ کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی صدقہ کرتے تھے اور ان کو اس کا ثواب پہنچاتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں نے ان کی جانب سے بطور صدقہ جاریہ کے ایک کنواں کھدوایا[1] ایک صحابی کی والدہ نے انتقال کیا تو انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں دفعتہً مرگئی اور کوئی وصیت نہیں کی' لیکن اگر اس کو بات چیت کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ کرتی اب اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں ملے گا"۔[2]

اعزہ واقارب پر صدقہ کرنا:

عام خیال ہے کہ صدقہ و خیرات صرف فقراء و مساکین کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن درحقیقت اعزہ اقارب کی اعانت کرنا سب سے بڑا صدقہ ہے اور سب سے پہلے اسلام نے اس دقیق نکتہ کو بتایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کنواں بیرحا خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنے اعزہ واقارب پر تقسیم کر دیا' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بی بی حضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی فضل سقی الماء۔
[2] مسلم کتاب الزکوۃ باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ۔

زینب رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ "تم نادار آدمی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اگر آپؐ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں پر کروں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "تمہیں جاؤ" وہ آئیں تو آستانہ مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری بی بی بھی موجود تھیں دونوں بیبیوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے دریافت کرایا کہ "دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں کیا یہ جائز ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ان کو دوہرا ثواب ملے گا' ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا" ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! میں ابوسلمہ کے لڑکوں کے مصارف برداشت کرتی ہوں کیا مجھ کو اس کا ثواب ملے گا' میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی' کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں" فرمایا "ہاں تم کو ثواب ملے گا" [1]

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃً دی تھی' ماں کا انتقال ہو گیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت دریافت کیا' فرمایا "صدقہ کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی" [2]

صدقہ دینے پر اصرار:

صرف یہی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدقہ دیتے تھے' بلکہ صدقہ دینے پر اصرار کرتے تھے' ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ انڈے کے برابر سونا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس کو ایک کان میں پایا ہے' قبول فرما لیجئے یہ صدقہ ہے اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں" آپؐ نے اعراض فرمایا پھر داہنے جانب سے لے آئے اور یہی درخواست کی آپ نے منہ پھیر لیا' پھر بائیں جانب سے آئے' آپ نے پھر روگردانی کی پھر پیچھے سے آئے اب کی بار آپ نے اس کو لے کر ان کی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑا ہوتا تو چوٹ آتی۔ اور فرمایا کہ "تم لوگ اپنا تمام سرمایہ صدقہ میں دے دیتے ہو پھر بھیک مانگنے لگتے ہو بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد

[1] مسلم کتاب الزکوۃ باب النفقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین

[2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب من تصدق بصدقۃ ثم ورثہا

بھی انسان کے پاس کچھ مال رہ جائے''۔[1]

آپؐ نے ایک بار صدقہ دینے کا حکم دیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا ''میرے پاس ایک دینار ہے'' فرمایا ''اس کو اپنے اوپر صدقہ کرو'' بولے ایک دینار اور بھی ہے'' فرمایا ''اپنے لڑکے پر صدقہ کرو'' بولے ایک اور بھی ہے' فرمایا ''اپنی بی بی پر صدقہ کرو'' بولے ایک اور بھی ہے'' فرمایا ''اپنے خادم پر صدقہ کرو'' بولے ''ایک اور بھی ہے'' فرمایا اب تمہیں سمجھو''۔[2]

صدقہ دینے میں مسابقت:

اسلام نے اگرچہ قمار بازی کو حرام کر دیا تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازی لگانے سے باز نہیں آتے تھے' لیکن اس بازی میں جو شخص کامیاب ہو جاتا تھا اس کے ہاتھ ناجائز مال نہیں آتا تھا بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول آتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا' حسن اتفاق سے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال تھا انہوں نے دل میں کہا ''آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جاؤں گا'' نصف مال لے کر حاضر خدمت ہوئے' آپؐ نے فرمایا کچھ اہل وعیال کے لیے بھی رکھا ہے' بولے ''اسی قدر'' اسی اثناء میں حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لے کر حاضر ہوئے' آپؐ نے فرمایا اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا' بولے ''اللہ اور اللہ کا رسول'' اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں تم سے کبھی بازی نہ لیجا سکوں گا''۔[3]

اخفائے صدقہ:

صدقہ وخیرات اگرچہ ہر حال میں نیکی کا کام ہے' لیکن چھپا کر صدقہ دینا اور بھی افضل ہے اس لیے قرآن مجید میں آیا ہے۔

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾

''اگر علانیہ صدقہ دو تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اگر چھپا کر دو تو یہ اور بھی اچھا ہے''۔

اس لیے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مخفی طور پر صدقہ دینا زیادہ پسند کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت:

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یخرج من مالہ۔ [2] ایضاً باب فی صلۃ الرحم

[3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرخصۃ فی ذالک

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾
''تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک اپنے محبوب ترین مال کو خیرات نہ کرو''۔
یا یہ آیت:
﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''وہ کون ہے جو خدا کو اچھا قرض دے''۔
نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''اگر ممکن ہوتا تو میں اپنے فلاں باغ کو صدقہ میں دیتا اور اس کو بالکل مخفی رکھتا اس کا اعلان نہ کرتا''۔[1]

اپنے بہترین مال کا انفاق:

ہم ہیں کہ صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ میں ادنیٰ درجہ کی چیز بھی نہیں دے سکتے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان میں ہمیشہ اپنا بہترین مال صرف کرتے تھے' جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔
﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾
''تم لوگ جب تک اپنا بہترین مال نہ خیرات کرو نیکی کو نہیں پا سکتے''۔
تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا ''یا رسول اللہ ﷺ خدا کہتا ہے کہ جب تک تم لوگ اپنا بہترین مال خیرات نہ کرو گے نیکی کو نہ پاؤ گے' میرا محبوب ترین مال بیرحا ہے جس کو میں خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور خدا سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں''۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ ان کو اپنی چیز جو پسند آتی اس کو خدا کی راہ میں دے دیتے ایک بار سفر حج میں تھے اونٹنی کی چال پسند آئی تو اس سے اتر گئے اور اپنے غلام نافع سے کہا کہ اس کو قربانی کے جانوروں میں داخل کر لو۔[3]

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے محصلین زکوٰۃ کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں مال کا بہترین حصہ نہ لیں' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخوشی اپنے مال کا بہترین حصہ دیتے تھے ایک صحابی نے ایک محصل زکوٰۃ کو اپنی بہترین اونٹنی دی' لیکن اس نے لینے سے انکار کیا تو کہا کہ ''میری

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۷۴۔ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الاقارب۔
[3] طبقات ابن سعد و اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

خواہش ہے کہ آپ میرا بہترین اونٹ لیں'' پھر اس سے کم درجہ کی اونٹنی دی' لیکن اس نے اب بھی انکار کیا بالآخر اس سے بھی کم درجہ کی اونٹنی لینے پر راضی ہوا۔

ایک دن ایک صحابی پہاڑ کے دَرّے میں بکریاں چرا رہے تھے' دو محصلین زکوٰۃ آئے اور کہا کہ ''ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری بکریوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا ہے'' بولے ''مجھ کو کیا دینا پڑے گا''؟ انہوں نے کہا ''ایک بکری'' انہوں نے ایک نہایت فربہ گابھن بکری دی تو بولے کہ ''ہم اس کو نہیں لے سکتے آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے''۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا وہ ایک صحابی کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے تمام اونٹ حاضر کر دیئے وہ سب کا جائزہ لے کر بولے کہ ''تم کو صرف ایک بچہ دینا ہوگا'' بولے ''نہ تو وہ سواری کے قابل ہے نہ دودھ دیتا ہے' یہ جوان فربہ اونٹنی حاضر ہے'' بولے ''جب تک مجھ کو حکم نہ دیا جائے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے قریب ہی ہیں'' اگر تم چاہو تو خود آپ کی خدمت میں اس اونٹنی کو پیش کر سکتے ہو' اگر آپ نے قبول فرما لیا تو میں بھی قبول کر لوں گا'' وہ اونٹنی لے کر خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ''یا نبی اللہ میرے پاس صدقہ وصول کرنے کے لیے آپ کا محصل آیا اور آج سے پہلے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی محصل میرے پاس صدقہ وصول کرنے کے لیے نہیں آیا تھا میں نے اپنے تمام اونٹ اس کے سامنے حاضر کر دیئے' تو اس نے کہا کہ ''تم پر صرف ایک بچہ فرض ہے لیکن نہ دودھ دیتا تھا نہ سواری کے قابل تھا اس لیے میں نے اس کو جوان اور فربہ اونٹنی دی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اب میں اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں'' آپ نے ارشاد فرمایا ''فرض تو تم پر وہی ہے اس سے زیادہ دو تو صدقہ ہوگا اور ہم اس کو قبول کر لیں گے'' انہوں نے کہا ''تو یہ حاضر ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دی اور ان کے مال میں برکت کی دعا فرمائی [1]

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی زکوۃ السائمۃ

ابواب الصیام

صوم رمضان:

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ابتدا میں عشاء کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا' اس پابندی کی وجہ سے اگرچہ بعض اوقات صحابہ کو سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں' لیکن با ایں ہمہ انہوں نے روزہ رکھنے میں کبھی سہل انکاری سے کام نہیں لیا۔ ایک دن رمضان کے مہینے میں حضرت صرمہ بن قیس رضی اللہ عنہ انصاری نے بی بی سے کھانا مانگا' سوئے اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا' وہ باہر گئیں کہ کھانے پینے کی کوئی چیز تلاش کر کے لائیں۔ لیکن اس اثناء میں ان کی آنکھ لگ گئی اور کھانا نہ کھا سکے' صبح کو پھر روزہ رکھے ہوئے کام دھندے کے لیے نکل گئے دو دن کا متصل فاقہ' اس پر کام کی محنت' دوپہر ہوئی تو بھوک کی شدت سے بیہوش ہو گئے۔[1]

اگر کسی غلطی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روزہ ٹوٹ جاتا تو ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ایک صحابی نے رمضان میں دن کو اپنی بی بی سے مباشرت کر لی بعد کو اس قدر بدحواس ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بال نوچتے ہوئے سینہ کوبی کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ ''میں ہلاک ہو گیا''۔[2]

سفر میں روزہ رکھنا:

حالت سفر میں اگرچہ روزہ رکھنا فرض نہیں ہے تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حالت میں بھی سخت سے سخت تکلیف برداشت کرتے' لیکن افطار کرنا پسند نہ کرتے ایک صحابی نے سفر میں روزہ رکھا تو دھوپ کی شدت سے محفوظ رکھنے کے لیے لوگوں نے ان کے سر پر چادر تان دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا ''سفر میں روز رکھنا نیکی کا کام نہیں''۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب مبداء فرض الصیام۔ [2] موطا امام مالک کتاب الصیام باب من افطرفی رمضان۔ [3] ابوداؤد کتاب الصیام باب اختیار الفطر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے' دھوپ اس قدر تیز تھی کہ لوگ اس کی شدت سے سروں پر ہاتھ رکھتے تھے' لیکن اس حال میں بھی حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روزے سے تھے۔[1]

ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک نہایت گرم دن میں سفر کر رہے تھے ان میں جو لوگ روزے سے تھے منزل پر پہنچ کر ضعف سے گر پڑے اور بے روزہ داروں نے خیمے وغیرہ کھڑے کیے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا سفر کیا تو تمام صحابہؓ روزہ سے تھے' منزل پر پہنچ کر فرمایا کہ "تم لوگ دشمن کے قریب پہنچ گئے اور افطار تمہارے لیے ازدیاد قوت کا سبب ہوگا" اس پر بھی بہت سے صحابہؓ نے روزہ افطار نہیں کیا' دوسری منزل آئی تو آپ نے اور بھی تاکید کے ساتھ افطار کی ترغیب دی' اب تمام صحابہؓ نے روزہ توڑ دیا۔[3]

صوم عاشوراء:

رمضان کے روزوں کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بھی مختلف قسم کے روزے رکھتے تھے' اول اول عاشورہ کا روزہ فرض تھا' اس لیے عاشورہ کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منادی کرا دیتے کہ جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے وہ اپنے روزے پورے کر لیں اور جو لوگ کھا پی چکے ہیں' وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں' اس اعلان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ نہ صرف خود روزے رکھتے بلکہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی روزے رکھواتے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تو بہلانے کے لیے ان کو رنگین اون کی گڑیاں دے دیتے[4] فرضیت صوم رمضان کے بعد اگرچہ یہ روزہ فرض نہیں رہا۔ تاہم بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو قائم رکھا' ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں خطبہ دیا' جس میں فرمایا کہ "اس دن کا روزہ اگرچہ فرض نہیں ہے تاہم میں

---

[1] بخاری کتاب الصوم باب اذا صام ایاما من رمضان ثم سافر

[2] مسلم کتاب الصوم باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان المسافر

[3] ایضاً باب اجر المفطر فی السفر اذا تولی العمل

[4] مسلم کتاب الصوم باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیۃ یومہ۔

روزے سے ہوں' جس کا جی چاہے روزہ رکھے' جس کا جی چاہے افطار کرلے''۔[1]

صوم داؤدی:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وصائم الدہر رہا کرتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا' اور کہا کہ ''ہر مہینہ میں صرف تین دن رکھا کرو'' لیکن ان کے شوق کو اس سے کیا تسکین ہوسکتی تھی؟ بولے ''مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے'' ارشاد ہوا ''تو صوم داؤدی کا التزام کرلو یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر دوسرے دن کا روزہ رکھو''۔[2]

صوم وصال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متصل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی متصل روزے رکھنے شروع کیے' لیکن آپ نے صحابہ کو روک دیا اور فرمایا ''میری حالت تم سے مختلف ہے مجھ کو خدا کھلاتا پلاتا ہے''[3] تاہم بعض صحابہ صوم وصال کے پابند تھے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متصل ایک ایک ہفتہ کا روزہ رکھا کرتے تھے[4]

دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں دنوں کے روزے رکھتے تھے' اور فرماتے تھے کہ ''ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں'' بعض صحابہؓ نے بھی اس کا التزام کرلیا تھا' چنانچہ ایک دن حضرت اسامہؓ وادی قریٰ کو گئے' اور ان دنوں کے روزے رکھے' غلام نے کہا ''آپ تو بڈھے ہیں' ان دنوں میں کیوں روزہ رکھتے ہیں؟'' بولے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں کے روزے رکھا کرتے تھے''۔[5]

ایام بیض کے روزے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض ہر مہینے کی تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں کے

---

[1] ایضاً باب صوم یوم عاشوراء۔ [2] مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثہ ایام من کل شہر

[3] ایضاً باب النہی عن الوصال فی الصوم۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ ابن زبیر۔

[5] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صوم الاثنین والخمیس۔

روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ "یہ روزے صوم دہر کے مثل ہیں" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم تھا۔[1]

صائم الدہر رہنا:

ایک صحابی ایک سال آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس چلے گئے۔ دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے تو صورت اس قدر بدل گئی تھی کہ آپؐ نے ان کو نہیں پہچانا اس بناء پر انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ "میں وہی شخص ہوں جو پہلے سال آیا تھا" فرمایا تمہارا کیا حال ہو گیا؟ تمہاری صورت تو اچھی خاصی تھی" بولے "جب سے آپ سے جدا ہوا ہوں رات کے سوا دن کو کبھی کھانا نہیں کھایا" لیکن آپؐ نے ان کو اس سے منع فرمایا'[2] بااین ہمہ بہت سے صحابہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے' حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے متعدد غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی' لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی' اخیر میں عرض کی کہ "اچھا یہ نہ سہی تو کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے" آپ نے روزے کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزے رکھنے کا التزام کر لیا' خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی' اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا یا آگ جلائی جاتی تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے[3] ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیوں کر پک سکتا تھا۔

حضرت زید بن سہل رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں غزوات کی شرکت کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس کی تلافی کرنا شروع کی اور ۴۰ برس تک متصل روزے رکھے اور عید کے سوا کہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے کبھی بے روزہ نہ رہے۔[4]

حضرت حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ الاسلمی بھی ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی صوم الثلاث من کل شہر۔ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم اشہر الحرام۔
[3] مسند جلد ۵ ص ۲۵۵۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہلؓ۔
[5] مسلم کتاب الصوم باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر۔

نفل کے روزے رکھنا:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو نفل کے روزہ کا اس قدر شوق تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ آج گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو کہتے کہ "میں آج روزے سے ہوں" حضرت ابوطلحہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔[1]

بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر شکایت کی۔ لیکن آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔[2]

مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتے تھے، ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس پر پورے مہینے کے روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟" آپ نے فرمایا "ہاں"۔[3]

بچوں سے روزہ رکھوانا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف خود روزہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم عاشورہ کے لیے منادی کروائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود روزہ رکھا اور بچوں سے بھی روزے رکھوائے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں ایک بدمست کو یہ کہہ کر سزا دی کہ "ہمارے بچے روزے رکھتے ہیں اور تمہارا یہ حال ہے۔ افسوس"۔[4]

---

1. بخاری کتاب الصوم باب اذا نوی بالنہار صوما۔
2. ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ ھل تصوم بغیر اذن زوجہا۔
3. بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم۔
4. بخاری کتاب الصوم باب صوم الصبیان۔

اعتکاف:

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تو تمام صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ معتکف ہوئے۔[1]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو اپنا خیمہ الگ نصب کروایا۔ ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے خیمے نصب کرائے آپؐ نے دیکھا تو اپنے ساتھ ازواج مطہرات کے خیمے بھی گروا دیئے[2] کہ اس سے آپ کے سکون و جمعیت خاطر میں فرق آتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی' اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے پورا کرنے کی اجازت چاہی' آپ نے اجازت دی تو انہوں نے اس نذر کو پورا کیا۔[3]

ابواب الحج

حج:

فرائض اسلام میں اگرچہ حج تمام عمر میں صرف ایک بار فرض ہے' لیکن بعض صحابہؓ تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو فرمایا ''بہترین جہاد حج مبرور ہے'' اس کے بعد سے وہ کبھی حج کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں[4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ ''جب تم جہاد سے فارغ ہو تو حج کے لیے کجاوے کسو کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے''۔[5]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت سے سخت خطرے کی حالت میں بھی حج کو قضا

---

[1] مسلم کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر۔ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف

[3] ایضاً باب المعتکف یعود المریض۔ [4] بخاری کتاب الحج باب حج النساء

[5] بخاری مع فتح الباری کتاب الحج باب الحج علی الرجل

نہیں فرماتے تھے حجاج اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور خود مکہ محاصرہ میں آ گیا تو انہوں نے اس حالت میں بھی سفر حج کرنا چاہا' صاحبزادے نے روکا تو بولے کہ "ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے آپؐ حج کے لیے چلے تو کفار نے روک دیا' اگر مجھے بھی روکا جائے گا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا"۔[1]

صحابہ کرامؓ جس ذوق وشوق سے حج کرتے تھے اس کا مؤثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان حج کیا تو مدینہ میں بکثرت صحابہ جمع ہوئے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اگرچہ حاملہ تھیں اور اسی سفر میں بہ مقام ذوالحلیفہ ان کو وضع حمل بھی ہو گیا' تاہم وہ بھی شریک سفر ہوئیں' آپ مقام بیداء میں پہنچے تو صحابہ کا اس قدر ازدحام ہوا کہ دائیں بائیں آگے پیچھے آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔[2]

تمام خلفاء اپنے زمانہ خلافت میں بالالتزام حج کرتے تھے اور خود امیر الحاج ہوتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت دس برس ہے اور اس مدت میں انہوں نے متصل دس سال حج کیے' اخیر سال جب لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تو خود نہ جا سکے' لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔[3]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو باطل کر دیا تھا' تاہم بعض صحابہ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلزم کرتے تھے' ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروایا تو آپؐ نے کہا "پا پیادہ بھی چلیں اور سوار بھی ہو لیں" آپ نے ایک بوڑھے صحابی کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کے سہارے پا پیادہ چل رہے ہیں' فرمایا کیا معاملہ ہے؟ معلوم ہوا کہ پا پیادہ حج کرنے کی منت مانی ہے آپ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ "خدا اس کی جان کو عذاب میں ڈالنے سے بے نیاز ہے"۔[4]

اگر کسی معذوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت صدمہ ہوتا تھا' حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری

---

[1] بخاری کتاب الحج باب طواف القارن۔ [2] مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔ [4] بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔

ہوگئی رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رو رہی ہیں' فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ" کاش میں اس سال حج نہ کرتی" فرمایا" سبحان اللہ' یہ تو فطری چیز ہے تمام مناسک ادا کرو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو"۔[1]

باپ ماں کی طرف سے حج کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتے تھے' حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ" میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے۔ لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں؟" آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی[2]

ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ "میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا' کیا میں ان کی جانب سے اس فرض کو ادا کر دوں"؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔[3]

عمرہ:

بعض صحابہؓ عمرہ کو فرض سمجھتے تھے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ حج کی طرح عمرہ بھی ہر شخص پر فرض ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی فرضیت پر یہ استدلال کرتے تھے کہ قرآن مجید میں حج اور عمرہ دونوں کا حکم ایک ساتھ آیا ہے۔

اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ[4] "خدا کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو"۔

بہرحال عمرہ فرض ہو یا نہ ہو' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا' حجۃ الوداع کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں' وجہ پوچھی تو بولیں کہ" میں ضرورتِ نسوانی سے معذور ہوں' لوگ دو دو فرض (حج اور عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا"۔ فرمایا" کوئی حرج نہیں' خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائے گا'

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج۔ [2] بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ
[3] مسلم کتاب الصوم باب قضا الصیام عن المیت [4] بخاری ابواب العمرہ باب وجوب العمرۃ وفضلۃ۔

چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں جا کر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آ گئیں۔[1]

قربانی کرنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پابندی اور نہایت شوق کے ساتھ قربانی کرتے تھے' ایک بار حضرت ابو کباش رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے کچھ بکریوں کے بچے لائے لیکن کسی نے نہیں پوچھا' وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور اس کے جواز وعدم جواز کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

و نعمت الاضحية الجذع.

''بکری کا بچہ قربانی کے لیے کس قدر موزوں ہے''۔

یہ سننا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھوں ہاتھ گلے کو خرید لیا۔[2]

ایک بار حضرت اسود بن ہلال رضی اللہ عنہ مدینہ میں بہت سے اونٹ لے کر آئے مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے ہیں اور لوگوں کو حج کرنے اور ہدی لے جانے کی ترغیب دے رہے ہیں وہ مسجد سے نکلے تو ہر شخص نے ایک ایک اونٹ خرید لیا اور وہ مالا مال ہو گئے۔[3]

ابواب الجهاد

شوق جہاد:

اسلام کے فرائض واعمال میں جہاد سب سے زیادہ سخت ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک برابر جہاد ہی میں مشغول رہے۔[4]

---

[1] بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔ [2] ترمذی کتاب الاضاحی باب فی الجذع من الضان فی الاضاحی

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ اسود بن ہلالؓ۔ [4] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے شرکت جہاد کے لیے عام منادی کرائی' ایک صحابی نہایت بوڑھے تھے اور خدمت کے لیے ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا' تاہم اس قدر شوق جہاد رکھتے تھے کہ شریک جہاد ہوئے اور خدمت کے لیے تین دینار کی اجرت پر ایک شخص کو ساتھ لیتے گئے۔[1]

بی بی اور جائیداد سب کو عزیز ہوتے ہیں' لیکن شوق جہاد میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو بھی الگ کر دیا تھا' حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اور مدینہ آیا کہ وہاں کی جائیداد کو بیچ کر ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں لیکن چند صحابہؓ ملے اور انہوں نے کہا کہ ہم میں بھی چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا' لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا''۔[2]

شوقِ شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا' حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں' جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ''مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائیے' میں مریضوں کی تیمار داری کروں گی' شاید مجھے وہ درجہ شہادت حاصل ہو جائے' لیکن آپؐ نے فرمایا'' گھر ہی میں رہو' خدا تمہیں وہیں شہادت دے گا'' یہ معجزانہ پیشین گوئی کیونکر غلط ہوسکتی تھی؟ انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام مدبر[3] کیے تھے۔ جنہوں نے ان کو شہید کر[4] دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ پر ایک بدو ایمان لایا اور آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن آپؐ نے اس کو بعض صحابہؓ کے سپرد کر دیا' جن کے اونٹ وہ چرایا کرتا تھا' لیکن جب ایک غزوہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا اور آپؐ نے اس کا بھی حصہ لگایا تو اس نے کہا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل دیاجیر لیخدم۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل

[3] مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا یہ کہہ دے کہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔

[4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔

''میں اس لیے ایمان نہیں لایا' میں اس لیے حلقہ اسلام میں داخل ہوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہوں۔'' تھوڑی دیر کے بعد معرکہ کارزار گرم ہوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہوا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لاش کو آپ ؐ کے سامنے لائے تو آپ ؐ نے فرمایا کہ ''اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی' یہ کہہ کر خود اپنا جبہ کفن کے لیے عنایت فرمایا۔[1]

غزوہ اُحد میں ایک صحابی نے آپ ؐ سے پوچھا ''اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہو گا؟'' ارشاد ہوا کہ ''جنت میں'' کھجوریں ہاتھ میں تھیں ان کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہوئے۔ غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ قریب آ گئے تو آپ ؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''اٹھو اور وہ جنت لو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے'' حضرت عمیر بن الحمام الانصاریؓ نے کہا ''یارسول صلی اللہ علیہ وسلم آسمان و زمین کے برابر'' ارشاد ہوا ''ہاں'' بولے ''واہ واہ'' فرمایا ''واہ واہ کیوں کہتے ہو؟'' بولے صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اس میں داخل ہو سکوں' ارشاد ہوا کہ تم داخل ہو گے'' اس سوال و جواب کے بعد انہوں نے جھولی سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے' پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے کہ ''اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں میرے لیے بہت ہے'' یہ کہہ کر کھجوروں کو پھینکا میدان میں گئے لڑے اور شہید ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لیے ہمیشہ یہ کانٹا ان کے دل میں کھٹکا کرتا تھا' غزوہ احد پیش آیا تو اس میں اس جانبازی کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے کہ ان کی بہن کا بیان ہے کہ تیر' نیزے اور تلوار کے اُسی سے زیادہ زخم جسم پر تھے' میں نے صرف انگلیوں سے ان کو پہچانا۔

ایک بار ایک صحابی نے معرکہ جنگ میں یہ روایت کی کہ ''جنت کے دروازے تلوار کے سایہ کے نیچے ہیں'' ایک صحابی اٹھے اور کہا ''تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے'' بولے ''ہاں'' وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے رفقاء کے پاس آئے اور سلام کر کے ان سے

---

[1] نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہداء

رخصت ہوئے تلوار کا میان توڑ کر پھینک دیا اور دشمن کی صف میں گھس کر لڑے اور شہید ہوئے۔[1]

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طاعون ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو آثار موت طاری ہو چکے تھے' عورتیں رونے پیٹنے لگیں ان کی صاجزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ ''مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے' آپ نے جہاد کا سامان مکمل بھی کر لیا تھا' آپ نے فرمایا ''ان کو نیت کا ثواب مل چکا''۔[2]

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ ایک بوڑھے اور لنگڑے صحابی تھے' غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگڑا پن کی وجہ سے ان کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا' لیکن غزوہ احد میں انہوں نے بیٹوں سے کہا کہ ''مجھے میدان جہاد میں جانے دو' سب نے کہا ''آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے'' بولے ''افسوس تم نے مجھے بدر میں جنت سے محروم رکھا اور اب احد میں بھی محروم رکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر روانہ ہوئے' جب لڑائی کا وقت آیا تو بولے ''یا رسول اللہ! اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسی طرح لنگڑاتا ہو جنت میں پہنچ جاؤں گا'' ارشاد ہوا ''ہاں'' یہ سن کر آگے بڑھے' لڑے اور شہید ہوئے۔[3]

خلوص فی الجہاد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں خلوص سب سے زیادہ نمایاں چیز ہے' حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی' فدیہ ادا کرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ کر واپس گئے اور اسلام لائے' اس پر ان کے بھائی خالد نے کہا کہ ''اگر اسلام ہی لانا تھا تو فدیہ دینے سے پہلے ہی اسلام لاتے کہ فدیہ سے بچ جاتے بولے ''میں اس لیے فدیہ دینے کے بعد اسلام لایا کہ قریش یہ نہ کہیں کہ فدیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے''۔[4]

جہاد میں اس خلوص کا اظہار اور بھی شدت سے ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن اقیش رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے زمانہ تک کافر تھے احد کا معرکہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ہدایت

---

[1] مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔ [2] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فضل من مات فی الطاعون۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ سلیمؓ مولی عمرو بن الجموح۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ ولید بن ولیدؓ۔

دی اور گھر میں آ کر کہا کہ میرے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ فلاں کہاں ہے؟'' فلاں کہاں ہے لوگوں نے احد کا نام لیا تو زرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور احد کا راستہ لیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو کہا کہ ''ہم سے الگ رہو'' بولے کہ ''میں تو ایمان لا چکا'' یہ کہہ کر کفار پر حملہ شروع کر دیا اور زخمی ہو کر گھر واپس آئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سے پچھوایا کہ جہاد کی شرکت حمیت قومی کے لیے تھی یا خدا کی راہ میں بولے ''صرف خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لیے''۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی شرکت کے لیے منادی کرائی تو حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تمام مدینہ میں پکارتے پھرے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے جو اپنی غنیمت کا حصہ اس کے صلے میں دینے کے لیے تیار ہے؟ ایک بوڑھے انصاری نے جواب دیا کہ ''میں دیتا ہوں'' وہ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چل کھڑے ہوئے' مال غنیمت تقسیم ہوا تو ان کے حصہ میں چند نوجوان اونٹنیاں آئیں اور انہوں نے اونٹنیوں کو لا کر انصاری بزرگ کے سامنے کھڑا کر دیا' بولے ''ذرا ادھر ادھر پھرا کے تو دکھاؤ'' انہوں نے ان کو آگے بڑھایا' پھر پیچھے ہٹایا' دیکھ بھال کے بولے ''نہایت عمدہ ہیں'' انہوں نے کہا ''شرط کے موافق تو یہ آپ ہی کی ہیں'' بولے ''اپنی اونٹنیاں لے جاؤ ہمارا مقصود تمہارا یہ حصہ نہ تھا' بلکہ اور کچھ تھا[2] یعنی ثواب جہاد میں شرکت۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی من یسلم و یقتل مکانہ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السہم۔

عمل بالقرآن

آج ہر مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے عقائد' احکام' اخلاق' معاش اور معاد کے متعلق تمام آیتیں اس کی نگاہ سے گزرتی ہیں۔لیکن چونکہ دل سے اثر پذیری کا مادہ مفقود ہو چکا ہے' اس لیے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی ان پر قرآن کی ایک ایک آیت کا اثر پڑتا تھا اور اس شدت کے ساتھ پڑتا تھا کہ اس کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار ایک سوال کیا جواب نہ ملا تو آگے نکل گئے اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی آیت نہ نازل ہو جائے تھوڑی دیر کے بعد دربار نبوت سے پکار ہوئی وہ گھبرا گئے کہ آیت نازل ہوگئی حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے یہ آیت سنائی:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾[1] ''ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح دی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام صحابہ سخت اضطراب میں مبتلا تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے وصال کا یقین ہی نہیں آتا تھا' لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس میں یہ آیت:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. الخ ﴾

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف پیغمبر ہیں اور ان کے پیشتر بہت پیغمبر گزر چکے ہیں''۔

پڑھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اثر ہوا کہ گویا یہ آیت اس سے پیشتر نازل ہی نہیں ہوئی تھی' تمام صحابہؓ نے اس کو ازبر کر لیا اور سب کے سب اس کو پڑھنے لگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کو سنا تو زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی' اور میں زمین پر گر پڑا''۔[2]

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۃ الحدیبیہ۔ [2] بخاری جلد ۲ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں ایک تلوار لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "آج دشمن کے خون سے خدا نے میرے کلیجہ کو ٹھنڈا کیا ہے' اس لیے یہ تلوار مجھے عطا فرمایئے"۔ ارشاد ہوا کہ "یہ نہ تمہاری ہے نہ میری" وہ دل میں یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ اس کو دی جائے گی جس نے مجھ جیسا مردانہ کام نہیں کیا ہے" تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کا قاصد آیا وہ گھبرائے کہ میری اس گفتگو پر کہیں کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی' آپؐ کی خدمت میں آئے تو آپ نے یہ آیت سنائی:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾

"لوگ تم سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو مال غنیمت تو خدا اور رسول کا ہے"۔

اور فرمایا کہ "خدا نے یہ تلوار مجھ کو دی ہے' مگر میں تم کو دیتا ہوں"[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں ہم لوگ اس خوف کے مارے عورتوں سے ہنسی خوشی کی باتیں نہیں کرتے تھے کہ مبادا اس بارے کوئی آیت نازل نہ ہو جائے لیکن آپؐ کے وصال کے بعد یہ مہر خاموشی ٹوٹ گئی۔[2]

ایک دن رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آ گئے تو آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ھم الخاسرون یعنی لوگ گھاٹے میں ہیں وہ گھبرا گئے کہ میرے بارے میں کوئی آیت تو نازل نہیں ہوئی۔[3]

ایک بار آپؐ نے نماز صبح کے بعد فرمایا کہ "فلاں قبیلے کا کوئی شخص موجود ہے؟" کسی نے جواب نہیں دیا' دوسری بار اسی فقرہ کا اعادہ کیا تو ایک شخص اٹھا' آپؐ نے فرمایا کہ "پہلی بار کیوں نہیں اٹھے؟" بولا مجھے خوف پیدا ہوا کہ اس قبیلے کے متعلق کوئی آیت تو نہیں نازل ہوئی۔[4]

بالخصوص جن آیتوں میں کسی فعل پر عذاب کی دھمکی دی جاتی تھی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے اور بھی خوف زدہ ہوتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النفل۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ و بخاری کتاب النکاح۔
[3] نسائی کتاب الزکوۃ باب التعلیظ فی حبس الزکوۃ۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ وہب والد عثمان بن وہب۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾

''جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو سخت عذاب کی بشارت دو''۔

تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر گویا ایک مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بدحواسی کا یہ عالم دیکھ کر کہا ''میں تمہاری مشکل کو حل کرتا ہوں' چنانچہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ کے اصحاب پر یہ آیت نہایت گراں گزری ہے'' آپ نے فرمایا ''خدا نے زکوٰۃ صرف اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارے بقیہ مال کو اس کے ذریعہ سے پاک کرے اور میراث اس لیے مقرر کی ہے کہ بعد کی نسل کے ہاتھ آئے'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعرہ مارا۔[1]

عہد رسالت میں حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ ایک دولتمند صحابی تھے' ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ ﴾ الخ

''جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں' ان پر یہ عذاب ہوگا''۔

اتفاق سے حضرت مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو یہ آیت سن کر ان پر غشی طاری ہوگئی' ہوش میں آئے تو خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ ماں آپ پر قربان' کیا یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں؟'' ارشاد ہوا ''ہاں'' بولے ''شام ہونے تک مالک کے پاس ایک درہم اور ایک دینار نہ ہوگا'' چنانچہ شام تک انہوں نے اپنی کل دولت خیرات کر دی۔[2]

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت نہایت سخت ہے۔

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ ﴾ ''جو شخص ذرا بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلا دیا جائے گا''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی حقوق المال' روایت میں پوری آیت نہیں ہے۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ۔

ارشاد ہوا کہ "عائشہ تم کو یہ خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا بدلا ہوتا ہے"۔[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾

"اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کرو۔ یا چھپاؤ خدا تم سے ان کا حساب لے گا"۔

تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ نماز' روزہ' جہاد اور صدقہ کی تو ہم طاقت رکھتے ہیں لیکن اس آیت کے متحمل نہیں ہو سکتے"۔ چنانچہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [2]

"خدا ہر شخص کو بقدر استطاعت تکلیف دیتا ہے"۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾

"جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا' ان ہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں"۔

تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کون ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا فرمایا "ظلم سے شرک مراد ہے"۔[3]

اس اثر پذیری کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احکام قرآنیہ پر عمل کرنے کے لیے شدت کے ساتھ تیار ہو جاتے تھے' جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

"تم لوگ جب تک اپنی محبوب ترین چیزوں کو نہ صرف کرو گے نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے"۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب امراض المکفرۃ للذنوب۔

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی قولہ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ ہم نے روایت کی پوری آیتوں کو نقل نہیں کیا ہے۔ [3] ترمذی ابواب تفسیر القرآن' تفسیر سورۃ انعام۔

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "خدا ہمارا مال مانگتا ہے' آپ ﷺ گواہ رہئے کہ اریحا میں میری جو زمین ہے میں اس کے نام پر وقف کرتا ہوں' لیکن آپ نے فرمایا کہ "اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو"۔[1]

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق ان کو حقیقی بیٹوں کے حقوق حاصل ہو گئے تھے لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ادعوا الا بـاهم الخ تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ "ہم سالم کو اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا' لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟" فرمایا کہ ان کو دودھ پلا دو" چنانچہ دودھ پلانے سے وہ ان کے رضاعی بیٹے کے مثل ہو گئے۔[2]

سحر کے متعلق جب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾

"اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (رات کی) کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے"۔

تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ایک سیاہ اور سفید دھاگا سرہانے رکھ کر سوئے اور دیکھا کہ دونوں ممتاز ہوتے ہیں یا نہیں؟ کچھ پتہ نہ چلا تو رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا' آپ ﷺ نے فرمایا۔ "عجب سادہ لوح ہو اس سے رات دن یعنی رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے"۔[3] جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

"اپنے مال باہم ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم میں رضامندی کے ساتھ تجارت ہو"۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم۔ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم بہ۔

[3] ابوداؤد کتاب الصیام باب وقت السحور روایت میں کلوا واشربوا نہیں ہے بلکہ ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔

تو یہ حالت ہوگئی کہ دولت مند لوگ اپنے اعزہ کو شریک طعام کرنا چاہتے تھے مگر وہ لوگ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''غرباء ہم سے زیادہ مستحق ہیں'' چنانچہ سورہ نور کی ایک دوسری آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔[1]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں دوپٹہ اوڑھتی تھیں تو سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کے مخالف مسلمان عورتوں کو یہ ہدایت کی۔[2]

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾

''عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو سینے پر ڈالے رہیں''۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بندوں اور چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور ان سے اپنے سروں کو اس طرح چھپا لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ ناپ جوکھ میں سخت خیانت کرتے تھے اس پر سورہ ویل للمطففین نازل ہوئی اور اب لوگ دیانت سے کام لینے لگے۔[4]

اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہ رضی اللہ عنہم کی فیاضی پر تھا' چنانچہ انصار حسب مقدور کھجور کے خوشے لا کر مسجد میں لٹکا دیتے تھے' یہ لوگ آتے تھے تو چھڑی سے ان کو ہلاتے تھے جو کھجوریں ٹپک پڑتی تھیں ان کو کھا لیتے تھے۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سڑے گلے روکھے پھیکے خوشے لا کر لٹکا دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ﴾

''مسلمانو! اپنی بہترین کمائی اور بہترین پیداوار سے صدقہ دو' برے مال کو خیرات نہ کرو حالانکہ (وہی چیز کوئی تم کو دے) تو تم اس کو کبھی نہ لو مگر چشم پوشی کے ساتھ''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فسخ الضیف یاکل من مال غیرہ۔ [2] تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ نور ج ۷ ص ۱۸۱

[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قوله تعالیٰ یدنین علیهن من جلابیبهن و فی قوله تعالیٰ و لیضربن بخمرهن علی جیوبهن۔ [4] سنن ابن ماجہ کتاب البیوع باب التوقی فی الکیل والوزن

اور اس کے بعد اس حالت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور تمام لوگ بہترین کھجوریں لانے لگے[1] جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ﴾

''مسلمانو! پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو''۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ ان کی بات سننے میں نہیں آتی تھی۔[2]

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر اس آیت کا اور بھی زیادہ سخت اثر ہوا' جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ بالکل خانہ نشین ہو گئے ایک روز آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں؟'' بولے ''میں ان کا پڑوسی ہوں مجھے کوئی شکایت معلوم نہیں ہوئی'' واپس آ کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے ''کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپؐ کے سامنے نہایت بلند آہنگی سے گفتگو کرتا تھا' پس میں دوزخی ہو گیا'' آپؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا ''نہیں وہ جنتی ہیں''۔[3]

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اس لیے وہ ان کی کفالت کرتے تھے' لیکن جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انہوں نے ان کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾

''تم میں دولت مند لوگ قرابت داروں' مسکینوں اور مجاہدوں کو دینے سے دریغ نہ کریں' اور عفو و درگزر کریں' کیا تم لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ

---

[1] ترمذی ابواب تفسیر القرآن سورہ بقرہ۔ [2] ترمذی ابواب القرآن تفسیر سورۂ حجرات و بخاری کتاب التفسیر۔

[3] مسلم کتاب الایمان باب مخافۃ المومن ان یحبط عملہ بخاری کتاب التفسیر۔

خدا تمہاری مغفرت کرے' اور خدا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

اور اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر ان کے مصارف کے کفیل ہو گئے اور کہا ''ہاں مجھے یہی پسند ہے کہ خدا میری مغفرت کرے''۔[1]

اسلام کے فرائض واعمال میں جہاد سب سے زیادہ خطرناک ہے لیکن صحابہ کرام کو قرآن مجید ہی کے اثر نے جہاد پر آمادہ کیا تھا اور اسی اثر کی بدولت وہ سخت سے سخت جنگی خطرات میں ثابت قدم رہتے تھے۔

ایک بار قسطنطنیہ میں رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوا' رومی بالکل قسطنطنیہ کی دیوار کے متصل صف زن تھے' ایک مسلمان نے جرات کر کے حملہ شروع کیا تو لوگ پکارے ''ہاں ہاں! اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہو'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو ساتھ تھے بولے ''یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اسلام نے قوت حاصل کر لی' تو ہم لوگ اپنی معاش کے کام دھندے میں مصروف ہو گئے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾

''اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

اس لیے اصلی ہلاکت یہ ہے کہ ہم معاش کے کاروبار میں مصروف ہو جائیں اور جہاد کو چھوڑ دیں راوی کا بیان ہے کہ ''جب سے یہ آیت نازل ہوئی' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ مصروف جہاد رہے' یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں شہید ہو کر مدفون ہوئے''۔[2]

ایک بار جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطرہ کی اطلاع کی تو انہوں نے ان کو لکھا کہ ''مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو دور کر دیتا ہے' ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی خداوند تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضا۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی قولہ تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[1]

''مسلمانو! مصیبتوں پر صبر کرو اور صبر میں کفار کا مقابلہ کرو اور استقلال کے ساتھ جہاد کرو اور خدا سے ڈرو یقین ہے کہ تم کامیاب ہو گے''۔

جنگ یمامہ میں جب حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو علم عطا کیا جانے لگا تو دوسروں نے کہا کہ ''ہم کو آپ کے ثابت قدم رہنے کا یقین نہیں' اس لیے جھنڈا دوسرے کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں'' بولے ''تو میں اس حالت میں قرآن مجید کا بدترین حامل ہوں گا'' چنانچہ انہوں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لیا' لیکن جب وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لیا وہ بھی کٹ گیا تو علم کو آغوش میں لے لیا اور یہ آیت پڑھنے لگے۔

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ' وَ کَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ﴾[2]

''محمدؐ صرف ایک پیغمبر ہیں اور بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے علماء نے جہاد کیا''۔

ترغیب جہاد کے متعلق جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو جو لوگ کسی معذوری سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ان کو اس پر سخت افسوس ہوتا تھا' ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے' آپؐ پر آثار وحی طاری ہوئے افاقہ ہوا تو آپ نے ان کو اس آیت کو لکھ لینے کا حکم دیا:

﴿ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ..... الخ ﴾

''خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمان برابر نہیں ہو سکتے''۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آنکھوں سے معذور تھے اس لیے شریک جہاد نہیں ہو سکتے تھے لیکن جب انہوں نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو بولے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ جو لوگ جہاد کی قدرت نہیں رکھتے ان کا کیا حال ہو گا؟'' اب آپ پر دوبارہ آثار وحی طاری ہوئے'

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ سالم مولی ابی حذیفہ اسد الغابہ میں پوری آیتیں نقل نہیں کی ہیں بیچ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اسی کا اتباع کیا ہے۔

افاقہ ہوا تو دوبارہ وحی آسمانی نے غیر اولی الضرر (بجز معذور لوگوں کے) کا اضافہ کر کے معذور لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔[1]

ایک طرف تو قرآن مجید کا یہ اثر تھا کہ جس طرف چاہتا تھا' صحابہ کرام کو جھونک دیتا تھا دوسری طرف جس چیز سے چاہتا تھا روک بھی دیتا تھا ایک بار عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''آپؓ ہم کو خوب عطیہ نہیں دیتے' ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور ان کو سزا دینی چاہی' لیکن حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المومنین خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا تھا۔

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾

''درگزر کا شیوہ اختیار کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہ''۔

اور یہ بھی ایک جاہل ہے' یہ آیت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً رک گئے کیونکہ وہ عموماً:

كان و قافا عند كتاب الله۔[2]

''خدا کی کتاب کے سامنے اسی طرح رک جاتے تھے''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی الرخصة فی القعود من العذر

[2] بخاری کتاب التفسیر باب قوله خذ العفو وامر بالعرف

اِتباعِ سنت

قرآن مجید کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محور عمل صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی اس لیے وہ تمام اعمال میں آپ کی سنت کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب غسل جنابت فرماتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بار پانی ڈالتے پھر شرمگاہ کو دھوتے اور ان تمام مراتب کے بعد وضو کر کے تمام جسم پر پانی ڈال کر کہتے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غسل فرماتے تھے"۔[1]

عہد نبوت میں معمول تھا کہ لوگ صدقہ فطر میں ایک صاع گیہوں' یا پنیر یا جو یا کھجور یا منقے دیتے تھے' لیکن اخیر زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام سے حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے تو ایک خطبہ میں فرمایا کہ "میرے خیال میں دو مد شامی گیہوں کھجور کے ایک صاع کے برابر ہیں" اس کے بعد تمام لوگوں نے اس طریقہ کو عملاً اختیار کر لیا' لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عہد نبوت کی سنت کو بدلنا پسند نہیں کیا اور برابر ایک صاع صدقہ فطر نکالتے رہے۔[2]

حالت سفر میں اگرچہ آپؐ نے روزہ بھی رکھا ہے اور افطار بھی کیا ہے تاہم آپؐ نے زیادہ تر افطار کی ترغیب دی ہے' اس لیے اکثر صحابہؓ شدت سے اس پر عمل کرتے تھے۔ ایک بار حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ رمضان میں مصر سے کشتی میں سوار ہوئے ابھی مصر کے در و دیوار آنکھ سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا طلب کیا' دسترخوان سامنے آیا تو بعض ہمراہیوں نے کہا کہ "آپ مصر کے در و دیوار کو بھی نہیں دیکھتے" بولے "تم سنت نبوی سے اعراض کرتے ہو"۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ۔ [2] ایضاً کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر

[3] ابوداؤد کتاب الصیام باب متی یفطر المسافر اذا خرج۔

ایک بار حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ابن خلیفہ رمضان میں دمشق کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف روزانہ ہوئے' دونوں گاؤں میں صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ لیکن انہوں نے روزہ توڑ ڈالا اور ان کے بہت سے ہمراہیوں نے بھی روزے توڑ ڈالے لیکن اورلوگوں نے اس کو پسند نہ کیا وہ پلٹے تو فرمایا کہ "آج میں نے وہ کچھ دیکھا ہے جس کی نسبت میرا خیال تھا کہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ ایک قوم نے سنت نبوی سے اعراض کیا (یعنی روزہ دارلوگ) اے اللہ! مجھے اب اس دنیا سے اٹھا لے"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں تمام صحابہؓ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خاص طور پر ممتاز تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر حج سے واپس آئے تو مسجد کے دروازہ پر ناقہ کو بٹھا کر پہلے دو رکعت نماز ادا فرمائی' پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی معمول کر لیا[2] وہ کعبہ کے صرف دونوں یمانی رکنوں کو چھوتے تھے' سبتی جوتے پہنتے تھے زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے[3] اورلوگ چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے تھے لیکن وہ یوم الترویہ کو احرام باندھتے تھے' ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "صرف آپ ہی کیوں ایسا کرتے ہیں؟ آپ کے اور اصحاب نہیں کرتے" بولے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اس لیے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں"[4] حجۃ الوداع میں آپؐ نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر تک مقام بطحا میں سو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ اس مقام پر کسی قدر سوتے تھے پھر مکہ میں داخل ہوتے تھے[5] اسی طرح آپؐ اس سفر میں جہاں جہاں اترے تھے یا نماز پڑھی تھی وہ بھی وہاں ضرور اترتے اور نماز پڑھتے تھے۔

ایک بار وہ سفر میں تھے' دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں رفیق سفر سے بولے کہ "اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں نماز ہی نہ پوری پڑھتا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب مسیرۃ ما یفطر فیہ۔ [2] ایضاً کتاب الجہاد باب فی الصلوٰۃ عند القدوم من السفر۔
[3] ایضاً کتاب اللباس باب فی الصبوغ۔ [4] ایضاً کتاب المناسک باب وقت الاحرام۔
[5] ابوداؤد کتاب المناسک باب التحصیب۔

ساتھ سفر کیا ہے' آپ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سفر کیا۔ انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا ہے انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔ اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1]

''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک میں تقلید کے لیے بہترین مثال ہے''۔

ایک بار حضرت سعید بن یسار رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں تھے ایک موقع پر اونٹ سے اتر کر پیچھے ٹھہر گئے' فرمایا ''تم پیچھے کیوں رہ گئے؟'' بولے ''وتر پڑھتا تھا''، ''فرمایا کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ آپؐ اونٹ ہی پر وتر ادا فرماتے تھے''۔[2]

وہ صدقہ فطر اسی پیمانہ کے مطابق ادا فرماتے تھے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔[3]

سنن عادیہ و اتفاقیہ کا اتباع اگر ضروری نہیں لیکن بعض صحابہ اس کا اتباع بھی کرتے تھے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جب کوئی بات کہتے تو مسکرا دیتے تھے' ام الدرداء نے کہا کہ ''اس عادت کو ترک کر دیجیے ورنہ لوگ آپ کو احمق بنائیں گے'' بولے ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے''۔[4]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا پھر یہ آیت پڑھی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

پھر تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھی:

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب صلوٰۃ السفر باب التطوع فی السفر۔

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوتر علی الرحلۃ۔

[3] بخاری کتاب الایمان والنذور باب صاع المدینۃ ومد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبرکتہ۔

[4] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۹۸۔

﴿ سُبحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ﴾

پھر ہنس پڑے' لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی' بولے "ایک بار رسول اللہ ﷺ ان ہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوئے اور اخیر میں ہنس پڑے میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب بندہ علم و یقین کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔"[1]

ایک صحابی آپؐ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے دیکھا کہ آپؐ کی قمیص کا تکمہ کھلا ہوا ہے' آپؐ کی تقلید میں انہوں نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کھلا رکھا اور اس میں سردی گرمی کی کچھ پروا نہ کی۔[2]

محرمات شرعیہ سے اجتناب

اکل حرام سے اجتناب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ تنگدست اور فاقہ مست تھے لیکن حلال طیب کے سوا اکل حرام سے ان کے کام و دہن کبھی آلودہ نہیں ہوئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام نے زمانہ جاہلیت میں فریب آمیز طریقہ پر کہانت کی اور اس کے معاوضہ میں کچھ مال پایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے دیا' انہوں نے اس کو وجہ معاش میں صرف کر دیا لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ ناجائز مال تھا تو منہ میں ہاتھ ڈالا اور پیٹ میں جو کچھ تھا قے کر ڈالا۔[3]

ایک بار وہ حالت سفر میں بدوؤں کے ایک خیمہ میں اترے۔ اتفاق سے ان بدوؤں میں کسی کی بی بی حاملہ تھی اور اس سفر میں ایک اور بدو ساتھ تھا جس نے اس سے کہا کہ "کیا تم اولاد نرینہ چاہتی ہو؟ اگر تم مجھے ایک بکری دو تو تمہارے اولاد نرینہ پیدا ہوگی' اس نے بکری دے دی اور اس نے کاہنوں کی طرح کچھ مسجع فقرے پڑھے پھر بکری ذبح کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی گوشت کھایا' بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ کسب حرام تھا تو فوراً اٹھے اس فعل سے برأت ظاہر کی اور جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا رکب۔ [2] مسند ابن حنبل جلد۵ ص ۳۵۔
[3] بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔ [4] مسند ابن حنبل جلد۳ ص ۵۱

اکل حرام کی سب سے بدترین قسم یہ ہے کہ مذہب فروشی کی جائے یہودیوں کے مذہب کو اسی نے برباد کر دیا تھا' جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾

''یعنی یہودیوں نے اس کے عوض میں تھوڑے سے دام (یعنی دنیوی فائدے) حاصل کیے''۔

لیکن صحابہ کرامؓ کے نزدیک مذہب سب سے زیادہ گراں قیمت چیز تھی' اس لیے ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس کی قیمت نہ ہو سکتی تھی' مسلمانوں کو بیت المال سے سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا' ایک شخص نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس وقت تک تو لیتے رہو' لیکن جب وہ تمہارے دین کی قیمت بن جائے تو چھوڑ دو''۔[1]

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بہت کچھ مال و جائیداد دے کر یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن انہوں نے کہا میرے پاس سے چلے جاؤ اور پھر کبھی نہ آنا میرا دین تمہارے دینار و درہم کے معاوضہ میں بک نہیں سکتا' میری صرف یہی خواہش ہے کہ دنیا سے جاؤں تو میرا ہاتھ پاک و صاف ہو''۔[2]

یہ صرف مخصوص صحابہ کا حال نہ تھا بلکہ تمام صحابہ میں یہ فضیلت مشترک طور پر پائی جاتی تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کی تولیت میں بہت سے یتیم بچے تھے' جن کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ مخلوط تھیں' لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔[3]

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾

''جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں''۔

---

1. مسلم کتاب الزکوۃ باب فی الکانزین الاموال والتغلیظ علیہم
2. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
3. روایت میں یہ آیت بھی ہے لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.

ان صحابہؓ نے ان چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا' یہاں تک کہ ان یتیموں کی یہ چیزیں بعض اوقات فاضل بچ کر خراب ہو جاتی تھیں' لیکن صحابہ کرامؓ ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔[1]

زکوٰۃ وصدقہ سے اجتناب:

اہل استطاعت پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے شدت کے ساتھ اجتناب کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے دودھ پلایا جوان کو نہایت لذیذ معلوم ہوا' دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ بولا کہ میں ایک گھاٹ پر گیا لوگ صدقے کے اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ سب نے پانی پلا کر میرے لیے دودھ دوہا' جس کو میں نے اپنے مشکیزے میں بھر لیا اور یہ وہی دودھ ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً منہ میں ہاتھ ڈالا اور قے کر دی۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے حضرت اسلم عدویؒ سے کہا کہ مجھے سواری کا ایک اونٹ بتاؤ میں اس کو امیر المومنین سے مانگوں گا''۔ بولے ''ہاں صدقہ کا اونٹ ہے'' انہوں نے کہا ''کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ ایک موٹا تازہ آدمی گرمی کے دنوں میں اپنی شرمگاہ کو دھو کر دھوون تمہیں پینے کو دے؟'' وہ برہم ہوئے اور کہا ''استغفر اللہ آپ ایسا کہتے ہیں؟'' بولے تو صدقہ بھی آدمیوں کا میل ہے جس کو وہ دھو کر اپنے جسم سے الگ کر دیتے ہیں''۔[3]

ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے غلام نے کہا کہ ''مجھے مکاتب بنا دیجیے'' بولے ''تمہارے پاس کچھ مال ہے'' اس نے کہا ''نہیں' لوگوں سے مانگ کر بدل کتابت ادا کر دوں گا'' بولے ''تم مجھے لوگوں کا دھوون کھلانا چاہتے ہو''۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الوصایا باب مخالط الیتیم فی الطعام۔ [2] موطا کتاب الزکوٰۃ باب ماجاء فی الصدقات و التشدید فیہا۔ [3] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ما یکرہ من الصدقہ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلیمان فارسیؓ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک غلام اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا' ایک دن وہ بازار سے گزرے تو ایک شیر دار بکری نظر آئی جو فروخت ہو رہی تھی چونکہ وہ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے' اس لیے اس غلام سے کہا کہ ''اپنی اجرت کی رقم سے بکری کو خرید لو'' لیکن افطار کے وقت اس بکری کا دودھ سامنے آیا تو بولے کہ ''دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی کمائی کی ہے اور غلام کو میں نے اپنی ماں پر صدقہ کر دیا ہے' اس کو لے جاؤ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں''۔[1]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میزبان اگر تین دن سے زیادہ مہمان کی ضیافت کرے تو وہ داخل صدقہ ہو گی' اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں آتے تھے تو تین دن تک ان کا کھانا حضرت خالد بن اسید رضی اللہ عنہ کے یہاں سے جو اُن کے رشتہ دار تھے آتا تھا' لیکن تین دن کے بعد کہہ دیتے تھے کہ ''اب اپنا صدقہ بند کرو'' اور اپنے غلام نافع کو حکم دیتے تھے کہ اب تم اپنے پاس سے اکل و شرب کا انتظام کرو۔[2]

قتل مسلم سے اجتناب:

مسلمانوں کا قتل حرام ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ﴾

''اور جو کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا''۔

اس بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی خونریزی سے سخت احتراز کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو حذیمہ کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا انہوں نے ان کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے کہا صبانا' صبانا' یعنی ہم صابی ہوئے چونکہ کفار مسلمانوں کو صابی کہتے تھے اس لیے انہوں نے اسی لفظ سے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا' لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس پر تسکین نہیں ہوئی

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ [2] زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۱۳۶

اور انہوں نے ان کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک دن عام حکم دے دیا کہ ہر شخص! اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالے لیکن تمام صحابہؓ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے بھی ان کی تائید کی اور دوبارہ فرمایا کہ "اے اللہ! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوتا ہوں"۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول اول اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیونکر جہاد کیا جا سکتا ہے"[2] ان پر ایک عجمی غلام نے حملہ کیا تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ "تم ہی لوگوں نے ان غلاموں سے مدینہ کو بھر دیا" بولے "اگر حکم ہو تو سب کو قتل کر دیں" فرمایا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ وہ تمہاری زبان بولتے ہیں' تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں' تمہارا حج ادا کرتے ہیں"[3]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور خوارج کی جنگ ہوئی تو ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ "آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ حالانکہ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں" بولے جو "حی علی الصلوٰۃ" کہے گا میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا۔ جو شخص حی علی الفلاح کہے گا میں اس کی دعوت قبول کر لوں گا۔ لیکن جو شخص یہ کہے گا کہ "آؤ اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرو' ان کا مال لوٹو' تو میں انکار کر دوں گا"۔[4]

سود خوری سے اجتناب:

اسلام نے سود خوری کی ممانعت ایسے سخت قیود کی پابندی کے ساتھ کی ہے کہ اگر ذرا سی غفلت یا بے پروائی کی جائے تو معمولی معاملات واد و ستد و بیع و شراء بھی سود کی صورت میں داخل ہو جائیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تمام قیود کا لحاظ رکھتے تھے اور ان سے نہایت احتیاط کے ساتھ بچتے تھے ایک بار حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے بیع صرف کرنی چاہی (یعنی اشرفی کے بدلہ میں درہم لینا چاہا) اور سو اشرفیاں ان کے سامنے رکھ دیں' انہوں نے ان کو اٹھا لیا اور کہا کہ "جنگل سے خزانچی آ ئے

---

[1] بخاری کتاب المغازی بعث خالد الی بنی جذیمہ مع فتح الباری۔ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔
[3] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ

تو درہم دلا دیں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن رہے تھے بولے ''بغیر لیے ہوئے ہرگز نہ جانا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی اگر دست بدست نہ لی جائے تو سود ہے''[1]

ایک بار حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ایک صاع گیہوں دیا کہ اس کو بیچ کر بازار سے جو لائے' اس نے بازار میں جا کر جو لیا تو ایک صاع سے کچھ زیادہ پایا' حضرت معمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو بولے اس کو فوراً جا کر واپس کرو' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ غلہ کو مثل بمثل خریدنا چاہیے' لوگوں نے کہا کہ بازار میں صرف جو کا رواج ہے گیہوں نہیں مل سکتا'' بولے کہ ''مجھے خوف ہے کہ یہ سود کے مشابہ نہ ہو جائے''[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سود خوری سے نہ صرف خود بچتے تھے بلکہ اور لوگوں کو بھی اس سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ایک شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا اور کہا کہ ''آپ ایک کاروباری ملک میں رہتے ہیں' اس لیے اگر آپ پر کسی کا قرض آتا ہو اور وہ آپ کے یہاں بھس کی ایک گٹھڑی بھی ہدیہ بھیجے تو اس کو قبول نہ کیجئے گا' کیونکہ یہ سود ہے''[3]

شراب خوری سے اجتناب:

شراب عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی لیکن متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ اپنی فطرتِ سلیمہ کی ہدایت سے زمانہ جاہلیت ہی میں اس سے محترز رہے لیکن جو صحابہؓ اس کے عادی تھے' انہوں نے بھی شراب کی حرمت کے ساتھ ہی اس دیرینہ عادت کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا انہوں نے جام و ساغر کو منہ ہی نہیں لگایا تھا۔

شراب کی حرمت کا حکم بتدریج نازل ہوا' لیکن حرمت خمر کے متعلق سب سے آخری آیت:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۴۰۰

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ ابوبردہؓ بن ابی موسیٰ

"شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو یاد الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو تم باز نہیں آؤ گے؟"

نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بیساختہ پکار اٹھے۔ انتھینا[1] "ہم باز آئے۔"

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ' ابو طلحہ اور ابی بن کعبؓ کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی' ابو طلحہ نے فوراً کہا کہ انس اٹھو اور شراب کو گرا دو"[2] دوسری روایت میں ہے کہ "میں ابو طلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اسی حالت میں رسول اللہؐ نے حرمت شراب کی منادی کروائی' ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ "نکل کے دیکھو یہ کیسی آواز ہے"؟ میں گھر سے نکلا اور پلٹ کر کہا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ "شراب حرام ہو گئی" ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ "تم شراب گرا دو" اور لوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔[3]

بدکاری سے اجتناب:

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب سخت بدکاری میں مبتلا تھے' لیکن اسلام نے ان میں عفت و عصمت کا ایسا احساس پیدا کر دیا کہ سخت سے سخت نازک موقعوں پر بھی ان کا دامن اس معصیت سے آلودہ نہیں ہونے پاتا تھا۔

ہجرت کے بعد مکہ میں جو مسلمان گرفتار رہ گئے تھے' مکہ سے مدینہ تک ان کا پہنچانا مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا وہ ایک رات اسی غرض سے مکہ آئے وہاں ان کی آشنا ایک طوائف تھی جس کا نام عناق تھا وہ نکلی تو ان کی پرچھائیں دیکھ کر پہچان لیا اور نہایت تپاک سے ملی اور کہا کہ آج میرے گھر میں شب باشی کرو لیکن انہوں نے معذرت کی کہ زنا اب حرام ہو گیا اب اس نے شور و غل کیا یہ بھاگ کر ایک پہاڑ کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الاشربہ باب فی تحریم الخمر' روایت میں پوری آیت نہیں ہے' ہم نے اس کو بڑھا دیا ہے۔

[2] بخاری کتاب الاشربہ باب نزول تحریم الخمر وہی من البسر والتمر۔ [3] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ باب لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔

غار میں جا چھپے کفار نے وہاں تک تعاقب کیا لیکن خدا نے ان کو بچا لیا۔[1]

ایک صحابیہ جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی' ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں "ہٹو اب جاہلیت کا وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا"۔[2]

اسلام کی اس پاکبازانہ تعلیم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسی پاکبازانہ زندگی کا یہ اثر تھا کہ اس زمانہ میں لونڈیاں تک بدکاری سے اباء کرنے لگیں' چنانچہ عبداللہ بن ابی ابن سلول جو رئیس المنافقین تھا اپنی لونڈیوں کو اسی ناجائز طریقہ سے روپیہ پیدا کرنے پر آمادہ کرتا تھا' لیکن اس کی دو لونڈیوں نے اس ننگ و عار کو گوارا نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر شکایت کی کہ ہمارا آقا ہم کو زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ الخ ﴾[3] "اپنی لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو"۔

اس جرم کا ارتکاب تو صحابہ اکرم رضی اللہ عنہم سے بہت بعید تھا وہ لوگ کسی عورت پر نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک حسین صحابیہ شریک نماز ہوتی تھیں' اس لیے بعض صحابہ آگے کی صف میں جا کر کھڑے ہوتے تھے کہ ان پر آنکھ نہ پڑنے پائے۔[4]

اگر کسی صحابی نے ناجائز طریقہ سے بھی اس کی جرأت کی تو تمام صحابہؓ نے اس کو سخت قابل اعتراض خیال کیا' ایک بار حضرت محمد بن سلمہؓ نے ایک عورت سے نکاح کرنا چاہا اور نکاح سے پہلے چوری چھپے اس کو دیکھنا چاہا یہاں تک کہ اس کے نخلستان میں اس کو دیکھ بھی لیا لیکن لوگوں نے ٹوکا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ بولے آپؐ ہی نے اس کی اجازت دی ہے"۔

ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا آپؐ نے فرمایا کہ "پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو" وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے تو عورت نے پردہ سے کہا "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو خیر ورنہ تمہیں خدا کی قسم ایسا نہ کرنا"۔[5]

---

[1] نسائی کتاب النکاح باب تزویج الزانیہ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۷۔ [3] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا و مسلم کتاب التفسیر تفسیر ہذہ الآیۃ۔ [4] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب الخشوع فی الصلوۃ۔ [5] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجھا۔

کسی عورت پر قصداً نگاہ ڈالنا تو بڑی بات ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ "مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے لیکن یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی عورت کی خوشبو آئے"۔[1]

راگ باجے سے اجتناب:

صحابہ کرامؓ کے کانوں کو صرف تلاوت قرآن پاک کی آواز خوش آئند معلوم ہوتی تھی' اس لیے وہ عود و بربط اور چنگ و رباب کی آواز پر کان نہیں دھرتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آواز طبل سنی تو کان بند کر لیے اور فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے"۔[2]

ایک بار اونٹ پر سوار جا رہے تھے' چرواہے کی بانسری کی آواز کان میں آئی تو فوراً کانوں میں انگلیاں دے لیں اور پہلا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور بار بار اپنے غلام نافع سے پوچھتے جاتے تھے کہ آواز آتی ہے یا نہیں؟ جب انہوں نے کہا کہ "نہیں" تو کانوں سے انگلیاں نکالیں اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے موقع پر ایسا ہی کیا تھا"۔[3]

ایک بار بازار میں گزرے تو دیکھا کہ ایک چھوکری گا رہی ہے فرمایا اگر شیطان کسی کے بہکانے سے باز رہتا تو اس کو نہ بہکاتا"۔[4]

ایک بار عید کے دن چند لڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جنگ بعاث کے متعلق اشعار گا رہی تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اور مزامیر شیطان" آپؐ نے فرمایا "ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ ہماری عید کا دن ہے"۔[5]

ایک بار ایک گھر میں تقریب تھی اور ایک شخص گا رہا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ گردن ہلا ہلا کر گا رہا ہے' تو کہا "اف یہ شیطان ہے اس کو نکالو اس کو نکالو"۔[6]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [4] الادب المفرد باب الغنا واللہو۔

[5] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔ [6] الادب المفرد باب اللہو فی ختان

راگ باجا تو پھر بھی بڑی چیز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں' اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ''ٹھہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے'' اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں''۔[1]

مشتبہات سے اجتناب:

حلال وحرام دونوں بدیہی ہیں لیکن بہت سی چیزیں ہیں جن کی حلت وحرمت دونوں مشتبہ ہے' زہد وتورع' تقویٰ وطہارت اور حزم واحتیاط کا اصلی محل یہی چیزیں ہیں۔ اس بناء پر حدیث شریف میں ان چیزوں سے بچنے کی تاکید آئی ہے:

الحلال بين و الحرام بين و ما بينهما امور مشتبهة فمن ترك ماشبه عليه من الاثم كان لما استبان له اترك و من اجتراع على ما يشك فيه من الاثم اوشك ان يواقع ما استبان و المعاصى حمى الله من يرتع حول الحمى يوشك ان يواقع.[2]

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی' اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گا' گناہ خدا کی چراگاہ ہیں اور جو شخص چراگاہ کے گرد چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے اندر داخل ہو جائے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ان مشتبہ چیزوں سے احتراز فرماتے تھے''۔

حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں' ایک بار صحابہ سفر حج میں تھے سب نے احرام باندھ لیا تھا صرف ابوقتادہ انصاریؓ غیر محرم تھے۔ ایک جنگلی گدھا نظر آیا' انہوں نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا' صحابہ سے کوڑا اور نیزہ مانگا یہ ایک مشتبہ فعل تھا اس لیے سب نے انکار کر دیا بالآخر ان کو خود ہی نیزہ اٹھانا پڑا جب گدھے کا شکار ہو چکا تو بعض

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲۔ [2] بخاری کتاب البیوع

صحابہؓ نے گوشت کھانے سے بھی انکار کر دیا۔[1]

ایک بار حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ان کے نیچے سے ایک چادر نکال لے حضرت سہیل بن حنیف پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کیوں؟ فرمایا "اس میں تصویر بنی ہوئی ہے اور تصویروں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وہ تم کو معلوم ہے" بولے "لیکن آپ نے کپڑے میں بنی ہوئی تصویر کی ممانعت تو نہیں فرمائی" بولے "ہاں لیکن میرے دل کا اطمینان اسی طرح ہوگا"۔[2]

ایک بار حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عیادت کو آئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما استبرق کی چادر اوڑھے ہوئے تھے حضرت مسور بن مخرمہؓ نے اس پر ٹوکا تو بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف غرور و تکبر کی بناء پر اس کی ممانعت کی تھی اور الحمدللہ کہ ہم مغرور نہیں ہیں، انہوں نے کہا "تو پھر چولھے میں یہ تصویریں کیسی بنی ہوئی ہیں؟" بولے "دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو جلا ڈالا ہے" لیکن یہ چیزیں مشتبہات میں داخل تھیں اس لیے جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ "میرے بدن سے یہ چادر اتار لو اور ان تصویروں کا سر کاٹ ڈالو کسی نے کہا کہ "اگر ان کو صحیح و سلامت بازار میں فروخت کر ڈالتے تو فائدہ ہوتا" بولے "نہیں"۔[3]

نومسلم لوگ صحابہ کے پاس گوشت لے کر آتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں، ہم کو معلوم نہیں کہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہے یا نہیں؟ کیا ہم اس گوشت کو کھا سکتے ہیں؟" فرمایا "بسم اللہ کہہ کر کھا سکتے ہو"۔[4]

حضرت اسماءؓ کی ماں کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی۔ ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیۃً لے کر آئیں چونکہ ایک کافرہ عورت کا ہدیہ مشتبہ تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔ [2] ترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی الصورت

[3] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۳۲۰۔ [4] ابوداؤد کتاب الاضاحی باب ماجاء فی اکل اللحم لا یدری اذکر اسم اللہ علیہ ام لا۔

آپؐ نے اس ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت دی۔[1]

عمال سلطنت کی آمدنی بعض حیثیتوں سے مشتبہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زہد پیشہ لوگ سلاطین و امراء کے دربار سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک اگرچہ عمال و امراء کی مذہبی اور اخلاقی حالت اس زمانہ سے بہت بہتر تھی تاہم جو صحابہؓ نہایت محتاط تھے وہ اس قسم کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کرتے تھے' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دنیا سے الگ ہو کر بادیہ نشینی اختیار کر لی تھی' اس لیے انہوں نے تمام عمر اسی زہد و تورع کے ساتھ بسر کی مرنے لگے تو بی بی نے رو کر کہا کہ "میرے پاس تو تمہارے کفن کے لیے بھی کپڑا نہیں ہے" بولے "روؤ مت میں ایک دن چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا' آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی جنگل میں مرے گا اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ شریک ہوگا اور لوگ جو اس جماعت میں شریک تھے وہ تو مسلمانوں کے درمیان مر چکے صرف میں رہ گیا تھا اور اب جنگل میں مر رہا ہوں تم راہ دیکھو اور انتظار کرو" بی بی نے کہا اب تو حاجیوں کی آمدورفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا" بولے "خیر راستہ دیکھو" حسن اتفاق سے دفعتہً ایک قافلہ آ گیا اس نے ان کی بی بی سے پوچھا "کیا حال ہے" بولیں "ایک مسلمان کو کفناؤ اور ثواب لو" انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام سنا تو تیزی کے ساتھ دوڑے اور کہا "ہمارے ماں باپ ان پر قربان" پاس آئے تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا "تمہیں وہ لوگ ہو جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی تھی اگر میرے کپڑے کافی ہوتے تو ان ہی میں سے میرا کفن ہوتا' لیکن اگر تم میں کوئی شخص امیر' عریف یا بریدہ ہو تو وہ مجھے کفن نہ دے" لیکن ان میں ہر شخص ان خدمات کو انجام دے چکا تھا' صرف ایک انصاری نوجوان تھا جس نے کہا "میرے پاس دو کپڑے ہیں جن کو میری ماں نے بنا ہے" بولے "بس تمہی میرے رفیق ہو' تمہی مجھے کفن پہناؤ"۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶

جامع الابواب

تلاوتِ قرآن:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے اور تلاوت کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن مجید کے متعدد ٹکڑے کر لیے تھے اور بلا ناغہ اس کی تلاوت فرماتے تھے' ایک نو وارد صحابی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ''ایک ٹکڑے میں کتنی سورتیں شامل تھیں؟'' بولے ''تین پانچ' سات' نو' گیارہ' تیرہ اور اخیر کی تمام چھوٹی چھوٹی سورتیں ایک ٹکڑے میں داخل تھیں''۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس شوق و شغف کو دیکھتے تو خوش ہوتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے' ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں عجمی اور بدوی سبھی شامل تھے' تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کاشانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو فرمایا ''پڑھے جاؤ سب کا طرز اچھا ہے' اس کے بعد ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کرے گی لیکن اس کا مقصد ثواب آخرت نہ ہوگا بلکہ دنیا ہوگی''۔

اسی طرح ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلاوت کر رہے تھے آپؐ نے دیکھا تو فرمایا ''خدا کا شکر ہے خدا کی کتاب ایک ہے اور تم میں سرخ' سیاہ سپید ہر قسم کے لوگ ہیں''۔[2]

رمضان میں یہ شوق اور بھی ترقی کر جاتا تھا' چنانچہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس شوق کو دیکھا تو فرمایا کہ ''پورے ایک مہینے میں قرآن ختم کیا کرو'' بولے کہ ''مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے'' حکم ہوا ''بیس دن میں'' گزارش کی کہ ''میں اس سے بھی زیادہ طاقت پاتا ہوں'' فرمایا ''پندرہ دن میں'' بولے کہ ''مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے'' ارشاد ہوا کہ ''دس دن میں'' عرض کی کہ ''مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے'' فرمایا ''سات دن میں'' اور اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب تحزیب القرآن۔

[2] ایضاً ابواب تفریع استفتاح الصلوٰۃ باب ما یجزی الامی والاعجمی من القرأۃ

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی کم یقراء القرآن

سخت سے سخت مصیبت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس شوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا' بلکہ اس حالت میں قرآن مجید ہی ان کے لیے مایہ تسکین ہوتا تھا' جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی' وہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ ان کے خون کے قطرے قرآن مجید کی اس آیت پر گرے:

﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾[1]

قرآن مجید کی تلاوت ہم بھی کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سر کا بوجھ اتار رہے ہیں' لیکن بعض صحابہ اس خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے کہ سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا' ایک رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں دیر کو آئیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو بولیں "آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص قرآن پڑھ رہے تھے میں نے ایسی قرأت کبھی نہیں سنی تھی" آپ بھی ان کے ساتھ ہو لیے اور کہا یہ سالم مولیٰ بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں' خدا کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ موجود ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نہایت خوش الحان تھے۔ ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے آپ نے سنا تو پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو فرمایا "ان کو نغمہ داؤدی عطا کیا گیا ہے"[2]

حضرت ابوعثمان مہدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے لیکن میں نے چنگ و بربط کی آواز کو بھی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی سے بہتر نہیں پایا وہ ہم کو نماز فجر پڑھاتے تھے تو جی چاہتا تھا کہ پوری سورۂ بقرہ پڑھ ڈالتے"۔[3]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے کہ "ہم کو خدا کا شوق دلاؤ" وہ قرأت شروع کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت محویت سے سنتے ایک بار اسی حالت میں کسی نے کہا کہ "نماز کا وقت آ گیا" بولے "کیا یہ نماز نہیں ہے؟" وہ قرآن پڑھتے تو ازواج مطہرات نہایت شوق سے سنتیں ایک دن ان کو معلوم ہوا تو بولے کہ "اگر مجھے خبر ہوتی تو تم لوگوں کو اور بھی شوق دلاتا"۔[4]

---

[1] استیعاب تذکرہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔

[3] استیعاب تذکرہ عبدالرحمٰن بن مل۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ خوش الحانی ان کے تمام قبیلہ کا وصف امتیازی تھا رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "رات کو جب قبیلہ اشعری کے لوگ آتے ہیں تو میں ان کی قرآن خوانی ہی سے ان کے جائے قیام کو پہچان لیتا ہوں"۔[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن سائبؓ بھی نہایت خوش الحان تھے' خود ان کا بیان ہے کہ "ایک دن میرے پاس حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آئے اور کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ قرآن نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن غم کے لیے نازل ہوا ہے' اس لیے جب پڑھو تو روؤ اگر نہیں روتے تو رونی صورت بناؤ اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو"۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلاوت کی حالت میں قرآن مجید کے ادب و احترام کا نہایت لحاظ رکھتے تھے حضرت معصب بن سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ "میں ہاتھ میں قرآن مجید لیے ہوئے تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تلاوت فرما رہے تھے میں نے بدن کھجلایا تو حضرت سعدؓ نے فرمایا شاید تم نے اپنے شرمگاہ کا مس کیا" میں نے کہا "ہاں" بولے جاؤ وضو کر کے آؤ۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تلاوت فرماتے تھے تو جب تک فارغ نہ ہو جاتے کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔[4]

حفظِ قرآن:

قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہ کو یاد تھیں' لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت ابوایوبؓ' حضرت عبادہ بن الصامتؓ' حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت معاذ ابن جبلؓ' حضرت زید بن ثابتؓ' حضرت ابوزیدؓ' حضرت سالمؓ' حضرت ابوالدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین۔ [2] ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الصلوٰۃ باب الوضوء من مس الفرج۔ [4] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ نساءکم حرث لکم۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس پر نہایت فخر تھا' ایک بار انہوں نے ایک خطبے میں فخریہ لہجے میں فرمایا کہ "میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کچھ اوپر ستر آیتیں یاد کی ہیں' تمام اصحاب رسول اللہؐ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہوں[1] لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سے لازم نہیں آتا کہ اس زمانے میں اور صحابہؓ حافظ قرآن نہ تھے بلکہ اور حفاظ کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی' چنانچہ غزوہ بیر معونہ میں جو ستر صحابہؓ شہید ہوئے سب کے سب قراء کہے جاتے تھے[2]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ابی اقرانا ہم میں قرآن کے سب سے زیادہ قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔[3] اسی بناء پر جب نماز تراویح باجماعت قائم کی تو حضرت ابی ابن کعب کو امام بنایا[4] اور اسی فضیلت کی بناء پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ پر ان کے قبیلہ خزرج کو بڑا ناز تھا۔ ایک بار قبیلہ اوس و خزرج میں مفاخرت ہوئی تو اوس نے کہا کہ "ہم میں حنظلہ بن عامر ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا ہم میں عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کے جسم کو بھڑوں نے کفار کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا۔ ہم میں سعد بن معاذ ہیں جن کی موت پر عرش الٰہی ہل گیا تھا' ہم میں خزیمہ بن ثابتؓ ہیں جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا" خزرج بولے: "ہم میں چار شخص ہیں جنہوں نے خود عہد نبوت میں قرآن یاد کر لیا تھا پھر ان بزرگوں کے نام لیے۔[5]

ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے صحابہ تھے جن کو قرآن مجید از بر تھا' ان میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ[6] حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمروؓ بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ہم کو معلوم ہیں[7] لیکن جن کے نام معلوم نہیں ان کی تعداد ان سے بھی

---

[1] بخاری کتاب ابواب فضائل القران باب القراۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع فتح الباری

[2] فتح الباری جلد ۹ ص ۴۲۔ [3] بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب القرآن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] بخاری باب فضل من قام رمضان۔ [5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوزیدؓ۔

[6] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مجمع بن جاریہؓ۔ [7] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قیس بن سکنؓ۔

زیادہ ہے جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کے شہید ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس پر آمادہ کیا۔[1]

ان لوگوں کی نسبت حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

ان کثیرا ممن قتل فی وقعة الیمامة کان قد حفظ القران.

''جو لوگ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے ان میں اکثر نے قرآن کو حفظ کر لیا تھا''۔

تسبیح وتہلیل:

تسبیح وتہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامت ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر تسبیح وتہلیل کیا کرتے تھے' جب جہاد میں روانہ ہوتے تو تمام پہاڑیاں ان کے غلغلہ تسبیح وتہلیل سے گونج اٹھتی تھیں' اس وقت اگرچہ عقیق وکہربا کی تسبیح موجود نہ تھی تاہم سنگریزے اور کھجور کی گٹھلیوں کی کمی نہ تھی جن صحابہ نے خاص طور پر تسبیح وتہلیل کا التزام کر لیا تھا ان ہی سے تسبیح کا کام لیتے تھے ایک بار آپ نے ایک صحابیہ کو دیکھا کہ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی ہیں فرمایا ''میں اس سے آسان تدبیر بتا دیتا ہوں'' اس کے بعد ایک دعا بتا دی۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے اس غرض سے ایک تھیلی بنا رکھی تھی جس میں کنکریاں یا گٹھلیاں بھری رہتی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے جب تھیلی خالی ہو جاتی تو وہ لونڈی کو حکم دیتے وہ پھر بھر دیتی۔[3]

ذکر الٰہی:

ذکر الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محبوب ترین مشغلہ تھا' خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے:

﴿ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ﴾

---

[1] بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔ [2] ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب التسبیح بالحصی۔

[3] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ۔

ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ لوگوں کا حلقہ ذکر قائم ہے بولے "کیوں بیٹھے ہو؟" لوگوں نے جواب دیا کہ "ذکر الٰہی کرتے ہیں" پھر فرمایا کہ "صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟" جواب ملا "ہاں صرف اسی لیے" فرمایا ایک بار اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا حلقہ ذکر دیکھا تو اسی طرح سوال کیا اور جواب ملنے پر فرمایا کہ "میرے پاس جبرئیل آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے"۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز سے فارغ ہوتے تو نہایت بلند آہنگی سے ذکر الٰہی کرتے' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "جب میں یہ غلغلہ سنتا تو سمجھ جاتا کہ صحابہؓ نماز پڑھ کر واپس آتے ہیں"۔[2]

خوفِ قیامت:

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں قیامت کا خوف اس قدر سما گیا تھا کہ اس کے ڈر سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے ایک بار دفعتہً اندھیرا ہو گیا' ایک صاحب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا عہد نبوت میں بھی ایسا ہوتا تھا؟" بولے "معاذ اللہ اگر ہوا بھی تیز ہو جاتی تھی تو ہم سب قیامت کے ڈر سے مسجد کی طرف بھاگ دوڑتے تھے"۔[3]

یہ خوف قیامت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ پر وقائع اخروی کے ذکر سے رقت طاری ہو جاتی تھی' بیہوش ہو ہو جاتے تھے گر گر پڑتے تھے۔ ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی' گواہ کسی کے پاس نہ تھا دونوں صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا "میں ایک آدمی ہوں ممکن ہے کہ تم میں کوئی نہایت چرب زبان اور طرار ہو اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دوں لیکن اگر یہ اس کا حق

---

[1] ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی القوم یجلسون فیذکرون اللہ مالھم من الفضل و مسلم کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ و الاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن و علی الذکر۔

[2] مسلم کتاب الصلوۃ باب الذکر بعد الصلوۃ۔ [3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ عند الظلمۃ۔

نہیں ہے تو اس کو یقین کرنا چاہیے کہ میں نے اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق لٹکا دیا ہے"
دونوں بزرگ آخرت کے خوف سے رونے لگے اور ہر ایک نے اپنا حق دوسرے کو دینا چاہا۔[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾

"لوگو! اپنے خدا سے ڈرو کیونکہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی"۔

تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کر کے فرمایا "جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ یہ وہ دن ہے جب خدا آدم سے کہے گا کہ "آگ کی فوج بھیجو" وہ کہیں گے اے اللہ! آگ کی فوج کون ہے؟ خدا کہے گا ہزار میں نو سو ننانوے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جنت میں صرف ایک تمام صحابہ یہ سن کر بے اختیار رو پڑے۔[2]

ایک بار شفیا الاصبحی مدینہ میں آئے دیکھا کہ ایک بزرگ کے سامنے بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا "ابو ہریرہؓ"، پاس آئے اور جب لوگ ہٹ گئے تو کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرمائیے" فرمایا "بیان کرتا ہوں" یہ کہہ کر چیخے اور بیہوش ہو گئے' افاقہ ہوا تو کہا ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو اس گھر میں آپ ﷺ نے مجھ ہی سے بیان فرمائی تھی" پھر چلائے اور غشی طاری ہو گئی ہوش آیا تو منہ پونچھا اور پھر یہی الفاظ فرمائے' پھر چلائے اور زمین پر گرنے لگے' شفیا نے فوراً تھام لیا ہوش آیا تو فرمایا کہ "قیامت کے دن خدا بندوں کے فیصلہ کے لیے اترے گا تو پہلے تین شخص طلب کیے جائیں گے' ایک قاری ایک دولتمند ایک مجاہد خدا قاری سے پوچھے گا کیا ہم نے تجھ کو قرآن کی تعلیم نہیں دی؟ اس پر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ "میں نے رات دن اس کی تلاوت کی" خدا کہے گا "جھوٹ بکتے ہو" تم نے یہ سب اس لیے کیا ہے کہ لوگ تم کو قاری کا خطاب دیں۔

دولت مند سے سوال ہوگا تو وہ کہے گا کہ "میں نے صلہ رحمی کی اور صدقہ دیا" خدا کہے گا "یہ جھوٹ ہے تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں" مجاہد سے

---

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی قضاء القاضی اذا اخطأ۔
[2] ترمذی ابواب التفسیر القرآن تفسیر سورۂ حج۔

پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا کہ ''تو نے مجھ کو جہاد کا حکم دیا میں لڑا اور شہید ہوا۔ خدا فرمائے گا'' یہ تو غلط ہے' تمہارا صرف یہ مقصد تھا کہ لوگ تم کو بہادر کہیں''۔ یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ ''سب سے پہلے ان ہی پر جہنم کی آگ بھڑکے گی''۔ شفیا نے مدینہ سے آ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی تو وہ روتے روتے قریب ہلاکت ہو گئے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر قسم کی دینوی تکلیفیں قبول تھیں' دنیوی مال ومتاع کا قربان کر دینا منظور تھا لیکن عذاب اخروی گوارا نہ تھا' ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی دیکھا کہ سوکھ کے قاق ہو گئے ہیں فرمایا ''کیا تم صحت کی دعا نہیں کرتے تھے'' بولے ''میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے عذاب اخروی دینا چاہتا ہے تو دنیا میں ہی دے دے''۔[2]

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ سے راضی ہو گئے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور وہ آپ سے راضی ہو گئے پھر ان کے اصحاب کی حسن رفاقت کا حق ادا کیا اور اگر آپ ان کو داغ جدائی دے کر گئے تو وہ آپ سے راضی رہیں گے'' بولے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حسن رفاقت اور ان کی رضا مندی تو ایک احسان الٰہی تھا' یہ گھبراہٹ صرف تمہارے اور تمہارے اصحاب کے لیے ہے خدا کی قسم اگر زمین کی سطح پر سونا بکھیر دیا جائے تو میں اس کو دے کر عذاب الٰہی سے بچنے کو ترجیح دوں گا''۔[3] شدت خوف قیامت سے ان کو یہی غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ وہ اگر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے تو کم از کم عذابِ دوزخ سے تو بچ جائیں' ایک بار انہوں نے ایک صحابی سے کہا ''تمہیں یہ پسند ہے کہ ہم جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے' ہجرت کی' جہاد کیا اور بہت سے نیک کام کیے ان سب کا ثواب تو ہم کو مل جائے لیکن آپ کے بعد ہم نے جو نیک کام کیے تو اس کے بدلے میں صرف دوزخ سے بچ جائیں

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ۔ [2] ترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید۔ [3] بخاری کتاب المناقب فضائل عمرؓ

اور عذاب و ثواب برابر سرابر ہو جائیں؟" بولے "خدا کی قسم نہیں، ہم نے آپ کے بعد بھی جہاد کیا، روزہ رکھا، نماز پڑھی، بہت سے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے بدلے عذاب سے بچ جائیں اور نیکی بدی برابر سرابر ہو جائے"۔[1]

خوف عذاب قبر:

قبر سفر آخرت کی پہلی منزل ہے اس لیے صحابہ کرامؓ اس منزل کو نہایت کٹھن سمجھتے تھے اور اس کے دشوار گزار اور پرخطر راستوں سے ہمیشہ لرزتے رہتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے قبر کی آزمائش اور امتحان پر خطبہ دیا تو صحابہ کرام چیخ اٹھے[2] حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو وصیت کی کہ مجھ کو دفن کرنا تو تھوڑی سی خاک ڈالنا، پھر قبر کے پاس اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اونٹ ذبح کر دیئے جائیں اور ان کا گوشت تقسیم ہو جائے تاکہ تمہارے ساتھ انس قائم رہے اور اتنی دیر میں میں خدا کے قاصدوں (منکر نکیر) کا جواب سوچ لوں"۔[3]

گریہ و بکا:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو موم کی طرح نرم و گداز کر دیا تھا اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کے خطبات و مواعظ سنتے، قرآن مجید پڑھتے یا خشیت الٰہی کا موقع آتا تو ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے۔

ایک بار آپؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت" "تمام صحابہؓ بے اختیار منہ ڈھانک کر رونے لگے"۔[4]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر کسی کے دل میں رائی برابر بھی غرور ہو گا تو وہ مرنے کے بعد دوزخ میں داخل ہو گا" حضرت عبداللہ بن قیس انصاریؓ یہ سن کر رد

---

[1] بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔ [2] نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر۔ [3] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ وکذا الحج والہجرۃ۔ [4] بخاری کتاب التفسیر باب لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوء کم۔

پڑے آپ نے فرمایا ''کیوں روتے ہو؟'' بولے آپ کا ارشاد سن کر'' فرمایا ''تمہیں خوشخبری ہو کہ تم جنتی ہو''۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ ﴾

''کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل گداز ہوں''۔

پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے تھے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔[2]

ایک بار انہوں نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

﴿ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ ﴾

''اس دن ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے''۔

تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان دونوں تر ہو گئے۔[3]

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔[4]

تمام صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب تھے وہ قرآن مجید پڑھتے تھے تو ان پر اس قدر اثر پڑتا تھا کہ بے اختیار رونے لگتے تھے۔[5]

ایک بار حضرت عکرمہؓ نے حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ ''صحابہؓ پر خوف الٰہی سے کبھی غشی بھی طاری ہوتی تھی؟'' بولیں ''نہیں وہ صرف روتے تھے''۔[6]

الحب فی اللہ:

اسلام ایک رشتہ اتحاد تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دور دور سے کھینچ کر لاتا تھا اور ایک دائمی محبت کے سلسلہ میں منسلک کر دیتا تھا' مہاجرین و انصار دونوں کا خاندان الگ تھا سلسلہ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ ابن قیس انصاری رضی اللہ عنہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔
[5] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس۔
[6] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ۔

نسب الگ تھا' طرز معاشرت الگ تھا' لیکن یہ صرف اسلام کا تعلق تھا جس نے دونوں کو اس قدر متحد کر دیا کہ دونوں بھائی بھائی ہو گئے اور مال میں جائیداد میں' وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اسی کا نام حب فی اللہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فرد اسی محبت کے نشہ میں چور تھا' ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''میرے دو بھائی تھے اور میں ایک سے صرف خدا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے محبت اور دوسرے سے صرف خدا اور خدا کے رسول کے لیے بغض رکھتا تھا[1]

حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ ''ایک صحابی نے پیچھے سے میرا شانہ پکڑ کر کہا کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں'' انہوں نے کہا کہ ''جس ذات (خدا) کے لیے تم مجھ سے محبت رکھتے ہو میں بھی اسی ذات کے لیے تجھ سے محبت رکھتا ہوں''۔[2]

یہ حب فی اللہ ہی کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ کوئی نیک کام کرتے تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے محبت ہو جاتی تھی' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو بولے ''تم نے ایسے شخص کا ذکر کیا کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو اور ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا اسی دن سے میں برابر ان کو محبوب رکھتا ہوں''۔[3]

ایک بار قبیلہ بنو تمیم کا صدقہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ میری قوم کا صدقہ ہے اور یہ لوگ دجال کے مقابلہ میں سب سے قوی تر ہیں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''عرب کے قبائل میں کوئی قبیلہ مجھے اس قبیلہ سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ لیکن جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت یہ کلمات سنے تو وہ مجھے محبوب ہو گیا''[4]

البغض فی اللہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ تن محبت تھے اس لیے ان کے نزدیک بغض سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہ تھی تاہم خدا کے عشق میں انہوں نے دوسروں کی محبت کو بھلا دیا تھا وہ اگر محبت

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت خالد الاحدب حارثی۔ [2] ادب المفرد باب اذا احب الرجل اخاہ فلیعلمہ۔
[3] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۱۔ [4] ایضاً ص ۳۹۰۔

کرتے تھے تو خدا ہی کے لیے اور بغض رکھتے تھے تو خدا ہی کے لیے۔

بیٹا ہر شخص کو محبوب ہوتا ہے لیکن اگر وہ خدا سے محبت نہیں رکھتا تو اس سے کوئی عاشق خدا محبت نہیں رکھ سکتا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لاتے تھے اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی تھی کہ ان کو وراثت نہ دوں گا۔[1]

بی بی سب کو محبوب ہے لیکن خدا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ایسی محبوب چیز کو بھی مبغوض بنا دیا تھا' ایک صحابی کی بی بی (ام ولد) رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی وہ اس کو بار بار سختی کے ساتھ منع کرتے تھے لیکن وہ اس حرکت سے باز نہیں آتی تھی اس کے ساتھ ان کے تعلقات جس قسم کے تھے ان کو خود انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے:

لی منها ابنان مثل اللؤلؤ يتين و كانت بی رفيقة.

''اس سے میرے دو بچے موتی کی طرح تھے اور وہ میری ہمدم تھی''۔

لیکن ایک بار رات کو وہ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہہ رہی تھی' انہوں نے سن لیا اور دفعتہً تمام تعلقات کو بھول گئے کلہاڑی اٹھائی اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔[2]

حضرت ابن ام مکتوم ایک یہودیہ کے مہمان ہوئے وہ اگرچہ ان کی خاطر مدارت کرتی تھی لیکن خدا اور خدا کے رسول کو برا بھلا کہتی تھی اس لیے انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔[3]

اعزہ واحباب سے کس کو محبت نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خدا کے لیے ان سب کی محبت کو خیر باد کہہ دیا تھا' اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لے کر رہا کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ہم کو ان سب کی گردن مارنے کا اختیار عطا فرمائیے علی رضی اللہ عنہ عقیل کی اور میں اپنے ایک عزیز کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ

---

1. ابوداؤد کتاب الفرائض باب نسخ میراث العقد میراث الرحم۔
2. ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ
3. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

لوگ ائمۃ الکفر ہیں"۔[1]

مقامات مقدسہ کی زیارت:

خانہ کعبہ کی طرح صحابہ کرامؓ اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی شرف اندوز ہوتے تھے۔

ایک بار ایک خاتون بیمار ہوئیں اور نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی' صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا' رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے کہا "مسجد نبویؐ ہی میں نماز پڑھ لو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد کی ایک نماز خانہ کعبہ کی مسجد کے سوا دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے"۔[2]

حضرت ابو جمعۃ انصاری رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کے لیے آئے' نماز ادا کر کے چلنے لگے تو لوگ پہنچانے آئے' بولے "مجھ پر تمہارا حق ہے' اس کے بدلے میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں"۔[3]

کوہ طور تجلی گاہ نور الٰہی تھا' اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور اس پر نماز پڑھی پلٹے تو حضرت ابو بصرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے کہا کہ "اگر میں پہلے ملا ہوتا تو تم وہاں نہ جانے پاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسجد نبوی' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا قصد رحال نہیں کیا جا سکتا"۔[4]

رسول اللہ ﷺ ہر سنیچر کو معمولاً قبا میں تشریف لے جایا کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی التزام کر لیا تھا[5] ایک دن حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ مسجد قبا کے پاس سے خچر پر سوار ہو کر نکلے' دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پا پیادہ جا رہے ہیں' خچر سے اتر کر کہا کہ "چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے" بولے اگر سواری

---

[1] مسلم کتاب الجہاد باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم۔

[2] مسلم کتاب الحج باب فضل الصلوۃ فی مسجد المدینۃ ومکۃ۔ [3] اصابہ تذکرہ حضرت ابو جمعہ انصاریؓ

[4] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۲ مسند ابو بصرہ غفاری۔ [5] مسلم کتاب الحج باب فضل مسجد قبا۔

درکار ہوتی تو مل سکتی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ اس مسجد میں پا پیادہ آ کر نماز پڑھا کرتے تھے اس لیے میں بھی پا پیادہ آنا پسند کرتا ہوں''۔[1]

ایک صحابیہ نے مسجد قبا تک پا پیادہ جانے کی نذر مانی تھی' ابھی نذر پوری کرنے بھی نہ پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔[2]

فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

ہم کو ہر قسم کی آسانیاں حاصل ہیں' تاہم مذہبی فرائض و اعمال ادا نہیں کرتے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اکثر مذی کے قطرے آ جایا کرتے تھے اس لیے وہ عموماً نہاتے رہتے تھے جب بار بار کے نہانے سے ان کی پیٹھ پھٹ گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا' آپ ؐ نے فرمایا ''اس کے لیے وضو کافی ہے''۔[3]

رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو دھوپ کی شدت سے زمین اس قدر گرم رہتی تھی کہ بعض صحابہؓ مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر اس کو ٹھنڈا کرتے تھے' پھر سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كان رسول الله ﷺ يصلي الظهر بالهاجرة و لم يكن يصلي صلوة اشد على اصحاب رسول الله ﷺ منها .[4]

''رسول اللہ ﷺ ٹھیک دوپہر کے وقت ظہر پڑھتے تھے اور آپ کی کوئی نماز صحابہ پر ظہر سے زیادہ شاق اور سخت نہ تھی''۔

ایک بار سورج گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اس قدر دیر لگائی کہ بہت سے صحابہ بے ہوش ہو گئے اور ان پر پانی کی

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۹۔

[2] موطا امام محمد کتاب الایمان والنذر و باب الرجل یحلف بالمشی الی بیت اللہ۔

[3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی المذی۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی وقت العصر۔

مشکیں ڈالی گئیں [1]

اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو مٹا دیا تاہم ذوق عبادت میں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا برابر مصروف نماز رہتی تھیں اور جب تھک جاتی تھیں تو مسجد کے دونوں ستونوں میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں تاکہ نیند نہ آنے پائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا ''ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے'' چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینکوا دی'' [2]

شوق حصول ثواب:

صحابہ کرامؓ کے تمام اعمال کا محور صرف ثواب آخرت تھا اسی کے لیے وہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے اور اسی پر انہوں نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا تھا۔ ایک صحابی کا گھر مسجد سے بہت دور تھا' لیکن ان کی کوئی جماعت قضا نہیں ہوتی تھی ایک صحابی نے ان سے کہا کہ'' کاش آپ ایک گدھا خرید لیتے جس پر دن کی دھوپ اور رات کے اندھیرے میں سوار ہو کر شریک نماز ہوتے'' انہوں نے جواب دیا کہ'' میں سرے سے یہ پسند ہی نہیں کرتا کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپؐ نے وجہ پوچھی' بولے کہ'' میرا مقصد یہ ہے کہ میری طویل آمد و رفت داخل حسنات ہو'' آپؐ نے یہ سن کر فرمایا'' خدا نے تم کو یہ دے دیا''۔ [3]

آپؐ نے فرمایا تھا کہ'' مسجد کی طرف جو قدم اٹھتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے'' اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کو آتے تھے تو قدم قریب قریب رکھتے تھے کہ نقش قدم کی تعداد بڑھ جائے۔ اور اس پر ثواب ملے۔ [4]

حضرت مالک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الکسوف۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ ابواب التطوع و رکعات السنۃ باب النعاس فی الصلوۃ۔

[3] ابوداؤد باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوۃ۔

[4] نسائی کتاب الامام باب المحافظۃ علی الصلوۃ حیث ینادی بھن

گھوڑا ساتھ ہے اور خود پاپیادہ جا رہے ہیں' بولے "جب خدا نے سواری دی ہے تو سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟" بولے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا کی راہ میں جس شخص کے پاؤں غبار آلود ہو جائیں خدا اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے[1]" یعنی پیدل اس لیے چلتا ہوں کہ پاؤں میں مٹی لگ جائے تاکہ اس بشارت سے مجھ کو بھی حصہ ملے۔

ایک روز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سخت دھوپ میں پاپیادہ اپنے خچر کو ہانکتے ہوئے جا رہے تھے' راستہ میں فوج سے ملاقات ہوگئی تو اس کے سپہ سالار نے کہا "خدا نے آپ کو سواری دی ہے پھر سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟" بولے "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں' اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے یہ سن کر تمام فوج گھوڑے سے اتر گئی[2]۔

پابندی نذر و قسم:

ہم لوگ ہر وقت قسمیں کھایا کرتے ہیں اور ہم کو محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے' لیکن صحابہ کرام بہت کم قسم کھاتے تھے' اور جس بات پر قسم کھا لیتے تھے اس کو پورا کرتے تھے' ایک بار حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھا لی کہ اب ان سے کبھی بات چیت نہ کریں گی۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دوسرے صحابہ کی سفارش پہنچائی تو رو کر کہنے لگیں۔ انی نذرت والنذر شدید. "میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے"۔ بالآخر اصرار و سفارش سے معاف کر دیا اور کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کیے[3]۔

حضرت عمرؓ خلافت کے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اس لیے اپنے دربان کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ کوئی قسم کھا لیں اور مصروفیت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکیں تو وہ ان کی طرف سے کفارے میں دس فقیر کو پانچ صاع گیہوں دے دے[4] یعنی ہر فقیر کو نصف صاع۔

---

[1] مسند دارمی فی فضل الغبار فی سبیل اللہ

[2] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۴۴ الافراد عن جابر۔ [3] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ

[4] موطائے امام محمد کتاب الایمان والنذور وادنی مایجزی فی کفارۃ الیمین۔

حضرت کردمؓ نے کوہ بوانہ پر پچاس بکریوں کے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی' رسول اللہ ﷺ سے اس کے ایفاء کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا کہ ''وہاں کوئی بت تو نصب نہیں ہے'' بولے نہیں اب آپؐ نے نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی' انہوں نے بکریاں جمع کیں اوران کو ذبح کرنے لگے' سوئے اتفاق سے ایک بکری بھاگ گئی' وہ اس کی جستجو میں نکلے تو یہ کہتے جاتے تھے کہ ''اے اللہ! میری نذر پوری کر'' چنانچہ جب اس بکری کو پکڑ کر ذبح کرلیا تو ان کو تسکین ہوئی۔[1]

اسلام نے اگر چہ رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تھا۔ تاہم بعض صحابہؓ ناواقفیت کی وجہ سے نہایت تکلیف دہ نذریں مانتے تھے اوران کو پورا کرتے تھے ایک بوڑھے صحابی نے پاپیادہ حج کرنے کی نذر مانی اوراس کو پورا کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا' ایک اور صحابیہؓ نے بھی اسی قسم کی نذر مانی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی[2] ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ نذر مانی ہے کہ نہ بیٹھیں گے نہ سائے میں کھڑے ہوں گے نہ کسی سے بولیں گے اورروزہ رکھیں گے' آپ نے فرمایا کہ ''ان سے کہہ دو کہ یہ سب چھوڑ دیں اورصرف روزے کو پورا کریں۔[3]

---
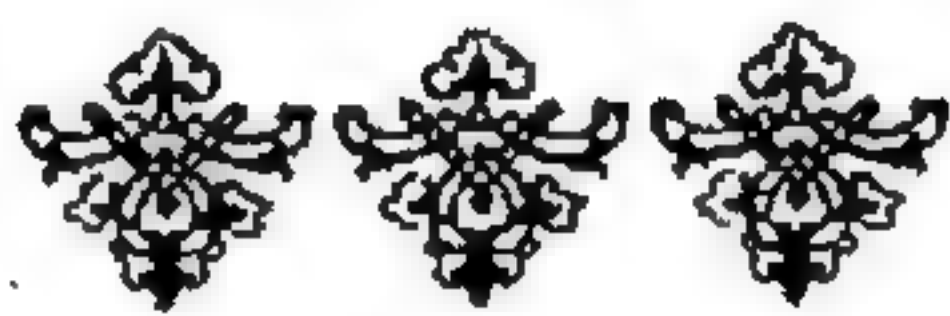
[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت میمونہ بنت کردمؓ۔

[2] بخاری کتاب الحج باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔

[3] بخاری کتاب النذور باب النذر فیما لا یملک وفی معصیۃ۔

تبجیل الرسول

برکت اندوزی:

صحابہ کرام مختلف طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے برکت اندوز ہوتے رہتے' مثلاً بچے بیمار پڑتے یا پیدا ہوتے تو ان کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتے آپؐ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے' اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے' حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں بیمار پڑا تو میری خالہ مجھ کو آپ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت کی' اس کے بعد آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو کا پانی پیا' حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لڑکا پیدا ہوا تو آپ کی خدمت میں لائے' آپ نے اس کا نام رکھا' اپنے منہ میں کھجور ڈال کے اس کے منہ میں ڈالی اور اس کو برکت کی دعا دی' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ ان کو لے کر آئیں اور آپ کی گود میں رکھ دیا' آپ نے کھجور منگا کر چبائی اور اس کو ان کے منہ میں ڈال دیا پھر برکت کی دعا کی' آپ بعض بچوں کے منہ میں کلی کر دیتے' بعض کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیتے اور بعض کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے [1]

حضرت زہرہ ابن معبدؓ ایک صحابی تھے' بچپن ہی میں ان کی والدہ ان کو آپؐ کی خدمت میں لائیں اور کہا کہ ''اس سے بیعت لیجئے'' آپؐ نے فرمایا ''ابھی بچہ ہے'' یہ کہہ کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی چنانچہ جب ان کو لے کر ان کے دادا غلہ خریدنے کے لیے بازار جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن زبیرؓ سے ملاقات ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ ''ہم کو بھی شریک کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو برکت کی دعا دی ہے'' [2]

---

[1] بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ ومسح رؤسہم وکتاب العقیقہ باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ وتحنیکہ۔ [2] بخاری کتاب الشرکۃ باب الشرکۃ فی الطعام۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

و توفرد واعی الصحابة علی احضار اولادھم ان النبی ﷺ لا لتماس برکته.

"یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے برکت حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی خدمت میں اپنی اولاد کے حاضر کرنے کا بڑا شوق تھا"۔

نماز فجر کے بعد صحابہ کرام کے ملازم برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہوتے آپؐ ان میں دست مبارک ڈال دیتے وہ متبرک ہو جاتا۔[1]

جب پھل پختہ ہوتے تو پہلا پھل آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے آپؐ برکت کی دعا فرماتے اور سب سے چھوٹا بچہ جو موجود ہوتا اس کو دے دیتے[2] آپؐ کے وضو کا بچا کھچا پانی صحابہؓ کے لیے آب حیات تھا' جس پر وہ جان دیتے تھے' ایک بار حضرت بلالؓ نے آپؐ کے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا تو تمام صحابہ نے اس کو جھپٹ لیا۔[3]

ایک دن آپؐ نے وضو کیا' پانی بچ گیا تو تمام صحابہ نے اس کو لے کر جسم پر مل لیا[4] ایک بار آپؐ سر منڈوا رہے تھے' صحابہ کرام نے آپ کو گھیر لیا' حجام سر مونڈتا جاتا تھا اور صحابہ اوپر ہی اوپر سے بالوں کو اچک لینا چاہتے تھے۔[5]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہؓ کی پیشانی پر ہاتھ پھیر دیا اس کے بعد انہوں نے عمر بھر نہ سر کے آگے کے بال کٹوائے' نہ مانگ نکالی۔ بلکہ اس کو بطور متبرک یادگار کے قائم رکھا۔[6]

آپؐ جب صحابہ کرام کے مکان پر تشریف لاتے تو وہ آپ سے برکت حاصل

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس وتبرکھم بہ

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب اذا اتی باول الثمرة وترمذی کتاب الدعوات باب مایقول اذا رای الباکورة من الثمر ۔ [3] نسائی کتاب الطہارة باب الانتفاع بفضل الوضوء۔ [4] بخاری کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس۔ [5] مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبیؐ وتبرکھم بہ۔

[6] ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب کیف الاذان۔

کرنے کی درخواست کرتے' ایک بار آپ' ایک صحابی کے گھر پر تشریف لائے' انہوں نے دعوت کی جب چلنے لگے تو گھوڑے کی باگ پکڑ کر عرض کی کہ "میرے لیے دعا فرمائیے" آپ نے دعائے برکت و دعائے مغفرت فرمائی۔[1]

ایک بار آپ' حضرت سعدؓ کے گھر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا انہوں نے آہستہ سے جواب دیا' ان کے صاحبزادے نے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کو اذن نہیں دیتے؟" بولے "چپ رہو مقصد یہ ہے کہ آپ ہم پر بار بار سلام کریں" آپ نے دوبارہ سلام کیا' پھر اسی قسم کا جواب ملا' تیسری بار سلام کر کے آپ واپس چلے تو حضرت سعد پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ "میں آپ کا سلام سنتا تھا' لیکن جواب اس لیے آہستہ سے دیتا تھا کہ آپ ہم پر متعدد بار سلام کریں۔[2]

محافظتِ یادگارِ رسول:

صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی اکثر یادگاریں محفوظ تھیں جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانے میں یزید کے دربار سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو حضرت مسور بن مخرمہؓ ملے اور مجھ سے کہا کہ "رسول اللہ ﷺ کی تلوار مجھے دے دو ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس کو چھین لیں' خدا کی قسم اگر تم نے مجھے یہ تلوار دی تو جب تک جسم میں جان باقی ہے کوئی شخص اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا"۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ' کا ایک جبہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب ان کے خاندان میں کوئی شخص بیمار ہوتا تھا تو شفاء حاصل کرنے کے لیے دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔[4]

بہت سے صحابہ ان یادگاروں کو زادِ آخرت سمجھتے تھے اور ان کو بعد مرگ بھی اپنے

---

[1] ابوداؤد کتاب الاشربہ فی النفخ فی الشراب۔ [2] ایضاً کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔ [3] ابوداؤد کتاب النکاح باب مایکرہ ان یجمع بینھن من النساء۔

[4] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۴۸۔

پاس سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو ایک شیشی میں بھر کر اپنی خوشبو میں ملا دیتی تھیں چنانچہ جب حضرت انسؓ نے انتقال کیا تو وصیت کی کہ یہ خوشبو ان کے حنوط میں شامل کی جائے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ آپؐ کے بال کو بھی شیشی میں بھر لیتی تھیں۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں پہلے تو اس کو ایک بے جوڑ چیز سمجھا ہے۔ لیکن اس کے بعد لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے وہ بال مراد ہیں جو کنگھی کرنے میں آپؐ کے سر سے جھڑ جاتے تھے' پھر حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ میں اپنے بال منڈوائے تو حضرت ابوطلحہؓ نے آپؐ کے بال لے لیے اور ان کو حضرت انس کی والدہ کے حوالے کیا' جن کو انہوں نے اپنی خوشبو میں شامل کر لیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس خوشبو میں یہ بال شامل تھے اسی میں وہ پسینے کو بھی شامل کر لیتی تھیں۔[1]

غزوۂ خیبر میں آپؐ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا' وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں' تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔[2]

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آپؐ کی ایک قمیض' ایک تہ بند' ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے' انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ یہ کپڑے کفن میں لگائے جائیں اور موئے مبارک منہ اور ناک میں بھر دیئے جائیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا' حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا' چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ ''خدا کی قسم آپؐ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا''۔[4]

ایک صحابی کو آپ نے سیاہ ریشم کا ایک عمامہ عطا فرمایا تھا انہوں نے اس کو محفوظ رکھا تھا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار بخارا میں خچر پر سوار ہو کر نکلے تو عمامہ دکھا

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوماً فقال عندہم۔ [2] مسند احمد ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۸۰
[3] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ۔ [4] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر

کر کہا کہ "اس کو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا"۔[1]

آپ کے چند بال حضرت ام سلمہؓ نے بطور یادگار کے محفوظ رکھے تھے اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو ایک برتن میں پانی بھر کر بھیج دیتا تھا اور وہ اس میں بالوں کو دھو کر واپس کر دیتی تھیں جس کو وہ شفا حاصل کرنے کے لیے پی جاتا تھا یا اس سے غسل کر لیتا تھا۔[2]

خلفاء ان یادگاروں کی نہایت عزت کرتے تھے اور ان سے برکت اندوز ہوتے تھے ایک بار آپ نے کسی عجمی بادشاہ کے نام خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ "جب تک خط پر مہر نہ ہو اہل عجم اس کو نہیں پڑھتے" اس لیے آپ نے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی جس کے نگینہ پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا' اس انگوٹھی کو خلفائے ثلاثہ نے محفوظ رکھا تھا۔ اخیر میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے کنویں میں گر پڑی انہوں نے تمام کنویں کا پانی نچوا ڈالا' لیکن یہ گوہر نایاب نہ مل سکا۔[3]

حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدے کے صلے میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی چادر عنایت فرمائی تھی' یہ چادر امیر معاویہؓ نے ان کے صاحبزادے سے خرید لی اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے۔[4]

آپ جس پیالے میں پانی پیتے تھے وہ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس محفوظ تھا ایک بار وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس کو چاندی کے تار سے جڑوایا اس میں ایک لوہے کا حلقہ بھی لگا ہوا تھا' لیکن بعد کو حضرت انسؓ نے اس میں سونے یا چاندی کا حلقہ لگوانا چاہا لیکن حضرت ابوطلحہؓ نے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا ہے اس میں تغیر نہیں کرنا چاہیے آپؐ کے دو اور پیالے حضرت سہلؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس محفوظ تھے۔[5]

ایک دن آپؐ حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے' گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپؐ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا' حضرت ام سلیمؓ نے

---

[1] ایضاً باب ماجاء فی الخز۔ [2] بخاری کتاب اللباس باب مایذکر فی الشیب مع فتح الباری

[3] ابوداؤد اول کتاب الخاتم۔ [4] اصابہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیرؓ

[5] بخاری کتاب الاشربہ باب الاشرب من قدح النبیؐ۔

مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار کے رکھ لیا۔[1]

آپ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے' اس غرض سے انہوں نے آپؐ کے لیے ایک خاص بستر اور ایک خاص تہبند بنوا لیا تھا جس کو پہن کر آپؐ استراحت فرماتے تھے یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے پاس محفوظ رہیں' اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔[2]

ان یادگاروں کے علاوہ صحابہ کرام آپؐ کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے تھے اور لوگوں کو اس کی زیارت کرواتے تھے' حضرت نافع کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں آپؐ معتکف ہوتے تھے۔[3]

ادبِ رسول:

صحابہ کرامؓ جس طرح رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام کرتے تھے اس کا اظہار سینکڑوں طریقے سے ہوتا تھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب و عظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کر لیتے' ایک صحابیہ فرماتی ہیں کہ:

جمعت علی ثیابی حین امسیت فاتیت رسول اللہ ﷺ[4]

''شام ہوئی تو میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی''۔

بغیر طہارت کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپؐ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے' مدینہ کے کسی راستے میں آپؐ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا۔ ان کو نہانے کی ضرورت تھی' گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپؐ کے سامنے آئیں اس لیے آپ کو دیکھا تو کترا گئے اور غسل کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپؐ نے دیکھا تو فرمایا کہ ''ابوہریرہؓ کہاں تھے؟'' بولے ''میں پاک نہ تھا' اس لیے آپؐ کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا''۔[5]

آپؐ کے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے' احادیث میں اسی

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ

[3] ابوداؤد کتاب الصیام باب ان یکون الاعتکاف۔ [4] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل۔

[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الجنب یصافح۔

حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

كانما على رؤسهم الطير.

''یعنی صحابہؓ آپؐ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے''۔[1]

گھر میں بچے پیدا ہوتے تو ادب سے ان کا نام محمد نہ رکھتے ایک دفعہ ایک صحابی کے گھر میں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے محمد نام رکھا لیکن ان کی قوم نے کہا ''ہم نہ یہ نام رکھنے دیں گے نہ اس کنیت سے تم کو پکاریں گے' تم اس کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرلو وہ بچے کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا' تو ارشاد ہوا کہ ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ اختیار کرو''۔[2]

اگر راستے میں کبھی ساتھ ہو جاتا تو ادب سے آپؐ کے ساتھ سواری پر سوار ہونا پسند نہ کرتے۔ ایک بار حضرت عقبہ بن عامر آپ کا خچر ہانک رہے تھے' آپؐ نے فرمایا ''سوار کیوں نہیں ہو لیتے؟'' لیکن انہوں نے اس کو بڑی بات سمجھا کہ آپؐ کے خچر پر سوار ہوں' تاہم امتثالاً للامر تھوڑی دور تک سوار ہو لیے۔[3]

فرطِ ادب سے کسی بات میں آپؐ سے تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے' آپؐ غزوۂ تبوک کے سفر میں قضائے حاجت کے لیے صحابہؓ سے الگ ہو گئے' نماز فجر کا وقت آ گیا تو صحابہؓ نے آپؐ کے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز شروع کر دی آپؐ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی' اس لیے آپؐ دوسری رکعت میں شریک ہوئے نماز ہو چکی تو تمام صحابہؓ نے اس کو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا اور سب کے سب (بطور استغفار کے) سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے' آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ''تم نے اچھا کیا''۔[4]

---

[1] ابوداؤد اول کتاب الطب باب الرجل تیداوی۔ [2] مسلم کتاب الآداب باب النہی عن التکنی بابی القاسم وبیان مایستحب من الاسماء۔ [3] نسائی کتاب الاستعاذہ ص ۸۰۲۔

[4] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین۔

ایک بار آپؐ کسی نزاع چکانے کے لیے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں گئے نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا کہ نماز پڑھا دیجئے' وہ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپؐ آ کر شریک جماعت ہو گئے' لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کیں' حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تاہم جب لوگوں نے مسلسل تالیاں بجائیں تو مڑ کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں آپؐ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو' انہوں نے پہلے تو خدا کا شکر کیا کہ آپ نے ان کی امامت کو پسند فرمایا' پھر پیچھے ہٹ آئے اور آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی' نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ''جب میں نے حکم دیا تو تم کیوں اپنی جگہ سے ہٹ آئے؟ بولے کہ ''ابن قحافہ کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھائے'' [1]

ایک بار آپؐ پیدل جا رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک صحابی گدھے پر سوار آئے آپ کو پیدل دیکھا تو خود فرطِ ادب سے پیچھے ہٹ گئے اور آپؐ کو آگے سوار کرنا چاہا' لیکن آپؐ نے فرمایا ''تم آگے بیٹھنے کے زیادہ مستحق ہو البتہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں آگے بیٹھ سکتا ہوں'' [2]

اگر کبھی آپؐ کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک آپؐ کھانا شروع نہ کرتے تمام صحابہ فرطِ ادب سے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ [3]

ادب کے مارے آپؐ سے آگے چلنا پسند نہیں کرتے' ایک سفر میں حضرت ابن عمرؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل نکل جاتا تھا' حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹا کہ کوئی آپؐ سے آگے نہ بڑھنے پائے'' [4]

کسی چیز میں آپؐ کے مقابلہ کی جرأت نہ کرتے' ایک بار چند صحابہ جو قبیلہ اسلم

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التصفیق فی الصلوٰۃ۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب رب الدابۃ احق بصدرہا۔

[3] ایضاً کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام

[4] بخاری کتاب الہبہ باب من اہدیٰ لہ ہدیۃ وعندہ جلساء فہو احق بہا۔

سے تعلق رکھتے تھے باہم تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے' آپؐ نے فرمایا "اے بنو اسمٰعیل تیر پھینکو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا' اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں" دوسرے گروہ کے لوگ فوراً رک گئے آپؐ نے پوچھا کہ "تیر کیوں نہیں پھینکتے"؟ بولے "اب کیوں کر مقابلہ کریں جب کہ آپؐ ان کے ساتھ ہیں" فرمایا "تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں"[1] حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لیے رک گئے کہ اگر وہ اپنے فریق پر غالب آ گئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہیں تو آپ بھی مغلوب ہو جائیں گے' اس لیے انہوں نے ادب سے مقابلہ ہی کرنا چھوڑ دیا۔

اس ادب و احترام کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی نسبت کسی قسم کی سوئے ادبی گوارا نہ کرتے آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں قیام فرمایا' اور آپؐ نیچے کے حصے میں اور ان کے اہل و عیال اوپر کے حصے میں رہنے لگے' ایک رات حضرت ابو ایوب انصاریؓ بیدار ہوئے تو کہا کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے اوپر چلیں پھریں" اس خیال سے تمام اہل و عیال کو ایک کونے میں کر دیا صبح کو آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپؐ اوپر قیام فرمائیں' ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لیے زیادہ موزوں ہے" بولے کہ "جس چھت کے نیچے آپؐ ہوں ہم اس پر نہیں چڑھ سکتے"۔ مجبوراً آپ کو بالا خانہ پر قیام کرنا پڑا۔[2]

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے سن میں بڑے تھے لیکن ان کو فرط ادب سے یہ گوارا نہ تھا کہ ان کو آپؐ سے بڑا کہا جائے۔ ایک بار حضرت عثمانؓ نے ایک صحابی سے پوچھا "آپؐ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ" بولے "بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہیں' البتہ میں آپؐ سے پہلے پیدا ہوا تھا"۔[3]

اگر نادانستگی میں بھی آپ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکل جاتا تو اس کی

---

[1] ایضاً کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی۔

[2] مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم وانہ ینبغی لمن اراد خطاب الکبار ترکہ وکذا ما فی معناہ

[3] ترمذی ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی میلاد النبیؐ

معافی چاہتے ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا تھا اور وہ اس پر رو رہی تھیں' آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ''خدا سے ڈرو اور صبر کرو'' بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے' آپؐ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تھے' دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ ''میں نے حضور کو نہیں پہچانا تھا''۔[1]

اگر کسی دوسرے شخص کے متعلق آپ کی نسبت گستاخی کا خیال ہوتا تو صحابہ کرام سخت برہم ہوتے' ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شانہ نبوت میں آئے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ باآواز بلند بول رہی ہیں' فوراً طمانچہ اٹھایا اور کہا کہ ''اب کبھی آپؐ کے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے''۔[2]

آپؐ پر ایک شخص کا کچھ قرض آتا تھا' اس نے گستاخانہ طریقے سے تقاضا کیا تو تمام صحابہ اس پر ٹوٹ پڑے' بالآخر خود آپؐ نے بیچ بچاؤ کیا۔[3]

ایک بار آپؐ سفر میں تھے' ایک بدو آیا اور وحشیانہ لہجہ میں باآواز بلند پکارا ''یا محمدؐ' یا محمدؐ''، صحابہ کرامؓ نے کہا ''ہیں' ہیں'' یہ کیا؟ یہ منع ہے۔[4]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ انصار کے خاندانوں میں سب سے افضل بنونجار ہیں' پھر بنوعبدالاشہل' پھر بنوحرث بن خزرج' پھر بنوساعدہ' ان کے علاوہ انصار کے تمام خاندان اچھے ہیں' حضرت سعد بن عبادۃ قبیلہ بنوساعدہ سے تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ آپؐ نے ان کے قبیلہ کو چوتھے نمبر پر رکھا تو ان کو کسی قدر ناگوار ہوا' بولے ''میرے گدھے پر زین کسو میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کروں گا'' لیکن ان کے بھتیجے حضرت سہلؓ نے کہا کہ ''کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی تردید کے لیے جاتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ وجوہ فضیلت کے سب سے زیادہ عالم ہیں یہ کیا کم ہے کہ آپ کا چوتھا نمبر ہے''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح

[3] ابن ماجہ ابواب الصدقات باب لصاحب الحق سلطان

[4] ترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی فضل التوبہ والاستغفار وما ذکر من رحمۃ اللہ العبادہ

[5] مسلم کتاب الفضائل باب فی خیر دور الانصار۔

صلح حدیبیہ کے بعد کافروں اور مسلمانوں میں اختلاط ہو گیا' حضرت سلمہؓ آئے اور ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے' چار مشرک بھی اس جگہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا شروع کیا' ان کو گوارا نہ ہو سکا' اٹھ گئے دوسری جگہ چلے گئے اور چاروں مشرک بھی ہتھیار کو لٹکا کر سو رہے' اسی حالت میں شور ہوا کہ ابن زنیم قتل کر دیا گیا' حضرت سلمہؓ نے موقع پا کر تلوار میان سے کھینچ لی اور چاروں پر حالت خواب میں حملہ کر کے ان کے تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا' اور کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی' تم میں سے جو شخص سر اٹھائے گا اس کا دماغ پاش پاش کر دیا جائے گا'' [1]

ایک شخص کا نام محمد تھا' حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کو گالیاں دے رہا ہے بلا کر کہا کہ ''دیکھو تمہاری وجہ سے محمد کو گالیاں دی جا رہی ہیں اب تا دم مرگ تم اس نام سے پکارے نہیں جا سکتے'' چنانچہ اسی وقت ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ پھر بنو طلحہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو لوگ اس نام کے ہوں سب کے نام بدل دیئے جائیں' اتفاق سے وہ لوگ سات آدمی تھے اور ان کے سردار کا نام محمد تھا' لیکن انہوں نے کہا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میرا نام محمد رکھا ہے'' بولے ''اب میرا اس پر کچھ زور نہیں چل سکتا''۔ [2]

چھوٹے چھوٹے بچے بھی اگر آپؐ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرتے تو صحابہ کرامؓ ان کو ڈانٹ دیتے' حضرت ام خالدؓ اپنے باپ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں اور بچپن کی وجہ سے خاتم النبوۃ سے کھیلنے لگیں' ان کے والد نے ڈانٹا' لیکن آپؐ نے فرمایا کھیلنے دو۔ [3]

جو چیزیں شان نبوت کے خلاف ہوتیں' صحابہ کرامؓ آپؐ کے سامنے ان کے ذکر تک کو سوئے ادبی سمجھتے' آپ نے جب عمرہ قضا ادا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپؐ کے آگے آگے اشعار پڑھتے چلتے تھے' حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حدود حرم کے اندر شعر پڑھتے ہو؟'' لیکن آپؐ نے خود اس کو مستحسن خیال فرمایا [4]

---

[1] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۱۶۔ [3] بخاری کتاب الجہاد باب من تکلم بالفارسیۃ والرطانۃ۔ [4] نسائی کتاب المناسک انشاد الشعر فی الحرم والمشی بین ایدی الامام' ترمذی میں ہے کہ اشعار حضرت کعب بن مالکؓ نے پڑھے تھے اور یہی صحیح بھی ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے جمعہ کے دن آپؐ کے منبر کے سامنے شور وغل کرنا شروع کیا' حضرت عمرؓ نے ڈانٹا کہ آپؐ کے منبر کے سامنے آواز اونچی نہ کرو۔[1]

یہ تعظیم' یہ ادب' یہ عزت آپؐ ہی کی زندگی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپؐ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام آپ کا اسی طرح ادب کرتے تھے' آپؐ کے وصال کے بعد قبر کے متعلق اختلاف ہوا کہ لحد کھودی جائے یا صندوق اس پر لوگوں نے شور وغل کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپؐ کے سامنے موت وحیات دونوں حالتوں میں شور وشغب نہ کرو۔[2]

صحابہ کرامؓ کے اس ادب واحترام کا منظر صلح حدیبیہ میں عروہ کو نظر آیا تو وہ سخت متاثر ہوا اس نے صلح کے متعلق آپؐ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا' لیکن جب ہاتھ بڑھاتا تھا' حضرت مغیرہ بن شعبہؓ تلوار کے ذریعہ سے روک دیتے تھے۔ اس واقعہ سے عروہ کو اس طرف توجہ ہوگئی اور اس نے صحابہ کے طرز عمل کو بغور دیکھنا شروع کیا تو اس پر یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ ''میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن محمدؐ کے اصحاب جس قدر محمد (ﷺ) کی تعظیم کرتے ہیں اس قدر کسی بادشاہ کے رفقاء نہیں کرتے اگر وہ تھوکتے ہیں تو ان لوگوں کے ہاتھ میں ان کا تھوک گرتا ہے اور وہ اپنے جسم و چہرہ پر اس کو مل لیتے ہیں اگر وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لیے باہم لڑ پڑتے ہیں اگر ان کے سامنے بولتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے''۔[3]

جاںنثاری:

صلح حدیبیہ میں جب عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''میں آپؐ کے سامنے ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے'' تو حضرت ابوبکرؓ کے دل پر اس طنز آمیز فقرہ نے نشتر کا کام دیا اور انہوں نے برہم ہو کے کہا ''ہم اور

---

[1] مسلم کتاب الامارۃ فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الشق

[3] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل العرب۔

آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"[1] یہ ایک قول تھا جس کی تائید ہر موقع پر صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے کی۔

ابتدائے اسلام میں ایک بار آپؐ نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن ابی معیط آیا اور آپ کا گلا گھونٹنا چاہا' حضرت ابوبکرؓ نے اس کو دھکیل دیا اور کہا کہ ایک آدمی کو صرف اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا خدا اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے خدا کی جانب سے دلائل لے کر آیا ہے"۔[2]

ہجرت کے بعد آپؐ اور بھی خطرات میں مبتلا ہو گئے تھے کفار کے علاوہ اب منافقین اور یہود نئے دشمن پیدا ہو گئے تھے جن کا رات دن ڈر لگا رہتا تھا اس لیے آپ کو اکثر پاسبانی کی ضرورت ہوتی تھی اور صحابہ کرام آپ کی حفاظت کے لیے اپنے آپ کو ان تمام خطرات میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ ابتدائے ہجرت میں آپؐ ایک شب بیدار ہوئے تو فرمایا "کاش آج کی رات کوئی صالح بندہ میری حفاظت کرتا" تھوڑی دیر کے بعد ہتھیار کی جھنجھناہٹ کی آواز آئی' آپؐ نے آواز سن کر فرمایا "کون؟" جواب ملا "میں سعد بن ابی وقاص" فرمایا کیوں آئے۔ بولے "میرے دل میں آپ کی نسبت خوف پیدا ہوا اس لیے حفاظت کے لیے حاضر ہوا"۔[3]

ان خطرات کی وجہ سے اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتے تھے تو جاں نثاروں کے دل دھڑکنے لگتے تھے' آپؐ ایک دن صحابہ کرامؓ کے حلقہ میں رونق افروز تھے کسی ضرورت سے اٹھے تو پلٹنے میں دیر ہو گئی' صحابہ کرام گھبرا گئے کہ خدانخواستہ دشمنوں کی طرف سے کوئی چشم زخم تو نہیں پہنچا' حضرت ابوہریرہؓ اسی پریشانی کی حالت میں گھبرا کر آپ کی جستجو میں انصار کے ایک باغ میں پہنچے دروازہ ڈھونڈا تو نہیں ملا۔ دیوار میں پانی کی ایک نالی نظر آئی اس میں گھس کر آپؐ تک پہنچے اور صحابہ کی پریشانیوں کی داستان سنائی۔[4]

---

[1] ایضاً۔ [2] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔ [3] ترمذی کتاب الفضائل مناقب سعد بن ابی وقاص۔
[4] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ من الایمان وہو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار۔

غزوات میں یہ خطرات اور بھی بڑھ جاتے تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری میں اور بھی ترقی ہو جاتی تھی۔

غزوہ ذات الرقاع میں ایک صحابی نے ایک مشرک کی بی بی کو گرفتار کیا' اس نے انتقام لینے کے لیے قسم کھالی کہ "جب تک اصحاب محمدؐ میں کسی صحابی کے خون سے زمین کو رنگین نہ کرلوں گا چین نہ لوں گا" اس لیے جب آپؐ واپس ہوئے تو اس نے تعاقب کیا آپؐ منزل پر فروکش ہوئے تو دریافت فرمایا کہ "کون میری حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے گا"؟ مہاجرین و انصار دونوں میں سے ایک ایک بہادر اس شرف کے حاصل کرنے کے لیے اٹھے' آپؐ نے حکم دیا کہ گھاٹی کے دہانے پر جا کر متمکن ہو جائیں' (کہ وہی کفار کا کمین گاہ ہوسکتا تھا) دونوں بزرگ وہاں پہنچے تو مہاجر بزرگ سو گئے اور انصاری نے نماز پڑھنا شروع کردی' مشرک آیا اور فوراً تاڑ گیا کہ یہ محافظ اور نگہباں ہیں' تین تیر مارے اور تینوں کے تینوں ان کے جسم میں ترازو ہو گئے۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔[1]

آپؐ غزوۂ حنین کے لیے نکلے تو ایک صحابی نے شام کے وقت خبر دی کہ میں نے آگے جا کر پہاڑ کے اوپر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن کے زن و مرد چارپایوں اور مویشیوں کو لے کر امنڈ آئے ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "آج میری پاسبانی کون کرے گا" حضرت انسؓ بن ابی مرثد غنوی نے کہا "میں یا رسولؐ اللہ" ارشاد ہوا کہ "سوار ہو جاؤ" وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو فرمایا کہ "اس گھاٹی کے اوپر چڑھ جاؤ" آپؐ نماز فجر کے لیے اٹھے تو صحابہ سے فرمایا کہ "تمہیں اپنے شہ سوار کی بھی خبر ہے؟" صحابہ نے عرض کیا "ہمیں تو کچھ خبر نہیں" جماعت قائم ہوئی تو آپؐ نماز پڑھاتے جاتے تھے اور مڑ مڑ کے گھاٹی کی طرف دیکھتے جاتے تھے' نماز ادا کر چکے تو فرمایا "لو مبارک ہو تمہارا شہ سوار آ گیا' صحابہ کرامؓ نے گھاٹی کے درختوں کے درمیان سے دیکھا تو وہ آ پہنچے اور خدمت مبارک میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا کہ میں گھاٹی کے بلند ترین حصے پر جہاں آپؐ نے مامور فرمایا تھا چڑھ گیا' صبح کو دونوں گھاٹیاں بھی دیکھیں تو ایک متنفس بھی نظر نہ آیا' آپؐ

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم۔

نے فرمایا'' کبھی نیچے بھی اترے تھے؟'' بولے ''صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے'' ارشاد ہوا تم کو جنت مل چکی' اس کے بعد اگر کوئی عمل نہ کرو تو کوئی ہرج نہیں'' [۱]

ایک غزوہ میں صحابہ کرامؓ نے ایک ٹیلے پر قیام فرمایا' اس شدت سے سردی پڑی کہ بعض لوگوں نے زمین میں گڑھا کھودا اور اس کے اندر گھس کر اوپر سے ڈھال ڈال لی آپؐ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ''آج کی شب میری حفاظت کون کرے گا؟ میں اس کو دعا دوں گا'' ایک انصاری نے کہا کہ ''میں یا رسول اللہؐ'' آپ نے قریب بلا کر ان کا نام پوچھا اور دیر تک دعا دیتے رہے' حضرت ابوریحانہؓ نے یہ دعا سنی تو کہا کہ ''میں دوسرا نگہبان بنوں گا'' آپؐ نے قریب بلا کر نام پوچھا اور ان کو بھی دعا دی۔[۲]

غزوۂ بدر میں جب آپؐ نے کفار کے مقابلے کے لیے صحابہ کرام کو طلب کیا تو حضرت مقدادؓ بولے ''ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح کہہ دیں:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا.

''تم اور تمہارا خدا (دونوں) جاؤ اور لڑو''۔

بلکہ ہم آپؐ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے۔ آپؐ نے یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔[۳]

صحابہ کرامؓ کے جاں نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوۂ احد میں ہوا' چنانچہ اس غزوہ میں کسی مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ جن میں سات انصاری اور دو قریشی تھے' (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ) رہ گئے اس حالت میں کفار آپؐ پر دفعتہً ٹوٹ پڑے تو آپؐ نے ان جانثاروں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے ہٹا سکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپؐ پر قربان ہو گئے اسی طرح کفار برابر آپؐ پر حملہ کرتے جاتے اور آپؐ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھ کر آپؐ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا' یہاں تک کہ ساتوں

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل۔ [۲] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۴

[۳] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر

بزرگ شہید ہو گئے[1] حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی جانثاری کا وقت آیا تو حضرت سعدؓ کے سامنے آپؐ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ "تیر پھینکو میرے ماں باپ تم پر قربان" حضرت ابوطلحہؓ سپر لے کر آپؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تیر چلانے لگے اور اس شدت سے تیراندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں' اگر آپؐ گردن اٹھا کر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں گردن اٹھا کر نہ دیکھئے' مبادا کوئی تیر نہ لگ جائے میرا سینہ آپؐ کے سینہ کے سامنے ہے"۔[2]

اس غزوہ میں حضرت شماسؓ بن عثمان کی جان نثاری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے ان کی تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی' آپؐ پر غشی طاری ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو آپؐ کی سپر بنا لیا' یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہوئے[3]

اسی غزوہ میں آپؐ نے ایک صحابی کو حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کی تلاش میں روانہ فرمایا وہ لاشوں کے درمیان ان کو ڈھونڈنے لگے تو حضرت سعد بن ربیعؓ خود بول اٹھے "کیا کام ہے" جواب دیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارا ہی پتہ لگانے کے لیے بھیجا ہے" بولے "جاؤ" "آپ کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دو اور کہو کہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور اپنے قبیلہ میں اعلان کر دو کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور ان میں ایک متنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہ ہو گا"۔[4]

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی آپؐ کی جان نثاری کی آرزو رکھتی تھیں' حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ "تم نے جس شخص کی مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا' اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتیں تو آپ کی حفاظت کرتیں اور آپؐ کی طرف سے لڑتیں۔[5]

خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال

---

[1] صحیح مسلم باب غزوۂ احد۔ [2] بخاری باب غزوۂ احد۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت شماس بن عثمانؓ۔
[4] موطا امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد۔ [5] استیعاب تذکرہ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔

کرتے تھے اس لیے متعدد بزرگوں نے اپنے آپ کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضرت بلالؓ نے ابتدائے بعثت ہی سے آپؐ کی خانہ داری کے تمام کاروبار کا انتظام اپنے ذمے لے لیا تھا اور اس کے لیے طرح طرح کی ذلتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے لیکن آپؐ کے شرف خدمت کا چھوڑنا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی غریب مسلمان خدمت مبارک میں حاضر ہوتا اور اس کے بدن پر کپڑے نہ ہوتے تو آپؐ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض دام لے کر اس کی خوراک و لباس کا انتظام کرتے ایک بار کسی مشرک سے اس غرض کے لیے قرض لیا' لیکن ایک دن اس نے دیکھا تو نہایت سخت لہجے میں کہا ''او حبشی تجھے معلوم ہے کہ اب مہینے میں کتنے دن رہ گئے ہیں؟ صرف چار دن' اسی عرصہ میں قرض وصول کرلوں گا ورنہ جس طرح تو پہلے بکریاں چرایا کرتا تھا اسی طرح بکریاں چرواؤں گا'' حضرت بلالؓ کو اس سے سخت رنج ہوا عشاء کے بعد آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''مشرک نے مجھے یہ کچھ کہا ہے آپؐ کے پاس اور نیز میرے پاس قرض کے ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے اور وہ مجھے ذلیل کر رہا ہے' فرمایئے کہ جب تک قرض نہ ادا ہو جائے مسلمان قبائل میں بھاگ کر پناہ لوں گھر واپس آئے تو بھاگنے کا تمام سامان بھی کر لیا' لیکن رزاق عالم نے صبح تک خود قرض کے ادا کرنے کا سامان کر دیا[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب آپ کہیں جاتے تو وہ پہلے آپ کو جوتیاں پہناتے پھر آگے آگے عصا لے کر چلتے' آپ مجلس میں بیٹھنا چاہتے تو آپ کے پاؤں سے جوتیاں نکالتے' پھر آپ کو عصا دیتے' آپؐ اٹھتے تو پھر اسی طرح جوتیاں پہناتے آگے آگے عصا لے کر چلتے اور حجرۂ مبارک تک پہنچا جاتے آپؐ نہاتے تو پردہ کرتے آپؐ سوتے تو بیدار کرتے آپؐ سفر میں جاتے تو آپ کا بچھونا' مسواک' جوتا اور وضو کا پانی ان کے ساتھ ہوتا' اس لیے وہ صاحب سواد رسول اللہ ﷺ یعنی آپؐ کے میر سامان کہے جاتے تھے[2]

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت ربیعہ اسلمیؓ بھی شب و روز آپ کی خدمت میں مصروف رہتے جب آپؐ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانہ نبوت میں تشریف لے جاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادا آپ کو کوئی ضرورت پیش آ جائے۔ ایک بار آپؐ نے ان کو ازواج اختیار کرنے کا مشورہ دیا بولے "یہ تعلق آپ کی خدمت گزاری میں خلل انداز ہوگا' جس کو میں پسند نہیں کرتا" لیکن آپؐ کے بار بار کے اصرار سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔[1]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپؐ کے مستقل خدمت گزار تھے' ان کا کام یہ تھا کہ سفر میں آپؐ کی اونٹنی کو ہانکتے ہوئے چلتے تھے۔[2]

حضرت انسؓ بن مالک کو بچپن ہی سے ان کی والدہ نے آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب حاصل ہوا[3] حضرت سفینہؓ حضرت سلمیٰ کی والدہ کے غلام تھے انہوں نے ان کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گزاری میں صرف کر دیں' انہوں نے کہا کہ "اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفس واپسیں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتا"۔[4]

ان بزرگوں کے علاوہ جو صحابہؓ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کو بھی عموماً شرف خدمت حاصل ہوتا رہتا تھا ایک بار آپؐ رفع حاجت کے لیے بیٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے رہے' آپؐ نے پوچھا کہ "عمر! کیا ہے" بولے کہ "وضو کا پانی" فرمایا کہ "ہر وقت اس کی ضرورت نہیں"۔[5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو ہمیشہ خدمت مبارک میں حاضر رہتے تھے اکثر یہ شرف حاصل ہوتا کہ جب آپؐ رفع ضرورت کے لیے تشریف لے جاتے تو وہ کسی طشت یا

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸' ۵۹۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ابواب شہر رمضان باب فی المعوذتین۔
[3] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ۔ [4] ابوداؤد کتاب العتق باب العتق علی الشرط۔
[5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستبراء۔

کوزہ میں پانی لاتے اور آپؐ وضو کرتے۔[1]

ایک بار حضرت حسینؓ نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا' حضرت لبابہؓ نے کہا کہ "آپؐ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنا تہ بند مجھے عنایت فرمائیں کہ میں دھولاؤں" ارشاد ہوا کہ بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے"۔

حضرت ابو السمح ہمیشہ آپ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے چنانچہ جب آپ غسل فرماتے تو وہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جاتے اور آپؐ ان کی آڑ میں نہا لیتے ایک بار امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہما نے آپؐ کے سینے پر پیشاب کر دیا' انہوں نے سینہ مبارک کو دھونا چاہا' لیکن آپؐ نے فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا چاہیے۔[2]

جب آپؐ نے حجۃ الوداع میں رمی جمرہ کرنا چاہی تو خدام بارگاہ میں حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ ساتھ ساتھ تھے ایک کے ہاتھ میں ناقہ کی نکیل تھی اور دوسرے بزرگ آپؐ کے سر پر اپنا کپڑا تانے ہوئے چلتے تھے کہ آفتاب کی شعاعیں چہرہ مبارک کو گرم نگاہوں سے نہ دیکھنے پائیں۔[3]

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حدیث شریف میں ہے:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین.

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں تم کو تمہارے باپ' لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تم لوگ مومن نہیں کہے جا سکتے"۔

اور صحابہ کرام کو ایمان کا یہی درجہ کمال حاصل تھا' چنانچہ حضرت جابرؓ کے والد جب غزوۂ احد کی شرکت کے لیے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مجھ کو تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے' تم میرا قرض ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا[4] اس کے علاوہ صحابہ کرام اور بھی مختلف طریقوں

---

[1] ایضاً کتاب الطہارۃ باب الرجل یدلک یدہ الارض اذا استنجی۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب بول الصبی یصیب الثوب۔ [3] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المحرم یظلل۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ۔

سے آپ کی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

ایک بار ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جوش محبت میں آپ کی قمیض الٹ دی اس کے اندر گھس گئے آپ کو چوما اور آپؐ سے لپٹ گئے۔[1]

حضرت اسید بن حضیرؓ ایک شگفتہ مزاج صحابی تھے ایک روز وہ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے کہ آپؐ نے ان کے پہلو میں ایک چھڑی سے کونچ دیا' انہوں نے اس کا انتقام لینا چاہا آپ اس پر راضی ہو گئے' لیکن انہوں نے کہا کہ ''آپ کے بدن پر قمیض ہے حالانکہ میں برہنہ تھا'' آپؐ نے قمیض بھی اٹھا دی' قمیض کا اٹھانا تھا کہ وہ آپؐ سے لپٹ گئے' پہلو چومے اور کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی مقصود تھا''۔

جب آپ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو سواری سے اترنے کے ساتھ ہی سب کے سب دوڑے اور آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا[2] حضرت کردمؓ نے حجۃ الوداع میں آپ کی زیارت کی تو آپؐ کے قدم چومے اور آپ کی رسالت کا اقرار کیا اور آپ کی باتیں سنتے رہے[3] حضرت زاہرؓ ایک بدوی صحابی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے اور آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے' آپ بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''زاہر ہمارے بدوی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں'' ایک دن وہ اپنا سودا فروخت کر رہے تھے۔ آپؐ نے پیچھے سے آ کر ان کو گود میں لے لیا' انہوں نے کہا ''کون ہے چھوڑ دو'' لیکن مڑ کر دیکھا اور معلوم ہوا کہ آپؐ ہیں تو اپنی پشت کو بار بار آپؐ کے سینہ سے چمٹاتے تھے اور تسکین نہیں ہوتی تھی۔[4]

عرب میں یہ خیال تھا کہ اگر کسی کے پاؤں سو جائیں اور وہ اپنے محبوب کو یاد کرے تو یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں سو گئے تو کسی نے کہا ''اپنے محبوب کو یاد کر لو' بولے ''یا محمدؐ''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب مالا یجوز منعہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد

[3] ایضاً کتاب النکاح باب فی تزویج لم یولد۔ [4] شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہؐ۔

[5] ادب المفرد باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ۔

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط مسرت سے کہتیں "بابا" یعنی میرے باپ آپؐ پر قربان[1]

عزت اور محبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کے آرام اور آسائش کا نہایت خیال رکھتے تھے اور آپ کی کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کرتے تھے۔

آپؐ ایک سفر میں تھے جس میں ایک صحابی نہایت اہتمام کے ساتھ آپ کے لیے پانی ٹھنڈا کرتے تھے[2]

ایک عورت تھی جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھی' اس کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے اس کو دفن کر دیا اور آپ کو اطلاع نہ دی آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے "حضور روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے' ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا" اسی طرح ایک اور صحابی کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے آپ کو خبر نہ کی اور کہا کہ "اندھیری رات تھی حضور کو زحمت ہوتی"۔[3]

آپ کو جو چیز محبوب ہوتی وہ آپ کی محبت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو بھی محبوب ہو جاتی' کدو آپ کو بہت مرغوب تھا' اس لیے حضرت انسؓ بن مالک بھی اس کو نہایت پسند فرماتے تھے چنانچہ ایک روز کدو کھا رہے تھے تو خود بخود بول اٹھے "اے درخت اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے محبت تھی' تو مجھے کس قدر محبوب ہے"۔[4]

آپؐ کی محبت نے صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ کی ہر چیز کو محبوب بنا دیا تھا' آپ کا معمول تھا کہ ہر کام کی ابتداء داہنے جانب سے فرماتے تھے' ایک بار حضرت میمونہؓ کے گھر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت میمونہؓ دودھ لائیں تو آپؐ نے پی کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے لیکن اگر ایثار کرو تو خالد کو دے سکتے ہو بولے کہ

---

[1] نسائی کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین و دعوۃ المسلمین۔ [2] کتاب الزہد باب حدیث جابر الطویل۔ [3] سنن ابن ماجہ باب کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر

[4] ترمذی کتاب الاطعمہ باب ماجاء فی اکل الدباء۔

''میں آپ کا جوتا کسی کو نہیں دے سکتا''۔[1]

ایک مرتبہ آپ نے پانی یا دودھ پی کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا' بولیں ''میں اگرچہ روزے سے ہوں لیکن آپ کا جوٹا واپس کرنا پسند نہیں کرتی''۔[2]

ایک بار ایک صحابی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے آپ کھانا کھا رہے تھے' ان کو بھی شریک کرنا چاہا وہ روزے سے تھے اس لیے ان کو افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا نہ کھایا۔[3]

محبت کی وجہ سے آپ کو رنج ہوتا تو تمام صحابہ کو بھی رنج ہوتا آپ کو خوشی ہوتی تو تمام صحابہ بھی اس میں شریک ہوتے' آپؐ نے ایک مہینے کے لیے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تو تمام صحابہؓ نے مسجد میں آ کر گریہ وزاری شروع کر دی۔[4]

آپؐ نے جب مرض الموت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانا چاہا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں جب آپ کو نہ دیکھیں گے تو خود روئیں گے اور تمام صحابہ بھی۔[5]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن الجموح ایک فیاض صحابی تھے ان کو آپؐ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ نکاح کرتے تو وہ آپ کی جانب سے دعوت ولیمہ کرتے۔[6]

آپؐ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لیے نذریں مانتی تھیں۔ ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ (جاریۃ سودۃ) نے کہا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا' تو آپؐ کے سامنے دف بجا بجا کے گاؤں گی''۔[7]

---

[1] ترمذی ابواب الدعوات باب مایقول اذا اکل طعاماً۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۳

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب عرض الطعام۔ [4] مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلاء واعتزال النساء

[5] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ۔

[6] اصابہ جلد ۴ ص ۲۹۶ تذکرہ حضرت عمرو بن الجموحؓ۔

[7] ترمذی کتاب المناقب ابی الحفص عمر بن الخطاب۔

آپ عموماً فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آپ کی خانگی زندگی کا یہ منظر آ جاتا تو فرطِ محبت سے آبدیدہ ہو جاتے' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شانہ نبوت میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپؐ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی بستر نہیں ہے جسم مبارک پر تہبند کے سوا کچھ بھی نہیں' پہلو میں بدھیان پڑ گئی ہیں' توشہ خانہ میں مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہیں' آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے' ارشاد ہوا کہ "عمر کیوں روتے ہو"؟ بولے کیوں نہ روؤں' آپ کی یہ حالت ہے اور قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے اڑا رہے ہیں" فرمایا "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے لیے آخرت اور ان کے لیے دنیا ہو"۔[1]

آپؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب آپ کی یہ حالت یاد آتی تھی تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے۔ ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے چپاتیاں آئیں تو دیکھ کر رو پڑے کہ آپؐ نے اپنی آنکھوں سے کبھی چپاتی نہیں دیکھی۔[2]

ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے دوستوں کو گوشت روٹی کھلایا تو رو پڑے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہو گیا اور آپؐ نے پیٹ بھر کر جو کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔[3]

اگر آپ کسی چیز سے متمتع نہ ہو سکتے تو صحابہ کرامؓ اس سے متمتع ہونا پسند نہ کرتے آپ کا وصال ہوا تو آپؐ کے کفن کے لیے ایک حلہ خریدا گیا لیکن بعد کو آپؐ دوسرے کپڑوں میں کفنائے گئے اور یہ حلہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ نے اس خیال سے لے لیا کہ اس کو اپنے کفن کے لیے محفوظ رکھیں گے لیکن پھر کہا کہ "جب خدا کی مرضی نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن ہو تو میرا کیوں ہو" یہ کہہ کے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کر دی۔[4]

غزوہ تبوک سخت گرمیوں کے زمانہ میں واقع ہوا تھا' حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک

---

[1] مسلم کتاب الرضاع باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییرھن۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الرقاق۔ [3] شمائل ترمذی باب ماجاء عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] مسلم کتاب الجنائز باب فی کفن المیت

صحابی تھے جو اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے ایک دن وہ گھر میں آئے تو دیکھا کہ بیبیوں نے ان کی آسائش کے لیے نہایت سامان کیا ہے' بالا خانے پر چھڑکاؤ کیا ہے' پانی سرد کیا ہے' عمدہ کھانا تیار کیا ہے لیکن وہ یہ تمام سامان عیش دیکھ کر بولے' رسول اللہ ﷺ اس لو اور اس گرمی میں کھلے ہوئے میدان میں ہوں اور ابو خثیمہ سایہ' سرد پانی' عمدہ غذا اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ لطف اٹھائے خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے میں ہرگز بالا خانہ پر نہ آؤں گا' چنانچہ اسی وقت زاد راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

وصال کے بعد آپؐ یاد آتے تو صحابہؓ بے اختیار رو پڑتے ایک دن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ''جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا اس کے بعد اس قدر روئے کہ زمین کی کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے پوچھا ''جمعرات کا دن کیا؟'' بولے ''اسی دن آپؐ کے مرض الموت میں اشتداد ہوا تھا''۔[2]

آپ کی مبارک صحبتوں کی یاد آتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے' ایک بار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباسؓ انصار کی ایک مجلس میں گئے تو دیکھا کہ سب لوگ رو رہے ہیں' سبب پوچھا تو بولے کہ ہم کو آپ کی مجلس[3] یاد آ گئی'' حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آپ کی بیماری کے زمانہ کا ہے جس میں انصار کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اس مرض میں آپ کا وصال ہوا تو پھر آپ کی مجلس میسر نہ ہو گی' اس لیے وہ اس غم میں رو پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ فرماتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔[4]

اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اعزہ و اقارب کی عزت و محبت:

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرامؓ اہل بیت کی بھی نہایت عزت و محبت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۹۱ تذکرہ مالک بن قیسؓ۔ [2] مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ۔ [3] بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ اقبلو امن محسنھم و تجاوز و اعن مسیئھم۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

کرتے تھے' ایک بار امام باقر حضرت جابر بن عبداللہ کی خدمت میں حجۃ الوداع کی کیفیت پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوئے اس وقت اگرچہ وہ طالب العلمانہ اور نیاز مندانہ حیثیت سے آئے تھے۔ تاہم حضرت جابر بن عبداللہؓ نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ پہلے ان کے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے اوپر اور نیچے کے تکمے کھولے سینے پر ہاتھ رکھا اور مرحبا کہا پھر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے کی اجازت دی۔[1]

ایک بار ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ "مچھر کا خون جو کپڑے پر لگ جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے"؟ بولے "ان کو دیکھو رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو تو شہید کر ڈالا اور مچھر کے خون کا سوال کرتے ہیں"۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے چند روز بعد ایک دن حضرت ابوبکرؓ ایک راستے سے گزرے دیکھا کہ حضرت حسن علیہ السلام کھیل رہے ہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا' اور یہ شعر پڑھا:

و أبی شبه النبی لیس شبیها بالعلی.

میرا باپ تم پر قربان کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمشکل ہو' علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں' حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے' وہ ہنس پڑے۔[3]

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ امام حسن علیہ السلام سے ملے اور کہا کہ "ذرا پیٹ کھولیے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہیں میں بھی بوسہ دوں گا" چنانچہ انہوں نے پیٹ کھولا اور انہوں نے وہیں بوسہ دیا۔[4]

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے' اتفاق سے حضرت امام حسین علیہ السلام آ نکلے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا' لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ جب سب چپ ہوئے تو بآواز بلند کہا "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" یہ کہہ کر سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "میں تمہیں بتاؤں کہ زمین کے رہنے

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب صفۃ حجۃ النبیؐ۔ [2] ترمذی کتاب المناقب الحسن والحسینؓ۔
[3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۸۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۴۲۷۔

والوں میں آسمان والوں کو سب سے محبوب شخص کون ہے؟ یہی جو جا رہا ہے' جنگ صفین کے بعد سے انہوں نے مجھ سے بات چیت نہیں کی' اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔"[1]

حضرت ابوالطفیلؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے حامی تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ایک بار حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے دوست ابوالحسن کے غم میں تمہارا کیا حال ہے"؟ بولے "موسیٰ کے غم میں جو حال ان کی ماں کا تھا"۔[2]

حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ سے رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق جتائے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں خاص طور پر اہل بیت کی محبت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے حقوق کا لحاظ مجھے اپنی قرابت سے زیادہ ہے" اور لوگوں کو بھی ان کے حقوق کے لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔[3]

ایک بار حضرت عباسؓ نے ایک معاملہ میں حضرت عمرؓ سے اصرار کیا اور کہا "یا امیر المومنین اگر موسیٰ کے چچا آپ کے پاس مسلمان ہو کر آتے تو آپ کیا کرتے"؟ بولے "ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا' حضرت عباسؓ نے کہا تو پھر میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ہوں' بولے "اے ابوالفضل آپ کی کیا رائے ہے؟" خدا کی قسم آپ کے باپ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو میرے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دیتا ہوں"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو بنو ہاشم نے الگ اور حضرت عثمانؓ نے الگ انصار کی تمام آبادیوں میں اس کا اعلان کروا دیا' لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ کوئی شخص تابوت کے پاس نہیں جا سکتا تھا' خود بنو ہاشم کو لوگوں نے اس طرح گھیر لیا کہ حضرت عثمانؓ نے پولیس کے ذریعہ سے ان کو ہٹایا۔[4] عرب میں جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ ان

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ [2] استیعاب تذکرہ حضرت ابوالطفیلؓ۔
[3] بخاری کتاب المناقب مناقب قرابت رسول اللہ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عباسؓ۔

کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ "اے اللہ! ہم پہلے اپنے پیغمبر کو وسیلہ بناتے تھے اور تو پانی برساتا تھا اور اب اپنے پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں' ہمارے لیے پانی برسا"۔[1]

ایک بار حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبداللہ العدویہ کو بلا بھیجا' وہ آئیں تو دیکھا کہ عاتکہ بنت اسید پہلے سے موجود ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ نے دونوں کو ایک ایک چادر دی لیکن شفاء کی چادر کم درجہ کی تھی اس لیے انہوں نے کہا کہ "میں عاتکہ سے زیادہ قدیم الاسلام اور آپ کی چچا زاد بہن ہوں' آپ نے مجھے خاص اس غرض کے لیے بلایا تھا اور عاتکہ تو یوں ہی آ گئی تھیں' بولے "میں نے یہ چادر تمہارے ہی دینے کے لیے رکھی تھی لیکن جب عاتکہ آ گئیں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ کرنا پڑا"۔[2]

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ حضرت خدیجہؓ کے بیٹے تھے' صرف اتنے تعلق سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پرورش فرمائی تھی جب ان کے بیٹے کا بصرہ میں بمرض طاعون انتقال ہوا تو پہلے ان کا جنازہ نہایت کسمپرسی کی حالت میں اٹھایا گیا' لیکن اس حالت کو دیکھ کر ایک عورت نے پکارا واھند بن ھنداہ و ابن ربیب رسول اللہ یہ سننا تھا کہ لوگ اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر ان کے جنازے میں شریک ہو گئے۔[3]

قبیلہ بنو زہرہ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ننہیال تھی' اس لیے حضرت عائشہؓ اس قبیلہ کے پاس خاطر کا نہایت لحاظ کرتی تھیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہوئیں تو انہوں نے اسی قبیلہ کے چند بزرگوں کو شفیع بنایا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کے دوستوں کی عزت اور محبت:

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں سے محبت رکھتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی نہایت توقیر و عزت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا عطیہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تین ہزار مقرر فرمایا انہوں نے اعتراض کیا

---

[1] بخاری کتاب المناقب ذکر عباس بن عبدالمطلبؓ۔ [2] اصابہ تذکرہ عاتکہ بنت اسیدؓ۔
[3] استیعاب تذکرہ ہند بن ابی ہالہؓ۔ [4] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔

کہ ''آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی وہ تو کسی جنگ میں مجھ سے آگے نہیں رہے؟'' بولے ''زید تمہارے باپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے اور آپ اسامہؓ کی محبت تم سے زیادہ کرتے تھے' اس لیے میں نے اپنے محبوب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کو ترجیح دی۔[1]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے گوشے میں دامن گھسیٹتا ہوا پھر رہا ہے' بولے یہ کون شخص ہے؟ ایک آدمی نے کہا ''آپ ان کو نہیں پہچانتے یہ محمد بن اسامہؓ ہیں'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سن کر گردن نیچے جھکا لی اور زمین پر ہاتھ مار کر کہا ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے تو ان سے محبت کرتے''۔[2]

صحابہ کرامؓ نہ صرف آپؐ کے دوستوں کی عزت کرتے تھے بلکہ آپؐ نے جن غلاموں کو آزاد کر کے اپنا مولیٰ بنا لیا تھا' ان کے ساتھ بھی نہایت لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ ''جن غلاموں کے ناک کان کاٹ لیے گئے ہیں یا ان کو جلا دیا گیا ہے وہ آزاد ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے مولیٰ ہیں'' لوگ یہ سن کر ایک خواجہ سرا کو لائے۔ جس کا نام سندر تھا' آپؐ نے اس کو آزاد کر دیا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں آتا تو دونوں بزرگ اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے اس نے ایک بار مصر جانا چاہا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو خط لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے موافق اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا۔[3]

شوقِ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق زیارت سے لبریز تھے۔ اس لیے جب زیارت کا وقت قریب آتا تو یہ جذبہ اور بھی ابھر جاتا اور اس کا اظہار مقدس نغمہ سنجیوں کی

---

[1] ترمذی کتاب المناقب باب مناقب زید بن حارثہؓ۔ [2] بخاری کتاب المناقب ذکر اسامہ بن زیدؓ۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۵ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بیت المال سے کفالت کرتے تھے' اور حضرت عمرؓ نے گورنر مصر کو لکھا تھا کہ اس کو کچھ زمین دے دی جائے لیکن اس روایت میں اس کے نام کی تصریح نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ دوسرا غلام ہو جلد ۲ ص ۸۲۔

صورت میں ہوتا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچے تو سب کے سب ہم آہنگ ہوکر زبان شوق سے یہ رجز پڑھنے لگے۔

غدا نلقی الا حبه محمد او حزبه.

"ہم کل اپنے دوستوں یعنی محمدؐ اور ان کے گروہ سے ملیں گے" [1]

مصافحہ کی رسم سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے ایجاد کی جو اظہار شوق ومحبت کا ایک لطیف ذریعہ ہے۔

دربار نبوت کی غیر حاضری صحابہؓ کے نزدیک بڑا جرم تھا' ایک دن حذیفہؓ کی والدہ نے پوچھا کہ "تم نے کب سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی؟" بولے "اتنے دنوں سے" اس پر انہوں نے ان کو برا بھلا کہا' تو بولے کہ "مجھے آپ کی خدمت میں جانے دو تا کہ آپؐ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور اپنے اور تمہارے لیے استغفار کی درخواست کروں" [2]

آپؐ کے وصال کے بعد یہی شوق تھا جو صحابہ کرام کو آپؐ کے مزار کی طرف کھینچ لاتا تھا ایک بار حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آئے اور مزار پاک پر اپنے رخسار رکھ دیئے۔ مروان نے دیکھا تو کہا "کچھ خبر ہے یہ کیا کرتے ہو؟" بولے "میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں"۔ [3]

شوق دیدار رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کا دیدار ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا تھا' اس بناء پر صحابہ کرامؓ اس کے نہایت مشتاق رہتے تھے جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تشنگان دیدار میں جن لوگوں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا وہ آپؐ کو پہچان نہ سکے لیکن جب دھوپ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے اوپر اپنی چادر کا سایہ کیا تو سب نے اس سایہ میں آفتاب نبوت کے دیدار سے اپنا ایمان تازہ کیا۔ [4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۳۔ [2] ترمذی کتاب المناقب فضائل الحسنؓ والحسینؓ۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۲۔ [4] بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ۔

حجۃ الوداع میں مشتاقان دیدار نے آفتاب نبوت کو ہالے کی طرح اپنے حلقے میں لے لیا' بدوآ آ کر شربت دیدار سے سیراب ہوتے تھے اور کہتے تھے "یہ مبارک چہرہ ہے"۔[1]

آپؐ نے مرض الموت کے زمانہ میں جب پردہ اٹھا کر جھانکا اور صحابہ کرام کی نماز کی حالت ملاحظہ فرما کر مسکرائے تو اس آخری دیدار سے صحابہ کرامؓ پر مسرت کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ خشوع نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو گیا حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

كان وجهه ورقة مصحف ما راينا منظرا كان اعجب الينا من وجه النبیؐ حين وضح لنا.[2]

"آپؐ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح صاف تھا ہم نے کوئی ایسا خوشگوار منظر نہیں دیکھا جیسا اس وقت نظر آیا۔ جب آپ کا چہرہ مبارک نمایاں ہوا"۔

بعض صحابہ کو آنکھیں صرف اس لیے عزیز تھیں کہ ان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوتا تھا' لیکن جب خدا نے ان کو اس شرف سے محروم کر دیا تو وہ آنکھوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

ایک صحابی کی آنکھیں جاتی رہیں لوگ عیادت کو آئے تو انہوں نے کہا کہ "ان سے مقصود تو صرف رسول اللہ ﷺ کا دیدار تھا۔ لیکن جب آپ کا وصال ہو گیا تو اگر میرے عوض تبادلہ کی ہرنیاں اندھی ہو جائیں اور میری بینائی لوٹ آئے تب بھی مجھے پسند نہیں"۔[3]

شوق صحبت رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت ایک ایسی دولت جاودانی تھا' جس پر صحابہ کرامؓ ہر قسم کی دنیوی مال و متاع کو قربان کر دیتے تھے ایک بار آپؐ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ "میں تمہیں ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں خدا مال غنیمت دے گا تو تم کو معتد بہ حصہ دوں گا" بولے "میں مال کے لیے مسلمان نہیں ہوا صرف اس لیے اسلام لایا ہوں کہ آپ کا فیض صحبت حاصل ہو"۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب المواقیت۔ [2] بخاری کتاب الصلوۃ باب اہل العلم والفضل (احق بالامامۃ)۔
[3] ادب المفرد باب العیادۃ من الرمد۔ [4] ایضاً باب المال الصالح للمرء الصالح۔

جو صحابہ دنیوی تعلقات سے آزاد ہو جاتے تھے وہ صرف آستانہ نبوت سے وابستگی پیدا کر کے آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے' حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا' اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھاتی رہیں۔[1]

حضرت عمرؓ مدینہ سے کسی قدر دور مقام عالیہ میں رہتے تھے اس لیے روزانہ آپ ﷺ کے فیض صحبت سے متمتع نہیں ہو سکتے تھے' تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے اسلامی بھائی حضرت عتبان بن مالک کو بھیجتے تھے کہ آپ کی تعلیمات وارشادات سے محروم نہ رہنے پائیں۔[2]

دنیا میں آپ ﷺ کے فیض صحبت سے سیری نہ ہوئی تو بعض صحابہؓ نے خواہش کی کہ آخرت میں بھی یہ دولت جاودانی نصیب ہو' حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ آپ ﷺ کے خادم تھے اور ہمیشہ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ایک بار آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ''کچھ مانگو'' بولے کہ ''جنت میں آپ کی رفاقت'' ارشاد ہوا ''کچھ اور'' بولے صرف یہی ایک چیز فرمایا ''خوب نماز پڑھو تو یہ دولت نصیب ہو گی''۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا اثر:

صحابہ کرامؓ چونکہ نہایت خلوص و صفائے قلب کے ساتھ آپ ﷺ کے ارشاد و ہدایت سے فیض یاب ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' اس لیے ان پر آپ ﷺ کی صحبت کا شدت کے ساتھ اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا بات ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں' زہد و آخرت کا خیال غالب ہو جاتا ہے پھر جب آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اہل و عیال سے ملتے جلتے ہیں اور بچوں کو سونگھتے ہیں تو وہ بات باقی نہیں رہتی؟'' ارشاد ہوا کہ ''

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ۔ [2] بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم' لیکن روایت میں حضرت عتبانؓ بن مالک کا نام بتصریح مذکور نہیں۔ [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل' صاحب استیعاب نے ان کے حال میں لکھا ہے کان یلزم رسول اللہ ﷺ فی السفر والحضر۔

اگر یہی حالت قائم رہتی تو فرشتے خود تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کو آتے"۔[1]

ایک بار حضرت حنظلہ اسیدیؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپؐ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ہمارے سامنے ان کی تصویر کھینچ جاتی ہے' پھر گھر میں آ کر اہل وعیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہوتے ہیں تو اس حالت کو بھول جاتے ہیں" انہوں نے کہا کہ "ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے' چلو خود آپؐ کے پاس چلیں" آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا "اگر وہ حالت قائم رہتی تو فرشتے تمہاری مجلسوں میں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں آ کر تم سے مصافحہ کرتے اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا ضروری نہیں"۔[2]

استقبالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو آپؐ کے ساتھ طبل و علم' لاؤ لشکر' خیمہ و خرگاہ کچھ نہ تھا' صرف سواری کی دو اونٹنیاں تھیں اور ساتھ میں ایک جاں نثار رفیق سفر تھا' لیکن یہ بے سر و سامان قافلہ جس دن مدینہ میں پہنچا' مدینہ مسرت کدہ بن گیا' عورتوں بچوں اور لونڈیوں کی زبان پر یہ فقرہ تھا "رسولؐ اللہ آئے' رسولؐ اللہ آئے" ہجرت کی خبر پہلے سے مدینہ میں پہنچ گئی تھی' اس لیے تمام مسلمان صبح کے تڑکے گھر سے نکل کر مدینہ کے باہر استقبال کے لیے جمع ہوتے' دوپہر تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے ایک دن حسب معمول سب لوگ انتظار کر کے چلے گئے تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھ کر باآواز بلند پکارا کہ اہل عرب لو تمہارا شاہد مقصود آ پہنچا' تمام صحابہؓ دفعتہً ابل پڑے اور ہتھیاروں سے سج سج کر گھروں سے نکل آئے' آپؐ قباء میں تشریف لائے اور خاندان بنو عمرو بن عوف کے یہاں اترے تو تمام خاندان نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا' انصار ہر طرف سے آتے اور جوش عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے"۔[3] انصار میں جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب

---

[1] ترمذی ابواب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا ص ۴۱۵۔ [2] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۱۳
[3] طبقات جلد سیرۃ النبیؐ ص ۱۵۸۔

تک نہیں دیکھا تھا وہ شوق دیدار میں بے تاب تھے' لیکن آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دھوپ سے بچانے کے لیے آپؐ کے سر پر چادر تانی تو سب کو اس کے سایہ میں آفتاب نبوت نظر آیا۔

آپؐ قباء سے مدینہ کی خاص آبادی کی طرف چلے تو جاں نثاروں کا جھرمٹ ساتھ تھا۔ ایک مقام پر آپ ٹھہر گئے اور انصار کو طلب فرمایا' سب لوگ حاضر ہوئے اسلام عرض کیا' اور کہا کہ ''سوار ہو جائیے کوئی خطرہ نہیں ہم لوگ فرماں برداری کے لیے حاضر ہیں'' آپؐ انصار کی تلوار کے سایہ میں روانہ ہوئے۔

قباء سے مدینہ تک دورویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں' راہ میں انصار کے خاندان آتے تو ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا کہ ''حضور یہ گھر ہے' یہ مال ہے' یہ طاقت ہے' کوکبہ نبوت شہر کے متصل پہنچا تو ایک عام غل پڑ گیا' لوگ بالا خانے سے جھانک جھانک کر دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ''رسول اللہ آئے' رسول اللہ آئے'' [1] پردہ نشین خواتین جوش مسرت میں یہ ترانہ گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

''کوہ وداع کی گھاٹیوں کے برج سے بدر کامل طلوع ہوا ہے'

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داعی

جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر شکر واجب ہے''۔

جب آپؐ کی اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو قبیلہ' بنونجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ شعر گانے لگیں:

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمد ﷺ امن جار [2]

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی وطبقات جلد سیرۃ نبوی ذکر ہجرت۔

[2] وفاء الوفاء جلد ا ص ۱۸۱۔

ضیافتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اگر خوش قسمتی سے کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت و میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا تو وہ نہایت عزت محبت اور ادب و احترام کے ساتھ اس فرض کو بجا لاتے تھے' ایک بار ایک انصاری نے خدمت مبارک میں گزارش کی کہ ''میں نہایت جسیم و شحیم آدمی ہوں آپؐ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا' آپؐ میرے مکان پر تشریف لا کر نماز ادا فرمائیے تاکہ میں اسی طرح نماز پڑھا کروں' انہوں نے پہلے سے کھانا بھی تیار کرا رکھا تھا' چنانچہ آپؐ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔[1]

ایک بار آپؐ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے' انہوں نے کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ کے سر سے جوئیں نکالیں۔[2]

ایک روز آپؐ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان الانصاریؓ کے مکان پر تشریف لے گئے وہ باہر گئے ہوئے تھے آئے تو آپؐ سے لپٹ گئے اور قربان ہونے لگے' پھر سب کو باغ میں لے گئے' فرش بچھایا اور کھجوریں توڑ کر آپؐ کے سامنے رکھ دیں کہ خود دست مبارک سے چن چن کر تناول فرمائیں اس کے بعد اٹھے اور ایک بکری ذبح کی اور سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔[3]

ایک روز آپؐ نے حضرت جابرؓ کے مکان پر تشریف لے جانے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آپ کی دعوت کا سامان کیا اور بی بی سے کہا ''دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے ہیں' تمہاری صورت نظر نہ آئے' آپ کو کوئی تکلیف نہ دینا آپؐ سے باتِ چیت نہ کرنا''۔ آپ تشریف لائے تو بستر بچھایا تکیہ لگایا آپ مصروف خواب استراحت ہوئے تو غلام سے کہا آپؐ کے جاگنے سے پیشتر بکری کے اس بچے کو ذبح کر کے پکا لو۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ منہ ہاتھ دھونے کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں'' آپؐ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو فوراً دسترخوان سامنے آیا' آپ کھانا کھاتے تھے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الحصیر۔ [2] ایضاً کتاب الجہاد باب فی رکوب البحر فی الغزو۔
[3] ترمذی ابواب الزہد ص ۳۹۱۔

اور قبیلہ بنو سلمہ کے تمام لوگ دور ہی دور سے آپ ؐ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے کہ قریب آتے تو شاید آپ کو تکلیف ہوتی آپ کھانے سے فارغ ہو کر روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردہ سے کہا ''یا رسول اللہ! مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جائیے'' آپ ؐ نے فرمایا ''خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے'' [1]

ایک بار آپ ؐ حضرت سعدؓ کے مکان پر تشریف لے گئے' انہوں نے آپ کو غسل کرایا' نہانے کے بعد زعفرانی رنگ کی چادر اڑھائی پھر کھانا کھلایا' آپ رخصت ہوئے تو سواری حاضر کی اور اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیا کہ گھر تک پہنچا آئیں۔[2]

کبھی کبھی آپ ؐ خود کسی چیز کی خواہش ظاہر فرماتے اور صحابہ کرامؓ اس کو تیار کر کے پیش کرتے' ایک بار آپ ؐ نے فرمایا ''کاش میرے پاس گیہوں کی سفید روٹی' گھی اور دودھ میں چپڑی ہوئی ہوتی'' ایک صحابی فوراً اٹھے اور تیار کرا کر لائے۔[3]

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں' ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آٹا چھانا اور اس کی چپاتیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ ؐ نے فرمایا ''یہ کیا ہے؟'' بولیں ''ہمارے ملک میں اسی کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ ؐ کے لیے بھی اسی قسم کی چپاتیاں تیار کروں'' لیکن آپ ؐ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا کہ ''آٹے میں چوکر ملا لو پھر گوندھو''۔[4]

نعتِ رسول ﷺ:

قرآن مجید کے مواعظ اور رسول اللہ ﷺ کے کلمات طیبہ نے اگرچہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں شاعری کے دفتر پر پانی پھیر دیا تھا' تاہم بلبلانِ باغ قدس آپ ؐ کی مدح میں کبھی کبھی زمزمہ خوان ہو جاتے تھے اور چونکہ یہ اشعار سچے دل سے نکلتے تھے اور سچی تعریف پر مشتمل ہوتے تھے اس لیے دلوں پر اثر ڈالتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۹۸۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان

[3] ایضاً کتاب الاطعمہ باب فی الجمع بین الکونین من الطعام۔

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الحواری۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ خاص مشغلہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے چند مدحیہ اشعار بخاری میں مذکور ہیں: ؎

و فینا رسول اللہ یتلو کتابہ — اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ہم میں خدا کا پیغمبر ہے' جب صبح نمودار ہوتی ہے تو خدا کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا — بہ موقنات ان ما قال واقع

گمراہی کے بعد اس نے ہم کو راہِ راست دکھائی اس لیے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ — اذا ستثقلت بالمشرکین المضاجع

وہ راتوں کو شب بیداری کرتا ہے حالانکہ اس وقت مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں [1]

حضرت کعب بن زہیرؓ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد آپؐ کے سامنے پڑھا تو آپؐ نے اس کو سن کر صحابہ سے فرمایا کہ "اس کو سنو" [2]

ایک صحابیہ کی شادی میں لڑکیاں دف بجا بجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گانے لگیں' ان میں سے ایک نے یہ مصرع گایا۔

و فینا نبی یعلم ما فی غد.

"ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے"۔

تو آپؐ نے روک دیا اور کہا کہ "وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں" [3]

حضرت ابوحمامہ سلمیؓ شاعر تھے' انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے آپؐ کی اور خدا کی مدح و ثنا لکھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "خدا کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے سناؤ اور میری مدح کو چھوڑ دو" [4]

---

[1] بخاری ابواب الوتر باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن زہیرؓ۔

[3] بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابن ابی حمامہ اسلمیؓ۔

رضامندی رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے سخت گھبراتے تھے اور اس سے پناہ مانگتے تھے' ایک بار کسی نے حضرت عباسؓ کے آباؤ اجداد میں سے کسی کو برا بھلا کہا آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ "عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباسؓ سے ہوں' ہمارے مردوں کو برا بھلا نہ کہو جس سے ہمارے زندوں کے دل دکھیں" یہ سن کر صحابہؓ نے کہا کہ "ہم آپؐ کی ناراضگی سے پناہ مانگتے ہیں' ہمارے لیے استغفار کیجئے" [1]

ایک بار کسی نے آپؐ سے آپؐ کے روزے کے متعلق سوال کیا' جس پر آپ کو غصہ آ گیا حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو کہا:

رضینا باللّٰه ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبینا نعوذ باللّٰه من غضب اللّٰه و غضب رسوله.

"ہم نے خدا کو اپنا پروردگار اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنایا ہے' اور خدا اور خدا کے رسولؐ کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں"۔

اسی فقرے کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کا غصہ اتر گیا۔[2]

اس لیے اگر آپؐ کسی ناگوار واقعہ سے مکدر ہو جاتے تھے تو صحابہ کرام ہر ممکن تدبیر سے آپ کو راضی کرنا چاہتے تھے آپؐ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء کیا تو تمام صحابہ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' حضرت عمرؓ نے آپؐ کو راضی کرنا چاہا اور در دولت پر تشریف لے گئے دربان نے بے التفاتی کی تو سمجھے کہ شاید آپ کو یہ خیال ہے کہ لڑکی (حفصہؓ) کی خاطر آئے ہیں' اس لیے دربان سے کہا کہ "اگر آپ کا یہ خیال ہے تو کہہ دو کہ خدا کی قسم آپ حکم دیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں" حضرت ابوبکرؓ کو پہلے سے بار مل چکا تھا۔ حضرت عمر آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسانے کے لیے کہا کہ اگر بنت خارجہ (حضرت ابوبکرؓ کی بی بی) مجھ سے نان ونفقہ طلب کرتیں تو میں اٹھ کے ان کی گردن توڑ دیتا" آپؐ ہنس پڑے اور ازواج مطہرات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ

---

[1] نسائی کتاب الدایات باب القود من الاطمہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی صوم الدہر تطوعا۔

لوگ مجھ سے نفقہ ہی تو مانگ رہی ہیں" دونوں بزرگ اٹھے اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی گردن توڑنی چاہی اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے"۔ [1]

حضرت کعب بن مالکؓ سے جب آپؐ نے ناراض ہو کر قطع کلام کر لیا اور تمام صحابہ کو بھی یہی حکم دیا تو ان کو سب سے زیادہ آپ کی رضا مندی کی فکر تھی' آپؐ نماز کے بعد مسجد میں تھوڑی دیر تک بیٹھا کرتے تھے اس حالت میں وہ آتے اور سلام کرتے اور دل میں کہتے کہ لبہائے مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت ہوئی یا نہیں؟ پھر آپؐ ہی کے متصل نماز پڑھتے اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھے جاتے۔ [2]

آپؐ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بیبیاں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے' آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپؐ نے ان کو سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا' حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپؐ ناراض ہو گئے اس لیے آپ کی رضا مندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی' لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری آپ کو دیتی ہوں" حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی چھڑکا کہ خوشبو اور پھیلے اس کے بعد بن سنور کر آپؐ کے پاس گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپؐ نے فرمایا کہ "عائشہ یہ تمہارا دن نہیں ہے" بولیں:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ. [3] "یہ خدا کا فضل ہے' جس کو چاہتا ہے دیتا ہے"۔

---

[1] مسلم کتاب الرضاع باب بیان ان تخییر امرأتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ و باب فی الایلا و اعتزال النساء و تخییر ھن و قولہ تعالیٰ وان تظاہرا علیہ۔ [2] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ تبوک۔ [3] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۳۸۔

آپ اکثر اپنی ناراضی کا اظہار علانیہ طور پر نہیں فرماتے تھے لیکن جب صحابہ کو آپ کے چشم ابرو سے اس کا احساس ہو جاتا تھا تو فوراً آپ کو راضی کرتے تھے ایک بار آپؐ ایک راستہ سے گزرے راہ میں ایک بلند خیمہ نظر سے گزرا تو فرمایا ''یہ کس کا ہے؟'' لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا۔ آپ کو یہ شان و شوکت ناگوار ہوئی مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا کچھ دیر کے بعد انصاری بزرگ آئے اور سلام کیا' لیکن آپؐ نے ناراضی سے منہ پھیر لیا۔ بار بار یہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے آپ کی ناراضی کی شکایت کی' ناراضی کا سبب معلوم ہوا تو انہوں نے خیمہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔[1]

ناراضی کے بعد اگر رسول اللہ ﷺ خوش ہو جاتے تو گویا صحابہ کرام کو دولت جاوید مل جاتی۔ ایک بار آپؐ سفر میں تھے' حضرت ابورہم غفاری کی اونٹنی آپؐ کے ناقہ کے پہلو بہ پہلو جا رہی تھی' حضرت ابورہمؓ کے پاؤں میں سخت چمڑے کے جوتے تھے اونٹنیوں میں مزاحمت ہوئی تو ان کے جوتے کی نوک سے آپ کی ساق مبارک میں خراش آ گئی اور آپؐ نے ان کے پاؤں میں کوڑا مار کر کہا ''تم نے مجھے دکھ دیا' پاؤں ہٹاؤ'' وہ سخت گھبرائے کہ کہیں میرے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے' مقام جعرانہ میں پہنچے تو گوان کی اونٹ چرانے کی باری نہ تھی' تاہم اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے بلانے کے لیے نہ آ جائے صحرا میں اونٹ چرانے کے لیے نکل گئے شام کو پلٹے تو معلوم ہوا کہ آپؐ نے طلب فرمایا تھا' مضطربانہ حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا ''مجھے تم نے اذیت پہنچائی اور میں نے بھی تمہیں کوڑا مارا' جس سے تمہیں اذیت پہنچی اس کے عوض میں یہ بکریاں لو'' ان کا بیان ہے کہ آپ کی یہ رضا مندی میرے لیے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھی۔[2]

ماتم رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو محبت تھی اس کا اثر آپ کی زندگی میں جن طریقوں سے ظاہر ہوتا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا لیکن آپ کی وفات کے بعد

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی البناء۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابورہم غفاریؓ۔

اس محبت کا اظہار صرف گریہ و بکا' آہ و فریاد اور نالہ و شیون کے ذریعہ سے ہو سکتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے ماتم میں یہ درد انگیز صدائیں اس زور سے بلند کیں کہ مدینہ بلکہ کل عرب کے در و دیوار ہل گئے' آپؐ پر موت کے آثار بتدریج طاری ہوئے جمعرات کے دن مرض میں اشتداد پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ دن یاد آتا تھا تو کہتے تھے کہ ''جمعرات کا دن کون سا جمعرات کا دن؟ وہ جس میں آپؐ کے مرض میں ترقی ہوئی''۔ نزع کا وقت قریب آیا تو غشی طاری ہوئی' حضرت فاطمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو بے اختیار چیخ اٹھیں ''واکرب اباہ'' ہائے میرے باپ کی تکلیفیں آپ کا وصال ہوا تو یہ الفاظ کہہ کر آپؐ پر روئیں ''یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنۃ الفردوس ما واہ یا ابتاہ الی جبرئیل ننعاہ'' لوگ آپ کو دفن کر کے آئے تو انہوں نے حضرت انسؓ سے نہایت درد انگیز لہجے میں پوچھا' کیوں انسؓ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاک ڈالنا تم کو گوارا تھا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مجھے کسی کا مرض الموت نہیں کھلتا۔

یہ تو اہل بیت کی حالت تھی' اہل بیت کے علاوہ اور تمام صحابہ کا حلقہ ماتم مسجد نبویؐ میں قائم تھا اور حضرت عمرؓ لوگوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ابھی آپؐ کا وصال ہی نہیں ہو سکتا' حضرت ابوبکرؓ نے آ کر یہ حالت دیکھی تو کسی سے بات چیت نہیں کی سیدھے آپ کی لاش مبارک تک چلے گئے منہ کھول کر آپؐ کے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا اور روئے وہاں سے نکل کر لوگوں کو سمجھایا تو سب کو آپ کی موت کا یقین آیا۔[1]

ایک شخص صحابہ کے قلق و اضطراب کا یہ عالم دیکھ کر مدینہ سے عمان آیا تو لوگوں کو آپؐ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ ''میں مدینہ کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے سینے دیگچی کی طرح ابال کھا رہے ہیں''۔[2] حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت میں بچہ تھا' لوگ اپنے سروں اور کپڑوں پر خاک ڈال رہے تھے اور میں ان کے گریہ و بکا کو دیکھ کر روتا تھا۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ۔ [2] اصابہ تذکرہ خمیصہ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ۔

مدینہ کے باہر جب یہ وحشتناک خبر پہنچی تو قبیلۂ باہلہ کے لوگوں نے اس ماتم میں اپنے خیمے گرا دیئے اور متصل سات دن تک ان کو کھڑا نہیں کیا۔[1]

تفویض الی الرسول ﷺ:

صحابہ کرامؓ نے اپنی ذاتی حیثیت بالکل فنا کر دی تھی اور اپنی ذات اور اپنی آل و اولاد کو رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کر دیا تھا' حضرت فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو نہایت دولتمند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی' جن کی فضیلت یہ تھی کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''جو مجھے دوست رکھتا ہے' چاہیے کہ اسامہ کو بھی دوست رکھے'' لیکن حضرت فاطمہؓ نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ ''میرا معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں ہے' جس سے چاہیں نکاح کر دیجئے۔''[2]

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ انصاریؓ اپنی تین لڑکیوں کے نکاح کے متعلق آپ کو وصیت کر گئے تھے جن میں آپؐ نے حضرت فریعہؓ کا نکاح نبیط بن جابر سے کر دیا۔[3]

انصار کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رضا مندی جانے بغیر اپنی بیواؤں کی شادی نہیں کرتے تھے' ایک دن آپؐ نے ایک انصاری سے فرمایا ''تم اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو وہ تو منتظر ہی تھے باغ باغ ہو گئے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے لیے نہیں بلکہ جلیبب کے لیے پیغام دیتا ہوں'' جلیبب ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو عورتوں کے ساتھ ظرافت اور مذاق کی باتیں کیا کرتے تھے اس لیے صحابہ ان کو عموماً پسند نہ کرتے تھے انہوں نے جلیبب کا نام سنا تو بولے ''اس کی ماں سے مشورہ کر لوں'' ماں نے جلیبب کا نام سنا تو انکار کیا' لیکن لڑکی نے کہا ''رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جا سکتی مجھے آپؐ کے حوالہ کر دو' آپؐ مجھے ضائع نہ کریں گے۔''[4]

---

[1] اصابہ تذکرہ جہم بن کلدہ باہلی۔ [2] نسائی کتاب النکاح الخطبۃ فی النکاح۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ فریعہ بنت ابی امامہ۔ [4] مسند جلد ۴ ص ۴۲۲۔

ہیبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار و عظمت کی بنا پر صحابہ کرام آپؐ کے سامنے اس قدر مرعوب ہو جاتے تھے کہ جسم میں رعشہ پڑ جاتا تھا۔ ایک بار ایک صحابی نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دو شخص جو مسجد کے ایک گوشے میں تھے شریک نماز نہیں ہوئے آپؐ نے ان کو باز پرس کے لیے طلب فرمایا تو وہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ جسم میں لرزہ پڑ گیا۔[1]

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے بات چیت کی لیکن ان پر اس قدر جلال نبوت طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ آپؐ نے فرمایا ''گھبراؤ نہیں میں تو اس عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی''۔[2]

ایک بار ایک صحابیہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا' ان پر آپ کی اس خضوع و خشوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[3]

اس رعب و داب کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو کسی بات پر ٹوک نہیں سکتے تھے ایک بار آپؐ پر عصر یا ظہر کی نماز میں نسیان طاری ہو گیا اور صرف دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ بہت سے صحابہ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ رکعات نماز میں کمی کر دی گئی' جماعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے' لیکن آپ کی ہیبت سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے بالآخر حضرت ذوالیدینؓ نے آپؐ سے دریافت فرمایا کہ ''آپؐ بھول گئے' یا نماز میں کمی ہو گئی'' تمام صحابہ نے اس کی تصدیق کی لیکن زبان نہ ہل سکی بلکہ اشاروں میں حضرت ذوالیدینؓ کی تائید کی۔[4]

حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر بڑے پایہ کے صحابی تھے' لیکن ان کا بیان ہے کہ ''میں آپ کا حلیہ نہیں بیان کر سکتا' کیونکہ میں نے آپ کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کی''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب القدید۔ [3] شمائل ترمذی باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب السھو فی السجدتین۔ [5] مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ وکذا الحج والھجرۃ۔

آپؐ حجۃ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر نکلے تو آپؐ کے ہاتھ میں درہ تھا۔ لوگوں پر اس قدر ہیبت طاری تھی کہ کہتے تھے "طبطبیہ طبطبیہ" یعنی اس کوڑے سے بچتے رہو"۔[1]

صحابہ کرامؓ کے بچوں تک کے رگ وریشہ میں آپؐ کا رعب وداب سرایت کر گیا تھا' ایک بار حضرت ایادؓ بچپن میں باپ کے ساتھ آپ کی خدمت میں گئے آپ کا دیدار ہوا تو ان کے باپ نے پوچھا کہ "جانتے ہو کہ کون ہیں؟" بولے "نہیں" کہا کہ "رسول اللہ ﷺ ہیں" یہ سننے کے ساتھ ہی ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ان کا خیال تھا کہ آپؐ کی شکل وصورت آدمیوں سے مختلف ہو گی' لیکن ان کو نظر آیا کہ آپؐ بھی آدمی ہی ہیں اور آپؐ کے سر پر لمبے لمبے بال ہیں۔[2]

اطاعتِ رسول ﷺ:

صحابہ کرام جس طوع و رضاء کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں ذیل کے چند واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک بار حضرت زینبؓ اپنے کپڑے رنگوا رہی تھیں' آپ گھر میں آئے تو الٹے پاؤں واپس گئے آپؐ نے اگرچہ منہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا' تاہم حضرت زینبؓ آپ کی نگاہِ عتاب کو تاڑ گئیں' اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھو ڈالا۔

آپؐ نے ایک صحابی کو ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا "یہ کیا ہے؟" وہ سمجھ گئے کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا' فوراً گھر میں آئے اور اس کو چولہے میں ڈال دیا۔[3]

حضرت خریم اسدیؓ ایک صحابی تھے جو نیچی تہ بند باندھتے تھے اور لمبے لمبے بال رکھتے تھے ایک روز آپؐ نے فرمایا "خریم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا' اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچی تہ بند نہ باندھتا ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی منگوائی اس سے بال کترے اور تہ بند اونچی کر لی"۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب تزویج من لم یولد۔ [2] مسند ابن حنبل جلد۲ ص ۲۲۶۔

[3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی الحمرۃ۔ [4] ایضاً باب ماجاء فی اسبال الازار۔

بی بی سب کو عزیز ہے لیکن جب آپؐ نے تخلف غزوۂ تبوک کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعب بن مالکؓ سے قطع تعلق کر لینے کا حکم دیا اور اخیر میں ان کو بی بی سے بھی علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی، تو بولے "طلاق دے دوں یا اور کچھ" لیکن آپؐ کے قاصد نے کہا "صرف علیحدگی مقصود ہے چنانچہ انہوں نے فوراً بی بی کو میکے میں بھیج دیا[1]

شادی بیاہ کا معاملہ نہایت نازک ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام کو اطاعت رسولؐ نے ان معاملات میں غور وفکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ حضرت ربیعہ اسلمیؓ ایک نہایت مفلس صحابی تھے ایک بار آپؐ نے ان کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ "جاؤ انصار کے فلاں قبیلہ میں نکاح کر لو" وہ آئے اور کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے یہاں فلاں لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے بھیجا ہے" سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد ناکامیاب نہیں جا سکتا"۔ چنانچہ فوراً انہوں نے اس کی تعمیل کی۔[2]

پابندی احکام رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کے جو احکام وقتی ہوتے تھے صحابہ کرامؓ فوراً ان کی تعمیل کرتے تھے اور جو دائمی ہوتے ہمیشہ ان کے پابند رہتے تھے اور اس کے خلاف کبھی ان سے کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی تھی۔

آپؐ کے زمانہ میں عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں، اس حالت میں اقتضائے کمال عفت وعصمت یہ تھا کہ ان کے لیے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کر دیا جائے، اس بناء پر آپؐ نے ایک روز ارشاد فرمایا:

لو ترکنا ھذا الباب للنساء.

""کاش ہم یہ دروازہ صرف عورتوں کے لیے چھوڑ دیتے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ تادم مرگ اس دروازہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب التشدید فی ذالک۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا:

من زار قوما فلا یومهم و لیو مهم رجل منهم.

جو شخص کسی قوم کے یہاں جائے' وہ ان کی امامت نہ کرے بلکہ خود اسی قوم کا کوئی شخص ان کی امامت کرے۔

ایک بار حضرت مالک بن حویرثؓ ایک قوم کی مسجد میں آئے لوگوں نے امامت کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے [1]

ایک بار حضرت ابو سعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے ایک قریشی نوجوان سامنے سے گزرا انہوں نے اس کو دھکیل دیا' وہ باز نہ آیا' پھر دھکیلا' وہ نہ رکا' تیسری بار پھر دھکیلا' نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''نماز کو اگرچہ کوئی چیز توڑ نہیں سکتی' تاہم اگر کوئی چیز سامنے آ جائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرو' کیونکہ وہ شیطان ہے''۔[2]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال کو بھی خشک چھوڑ دیا اس پر دوزخ میں یہ عذاب ہوگا'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر جس شدت سے عمل کیا اس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے:

فمن ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی.[3]

''یعنی اسی دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کر لی (یعنی برابر بال ترشواتے رہے)''۔

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے' صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو (غالباً چوتھے دن) انہوں نے خوشبو لگائی اور کہا کہ ''مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی' لیکن میں نے آپؐ سے منبر پر سنا ہے کہ ''کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ الزائر۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیٔ۔

[3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی غسل الجنابۃ حدیث میں ہے کہ یہ فقرہ انہوں نے تین بار فرمایا۔

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد اپنے رخساروں پر خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف اس حکم کی تعمیل مقصود تھی [1]

پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر جہاد میں منزل پر قیام فرماتے تھے تو ادھر ادھر پھیل جاتے تھے ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ "یہ تفرق وتشتت شیطان کا کام ہے" اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس کی شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب منزل پر اترتے تھے تو اس قدر سمٹ جاتے تھے کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اس کے نیچے آ جاتے [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے متعلق جو احکام جاری فرمائے تھے ان میں ایک یہ تھا:

لا یبیع حاضر لباد.

"شہری آدمی بدوؤں کا مال نہ بکوائے (یعنی اس کا دلال نہ بنے)"

ایک بار ایک بدو کچھ مال لے کر آیا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے یہاں اترا' لیکن انہوں نے کہا کہ: "میں خود تو تمہارا سودا نہیں بکوا سکتا' البتہ بازار میں جاؤ' بائع کی تلاش کرو' میں صرف مشورہ دے دوں گا" [3]

حضرت حذیفہؓ کے سامنے مدائن کے ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ "میں نے اس کو منع کیا تھا' یہ باز نہ آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے" [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یمن کی گورنری پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو روانہ فرمایا ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ آئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے سامنے ایک مجرم کو دیکھا' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے سواری سے اترنے کے لیے کہا' لیکن انہوں نے مجرم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ بولے "یہودی تھا' اسلام لا کر مرتد ہو گیا ہے" فرمایا "جب تک خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق قتل نہ کر

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب احداد المتوفی عنہا زوجہا۔ [2] ایضاً کتاب الجہاد باب مایومر من انضمام العسکر۔ [3] ایضاً کتاب البیوع باب فی النہی ان یبیع حاضر لباد۔ [4] ایضاً کتاب الاشربہ باب الشرب فی آنیۃ الذہب والفضۃ۔

دیا جائے گا' میں نہ بیٹھوں گا' انہوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا' لیکن ان کا یہی جواب تھا' چنانچہ جب وہ قتل ہو چکا تو سواری سے اترے۔[1]

ایک بار حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں آئے ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لیے اپنی جگہ خالی کر دی تو انہوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[2]

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا' انہوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا' پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا' لوگوں نے اس تفرق پر اعتراض کیا تو بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

انزلوا الناس منازلهم۔[3]

''ہر شخص سے اس کے درجہ کے مطابق برتاؤ کرو''۔

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے آپؐ نے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورتیں مل جل کے چل رہے ہیں' عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''پیچھے رہو' تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں'' اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ عورتیں اس قدر گلی کے کنارے سے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔[4]

حضرت محمد بن اسلمؓ نہایت کبیر السن صحابی تھے' لیکن جب بازار سے پلٹ کر گھر آتے اور چادر اتارنے کے بعد یاد آتا کہ انہوں نے مسجد نبویؐ میں نماز نہیں پڑھی تو کہتے کہ خدا کی قسم میں نے مسجد رسول اللہ ﷺ میں نماز نہیں پڑھی۔ حالانکہ آپؐ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جو شخص مدینہ میں آئے تو جب تک اس مسجد میں دو رکعت نماز نہ پڑھ لے گھر

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد لیکن اس کے بعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کو تقریباً ۲۰ دن تک سمجھایا' پھر حضرت معاذ نے بھی اس کو سمجھایا' لیکن جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو قتل کر دیا۔ [2] ایضاً کتاب الادب باب فی التخلق

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم۔

[4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق۔

واپس نہ جائے' یہ کہہ کر چادر اٹھاتے اور مسجد نبویؐ میں دو رکعت نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔[1]

غزوۂ احزاب میں آپؐ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں لیکن ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں وہ آئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہے ہیں کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد آ گیا اور رک گئے۔[2]

جو صحابہ رافع بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کرنے کے لیے گئے تھے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اس کے بچوں اور عورتوں کو نہ قتل کریں ان لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کی کہ ابن ابی الحقیق کی عورت نے باوجود یہ کہ اس قدر شور کیا کہ قریب تھا کہ ان کا راز فاش ہو جاتا' لیکن ان لوگوں نے صرف آپؐ کے حکم کی بنا پر اس پر ہاتھ اٹھانا پسند نہ کیا۔[3]

ادب حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے صحابہ کرامؓ ازواج مطہرات کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جب آپ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سجدے میں گر پڑے لوگوں نے کہا ''آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟'' بولے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی''۔[4]

مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ ''یہ میمونہؓ ہیں' ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو''۔[5]

بعض صحابہؓ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اپنی جائدادیں وقف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت محمد بن اسلمؓ۔ [2] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ الاحزاب۔

[3] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو۔

[4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الآیات۔

[5] نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النکاح وازواجہ وما اباح اللہ عزوجل النبیہؐ۔

ایک جائیداد دی تھی جو چالیس ہزار پر فروخت کی گئی اور ایک باغ بھی وقف کیا تھا جو چار لاکھ پر فروخت کیا گیا۔[1]

خلفاء ازواج مطہراتؓ کے ادب واحترام کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں ڈال کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[2]

۲۳ھ میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی نہایت ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن منزل پر اترتی تھیں تو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام کرتی تھیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[3]

---
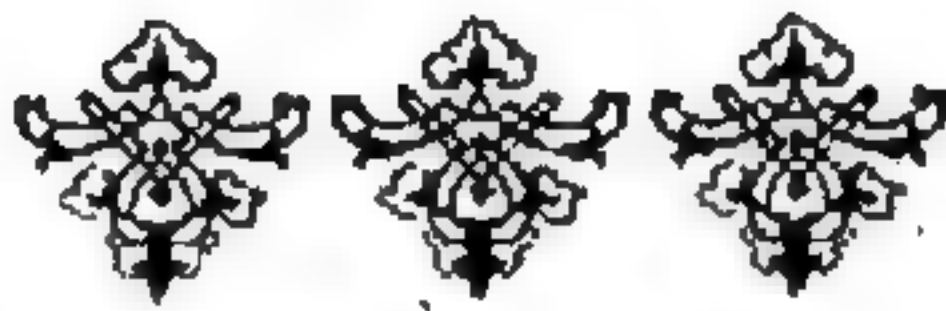
[1] ترمذی کتاب المناقب مناقب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

[2] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب جزیہ اہل الکتاب والمجوس۔

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

فضائل اخلاق

مسکین نوازی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر مسکین نواز تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی مسکین کی شرکت کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے[1] ان کے سامنے جب دستر خوان چنا جاتا اور اتفاق سے کسی معزز شخص کا گزر ہو جاتا تو ان کے اہل و عیال اس کو شریک طعام کر لیتے لیکن وہ خود اس کو نہ بلاتے البتہ جب کوئی مسکین سامنے سے گزرتا تو اس کو ضرور شریک طعام کرتے اور کہتے کہ "یہ لوگ اس کو بلاتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش نہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جس کو کھانے کی خواہش ہے"۔

ایک بار ان کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے لذیذ مچھلی تیار کی ابھی دستر خوان چنا ہی گیا تھا کہ کانوں میں ایک مسکین کی صدا آئی فرمایا "اس کو دے دو" بیوی کو عذر ہوا لیکن وہ اسی پر اصرار کرتے رہے بالآخر مسکین کو ایک دینار دے کر راضی کر لیا گیا۔

ایک بار لوگوں نے ان کی بیوی کو ملامت کی کہ تم اچھی طرح ان کی خدمت نہیں کرتیں، بولیں کیا کروں، ان کے لیے جب کھانا تیار کیا جاتا ہے تو کسی مسکین کو ضرور شریک طعام کر لیتے ہیں چنانچہ اس کے انسداد کے لیے جو فقراء و مساکین ان کے راستے میں بیٹھتے تھے، انھوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اب ان کے راستے میں نہ بیٹھو وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو ان لوگوں کو گھر سے بلوا بھیجا، ان کی بیوی نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بلانے پر بھی نہ آنا۔ چنانچہ وہ لوگ نہ آئے تو اس رات کو کھانا نہیں کھایا۔[2]

حضرت حارثہ بن النعمان اندھے ہو گئے تھے اس لیے اپنے مصلّی سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور

---

[1] بخاری کتاب الاطعمہ باب المومن یاکل فی معی واحد۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آ کر اس کو دے دیتے گھر کے لوگوں نے کہا ''ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں'' بولے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا بری جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے'' [1]

ایک دن حضرت عائشہؓ روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا تو انہوں نے لونڈی سے کہا کہ ''وہ روٹی اس کو دے دو'' اس نے کہا ''افطار کس چیز سے کیجئے گا'' بولیں ''دے تو دو'' شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا' لونڈی کو بلا کر کہا ''لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے'' [2]

استعفاف:

صحابہ کرام اگرچہ مفلس اور نادار تھے لیکن کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتے تھے' ایک بار چند صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی' شرائط بیعت میں ایک شرط یہ بھی تھی:

لا تسالوا الناس شیئا۔ ''لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا''

ان میں بعض لوگوں نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کہ اگر راہ میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو''۔ [3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے تھے لوگ کہتے کہ ''آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا ہم اٹھا دیتے''۔ فرماتے ''میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ'' [4]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص یہ ضمانت دے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں'' آپؐ کے مولیٰ ثوبان بولے ''میں یہ ضمانت دیتا ہوں'' چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔ [5]

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت حارثہ بن النعمانؓ۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الترغیب فی الصدقہ۔
[3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کراہیۃ المسئلۃ۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۱۔
[5] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کراہیۃ المسئلۃ۔

ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپؐ سے سوال کیا' آپؐ نے ان کا سوال پورا کیا' پھر مانگا پھر دیا پھر مانگا پھر عنایت فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ''اے حکیم یہ مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے جو شخص اس کو فیاض دلی کے ساتھ لیتا ہے اس کو برکت نصیب ہوتی ہے اور جو شخص اس کو حرص وطمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اور وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہر حال بہتر ہے' حضرت حکیم بن حزامؓ نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب تا دم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو عطیہ دینے کے لیے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا مگر انہوں نے رد کر دیا بالآخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''مسلمانو! گواہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے'' [1]

حضرت مالک بن سنانؓ سوال کو اس قدر موجب ننگ و عار سمجھتے تھے کہ ''ایک بار تین دن تک بھوکے رہے لیکن کسی سے کچھ نہ مانگا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ جس شخص کو عفیف المسالہ شخص کا دیکھنا منظور ہو وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے'' [2]

اصحاب صفہ اگرچہ ناداری کی وجہ سے بالکل دوسروں کے دست نگر تھے۔ تاہم الحاح ولجاجت کے ساتھ سوال کرنا ان کی شان سے بالکل بعید تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے اس مخصوص وصف امتیازی کو خاص طور پر سراہا ہے۔

﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾

''جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ ان کی خودداری سے ان کو دولت مند سمجھتا ہے تم صرف ان کے بشرے سے ان کو پہچان سکتے ہو وہ کسی سے گڑگڑا کر کچھ نہیں مانگتے''۔

لوگوں کے سامنے غیروں سے مانگنا تو بڑی بات ہے صحابہ کرامؓ کی غیرت اس کو

---

[1] ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الزکوۃ باب الاستعفاف عن المسئلۃ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنانؓ

بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے سب کے سامنے سوال کیا جائے' حضرت فاطمہؓ گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی اور غلام آئے۔ حاضر خدمت ہوئیں کہ آپؐ سے ایک غلام مانگیں' دیکھا کہ آپؐ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں' شرم کے مارے واپس آ گئیں۔[1]

اگر کبھی سوال کا موقع بھی آ تا تو صحابہ کرامؓ شرم وحیا سے علانیہ سوال نہیں کرتے تھے بلکہ صرف حسن طلب سے کام لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے تھے جن کا تمغہ امتیاز صرف فقر و فاقہ تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل پڑے رہتے تھے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن کسی سے علانیہ کچھ نہیں مانگتے تھے ایک روز شاہراہ عام پر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ان سے ایک آیت پوچھی وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی' حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا' لیکن اس حسن طلب سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی صاحب متوجہ ہوں اور اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائیں۔[2]

ایثار:

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابہ کرامؓ میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطیہ دیتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ "یہ اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو"۔[3]

ایک بار ایک فاقہ زدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا سوئے اتفاق سے آپؐ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا' اس لیے آپؐ نے فرمایا "آج کی شب کون اس مہمان کا حق ضیافت ادا کرے گا؟" ایک انصاری یعنی حضرت ابوطلحہؓ نے کہا "میں یا رسول اللہؐ" چنانچہ اس کو ساتھ لے کر گھر آئے' بی بی سے پوچھا کچھ ہے؟ بولیں "صرف بچوں کا کھانا ہے" بولے بچوں کو تو کسی طرح بہلاؤ جب میں مہمان کو گھر لے آؤں تو چراغ بجھا دو اور میں اس پر یہ ظاہر کروں گا کہ ہم بھی ساتھ کھا رہے ہیں'

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی التسبیح عند النوم۔ [2] ترمذی ابواب الزہد ص ۴۰۸۔
[3] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلۃ ولا اشراف النفس وفی اموالہم حق للسائل والمحروم۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ "رات خدا تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ [1]

"وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو وہ خود تنگدست ہوں"۔

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

کنت اریده لنفسی و لا و ثرن به الیوم علی نفسی۔ [2]

"میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں"۔

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت سہیل بن عمروؓ زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیلؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں' بولے پہلے ان کو پلاآؤ' حضرت سہیلؓ کے پاس پانی آیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث بن ہشامؓ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے' بولے ان کو پلاآؤ' بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دی۔ [3]

فیاضی:

اگرچہ صحابہ کرامؓ کے تمام اخلاقی محاسن نے اسلام کو تقویت دی لیکن سب سے زیادہ اسلام کو صحابہ کی فیاضی سے رسوخ و ثبات حاصل ہوا' مدینہ رسول اللہ ﷺ کے لیے غربت کدہ تھا لیکن انصار کی فیاضی نے آپ کو اپنی آنکھوں میں جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور بعض شرائط کے ساتھ اپنی نخلستان کی پیداوار میں ان کو شریک کر لیا۔ [4]

حضرت سعد بن الربیعؓ نے جائیداد کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو اپنی

---

[1] مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ
[3] استیعاب تذکرہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل۔ [4] بخاری کتاب المزارعۃ باب اذا قال اکفنی مؤنۃ النخل وغیرہ۔

ایک بی بی بھی دینا چاہی' لیکن انہوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی شان استغنا نے اگرچہ انصار سے خدا کے گھر کے لیے بھی زمین مانگی تو قیمت دینا چاہی لیکن انصار کی فیاضی نے اس کا معاوضہ صرف خدا سے لینا چاہا اور نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کہا:

لا نطلب ثمنه الا الی الله.[2] ''ہم اس کی قیمت صرف خدا سے مانگتے ہیں''۔

اسلام میں عمری کی ایک خاص قسم کا ہبہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص عمر بھر کے لیے کسی پر کوئی چیز ہبہ کر دے مدینہ میں مہاجرین آئے تو انصار نے ہر قسم کی اعانت وامداد کے ساتھ مہاجرین کو بہت سی جائیداد بطور عمری کے دینی چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔[3]

انصار میں حضرت سعد بن عبادہؓ فیاضی میں عام طور پر مشہور تھے' روزانہ ان کے قلعہ کے اوپر سے ایک آدمی پکارتا کہ جس کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آئے۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو زیادہ تر وہی کھانا تیار کروا کے بھیجتے تھے اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دار و مدار ان ہی کی فیاضی پر تھا' چنانچہ جب شام ہوتی تو صحابہ ان میں سے ایک یا دو کو لے جاتے لیکن وہ اسی اسی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے۔[4]

حضرت جعفر بن ابی طالب بھی اصحاب صفہ کے ساتھ لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے تھے' ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے' حضرت ابو ہریرہؓ بھی مساکین صفہ میں داخل تھے اس لیے ان کو ان کی فیاضی کا خاص تجربہ تھا وہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ سے قرآن مجید کی وہ آیتیں پوچھا کرتا تھا جو مجھے ان سے زیادہ معلوم تھیں اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی کھانا کھلائے۔ چنانچہ جب حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے پوچھنے کا اتفاق ہوتا تو وہ پہلے گھر لے جا کھانا کھلاتے تھے اور پھر جواب دیتے تھے' بخاری کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں کو گھر میں لے جا کر سب

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب کیف آخی النبی ﷺ بین اصحابہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المسجد۔

[3] مسلم کتاب الفرائض باب العمری۔ [4] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ۔

کچھ کھلا دیتے یہاں تک کہ گھی کا خالی کپہ پھاڑ ڈالتے اور ہم لوگ اس کو چاٹ لیتے تھے[1]

مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تو اپنا کل مال جس کی مقدار پانچ یا چھ ہزار تھی نیک کاموں میں صرف کرنے کے لیے ساتھ لیتے گئے ان کے والد ابوقحافہ گھر میں آئے تو کہا کہ ''تم لوگوں کو وہ مصیبت میں مبتلا کر کے چلا گیا'' حضرت اسماءؓ نے ان کی تسکین کے لیے بہت سی کنکریاں جمع کر کے طاق میں رکھیں اور ان کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر کہا کہ ہاتھ سے ٹٹول لیجئے (وہ اندھے تھے) سب کچھ چھوڑ گئے ہیں[2]

مہاجرین میں حضرت عثمانؓ جس طرح بہت بڑے دولتمند تھے' بہت بڑے فیاض بھی تھے۔ عہد نبوت میں جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا مسجد کے متصل ایک قطعہ زمین تھا جس کی نسبت آپ نے فرمایا کون اس کو خرید کر خدا کے حوالہ کرتا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسجد پر وقف کر دیا' مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی' بیر رومہ کو خرید کر وقف عام فرما دیا۔ غزوہ تبوک میں ایک متمدن سلطنت کا مقابلہ تھا اور صحابہ کرامؓ کے پاس سامانِ جہاد نہایت کم تھا۔ انہوں نے تنہا نہایت فیاضی کے ساتھ تمام سامان مہیا کیا۔[3]

غزوۂ تبوک کے زمانہ میں آپؐ کی خدمت میں ہرقل کا قاصد آیا۔ چونکہ آپؐ عموماً قاصدوں سے لطف و مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے' اس لیے آپؐ نے معذرت کی کہ ''ہم لوگ اس وقت سفر میں ہیں اگر ممکن ہوا تو ہم تمہیں صلہ دیں گے' حضرت عثمانؓ نے سنا تو پکارے کہ ''میں صلہ دوں گا'' چنانچہ اپنے توشہ دان سے ایک حلہ صفوریہ نکال کر اس کو دیا پھر آپؐ نے فرمایا کہ ''کون اس کو اپنا مہمان بنائے گا؟'' ایک انصاری نے کہا ''میں اس کے لیے حاضر ہوں''۔[4]

تقویت اسلام کے علاوہ ذاتی طور پر بھی صحابہ کرام کی فیاضیوں کا دریا عموماً بہتا رہتا تھا' حضرت مقدامؓ ایک صحابی تھے وہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار

---

[1] بخاری و ترمذی کتاب المناقب جعفر بن ابی طالبؓ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۵۰۔
[3] نسائی کتاب الجہاد فضل من جہز غازیا۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۲۔

میں حاضر ہوئے اور انہوں نے صرف ان کو مالی عطیہ دیا لیکن انہوں نے اپنے تمام رفقاء پر برابر تقسیم کر دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ مقدامؓ ایک فیاض شخص ہیں۔[1]

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے' غزوات میں انصار کا علم ان ہی کے ہاتھ میں رہتا تھا اور وہ اس عزت کو اپنی فیاضیؓ سے قائم رکھتے تھے' ایک غزوہ میں وہ قرض لے کر فوج کو کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اس فوج میں شریک تھے' دونوں بزرگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کریں گے اس لیے ان کو روکنا چاہا۔ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر کہا کہ "مجھ کو ابن قحافہ اور ابن خطاب سے کون بچائے گا؟ میرے بیٹے کو یہ بخیل بنانا چاہتے ہیں"۔[2] ان کی فیاضی یہیں تک محدود نہ تھی' بلکہ ان کے پاس ایک پیالہ تھا وہ جہاں جاتے تھے اس میں ایک آدمی گوشت اور مالیدہ بھر کے لے کر چلتا اور پکارتا جاتا تھا کہ هلموا الى اللحم و الثريد یعنی آؤ اور گوشت اور مالیدہ کھاؤ' ایک بار ایک بڑھیا نے ان سے کہا کہ "میرے گھر میں چوہے نہیں رہتے" بولے کیا خوب کنایہ ہے' اس کا گھر روٹی' گوشت' اور کھجور سے بھر دو"۔[3]

حضرت عدیؓ حاتم طائی کے بیٹے تھے' ایک بار ان سے ایک شخص نے سو درہم مانگے تو بولے "حاتم کے بیٹے سے صرف سو درہم مانگتا ہے' خدا کی قسم نہ دوں گا"۔[4]

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ میں آ جاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت کرنے کی قسم کھا لی[5] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی اسی درجہ کی فیاض تھیں لیکن دونوں بہنوں کے طرز عمل میں اختلاف تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتدبہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماء

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود والنمور۔ [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تذکرہ حضرت قیس بن سعدؓ

[3] حسن المحاضرۃ جلد اوّل ص ۹۵۔ [4] مسلم کتاب الایمان باب من نذر حلف یمینا فرای غیرھا خیرا منھا ان یاتی الذی ھو خیر ویکفر عن یمینہ۔ [5] بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش

کل کے لیے کچھ نہ رکھ چھوڑتی تھیں جو کچھ ملتا تھا روز کا روز صرف کر دیا کرتی تھیں۔[1]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے' بولیں کہ ''تمہارا کوئی لڑکا ہے؟'' انہوں نے کہا نہیں فرمایا ''اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی''۔ حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے' بولیں ''کس قدر جلدی میری آزمائش ہوئی'' فوراً ان کے پاس دس ہزار درہم بھجوا دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔[2]

حضرت سعید بن عاصؓ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی سائل سوال کرتا اور ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس کو دستاویز لکھ دیتے کہ جب ہوگا تو دیا جائے گا' ہر جمعہ کو اپنے بھائی بند کو جمع کرتے ان کو کھانا کھلاتے' خلعت پہناتے اور ان کے گھروں پر صلے بھیجتے' ہر جمعرات کو کوفہ (وہ کوفہ کے گورنر تھے) کی مسجد میں غلام کے ہاتھ اشرفیوں کے توڑے بھیجتے کہ نمازیوں کے آگے رکھ آئے اس بناء پر اس دن مسجد میں نمازیوں کا ازدحام ہو جاتا' مرتے وقت ان پر اسی ۸۰ ہزار اشرفیوں کا قرض تھا' بیٹے نے پوچھا ''یہ قرض کیونکر ہوا'' بولے کسی شریف کی حاجت روائی کی' کسی حیادار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دے دیا' اسی میں یہ قرض ہوا''۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس بیس ہزار درہم سے زیادہ آئے انہوں نے اسی مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگوں کو دے دیا یہاں تک کہ جب کل خرچ ہو چکا تو ایک شخص کو ان ہی سے قرض لے کر دے دیا وہ اکثر روزے سے رہتے تھے لیکن جب کوئی مہمان آ جاتا تھا تو وہ روزہ توڑ دیتے تھے کہ فیاضی کی وجہ سے کھانا کھلانا ان کو بہت پسند تھا' ان کے دسترخوان پر اس کثرت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ بعض

---

[1] ادب المفرد باب السخاوۃ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہؒ۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن العاصؓ۔

لوگوں کو کھڑے کھڑے کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار ان کی خواہش سے مچھلی پکائی گئی۔ سامنے آئی تو ایک سائل آیا۔ انہوں نے اس کو اٹھا کر دے دیا ایک بار بیمار پڑے لوگوں نے ان کے لیے ایک درہم پر پانچ انگور خریدے سامنے سے سائل گذرا' انہوں نے اس کو دینا چاہا' لوگوں نے کہا کہ "ہم اس کو دے دیں گے" لیکن نہ مانے بالآخر لوگوں نے اس کو دے کر بعد کو اس سے پھر خرید لیا۔[1]

کف لسان:

حدیث شریف میں آیا ہے:

من وقاه الله شر اثنين دخل الجنة مابين لحيه و ما بين رجليه.

"جس شخص کو خدا نے دو چیزوں کی برائی سے محفوظ رکھا تو وہ جنت میں داخل ہوا یعنی زبان اور شرم گاہ"۔

اس لیے صحابہ کرامؓ غیبت' بدگوئی' نکتہ چینی' فحاشی' سب وشتم اور لایعنی باتوں سے نہایت احتراز کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نہایت کم سخن تھے' ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا میں التزام کرلوں' آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو' وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے' انہوں نے کہا کہ "یہ تو نہایت آسان کام ہے' لیکن ان کا بیان ہے کہ "جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا"۔[2]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن حارث نے حضرت عائشہؓ وحضرت ام سلمہ کی سند سے مروان کے سامنے ایک حدیث بیان کی' اس سے پہلے حضرت ابو ہریرہؓ اس کے مخالف روایت کر چکے تھے مروان نے اس کو قسم دلائی کہ ردو قدح کے ذریعہ سے ابو ہریرہؓ کو جا کر دق کرو لیکن انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔

---

1. طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔
2. استیعاب تذکرہ حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ رضی اللہ عنہ۔

ایک روز اتفاق سے حضرت ابوہریرہؓ مل گئے' انہوں نے نہایت نرمی سے کہا ''میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اگر مروان نے قسم نہ دلائی ہوتی تو نہ کہتا' اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی۔[1]

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم کو چند نصیحتیں کیں' جن میں ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو' وہ فرماتے ہیں کہ ''اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت بھی نا ملائم الفاظ استعمال نہیں کیے۔[2]

ایک بار حضرت شداد بن اوسؓ سفر میں تھے۔ منزل پر اترے تو غلام سے کہا کہ چھری لاؤ اس سے کھیلیں۔'' چونکہ یہ فعل عبث تھا' لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی' بولے کہ جب سے میں اسلام لایا بجز اس کلمہ کے جو بات کہتا تھا اس کو لگام اور مہار دونوں لگا لیتا تھا' سو تم لوگ میری اس بات کو نہ یاد کرو''۔[3]

اگر صحابہ کرام کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تھا تو اس پر ان کو سخت ندامت ہوتی تھی' ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ربیعہ اسلمیؓ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی اور حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ ''تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو تا کہ بدلہ ہو جائے'' انہوں نے کہا میں ایسا نہیں کر سکتا' بولے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کروں گا' انہوں نے اب بھی انکار کیا' معاملہ آپؐ تک پہنچا تو آپؐ نے حضرت ربیعہؓ سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا لیکن ابوبکرؓ کے لیے استغفار کرو' انہوں نے ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔[4]

ایک بار حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ میں سخت کلامی ہو گئی بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ندامت ہوئی اور حضرت عمرؓ سے معافی مانگی' انہوں نے معافی سے انکار کیا تو گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے تین بار فرمایا ''خدا تمہاری مغفرت کرے''۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پشیمانی ہوئی' دوڑے ہوئے

---

[1] بخاری کتاب الصوم باب الصائم یصبح جنبا۔ [2] استیعاب تذکرہ حضرت جابر بن سلیمؓ
[3] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۳۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸' ۵۹۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے ان سے ملاقات نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' دیکھا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہے اس حالت کو دیکھ کر خود حضرت ابوبکرؓ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ مبادا حضرت عمرؓ کے خلاف کوئی ناگوار بات نہ پیش آ جائے اس لیے دوزانو ہو کر کہا ''یارسول اللہ ﷺ میں نے بڑا ظلم کیا''۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زبان پر قابو نہ تھا اس لیے وہ ہمیشہ اس پر نادم رہتے تھے اور اس کی اصلاح کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ اپنی زبان کھینچ رہے ہیں بولے ''خدا آپ کی مغفرت کرے اس فعل سے باز آیئے۔ بولے اسی نے تو مجھ کو تباہ کیا ہے''۔[2]

عیب پوشی:

ایک شخص ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے' ہم لوگ اس کو افسانہ بزم و انجمن بنا لیتے ہیں لیکن صحابہ کرام لوگوں کی برائیوں کو چھپاتے تھے اور نیکیوں کو نمایاں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں دنیا کے سیاہ چہرے پر عیب پوشی کی نورانی چادر پڑی ہوئی تھی' ایک دن حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ان کے میر منشی نے کہا کہ ''میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں' میں نے ان کو منع کیا' باز نہ آئے' اب میں پولیس کو بلاتا ہوں'' انہوں نے کہا جانے دو' اس نے دوسری بار پھر یہی گزارش کی بولے' جانے دو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

من رای عورة فسترها كان كمن احيى مؤدة.[3]

''جس نے عیوب پر پردہ ڈالا وہ اس شخص کے مثل ہے جس نے زندہ درگور لڑکی کو جلا لیا''۔

حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور زنا کا اقرار کیا' بولے ''اور کسی سے کہا ہے؟'' کہا ''نہیں'' فرمایا خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس پر خدا کا پردہ ڈال لو کیونکہ خدا بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے'' لیکن اس کو تسکین نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔[4]

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فیما یخاف من اللسان۔

[3] ابوداؤد کتاب الادب باب الستر علی المسلم۔

[4] موطائے امام محمد ابواب الحدود فی الزناء باب الاقرار بالزناء۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے"۔[1]

انتقام نہ لینا:

اگر دشمن کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو ہمارے لیے انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا لیکن صحابہ کرامؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟

حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی' لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں بولیں کہ میں اپنے کان اور آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود اعتراف ہے کہ:

و هي التي تصامینی فعصمها الله بالورع.[2]

"وہ اگرچہ میری حریف مقابل تھیں لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچا لیا"۔

انتقام تو بڑی چیز ہے صحابہ کرامؓ اپنے دشمنوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت معاویہ بن خدیجؓ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے' حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا "ان میں کوئی عیب نہ تھا' سب لوگ ان کے مداح رہے' اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے' اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے' اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا "استغفر اللہ! اگر میں ان سے اس بناء پر دشمنی رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا' میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ زبیدہ بن الصلت۔

[2] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضهن بعضا۔

کہ اے اللہ! جو شخص میری امت کے ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر اور جو ان پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر"۔[1]

حلم:

فیض تربیت نبویؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہایت نرم خو' حلیم اور بردبار بنا دیا تھا ایک بار ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا' وہ خاموش رہے اس نے دوسری بار پھر کلمات ناشائستہ کہے وہ چپ رہے تیسری بار پھر ان کا اعادہ کیا تب اس کا جواب دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ناپسند کیا۔[2]

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے' لیکن حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ ایک بار راستے میں جا رہے تھے' ایک شخص بانس کا بوجھ لیے جا رہا تھا' اس سے ان کا بدن چھل گیا اس کے پاس پھر کے آئے اور اس کا شانہ ہلا کر کہا کہ "جب تک نوجوانوں کی حکومت کا زمانہ نہ دیکھ لو تمہیں موت نہ آئے"۔[3] وہ عبا اور جانگھیا پہن کر نکلتے تو لوگ ان کو دیکھ کر کہتے "کرک آمد کرک آمد" وہ پوچھتے کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ لوگ کہتے کہ "آپ کو ایک کھلونے سے تشبیہ دیتے ہیں" لیکن وہ یہ سن کر صرف اس قدر کہتے کہ ان کا کوئی جرم نہیں' نیکی آج کے دن کے بعد ہے"۔

اسی قسم کی وضع کی وجہ سے راستہ میں بچے ان کو گھیر لیتے تو بعض لوگ کہتے کہ امیر کے پاس سے ہٹ نہیں جاتی۔ "فرماتے ان کو جانے دو' برائی بھلائی آج کے بعد ہے"۔

ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے چند نوجوان سپاہیوں کے سامنے سے گزرے تو وہ سب ان کو دیکھ کر ہنس پڑے اور تمسخر آمیز لہجے میں کہا کہ "یہی تمہارے سپہ سالار ہیں" ایک شخص نے کہا کہ دیکھئے تو یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ بولے جانے بھی دو۔[4]

مہمان نوازی:

مہمان نوازی اہل عرب کے محاسن اخلاق کا نہایت نمایاں جزو تھی اور اسلام نے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الانتصار۔
[3] یعنی وہ میری طرح اس کے متحمل نہ ہوں گے [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

اس کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا' اس لیے صحابہ کرام کی زندگی میں مہمان نوازی کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بار وفد بنو منتفق حاضر ہوا' سوئے اتفاق سے آپ گھر میں موجود نہ تھے لیکن حضرت عائشہؓ نے فوراً خزیرہ عرب کا ایک کھانا تھا) تیار کرنے کا حکم دیا اور مہمانوں کے سامنے ایک طبق میں کھجوریں رکھوا دیں' آپ تشریف لائے تو حسب معمول سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ کچھ ضیافت کا سامان ہوا یا نہیں؟ ان لوگوں نے کہا "یہ تو ہو چکا"۔[1]

ایک بار ایک شخص حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے باصرار کھانا منگوایا اور کہا کہ "کھاؤ میں روزہ سے ہوں"۔[2]

ایک بار حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں ایک شخص آیا' انہوں نے کہا کہ اگر آپ قیام کریں تو ہم آپ کے ناقہ کو چرنے کے لیے چھوڑ دیں اور اگر جانا چاہیں تو اس کو چارہ کھلا دیں' وہ بولا کہ "میں جانا چاہتا ہوں" فرمایا "تو میں تم کو زادِ راہ دیتا ہوں' اگر اس سے بہتر کوئی زادِ راہ ہوتا تو میں اس کو تمہارے ساتھ کر دیتا" یہ کہہ کر ایک حدیث بیان کی۔[3]

آپؐ کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا تو آپ نے انصار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اپنے بھائیوں کی خاطر مدارات کرو کیونکہ شکل میں صورت میں وضع میں اور اسلام میں وہ تم سے بہت مشابہ ہیں اور بلا جبر و اکراہ اسلام لائے ہیں"۔ انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ صبح کے وقت وہ لوگ حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا "تمہارے بھائیوں نے تمہاری خاطر مدارات کیسی کی؟ بولے "بڑے اچھے لوگ ہیں' ہمارے لیے نرم بچھونے بچھائے عمدہ کھانے کھلائے اور رات بھر کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے"۔ آپؐ نہایت خوش ہوئے اور ہر ایک نے جو کچھ پڑھا تھا اس کو سنایا'[4] ایک شخص مدینہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے مہمان ہوئے اور انہوں نے جس طریقے سے ان کی مہمانداری کی وہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار۔ [2] ادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی۔
[3] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۱۹۶۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۲۔

فلم ار رجلا من اصحاب النبی اللہ ﷺ اشد تشمیرا و لا اقوم علی ضیف منہ[1]

''میں نے صحابہ میں سے کسی کو ان سے زیادہ مستعدانہ طریقہ پر مہمانی کرنے والا اور مہمان کی خبر رکھنے والا نہیں پایا''۔

حضرت ام شریکؓ نہایت دولتمند اور نہایت فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو مہمان خانہ بنا دیا تھا' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر ان ہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔[2]

تحفظ عزت:

حضرت محمد بن مسلمہؓ جب کعب بن اشرف کے قتل کو گئے اور اس سے قرض لینے کا بہانہ کیا تو اس نے اپنی دنارت طبعی سے ان کی آل و اولاد کو گروی کروانا چاہا' لیکن وہ بولے ''سبحان اللہ لوگ ہماری اولاد کو طعنہ دیں گے کہ دو وسق غلہ پر گروی تھے''۔[3]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس روز شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں ''بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنا پڑے' خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی[4] جائے''

شاعروں کی حوصلہ افزائی اگرچہ صحابہ کرامؓ کے تقدس کے خلاف تھی' تاہم تحفظ عزت کے لیے وہ اس فرقہ کو بھی محروم نہیں کرتے تھے ایک بار حضرت عمران بن حصینؓ کی خدمت میں ایک شاعر آیا جس کو انہوں نے صلہ دیا' لوگوں نے کہا ''آپ شاعر کو انعام دیتے ہیں'' بولے ''اپنی عزت کو قائم رکھتا ہوں''۔[5]

صبر و ثبات:

مردوں پر نوحہ و بکا کرنا' بال نوچنا' کپڑے پھاڑ ڈالنا' مدتوں مرثیہ خوانی کرنا

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابۃ اہلہ۔ [2] نسائی کتاب النکاح باب الخطبۃ فی النکاح۔ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی العدو یوتی علی غرۃ ویتشبہ بھم
[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ [5] ادب المفرد باب اعطاء الشاعر اذا خاف شرہ۔

عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابہ کرام کو صبر و ثبات کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا اور وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر باہر چلے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں لڑکا جاں بحق تسلیم ہوگیا ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ابوطلحہؓ سے نہ کہنا' وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں ''پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے۔ یہ کہہ کر سامنے کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا اس کے بعد معمول سے زیادہ بن ٹھن کے سامنے آئیں اور ان کے ساتھ ہم بستر ہوئیں' صبح ہوئی تو استعارۃً کہا کہ ''اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟'' بولے' نہیں' بولیں تو پھر اپنے بیٹے پر صبر کرو'' [1]

رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے واپس ہوئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں انہی میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ بھی تھیں وہ آئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ''حمنہ اپنے بھائی عبداللہ بن جحشؓ پر صبر کرو'' انہوں نے اناللہ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی پھر فرمایا کہ ''اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلبؓ پر بھی صبر کرو''۔ انہوں نے اس پر بھی اناللہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے واقد نے انتقال کیا تو انہوں نے تجہیز و تکفین کے بعد بدوؤں کو بلایا اور ان میں دوڑ کروائی' اس پر حضرت نافعؒ نے کہا کہ ''ابھی آپ واقد کو دفن کر کے آئے ہیں اور ابھی بدوؤں میں دوڑ کروا رہے ہیں۔ فرمایا ''اے نافع جب مشیت ایزدی اپنا کام کر چکی تو اس کے نتائج کو کسی نہ کسی طرح بھلا ہی دینا چاہیے'' [3]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آراء ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ ''مرنے میں آرام

---

[1] مسلم کتاب الآداب باب استحباب تحنیک المولود عند ولادۃ وحملہ الی صالح یحنکہ و جواز تسمیۃ یوم ولادۃ واستحباب التسمیۃ بعبد اللہ وابراہیم وسائر الانبیاءؑ و کتاب الفضائل باب من فضائل ابی طلحۃ الانصاریؓ

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بن جحشؓ۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ واقد بن عبداللہ۔

ہے" بولیں" شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی' یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم پر صبر کرلوں یا فتح وظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا' حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے عبرت کا یہ منظر دیکھنے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیٹتیں حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا' کیا اس سوار کے لیے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے"۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سفر میں تھے اسی حالت میں اپنے بھائی حضرت قثمؓ بن عباسؓ کے انتقال کی خبر سنی' پہلے انا للہ پڑھا پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز ادا کی' نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔

﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴾[2]

"(مصیبت میں) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو' نماز بجز خشوع و خضوع کرنے والوں کے سب پر گراں ہے"۔

اسی صبر و ثبات کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کفار نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ ہوتا کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو ان رکعات کو اور طویل کرتا"۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:

و لست ابالی حین اقتل مسلما   علی ای شق کان للہ مصرعی[3]

جب میں مسلمان ہو کر مرتا ہوں۔ تو اس کی کیا پروا کہ میرا دھڑ کس بل گرے گا۔

و ذلك فی ذات الالہ و ان یشاء   یبارك علی او صال شلو ممزع

یہ مرنا تو خدا کے لیے ہے' اگر وہ چاہے۔ تو ان کٹے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل کر سکتا ہے۔

جرأت وشجاعت:

جرأت وشجاعت کا اظہار کبھی عقائد کے اظہار میں ہوتا ہے کبھی میدان جنگ میں

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قثم بن عباسؓ

[3] بخاری کتاب الجہاد باب قتل الاسیر۔

اور کبھی ظالم بادشاہوں کے سامنے صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاقی جوہر موجود تھا' اس لیے اس کا ظہور ان تمام موقعوں پر ہوتا تھا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں وہ مکہ میں آ کر ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت کی کہ اس وقت اپنے وطن کو واپس جاؤ اور اپنی قوم کو میری بعثت کی خبر کرو' لیکن انہوں نے نہایت پر جوش لہجے میں کہا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں کفار مکہ کے سامنے ہی کلمہ توحید کا اعلان کروں گا'' حالت یہ تھی کہ وہ غریب الوطن تھے' مکہ میں کوئی ان کا حامی و مددگار نہ تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ مسجد حرام میں آئے اور با آواز بلند کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله ﷺ۔

اس آواز کا سننا تھا کہ کفار ٹوٹ پڑے اور سخت زدوکوب کیا۔ لیکن انہوں نے دوسرے دن پھر اسی جوش کے ساتھ خانہ کعبہ میں اس کلمے کا اعلان کیا اور کفار نے پھر اسی طرح یورش کی۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چھٹے مسلمان ہیں۔ ان سے پہلے کوئی مسلمان مکہ میں علانیہ تلاوت قرآن کی جرات نہیں کرسکتا تھا لیکن وہ اسلام لائے تو ایک روز تمام صحابہ نے جمع ہو کر کہا کہ اب تک قریش نے قرآن مجید کو کسی کی زبان سے علانیہ نہیں سنا اس کی جرأت کون کرسکتا ہے''؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ''میں'' صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ''ہم کو تمہاری نسبت خوف ہے ہم ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا قبیلہ ہوتا کہ کفار حملہ کریں تو اس کی طرف سے مدافعت کر سکے'' بولے ''مجھے جانے دو' خدا میری حفاظت کرے گا''۔ اٹھے اور ٹھیک دوپہر میں آئے' خانہ کعبہ میں قریش انجمن آراء تھے' مقام ابراہیم کے پاس پہنچ کر با آواز بلند کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم الرحمن علم القرآن کفار نے سنا تو کہا کہ ابن ام عبید کیا کہتا ہے؟ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں دفعتہً تمام کفار ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کرنے لگے' وہ پلٹے تو چہرے پر زخموں کے نشان

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذرؓ۔

دیکھ کر صحابہؓ نے کہا کہ ''ہم کو اسی کا تو ڈر تھا'' بولے ''خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نظر نہیں آئے اگر کہو تو کل بھی اسی طرح ان کو علانیہ قرآن سنا آؤں''۔[1]

حضرت عمرؓ اسلام لائے تو پہلے اپنے ماموں کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے دروازہ کھولا تو کہا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں صابی ہو گیا'' وہاں سے ایک سردار قریش کے پاس آئے اور وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی' وہاں سے نکلے تو ایک آدمی نے کہا کہ ''تم اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے ہو''؟ بولے ''ہاں'' اس نے کہا تو اس کی صورت یہ ہے کہ جب کفار خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس جمع ہوں تو تم وہاں جاؤ ان میں ایک آدمی ہے جو افشائے راز میں بدنام ہے' اس کے کان میں یہ راز کہہ دو وہ اعلان کر دے گا''۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر اس کے کان میں کہا تو وہ باآواز بلند پکارا کہ ''عمر بن الخطابؓ صابی ہو گیا''۔ یہ سننا تھا کہ کفار دفعتہً ٹوٹ پڑے اور باہم زدوکوب ہونے لگی' بالآخران کے ماموں نے اپنی آستین سے اشارہ کیا کہ میں اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں' اب کفار رک گئے۔[2]

غزوات میں صحابہ کرامؓ نے جس طرح داد شجاعت دی صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں' غزوہ حنین میں کفار نے اس زوروشور سے حملہ کیا تھا' کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا' لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں' چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں ''چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں جھونک دوں''۔[3]

غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام بیبیوں کو ایک قلعہ میں جمع کر دیا تھا ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا' حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسانؓ سے کہا' ممکن ہے کہ یہ پلٹ کر یہودیوں سے ہماری جاسوسی کرے جاؤ اور اس کو قتل کرو''

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب یعطی القاتل۔

بولے تمہیں تو یہ معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں' اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کے ایک ستون سے اس کو ایسا مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔[1]

تمام عرب حجاج کے ظلم و ستم سے کانپتا تھا' لیکن جب اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماء کو بلوا بھیجا تو انہوں نے آنے سے انکار کیا' دوسری بار آدمی بھیجا کہ اگر اب کے نہ آئیں تو بال پکڑ کر گھسیٹ کر بلواؤں گا'' انہوں نے پھر انکار کیا اور کہا' ان لوگوں کو بھیج دو جو بال پکڑ کر مجھے گھسیٹ لے جائیں' مجبوراً حجاج خود آیا اور کہا کہ دیکھا میں نے خدا کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ بولیں'' ہاں دیکھا تم نے اس کی دنیا خراب کی اس نے تمہاری آخرت کو برباد کیا' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کو ابن ذوالنطاقین کہتے تھے' (دو پٹکوں والی عورت کا لڑکا) خدا کی قسم ذوالنطاقین میں ہی ہوں۔ ایک پٹکے میں میں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زادِ راہ باندھا تھا' اور دوسرا پٹکا عورت کا معمولی پٹکا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتی' آپؐ نے فرمایا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاکو پیدا ہو گا کذاب (مسیلمہ) کو تو ہم دیکھ چکے' میرا خیال ہے کہ ہلاکو تو ہے'' حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ جواب نہ دیا''۔[2]

اعترافِ گناہ:

اگرچہ صحابہ کرامؓ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتے تھے اور اس سے اجتناب کرتے تھے چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

انکم لتعلمون اعمالا هی ادق فی اعینکم من الشعران کنا لنعد ها علی عهد النبی ﷺ من الموبقات.[3]

تم لوگ بہت سے کام کرتے ہو جو تمہیں بال سے بھی زیادہ باریک یعنی حقیر نظر آتے ہیں لیکن ہم لوگ عہد نبوت میں ان کو مہلک ترین گناہ میں شمار کرتے تھے''۔

تاہم مقتضائے بشریت ان سے کبھی کبھی گناہ سرزد ہو جایا کرتے تھے' لیکن ہم میں اور

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ۔ [2] مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف وغیرھا۔ [3] بخاری کتاب الرقاق باب ما یتقی من محقرات الذنوب۔

ان میں فرق یہ ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو طرح طرح کے ریاکارانہ طریقوں سے اس کو چھپاتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ نہایت صداقت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے اور طالب مغفرت ہوتے تھے۔

ایک بار ماہ رمضان میں حضرت سلمہ بن صخرؓ نے اپنی بیوی سے ظہار کیا' لیکن ایک روز بی بی رات کو مصروف خدمت تھیں' ان سے مقاربت کر لی' چونکہ اس حالت میں مقاربت ناجائز تھی پہلے اپنی قوم کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو لوگوں نے انکار کیا تو خود گئے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی آپؐ نے فرمایا ''تم اور ایسا کام؟'' بولے ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں خدا کے حکم پر صابر رہوں گا' جو فیصلہ ہو صادر فرمائیے''۔[1]

ایک بار روزے کے دن میں حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ''میں نے بڑا قصور کیا ہے'' آپؐ نے فرمایا ''اگر تم روزے کی حالت میں کلی کر لو تو اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟'' بولے ''اس میں کوئی حرج نہیں'' ارشاد ہوا کہ اسی طرح اس کو بھی جانے دو''۔[2]

ایک بار رمضان کے دن میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک صحابی نے آ کر کہا ''یا رسول اللہ میں تو جل بھنا'' آپؐ نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولے بیوی سے مقاربت کر لی''۔[3]

صداقت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جھوٹ سے زیادہ کوئی خلق اصحاب رسول اللہ کے نزدیک مبغوض نہ تھا' اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹ بول دیتا تو آپؐ کے دل میں اس وقت تک اس کی کھٹک باقی رہتی جب تک وہ توبہ نہ کر لیتا۔[4]

مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت قریش کو دے دیا' انصار کو خبر

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی الظہار۔ [2] ابوداؤد کتاب الصیام باب القبلۃ للصائم
[3] ایضاً باب کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲۔

ہوئی تو بولے ''یا للعجب ! ہماری تلواروں سے جن کا خون ٹپک رہا ہے ہمارا مال غنیمت انہیں کو دیا جا رہا ہے'' آپ کو معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرامؓ آپؐ کے خوف و داب سے کانپتے رہتے تھے اس لیے آپؐ کے سامنے اس گستاخی کا اقرار ان کے لیے نہایت مشکل تھا تاہم انصار نے صاف کہہ دیا کہ ''جو کچھ آپ کو معلوم ہوا واقعہ وہی ہے'' اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالکؓ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

و کانوا لا یکذبون[1] ''یہ اقرار اس بنا پر تھا کہ صحابہ جھوٹ نہیں بولتے تھے''۔

غزوہ تبوک کی عدم شرکت پر رسول اللہ ﷺ نے باز پرس فرمائی تو منافقین نے جھوٹی سچی معذرت کر دی اور آپؐ نے اس کو قبول کر لیا' لیکن حضرت کعب بن مالکؓ نے سچ سچ کہہ دیا کہ ''اگر میں کسی دنیا دار آدمی کے پاس ہوتا تو چرب زبانی سے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا' لیکن اگر میں کوئی جھوٹا عذر کر کے آپ کی ناراضگی سے بچ جاؤں تو ممکن ہے کہ خدا آپ کو مجھ پر ناراض کر دے (یعنی بذریعہ وحی اصل حقیقت سے خبر کر دے) لیکن اگر سچ بولوں تو گو آپؐ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے' تاہم مجھ کو خدا سے عفو و مغفرت کی توقع رہے گی' خدا کی قسم میں بالکل معذور نہ تھا خدا کی قسم میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی متمول اور چاق و چست نہ تھا' آپؐ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا'' بالآخر آپ نے ان پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا' لیکن جب خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی تو ان کو خود اس صداقت پہ ناز ہوا چنانچہ خود فرماتے ہیں:

ما انعم الله علی من نعمة قط بعد ان هدانی للاسلام اعظم فی نفسی من صدقی لرسول الله ان لا اکون کذبته فاهلک کما هلک الذین کذبوا۔

''اسلام لانے کے بعد خدا نے مجھ پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا جس کی عزت میرے دل میں اس سچائی سے زیادہ ہو جس کا اظہار میں نے آپؐ کے سامنے کیا' اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک

---

[1] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطا المولفة القلوبهم علی الاسلام۔

ہوئے جو جھوٹ بولتے تھے یعنی منافقین''۔[1]

اہل عرب خاندانی عصبیت اور شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے' لیکن ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''انصار کے خاندانوں میں سب سے بہتر بنونجار ہیں' پھر بنوعبدالاشہل پھر بنوحارث بن خزرج پھر بنوساعدہ قبیلہ' بنوساعدہ کے بعض سربرآوردہ بزرگوں کو یہ ناگوار گزرا کہ آپ نے ان کو چوتھے نمبر پر رکھا' لیکن اسی قبیلہ کے ایک بزرگ حضرت ابواسیدؓ نے جب یہ روایت کی تو فرمایا کہ اگر میں جھوٹ بولتا تو سب سے پہلے اپنے قبیلہ بنوساعدہ کا نام لیتا''۔[2]

صحابہ کرامؓ جھوٹ کو اپنے دامن کا اس قدر بدنما داغ سمجھتے تھے کہ اگر ان پر کبھی کذب و دروغ کا اتہام لگ جاتا تو ان کے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی' ایک سفر میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے رفقاءؓ سے کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو بدو ہیں ان کو کچھ نہ دو یہاں تک کہ وہ بھاگ جائیں اب ہم اگر مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو وہاں سے معزز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے'' حضرت زید بن ارقمؓ نے سن لیا اور اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا' انہوں نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا' آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا تو اس نے حلف اٹھایا کہ میں نے ایسا نہیں کہا آپؐ نے اس کے قول کا اعتبار کر لیا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی اس کا ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ عمر بھر کبھی نہ ہوا تھا' یہاں تک کہ وہ اس صدمہ سے خانہ نشین ہو گئے اور فرط غم سے گردن جھک گئی اس کے بعد جب سورۂ منافقون نازل ہوئی تو آپؐ نے ان کو طلب فرمایا اور کہا کہ ''خدا نے تمہاری تصدیق کی''۔[3]

دیانت:

ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ نے سو اشرفیوں کا توڑا پایا اور کمال دیانت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کا تذکرہ کیا' آپؐ نے فرمایا کہ ''ایک سال تک

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔ [2] مسلم کتاب فضائل باب فی خیر دور الانصار۔
[3] ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنافقین۔

مالک کی جستجو میں منادی کرتے رہو'' انہوں نے تعمیل ارشاد کی' دوسرے سال پھر حاضر خدمت ہوئے آپؐ نے پھر یہی حکم دیا وہ حکم بجا لائے پھر تیسرے سال آئے آپؐ نے پھر وہی ارشاد فرمایا جب اب کے بھی مالک نہیں ملا تو آپؐ نے فرمایا کہ'' بحفاظت رکھ لو اگر مالک مل گیا تو خیر ورنہ خود خرچ کر ڈالو'' [1]

ایک بار حضرت مقدادؓ بضرورت بقیع خنجبہ میں گئے دیکھا کہ چوہا بل سے اشرفیاں نکال کر ڈھیر کر رہا ہے' انہوں نے گنا تو اٹھارہ نکلیں اٹھا لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ'' اس کا صدقہ لے لیجئے'' فرمایا'' خود تو بل سے نہیں نکالا تھا؟'' بولے'' نہیں'' ارشاد ہوا'' خدا تمہیں برکت دے'' [2]

ایک بار حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے کسی کا توشہ دان پایا تو حضرت عمرؓ کے پاس لائے انہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک اعلان کرو اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو وہ تمہارا ہے' سال بھر تک مالک کا پتہ نہ چلا تو وہ پھر آئے' حضرت عمرؓ نے فرمایا' تو وہ اب تمہارا ہے'' بولے'' مجھے ضرورت نہیں'' آخر کار حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا [3]

ایک بار حضرت جریر کا چرواہا گایوں کو چرا کر لایا تو ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی ایک گائے بھی آ گئی' بولے یہ کس کی ہے؟ چرواہے نے کہا'' خبر نہیں گلے کے ساتھ آ کر مل گئی'' فرمایا'' اس کو نکال دو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بھولے بھٹکے جانور کو صرف گمراہ پناہ دیتا ہے'' [4]

ایک صحابی کی اونٹنی گم ہو گئی اور انہوں نے دوسرے صحابی سے کہہ دیا کہ ملے تو پکڑ لینا' ان کو اونٹنی مل گئی لیکن اس کا مالک کہیں چلا گیا' انہوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالے کر دیں' اسی اثناء میں اونٹنی بیمار پڑی' بیوی نے کہا'' ذبح کر ڈالو'' فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ مردار کھانے پر مجبور تھے' چنانچہ اونٹنی مر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کے گوشت کھانے کی اجازت بھی دے دی۔ لیکن کمال دیانت سے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوئے مالک آیا تو انہوں نے تمام سرگذشت کہہ سنائی اس نے کہا'' ذبح

---

[1] ابوداؤد کتاب اللقطہ۔ [2] آیضاً کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی الرکاز۔
[3] مسند دارمی کتاب البیوع باب فی اللقطہ۔ [4] ابوداؤد کتاب اللقطہ۔

کیوں نہیں کر ڈالا؟'' بولے تم سے شرم آتی تھی۔[1]

حضرت زبیرؓ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھتا تو کہتے کہ ''مبادا کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے' اس لیے ہم پر یہ قرض رہی' اسی طرح ان پر کئی لاکھ کا قرض ہو گیا۔[2]

متعدد صحابہ نے ان کی حفاظت میں اپنا مال دے دیا تھا اور وہ اس دیانت سے اس کی نگہداشت کرتے تھے کہ خود اپنے مال سے ان کے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام کرتے تھے مگر ان کا مال صرف نہیں کرتے تھے۔[3]

ایک صحابی کے پاس کسی وراثت کا مال محفوظ تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''میرے پاس قبیلہ ازد کے ایک شخص کی وراثت کا مال محفوظ ہے میں کسی ازدی کو نہیں پاتا کہ اس کے حوالہ کروں'' ارشاد ہوا کہ ''جاؤ ایک سال تک تلاش کرو'' ایک سال کے بعد آئے اور کہا کہ نہیں ملتا' پھر یہی حکم ہوا' ایک سال کے بعد پھر آئے اور کہا کہ نہیں ملتا' فرمایا کہ پہلے جس خزاعی کو پاؤ اس کو سونپ دو''۔[4]

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ غزوۂ حنین سے پلٹے تو بی بی نے کہا کہ ''مالِ غنیمت میں کیا لائے؟'' انہوں نے ان کو ایک سوئی دی کہ اس سے کپڑا سینا' اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے منادی کروائی کہ 'دھاگا اور سوئی تک دے دو'' انہوں نے فوراً سوئی لے لی اور مالِ غنیمت میں داخل کر دیا''۔[5]

یہ دیانت صرف مال و دولت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر چیز سے نمایاں ہوتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اخیر وقت آیا تو ایک خاص ضرورت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک آدمی بھیجا اور کہا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ کا سلام کہو' امیر المومنین نہ کہنا' کیونکہ میں اب امیر المومنین نہیں ہوں''۔[6]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی المضطر الی المیتة۔ [2] بخاری کتاب الجہاد باب فی برکۃ الغازی فی مالہ حیا و میتا۔ [3] اصابہ تذکرہ حضرت زبیر بن العوامؓ [4] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام۔ [5] اسد الغابہ تذکرہ فاطمہ بنت شیبہ۔ [6] بخاری کتاب المناقب۔

صحابہ کرامؓ صرف خود ہی متدین نہ تھے' بلکہ متدین لوگوں کے بہت بڑے قدر دان بھی تھے' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف میں سے نکلے' ایک خداترس چرواہا بکریاں چرا رہا تھا' انہوں نے اس کو کھانے پر بلایا' لیکن اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں اب انہوں نے اس کے تورع وتقویٰ کے امتحان لینے کو کہا کہ ''ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمارے ہاتھ فروخت کردو ہم تمہیں قیمت بھی دیں گے اور افطار کرنے کے لیے گوشت بھی لیکن اس نے کہا کہ ''بکریاں میری نہیں ہیں میرے آقا کی ہیں'' انہوں نے کہا کہ ''تمہارا آقا کیا کرے گا؟'' اب چرواہے نے پیٹھ پھیر لی اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا' تو خدا کہاں چلا جائے گا'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس فقرے پر محو ہو گئے اور بار بار اس کو دہرانے لگے' مدینہ میں پلٹ کر آئے تو اس کو اس کے آقا سے مع بکریوں کے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں اس پر ہبہ کر دیں۔[1]

خاکساری:

اگرچہ دنیا صحابہ کرام کی خاک پا کو آنکھ کا سرمہ بناتی تھی لیکن باایں ہمہ وہ نہایت فروتن متواضع اور خاکسار تھے۔ ایک بار محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کون شخص افضل الناس ہے؟'' بولے ''ابوبکر رضی اللہ عنہ'' پھر پوچھا کہ' ان کے بعد' بولے عمر رضی اللہ عنہ' اس کے بعد وہ خود کہہ اٹھے کہ ان کے بعد آپ فرمایا' میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں''۔[2]

حضرت سلمان فارسیؓ مداین کے گورنر تھے' لیکن طرز معاشرت اس قدر سادہ رکھا تھا کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا' ایک بار کسی شخص نے گھاس خریدی اور ان کو بیگار پکڑ کر گٹھیا سر پر لاد دی وہ چلے تو لوگوں نے کہا' یہ امیر ہیں صاحب رسول اللہ ﷺ ہیں' اس نے کہا ''معاف فرمایئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں' بوجھ سر سے رکھ دیجئے' بولے' نہیں اب تو تمہارے گھر پہنچا کر اتاروں گا''۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الاعتصام بالسنۃ باب فی التفصیل۔
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت خاکسارانہ زندگی بسر کرتے تھے' ایک بار ان کے پاس کسی نے ہرنی کپڑے ہدیتہً بھیجے انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ''ہم غرور کے خوف سے اس کو نہیں پہن سکتے۔ اگر کسی مجلس میں جاتے اور کوئی ان کی تعظیم کو اٹھتا تو وہاں نہ بیٹھتے'' [1]

حضرت امیر معاویہ کو جاہ پسند کہا جاتا ہے لیکن ایک بار ابن عامر ان کی تعظیم کے لیے اٹھے تو انہوں نے منع کیا۔ [2]

عفوودرگذر:

صحابہ کرام کی زندگی اس آیت کی حقیقی تفسیر ہے:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران)

''غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں''۔

ایک بار حضرت صفوانؓ مسجد میں کمبل بچھا کہ سو رہے تھے' ایک شخص آیا اور اس کو چرا کر چلتا ہوا' لیکن لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' حضرت صفوان کو خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا ''کیا تین درہم (چادر کی یہی قیمت تھی) کے لیے آپؐ اس کا ہاتھ کاٹتے ہیں' میں یہ کمبل اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں' قیمت بعد کو ادا کر دے گا' فرمایا ''میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا''۔ [3]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کی حفاظت حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق کی رات کو تین بار ایک چور آیا اور غلہ چرا کر لے چلا' حضرت ابوہریرہؓ نے اس کو ہر بار پکڑا لیکن اس نے منت سماجت کی تو چھوڑ دیا اخیر میں معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔ [4]

حضرت عروہ بن مسعودؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک سے مشرف باسلام ہو کر اپنے وطن طائف میں واپس آ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ لوگ دشمن

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ [2] طحاوی فی قیام الناس بعضھم لبعض والادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیما۔ [3] ابوداؤد کتاب الحدود باب من سرق حرزہ۔ [4] بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا۔

ہو گئے اور ان کے قتل کا تہیہ کر لیا' چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے اذان دی تو قبیلۂ بنو مالک کے ایک شخص نے تیر مارا اور وہی زخم منجرالی الشہادۃ ہو گیا۔ ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سجا سجا کے آئے اور کہا ''ہم ایک ایک کر کے مر جائیں گے لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک کے دس سردار نہ قتل کر لیں گے ہم کو چین نہ آئے گا'' لیکن حضرت عروہؓ نے فرمایا کہ میرے بارے میں جنگ و جدل نہ کرو میں نے باہمی اصلاح کے لیے اپنے خون کو معاف کر دیا'' [1]

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہبی معاملات میں نہایت سخت تھے لیکن ایک بار طائف کے دو شخصوں نے مسجد نبویؐ میں شور و غل کیا تو انہوں نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ ''مسجد نبوی ﷺ میں شور کرتے ہو اگر شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا'' [2]

عصبیت اور قومی حمیت:

اسلام نے اگرچہ تمام صحابہ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا تاہم ان میں عصبیت اور قومی حمیت باقی تھی اور جب موقع آ جاتا تھا تو دفعتہً یہ چنگاری سلگ اٹھتی تھی۔ حضرت محلم بن جثامۃ اللیثی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عینیہ بن حصن قبیلہ اشجع کے سردار تھے اس لیے انہوں نے مقتول کی حمایت کی' حضرت اقرع بن حابس کا تعلق قبیلہ بنو لیث سے تھا اس لیے وہ قاتل کی حمایت میں اٹھے باہم سخت شور و غل ہوا' بالآخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عینیہ دیت قبول کر لو' صحابہ کرام اگرچہ آپؐ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے تھے' لیکن اس موقع پر عینیہ نے کہا ''خدا کی قسم جس طرح اس نے ہماری عورتوں کو سوگ میں مبتلا کیا ہے اسی طرح میں اس کے قبیلہ کی عورتوں کو سوگوار کر کے چھوڑوں گا'' پھر باہم سخت کشمکش ہوئی آپؐ نے حضرت عینیہ کو پھر دیت لینے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا بالآخر آپؐ نے خود دیت دلا دی'' [3]

واقعہ افک کے متعلق جب آپؐ نے فرمایا من یعذرنی من رجل بلغنی اذاہ فی

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہؓ بن مسعود۔ [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت فی المسجد۔

[3] ابوداؤد کتاب الدیات باب الامام یامر بالعفو بالدم۔

اھلی تو حضرت سعد بن معاذ اٹھے اور فرمایا ''خدا کی قسم! اگر وہ ہمارے قبیلہ اوس کا ہوگا تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج کا ہوگا تو آپؐ جو حکم دیں گے تعمیل ارشاد کریں گے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ قبیلہ خزرج کے سردار تھے ان کی حمیت قومی نے جوش مارا اور بولے ''جھوٹ بکتے ہو خدا کی قسم! تم اس کے قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے'' حضرت اسید بن حضیر اوسی رضی اللہ عنہ کو بھی جوش آ گیا بولے تم جھوٹ بکتے ہو ہم خدا کی قسم! اس کو ضرور قتل کر ڈالیں گے بات اس قدر بڑھی کہ اگر آپ نہ روکتے تو دونوں قبیلوں میں مڈبھیڑ ہو جاتی[1]

شکر الٰہی:

ایک شخص کا بیٹا مر جاتا ہے دولت لٹ جاتی ہے جائیداد تباہ ہو جاتی ہے تو وہ ابتداء میں بدحواس ہو جاتا ہے' لیکن مایوسی مجبوراً صبر کا خوگر بنا دیتی ہے کہ الیاس احدی الراحتین لیکن جب خدا ایک لاولد شخص کو بیٹا دیتا ہے ایک مفلس کو دولت مل جاتی ہے ایک ذلیل شخص معزز ہو جاتا ہے تو دفعتہً اس قدر مغرور اور خود پسند ہو جاتا ہے کہ اس حالت میں اس کو خدا یاد نہیں آتا' اس لیے بعض صوفیہ کا قول ہے کہ ''صبر آسان اور شکر مشکل ہے'' لیکن اسلام کے تمام دور صحابہ کرامؓ کے سامنے تھے وہ بھی جس میں وہ سخت مفلس اور محتاج تھے اور وہ بھی جس میں وہ دولت مند اور متمول ہو گئے تھے پہلے دور میں انہوں نے صبر کیا تھا اور دوسرے دور میں خدا کا شکر ادا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے یتیمی کی حالت میں نشوونما پائی مسکینی کی حالت میں ہجرت کی' کھانے پر ابنۃ غزوان کا ملازم تھا جب وہ لوگ منزل پر اترتے تھے تو ان کے لیے لکڑیاں چن لاتا تھا اور جب وہ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو ان کی حدی خوانی کرتا تھا' لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مذہب نے قوت حاصل کر لی ہے اور ابو ہریرہ امام بن گیا ہے''۔[2]

ایک بار مدینہ کے کچھ لوگ ان کی خدمت میں آئے تو انہوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ گھر سے کھانا مانگ لاؤ وہ گئے تو ان کی والدہ نے تین روٹیاں زیتون کے تیل

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضاً۔

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الرھون باب اجارۃ الاجیر علی طعام بطنہ۔

اور نمک کے ساتھ بھیج دیں وہ سب کے سامنے رکھی گئیں تو حضرت ابو ہریرہؓ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور کہا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے روٹی سے ہمارا پیٹ بھرا حالانکہ اس سے پہلے ہماری غذا کھجور اور پانی کے سوا کچھ نہ تھی۔[1]

حضرت سلمان فارسیؓ کھانا کھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اس خدا کا شکر ہے جو ہمارا کفیل ہوا اور ہمارے رزق میں وسعت دی۔[2]

ایک بار حضرت عمرؓ نے نیا کپڑا پہنا تو فرمایا کہ میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھ کو کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں اور زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں۔[3]

استغناء:

کیمیا اگر خاک کو سونا بنا دیتی ہے تو استغناء اور بے نیازی سونے کے ڈلے کو تو دۂ خاک بنا دیتے ہیں صحابہ کرام کو اسی کیمیا کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا اس لیے وہ ہوس پرست کیمیا گروں کی طرح سونے کی حرص میں خاک نہیں چھانتے بلکہ ان کے سامنے لعل و گہر بھی آ جاتے تھے تو ان کو بے پروائی کے ساتھ سنگریزوں کی طرح ٹھکرا دیتے تھے۔

مال خمس میں سے ایک حصہ اہل بیت کو ملتا تھا جس کی تقسیم کا انتظام رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے متعلق کر دیا تھا' شیخین کے زمانہ میں بھی وہ اسی خدمت پر مامور تھے' ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کہیں سے بہت سا مال آیا اور انہوں نے حسب معمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دینا چاہا تو بولے ''اس سال ہم تو اس سے بے نیاز ہیں البتہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے انہیں کو دے دیجئے'' چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا''۔[4]

ایک بار عبدالعزیز بن مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ ''میرے دربار میں اپنی ضرورتیں پیش کیجئے۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔ [3] ترغیب وترہیب جلد ۲ ص ۵۸۔

[4] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی۔

ہے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے پہلے اس شخص کو دو جس کے تم کفیل ہو نہ میں تم سے کچھ مانگتا اور نہ اس رزق کو واپس کرتا جو خدا مجھ کو تمہارے ذریعہ سے دیتا ہے۔'' [1]

ایک بار حضرت وائل بن حجرؓ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے انہوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کو عطیہ دینا اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ ''ہم اس سے بے نیاز ہیں جو اس کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں وہ اس کو قبول کریں گے۔'' [2]

ایک بار حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو تیس ہزار درہم دینا چاہے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ [3]

شرم وحیا:

حدیث میں آیا ہے:

الحياء شعبة من الايمان. [4] ''حیا ایمان کی شاخ ہے''۔

صحابہ کرامؓ کے کشت دل میں ایمان کی یہ شاخ اس قدر سرسبز و شاداب تھی کہ بہت سے صحابہ کو بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونے میں بھی شرم آتی تھی اور قضائے حاجت کی حالت میں بھی حیا دامن گیر ہوتی تھی چنانچہ یہ آیت انہیں لوگوں کی شان میں نازل ہوئی:

﴿ اَلَا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ﴾ [5]

حضرت عثمان کی شرم و حیاء کا یہ حال تھا کہ دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے [6] نہانے کے بعد ان کی بی بی کی لونڈی کپڑے پہننے کے لیے لاتی تھی تو کہہ دیتے تھے کہ میری طرف نہ دیکھنا کیونکہ تمہارے لیے یہ جائز نہیں [7] خود رسول اللہ ﷺ ان کی شرم و حیا کا لحاظ رکھتے تھے ایک بار آپ کی خدمت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے اس وقت آپ گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران کھلی ہوئی تھی لیکن جب حضرت عثمان آئے تو آپؐ نے اس کو ڈھانک لیا' حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۔ [2] استیعاب تذکرہ وائل بن حجر۔ [3] ایضاً تذکرہ عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ۔
[4] بخاری کتاب الایمان۔ [5] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ ہود باب تفسیر ہذہ الآیہ۔
[6] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۷۲ مسند عثمان۔ [7] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمان۔

پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ شرمیلے آدمی ہیں اگر میں اسی حالت میں رہتا تو وہ اپنی حاجت نہ پیش کرتے۔"[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اندھیرے گھر میں نہاتے تھے' تاہم شرم کے مارے سیدھے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ سکڑے رہتے تھے ایک دفعہ چند لوگوں کو دیکھا کہ پانی میں بغیر تہبند باندھے ہوئے کھڑے ہیں' بولے مجھے یہ پسند ہے کہ مر کر زندہ ہوں پھر مروں' پھر زندہ ہوں' پھر مروں پھر زندہ ہوں' لیکن یہ بے حیائی پسند نہیں'' ان کو ستر عورت کا اس قدر خیال تھا کہ سونے کی حالت میں خاص کپڑے پہن لیتے تھے کہ مبادا حالت خواب میں کشف عورت ہو جائے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حمام میں گئے دیکھا کہ کچھ لوگ برہنہ نہا رہے تھے' آنکھ بند کر کے فوراً واپس آئے' حمامی کو معلوم ہوا تو اس نے سب کو نکال کر اور حمام کو خوب پاک و صاف کر کے ان کو بلوایا اور کہا کہ اب حمام میں کوئی نہیں اندر داخل ہوئے تو پانی نہایت گرم تھا' بولے کتنا برا گھر ہے جس سے حیا نکال دی گئی ہے اور کتنا اچھا گھر ہے جس سے آدمی چاہے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے یعنی دوزخ کو یاد کر سکتا ہے' ایک دن ان سے کسی نے کہا کہ آپ حمام کیوں نہیں کرتے؟'' بولے' میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری شرمگاہ پر کسی کی نگاہ پڑے' اس نے کہا تو تہبند باندھ لیجئے' بولے میں کسی دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔[3]

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما ایک روز غسل کر رہے تھے ان کے والد حضرت عامر رضی اللہ عنہ ایک یتیم بچے کی پرورش کرتے تھے وہ بھی ساتھ نہا رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے کے بدن پر پانی ڈال رہے تھے' حضرت عامرؓ نے دیکھا تو کہا کہ'' ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہے ہو' خدا کی قسم ہم تم کو اپنے آپ سے اچھا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ عہد اسلام میں پیدا ہوئے ہیں جاہلیت کے زمانے میں نہیں پیدا ہوئے لیکن خدا کی

---

[1] مسلم کتاب المناقب فضائل عثمانؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

[3] ایضاً تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

قسم! تم لوگ بڑے ناخلف ہو''۔[1]

طہارت و نظافت:

صحابہ کرام نہایت طہارت و نظافت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اہل عرب عموماً قضائے حاجت کے بعد پانی سے آبدست نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کرام میں اہل قباء پانی سے آبدست لیتے تھے اور عرب کی حالت کے لحاظ سے یہ ایک ایسی عظیم الشان فضیلت تھی کہ اس کہ متعلق قرآن پاک میں ایک خاص آیت نازل ہوئی:

﴿ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾[2]

''مسجد قبا میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی طہارت کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔

ان کے علاوہ اور صحابہ بھی طہارت کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ شیشے میں پیشاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنو اسرائیل کے جسم پر اگر پیشاب کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں تو اس کو قینچی سے کتر دیتے تھے۔[3]

حضرت عثمان کو طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ جب سے اسلام لائے معمولاً ایک بار روزانہ غسل کرتے تھے۔[4]

حضرت صرمہ بن انسؓ کی طہارت پسندی کا یہ حال تھا کہ جس گھر میں کوئی جنب مرد یا حائضہ عورت ہوتی تھی اس کے اندر نہیں جاتے تھے۔[5]

صحابہ کرامؓ اگرچہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم غسل و طہارت کے لیے حضرت انسؓ کے گھر میں ایک حمام موجود تھا۔[6]

---

[1] موطائے امام محمد ابواب السیر باب الرجل ینظر الی عورۃ الرجل۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالماء حدیث میں اس آیت کا آخری ٹکڑا نہیں ہے ہم نے بڑھا دیا ہے۔

[3] مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ا ص ٦٧ مسند عثمان۔

[5] اصابہ تذکرہ حضرت صرمہ بن انسؓ۔ [6] بخاری کتاب الصوم باب اغتسال الصائم۔

نجاست کی حالت میں رہنا صحابہ کرام کو اس قدر گراں تھا کہ جب یہ حالت زائل ہو جاتی تھی تو گویا ان کے سر کا بار اتر جاتا تھا۔

حضرت ابوذرؓ مقام ربذہ میں اونٹ اور بکریاں چراتے تھے' چونکہ میدان میں پانی میسر نہیں آتا تھا اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حالت جنابت میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے اس لیے جب ان کو غسل کی حاجت ہوتی تھی تو پانچ پانچ چھ چھ روز تک ناپاک رہ جاتے تھے لیکن ان پر نجاست کا یہ زمانہ اس قدر شاق گزرتا تھا کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے اس غلطی پر تنبیہ کی اور پانی منگوا کر نہلوایا تو ان کو محسوس ہوا کہ:

فکانی القیت عنی جبلا.[1]

''گویا مجھ پر ایک پہاڑ لدا ہوا تھا جس کو اب میں نے اپنے اوپر سے پھینک دیا''۔

سخت سے سخت خود فراموشانہ مصیبت میں بھی صحابہ کرام کو طہارت و نظافت کا خیال رہتا تھا' کفار جب حضرت خبیب کو گرفتار کر کے لے گئے اور قتل کرنا چاہا تو انہوں نے اس آخری وقت میں سب سے پہلے استرہ طلب کیا۔[2]

حضرت ابوسعید خدریؓ کے نزع کا وقت آیا تو نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس کپڑے میں مرے گا اسی میں اس کا حشر ہوگا''۔[3]

اگرچہ صحابہ کرام کو زیب و زینت کی پرواہ نہ تھی تاہم وہ طہارت و نظافت کی وجہ سے بالکل راہبانہ زندگی بھی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے' حضرت ابوقتادہ انصاریؓ نے بال رکھ چھوڑے تھے' رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''میں بالوں میں کنگھی کروں؟'' فرمایا ''ہاں کنگھی کرو اور اس کو گرد و غبار سے بچاؤ'' اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ وہ بسا اوقات دن میں دو بار ان میں تیل لگاتے تھے[4] حضرت عمرؓ ریزہائے مشک کا استعمال کرتے تھے۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الجنب تیمم۔ [2] ابوداؤد کتاب الجنائز باب المریض یوخذ من اظفارہ وعانیہ۔
[3] ابوداؤد کتاب الجنائز باب تطہیر ثیاب المیت۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب اصلاح الشعر۔
[5] موطائے امام محمد ابواب السیر باب الطیب للرجل

زندہ دلی:

اسلام نے صحابہ کرامؓ کے جذبات کو تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا' اس لیے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی اور وہ مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتے تھے تمام صحابہ عید کے دن خوشیاں مناتے تھے' دعوتیں کرتے تھے اور ہمسایوں کو کھانا کھلاتے تھے' قربانی نماز کے بعد کی جاتی ہے لیکن ایک صحابی نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر دی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کھانے پینے کا دن تھا اس لیے میں نے جلدی کی خود کھایا بچوں اور ہمسایوں کو کھلایا۔[1]

عید کے دن معمولاً چھوکرے اور چھوکریاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔[2]

اخیر زمانہ میں جب اس کا رواج جاتا رہا تو حضرت قیس بن سعدؓ نے فرمایا آپ کے عہد کی کل چیزیں مجھ کو نظر آتی ہیں بجز اس کے کہ میں عید کے دن بچوں کو گاتے بجاتے نہیں دیکھتا حضرت عیاض اشعریؓ انبار میں تھے عید کا دن آیا تو تعجب سے پوچھا کہ جس طرح آپ کے عہد میں بچے گاتے بجاتے تھے' اسی طرح تم لوگ کیوں نہیں گاتے بجاتے۔[3]

خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ کرامؓ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے اشعار پڑھتے تھے اور آپ بھی ان تذکروں کو سن کر کبھی کبھی مسکرا دیتے تھے۔[4]

حضرت ریاحؓ ایک صحابی تھے جو عرب کی ایک لے کے بڑے ماہر تھے وہ ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ تھے انہوں نے الاپنا شروع کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا یہ کیا؟ بولے ''کوئی حرج نہیں اس سے دل بہلاتے ہیں اور راستہ کی کلفت دور کرتے ہیں''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاضاحی باب مایجوز من السن فی الضحایا۔

[2] بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین اہل الاسلام۔

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی التقلیس یوم العید و بخاری۔

[4] شمائل ترمذی باب ماجاء فی صفۃ کلام رسول اللہ فی الشعر۔

[5] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۶۲ تذکرہ ریاح بن المعترفؓ۔

ایک بار حضرت عمرؓ سفر حج میں تھے قافلہ کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے لوگوں نے حضرت خواتؓ سے کہا کہ ضرار بن خطاب کے اشعار گاؤ حضرت عمرؓ بولے کہ ''ان کو اپنے ہی نتیجہ افکار سنانے دو'' چنانچہ وہ صبح تک متصل گاتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اب بس کرو''۔[1]

کبھی کبھی یہ زندہ دلی سنجیدہ ظرافت کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔

ایک بار حضرت صہیبؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھی' آپؐ نے پاس بلا کر ان کو شریک کر لیا وہ کھجور کھانے لگے' کھجور آشوب چشم کے لیے مضر ہے اس لیے آپؐ نے ٹوکا کہ تمہاری آنکھوں میں آشوب ہے بولے ''یا رسول اللہ ﷺ آنکھ کے اس گوشہ سے کھاتا ہوں جس میں آشوب نہیں'' آپ مسکرا دیے۔[2]

غزوہ تبوک کے زمانے میں آپؐ ایک چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے ایک صحابی آئے اور سلام کیا آپؐ نے جواب سلام کے بعد فرمایا ''اندر آ جاؤ'' بولے ''اپنے پورے جسم کے ساتھ یا رسول اللہ[3] یعنی اس میں یہ ظریفانہ تعریض تھی کہ خیمہ اس قدر تنگ ہے کہ پورا جسم بہ مشکل اس کے اندر آ سکتا ہے۔

کبھی کبھی باہم دوڑ میں مردانہ وار مسابقت کرتے تھے ایک انصاری صحابی تھے جن کا دوڑ میں کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا' ایک غزوہ میں وہ فخریہ لہجے میں بار بار کہہ رہے تھے کیا کوئی مدینہ تک دوڑ میں میرا مقابلہ کرے گا؟ کیا کوئی مقابلہ کرنے والا ہے؟'' حضرت سلمہؓ بن اکوع کے کان میں یہ آواز پہنچی تو بولے ''تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے؟ کسی شریف آدمی سے نہیں ڈرتے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی سے نہیں''۔ بالآخر حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے آپؐ سے اجازت لے کر دوڑ میں ان کا مقابلہ کیا اور بازی جیت لی۔[4]

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیرؓ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۶۱۔
[3] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا۔ [4] ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔

کبھی کبھی سیر و شکار بھی کر لیتے تھے' حضرت ابوقتادہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے لیکن احرام نہیں باندھا تھا راہ میں ایک جنگلی گدھا نظر آیا' گھوڑے پر سوار ہوئے ہاتھ میں برچھا لیا اور گدھے کو جا کر ایسا برچھا مارا کہ وہ ڈھیر ہو کر رہ گیا۔[1]

حضرت صفوان بن محمدؓ نے ایک بار دو خرگوشوں کا شکار کیا اور ان کو پتھر سے ذبح کیا آپؐ سے دریافت فرمایا تو آپؐ نے ان کو حلال قرار دیا۔[2]

صحابہ کرامؓ میں حضرت عدی بن حاتمؓ اور حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ مشہور شکاری تھے اس غرض سے باز اور کتے پال رکھے تھے اور ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی' تیر کمان سے بھی شکار کرتے تھے اور تین تین دن تک شکار کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہتے تھے[3] لیکن یہ زندہ دلی اسی وقت تک تھی جب تک کوئی مذہبی کام پیش نہ آتا' لیکن جب کوئی دینی کام پیش آجاتا تو یہ تمام چیزیں خواب فراموش ہو جاتیں اور صحابہ کرامؓ اس کی ذمہ داریوں کی گرانباری سے بدحواس ہو جاتے الادب المفرد میں ہے:

لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متحزقین و لا متما و تین و کانو یتناشدون الشعر فی مجالسھم و یذکرون امر جاھلیتھم فاذا ارید احد منھم من شئی من امر اللہ دارت حما لیق عینیہ کانہ مجنون.

''اصحاب رسول اللہ ﷺ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے اپنی صحبتوں میں اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے لیکن جب کوئی دینی کام آپڑتا تو ان کی آنکھیں اس طرح الٹ جاتیں کہ گویا وہ پاگل ہیں''۔

پابندی عہد:

معاہدہ ایک نازک رشتہ ہے جس کو صرف اخلاقی طاقت ہی مضبوط بنا سکتی ہے صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاقی طاقت موجود تھی اس لیے وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس رشتہ کو قائم رکھتے تھے ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا' ابھی مدت معاہدہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الذبیحۃ بالمروۃ

[2] ابوداؤد کتاب الاضاحی باب فی الصید۔ [3] ادب المفرد باب الکبر

گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاریاں کر دیں کہ مدت گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبسہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور فرمایا ''اللہ اکبر وفا کرنی چاہیے' بے وفائی اور بدعہدی سزاوار نہیں''۔[1]

اُمیہ بن خلف اسلام کے الدالاعدا میں تھا اس میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مکہ میں ان کی جان و مال کی حفاظت کرے گا اور وہ مدینہ میں اس کی جان و مال کی حفاظت کریں گے غزوہ بدر پیش آیا اور لوگ سو گئے تو وہ اس کی حفاظت کو نکلے حضرت بلالؓ نے امیہ کو دیکھ لیا اور انصار کی ایک مجلس میں آ کے کہا کہ اگر امیہ بچ کے نکل گیا تو میری جان کی خیر نہیں' انصار کے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو لیے اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف گھبرائے کہ کہیں وہ لوگ ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں' مجبوراً امیہ کے بیٹے کو اس لیے پیچھے کر دیا کہ وہ لوگ اسی کے قتل میں الجھے رہیں انصار نے اس کو قتل کر کے ان لوگوں کا پیچھا کیا امیہ نہایت فربہ آدمی تھا جب وہ لوگ پاس آ گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ گیا تو اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا لیکن صحابہ نے ان کو بچا کر ادھر ادھر سے تلواریں لگائیں یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا اور خود ان کے پاؤں میں زخم آئے۔[2]

معاہدہ تو ایک بڑی چیز ہے صحابہ کرام معمولی وعدے کو بھی لازمی طور پر پورا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ ''میں فلاں دن سفر کرنے والا ہوں' میرے سفر کا سامان کر دو'' انہوں نے سامان کرنا شروع کر دیا جب روانگی کا وقت آیا تو بولے کہ ذرا سی کسر رہ گئی ہے' اگر آپ ٹھہر جاتے تو میں اس کو پورا کر دیتا' بولے میں گھر کے لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ فلاں دن سفر کروں گا اب اگر ان سے جھوٹ بولتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے جھوٹ بولیں گے ان سے خیانت کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے خیانت کریں گے ان سے وعدہ خلافی کرتا ہوں تو وہ بھی مجھ سے وعدہ خلافی کریں گے'

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو العہد فیسیر الیہ۔

[2] بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب اوفی دار الاسلام جاز۔

چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ سامان سفر نامکمل ہے۔[1]

راز داری:

راز داری ایک امانت ہے اور دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اس امانت کا بار اٹھا سکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کا سینہ راز کا مدفن تھا جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا ایک دن حضرت انس بن مالکؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے رسول اللہ ﷺ آئے اور ان کو کسی ضرورت سے بھیج دیا۔ اس کے پورا کرنے میں دیر ہو گئی گھر آئے تو ماں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے؟ بولے ''آپؐ نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا'' بولیں ''وہ کیا؟'' انہوں نے کہا وہ ایک راز ہے' بولیں آپ کا راز کسی سے نہ کہنا' چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ نے اس کو اس طرح محفوظ رکھا کہ جب حضرت ثابتؓ سے یہ واقعہ بیان کیا' تو فرمایا کہ ''میں نے اگر وہ راز کسی سے بیان کیا ہوتا تو تم سے ضرور بیان کرتا''۔[2]

ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حالت میں آ گئیں' آپؐ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ کر رو پڑیں' پھر آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپؐ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ پوچھی بولیں آپؐ کی زندگی میں آپؐ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔[3]

حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی منگنی کرنی چاہی لیکن انہوں نے کہا ''میں اس سے معذور ہوں'' اب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی وہ خاموش ہو رہے' حضرت عمر کو پہلی ناکامی کے بعد دوسری ناکامی کا بہت رنج ہوا اس کے چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود نکاح کا پیغام بھیجا' نکاح ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنے رنج کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا ذکر مخفی طور پر کیا تھا' لیکن میں آپ کا راز فاش کرنا پسند

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۵۳

[3] مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ۔

نہیں کرتا تھا' اگر آپؐ نکاح نہ کرتے تو میں ضرور نکاح کر لیتا"۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ میں منافقین کے نام صرف حضرت حذیفہ کو بتائے تھے اس لیے وہ صاحب سر رسول اللہ کے لقب سے ممتاز تھے[2] حضرت حذیفہؓ نے اس راز کو عمر بھر فاش نہیں کیا ایک بار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے" بولے "ایک شخص ہے لیکن نام نہ بتاؤں گا"[3] ایک بار انہوں نے کہا کہ اب صرف چار منافق رہ گئے ہیں' ایک بدو نے کہا' آپ لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں ہم کو ان کی کچھ خبر نہیں ہے' آپ ہم کو ان کے نام بتایئے آخر کون لوگ ہیں جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور اسباب چرا لے جاتے ہیں؟" بولے "یہ تو بدکار لوگ ہیں' منافق صرف چار ہیں' جن میں ایک اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی بھی پیے تب بھی اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس نہ ہو"۔[4]

جانوروں پر شفقت:

صحابہ کرامؓ جس طرح انسانوں کے درد دکھ کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی طرح ان کو جانوروں کی اذیت و تکلیف بھی گوارہ نہ تھی' حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم منزل پر اترتے تھے تو پہلے اونٹوں کا کجاوہ کھول لیتے تھے' پھر نماز پڑھتے تھے۔[5]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک چرواہا ایک جگہ اپنی بکریاں چرا رہا ہے ان کو دوسری جگہ اس سے بہتر نظر آئی تو اس سے کہا کہ "وہاں لے جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔[6]

ایک دن آپؐ سے ایک صحابی نے کہا "یا رسول اللہؐ مجھے بکری ذبح کرنے پر رحم

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حفصہؓ۔ [2] بخاری کتاب الاستیذان باب من القی لہ وسادۃ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حذیفہؓ۔ [4] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ براۃ تفسیر وقاتلوا ائمۃ الکفر۔

[5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم۔

[6] ادب المفرد باب من اشار علی اخیہ وان لم یستشر۔

آتا ہے فرمایا' اگر اس پر رحم کرو گے' تو خدا تم پر بھی رحم کرے گا''۔[1]

ایک دن کچھ لوگ حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ''ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو کوڑا مارتا ہے اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت سنی ہے'' بولے' نہیں' اندر سے ایک خاتون بولیں خدا خود کہتا ہے:

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾

''زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمہاری ہی طرح ایک امت ہیں''۔

یعنی وہ بھی قابل رحم ہیں۔ دونوں نے کہا' یہ ہماری بڑی بہن ہیں۔[2]

غیرت:

صحابہ کرامؓ اگرچہ فخر وغرور سے سخت نفور تھے تاہم انہوں نے نہایت غیور طبیعت پائی تھی۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جلوہ افروز تھے' حضرت زینبؓ نے آپؐ کے لیے ایک پیالے میں کھانا بھیجا' حضرت عائشہؓ نے اس کو پٹک دیا اور وہ چور چور ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا:

غارت امکم۔ ''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی''۔

حضرت عمرؓ اس قدر غیور تھے کہ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں جنت نظر آئی جس میں ایک محل کے گوشے میں ایک عورت وضو کر رہی تھی' میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟'' جواب ملا کہ عمر کا میں نے اس میں داخل ہونا چاہا' لیکن عمر کی غیرت کے خیال سے واپس آیا''۔[3]

حضرت عمر کی بیوی حضرت عاتکہؓ نماز فجر اور عشاء جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتی تھیں اور حضرت عمر کو یہ سخت ناگوار تھا تاہم چونکہ رسول اللہؐ نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دی تھی اس لیے منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۴۔ [2] اصابہ تذکرہ حضرت عبیداللہ بن بشر المازنی۔ [3] بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ۔ [4] بخاری کتاب الجمعہ باب علی من لم یشہد الجمعہ غسل من النساء والصبیان وغیرہم۔

حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ "میں اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے گھر کا تمام کام خود کرتی تھی چنانچہ ایک بار وہ بڑی دور سے سر پر کھجوروں کی گٹھڑی لا رہی تھیں، راستہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی اور آپؐ نے مجھ کو اپنے پیچھے سوار کر لینا چاہا لیکن میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی غیرت کے خیال سے سوار نہیں ہوئی[1]

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ﴾

"جو لوگ پاکدامن بیبیوں پر تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لاسکیں ان کو اسی کوڑے مارو اور (آئندہ) ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو"۔

تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ آپؐ نے انصار سے کہا "دیکھو تمہارے سردار کیا کہتے ہیں؟ انصار نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان کو ملامت نہ کیجئے وہ سخت غیور آدمی ہیں باکرہ عورت کے سوا کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا اور جب کسی عورت کو طلاق دی تو ان کی غیرت کے خیال سے ہم میں کسی نے اس سے نکاح کرنے کی جرات نہیں کی"۔ حضرت سعد بن عبادہؓ بولے یا رسول اللہ بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہوا کہ میں ایک عورت کو دیکھوں کہ اسے ایک شخص اپنی ران پر بٹھائے ہے اور اس کو میں اس وقت تک کچھ نہ کہہ سکوں جب تک چار گواہ نہ جمع کرلوں[2]

---

[1] مسلم کتاب السلام باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔

[2] مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۳۴۷۔

حسنِ معاشرت

صلہ رحم:

تمدن کی ابتداء درحقیقت صلہ رحمی سے ہوتی ہے اگر باپ بیٹے کو بیٹا باپ کو بھائی بھائی کو چھوڑ دے تو نوع انسان جانوروں کا ایک ریوڑ بن جائے اس بناپر قرآن وحدیث دونوں میں صلہ رحمی کی نہایت فضیلت بیان کی گئی ہے اور صحابہ کرام میں یہ فضیلت عموماً پائی جاتی تھی۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ کے قرابت دار تھے اس لیے وہ ان کی کفالت کرتے تھے[1] حضرت حفصہؓ نے اپنا گھر حضرت زید بن خطابؓ کی بیٹی کو عمر بھر کے لیے دے دیا تھا۔[2]

ایک صحابی تھے جو اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرتے تھے اور ان کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ پیش آتے تھے مگر ادھر سے تمام چیزوں کا جواب الٹا ملتا تھا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی فرمایا کہ ''جب تک تم اس حالت کو قائم رکھو گے خدا کی جانب سے ان کے مقابل میں تمہارا ایک مددگار رہے گا۔[3]

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ' نہایت اچھا سلوک کرتی تھیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

و لم ارامراۃ قط خیرا فی الدین من زینب و اتقی للہ و اصدق حدیثا و اوصل للرحم.[4]

''میں نے زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیز گار زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی''۔

---

[1] بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا۔

[2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیۃ باب فی القضاء فی العمری۔ [3] ادب المفرد باب فضل صلۃ الرحم۔

[4] مسلم کتاب الفضائل باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا

ایک بار حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ان کا سالانہ وظیفہ جس کی مقدار بارہ ہزار درہم تھی بھیجا تو انہوں نے یہ رقم اپنے اعزہ کو تقسیم کر دی [1]

حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ جو فیاضیاں کیں ان کا محرک یہی صلہ رحمی تھی جس کا اظہار انہوں نے عام طور پر کر دیا تھا۔[2]

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد حضرت عائشہؓ سے وراثۃً پائی تھی' جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ پر خرید لیا' لیکن انہوں نے اس رقم کو حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ابی عتیق پر ہبہ کر دیا[3] حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ قاسم کو حضرت عائشہ کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے ان کی دل شکنی کے خیال سے یہ رقم ان کو دے دی۔

صحابہ کرام کو صلہ رحمی کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ الگ الگ کھیلو مل جل کر رہو گے تو تم میں جھگڑا فساد ہو گا اور قطع رحم کرو گے''[4]

یہ حسن سلوک صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ صحابہ کرامؓ اپنے ان اعزہ و اقارب کے ساتھ بھی جو کافر تھے اسی قسم کا فیاضانہ برتاؤ کرتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو ایک ریشمی جوڑا دیا تو انہوں نے اس کو اپنے ایک مشرک بھائی کے پاس بھیج دیا جو کفر زار مکہ میں اقامت گزین تھا۔[5]

حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ گئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی' حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں''۔[6]

حضرت حفصہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی[7]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۲۔
[3] بخاری کتاب الھبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ۔ [4] ادب المفرد باب التفرقۃ بین الاحداث
[5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اللبس للجمعہ۔ [6] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔
[7] مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاہل الذمۃ۔

ماں باپ کے ساتھ سلوک:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والدین کی خدمت' اطاعت' اعانت اور ادب و احترام کا نہایت لحاظ کرتے تھے' ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''میرے پاس دولت ہے اور میرا باپ اس کا محتاج ہے'' ارشاد ہوا کہ ''تم اور تمہاری دولت دونوں تمہارے باپ کے ہیں''۔[1]

ایک دوسرے صحابی نے ایک باغ کو عمر بھر کے لیے اپنی ماں پر وقف کر دیا۔[2]

ایک بار کفار نے رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی' حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپؐ کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔[3]

ایک صحابی نے خانہ کعبہ تک پا پیادہ چلنے کی نذر مانی تھی لیکن بڑھاپے کی وجہ سے بغیر سہارے کے نہیں چل سکتے تھے اس لیے ان کے دونوں لڑکے ان کو ٹیک کر لائے اور حج کروایا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ ''سوار ہو جاؤ خدا کو تمہاری اور تمہاری نذر کی ضرورت نہیں''۔[4]

ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ ''میرا شوہر میرے لڑکے کو چھین لینا چاہتا ہے' حالانکہ وہ مجھے فائدہ پہنچاتا تھا اور میرے لیے کنوئیں سے پانی بھر کر لاتا تھا''۔ آپؐ نے حکم دیا کہ قرعہ اندازی کر لو' باپ نے کہا کہ ''میرے لڑکے میں کون دعویدار ہو سکتا ہے؟'' آپؐ نے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو'' لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔[5]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگرچہ جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاہم جب ان کے والد نے اصرار کیا تو اطاعت کے خیال سے مجبوراً شریک ہو گئے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ۔ [2] ایضاً باب من قال فیہ ولعقبہ
[3] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیا من الاذی۔
[4] مسلم کتاب النذر باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ۔ [5] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔

ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بولے ''مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ روزہ رکھو' نماز پڑھو' سوؤ اور اپنے باپ کی اطاعت کرو' تو صفین کی شرکت کے لیے میرے باپ نے مجبور کیا' اس لیے میں شریک ہوا لیکن نہ تلوار اٹھائی نہ نیزہ مارا نہ تیر چلایا''۔[1]

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کھجور کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی' لیکن ایک بار حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کھجور کے ایک درخت میں شگاف کیا اور اس سے جمار نکالا' لوگوں نے کہا ''ایسا کیوں کرتے ہو؟ کھجور کا درخت تو بہت بیش قیمت ہوگیا ہے''۔ بولے میری ماں نے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی اور جہاں تک ہوسکتا ہے ان کی فرمائشوں کی تعمیل کرتا ہوں''۔[2]

مروان اکثر حضرت ابو ہریرہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کرتا تھا' اس تعلق سے وہ ایک بار ذی الحلیفہ میں مقیم تھے اور ان کی والدہ الگ دوسرے گھر میں تھیں جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہتے ''السلام علیکم یا امتاہ و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ '' وہ فرماتیں ''وعلیک یا بنی و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' پھر وہ فرماتے' خدا تم پر اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بچپن میں مجھ کو پالا' وہ جواب دیتیں کہ خدا تم پر بھی اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بڑے ہوکر میرے ساتھ سلوک کیا' جب گھر میں داخل ہوتے تب بھی اسی طرح آداب بجالاتے۔[3]

ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں انہوں نے ان کو چھوڑ کر حج کرنا پسند نہیں کیا۔[4]

باپ کے تعلق سے باپ کے دوست واحباب بھی قابل تعظیم و مستحق خدمت ہو جاتے ہیں' اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے۔

ابر البران یصل الرجل و دابیہ.

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسامہ بن زیدؓ۔
[3] ادب المفرد باب جزاء الوالدین۔ [4] مسلم کتاب الایمان باب ثواب العبد اجرہ اذا نصح سیدہ واحسن عبادۃ اللہ۔

"سب سے زیادہ حسن سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست سے بھی سلوک کرے"۔

صحابہ کرام اس حدیث پر اس شدت سے عمل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں تھے۔ راہ میں ایک بدو ملا' انہوں نے اس کو اپنا عمامہ عنایت فرمایا اور اس کو اپنے گدھے پر سوار کرایا' لوگوں نے کہا "یہ تو بدو ہیں' ذرا سی چیز میں راضی ہو جاتے ہیں' بولے اس کا باپ ابن الخطاب کا دوست تھا اور حدیث میں ہے کہ باپ کے دوست کی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا بڑی نیکی کا کام ہے"۔[1]

حضرت ابوالدرداءؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ سفر کر کے ان کی عیادت کو گئے' انہوں نے پوچھا کہ "اس شہر میں کیوں آئے"؟ بولے صرف اس لیے کہ آپ میں اور میرے والد میں دوستانہ تعلقات تھے"۔[2]

بھائی سے محبت:

صحابہ کرامؓ بھائیوں سے نہایت محبت رکھتے تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا مقام حبش میں انتقال ہوا' اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرط محبت سے ان کی قبر کی زیارت کو آئیں اور ایک مشہور مرثیے کے اشعار پڑھے:

و کنا کندمانی جذیمة حقبة　　من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کانی و مالکا　　لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی زید سے اس قدر محبت تھی کہ وہ غزوۂ یمامہ میں

---

[1] مسلم کتاب البر والصلہ والآداب فضل اصدقاء الاب والام ونحوہما۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۴۵

[3] ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الزیارۃ للقبور للنساء

شہید ہوئے تو عمر بھر ان کا داغ دل سے نہ مٹ سکا' فرمایا کرتے تھے کہ "جب پروا ہوا چلتی ہے تو اس سے مجھے زید کی خوشبو آتی ہے"۔[1]

حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہؓ ان کا حال معلوم کرنے آئیں تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے ملاقات ہوئی' لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ان کی نسبت کچھ معلوم نہیں' رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ان کے لیے دعا کی انہوں نے انا للہ پڑھا اور رونے لگیں۔[2]

محبتِ اولاد:

اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس لیے صحابہ کرام اولاد سے نہایت محبت رکھتے تھے ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ "میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گھروندا تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب تک نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو"۔[3]

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت آئی انہوں نے اس کو تین کھجوریں دیں اس نے ایک ایک بچوں کو دے دی اور ایک اپنے لیے رکھ چھوڑی' بچے کھجور کھا چکے تو ماں کی طرف دیکھنے لگے اس نے اپنے حصے میں سے بھی دو قاشیں کیں اور ایک ایک بچوں کو دے دی' حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا تمہیں تعجب کیا ہے اس کے رحم کے بدلے جو اس نے اپنے بچوں پر کیا خدا نے اس پر بھی رحم کیا"۔[4]

ایک بار حضرت عائشہؓ بخار میں مبتلا ہوئیں حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے حال پوچھا اور منہ چوم لیا۔[5]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۲۹ تذکرہ زید بن الخطابؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ۔
[3] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد۔ [4] ادب المفرد باب الوالدات رحیمات
[5] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الخد۔

ایک صحابی کا بچہ جاتا رہا ان کو سخت صدمہ ہوا' انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا "کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے یہ غم غلط ہو جائے' بولے آپ نے فرمایا ہے کہ بچے جنت کے کیڑے ہیں"۔[1]

ایک صحابی آپ کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے اور اس کو چمٹانے لگے' آپؐ نے فرمایا' تم کو اس سے محبت ہے؟' بولے ہاں فرمایا' اس سے زیادہ تم سے ارحم الراحمین کو محبت ہے"۔[2]

حضرت عثمانؓ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جب ان کے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو منگاتے اور فرط محبت سے سونگھتے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے سالم کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ لوگ ان کو اس شیفتگی پر ملامت کرتے لیکن وہ ان ملامتوں کو سن کر فرماتے:

یلو موننی فی سالم و الومھم[4] و جلدہ بین العین و الانف سالم۔

"مجھے لوگ سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں اور میں لوگوں کو ملامت کرتا ہوں' کیونکہ سالم کا چہرہ آنکھ اور ناک کے درمیان تمام عیوب سے پاک ہے"۔

اسی محبت کی بناء پر صحابہ کرام کو بچے کے پیدا ہونے کی بڑی تمنا رہتی تھی' حضرت سہل بن حنظلہؓ ایک صحابی تھے جو ترک دنیا کر کے بالکل عزلت گزین ہو گئے تھے تاہم اولاد کی اس قدر خواہش تھی کہ فرماتے تھے کہ "اگر میرے ایک ادھورا بچہ بھی پیدا ہو جاتا تو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا"۔[5]

اگر کوئی شخص اپنی اولاد سے محبت کا اظہار نہ کرتا تو صحابہ کرامؓ اس کو نہایت برا سمجھتے ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا' اس نے کہا "میرے متعدد لڑکے ہیں' مگر میں نے کسی کو نہیں چوما" بولے' خدا صرف محبت کیش آدمیوں پر رحم کرتا ہے"۔[6]

---

[1] ادب المفرد باب فضل من مات لہ الولد۔ [2] ادب المفرد باب رحمۃ العیال

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ سالم بن عبداللہؒ۔

[5] استیعاب تذکرہ حضرت سہل بن حنظلہؓ۔ [6] ادب المفرد باب من لا یرحم لم یرحم۔

یہ محبت صرف اپنے ہی بچوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صحابہ کرام عموماً بچوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک بار راستے سے گزرے تو دیکھا کہ حبشی لڑکے کھیل رہے ہیں' ان کو دو درہم دیئے۔[1]

انہوں نے ایک لونڈی کو جس سے ان کو بڑی محبت تھی آزاد کر دیا تھا' لیکن جب اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس کو گود میں لے کر چوما اور کہا کہ "واہ واہ اس سے اس لونڈی کی خوشبو آتی ہے"۔[2]

بچوں کی پرورش:

صحابہ کرامؓ بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتے تھے' حضرت جابر بن عبداللہؓ کے والد نے متعدد صغیر السن لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کیا تو حضرت جابرؓ نے ان کی پرورش کی غرض سے ایک ثیبہ عورت سے شادی کی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" کنواری لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی' وہ تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے تو بولے باپ شہید ہوا اور صغیر السن لڑکیاں چھوڑیں اگر ان ہی کی سی کمسن عورت سے شادی کرتا تو وہ نہ ان کو ادب سکھاتی' نہ ان کی خبر گیری کرتی[3] اس لیے ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند کیا جو ان کو اکٹھا رکھے ان کے بالوں میں کنگھی کرے ان کے سر سے جوئیں نکالے' ان کے کپڑے پھٹ جائیں تو ان کو سی دے اور ان کی اصلاح و نگرانی کرے[4]

حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے' اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ انہوں نے اس ارادہ کو پورا کیا' حضرت انسؓ خود سپاس گزار نہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا[5]

---

[1] ادب المفرد باب لعب الصبیان بالجوز۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔
[3] مسلم کتاب البیوع باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ۔ [4] ایضاً کتاب الطلاق باب استحباب نکاح البکر ومسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۵۸۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ۔

یہ وصف اگرچہ تمام صحابیات میں عموماً پایا جاتا تھا لیکن اس میں قریشی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قریشی عورتوں کی اس فضیلت کو خاص طور پر بیان فرمایا:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احنا هن علی و لد فی صغره وارعاه علی الزوج۔[1]

''عرب کی عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے اچھی ہیں کہ بچوں سے ان کے بچپن میں نہایت محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگہداشت کرتی ہیں''۔

صحابہ کرامؓ نہ صرف اپنی اولاد کی بلکہ اپنے اعزہ اپنے متعلقین بلکہ غیروں کی اولاد کی پرورش بھی اس دل سوزی سے کرتے تھے۔

حضرت سعید بن اطولؓ کے بھائی نے انتقال کیا اور تین سو دینار اور چند صغیر السن بچے چھوڑے' انہوں نے اس رقم کو ان بچوں کی پرورش میں صرف کرنا چاہا' لیکن بھائی پر لوگوں کا قرض تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے پہلے اس کو ادا کیا۔[2]

حضرت حارث بن ہشامؓ نے طاعون عمواس میں انتقال کیا تو حضرت عمرؓ نے ان کی بی بی فاطمہ بنت ولیدؓ سے نکاح کر لیا اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور اس لطف و محبت کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی کہ خود حضرت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ''میں نے عمر بن الخطابؓ سے بہتر کوئی مربی نہیں دیکھا''۔[3]

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو لائے تو ان کی پرورش کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ میں اختلاف ہوا' حضرت جعفر کہتے تھے کہ ''میں اس کا مستحق ہوں' وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں اس کی خالہ ہے' جو بمنزلہ ماں کے ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ ''وہ میرے بھی چچا کی لڑکی ہے اور میرے نکاح میں خود رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں جو لڑکی کی سب سے زیادہ مستحق

---

[1] بخاری کتاب النفقات باب حفظ المراۃ زوجہا فی ذات یدہ والنفقۃ علیہ۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۳۶۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمان بن حارثؓ۔

ہیں۔ اب حضرت زید بھی مدعی ہو گئے اور کہا کہ "میں اس کا مستحق ہوں' میں نے اس کے لیے سفر کیا ہے اور اس کو یہاں لایا ہوں"۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ کیا۔[1]

ایک عورت نے آپ کی خدمت میں زنا کا اقرار کیا اس کی گود میں بچہ تھا' آپ نے فرمایا "بچہ دودھ چھوڑے تو آنا" بچے نے دودھ چھوڑ دیا تو وہ آئی اور کہا کہ "مجھ پر حد شرعی جاری فرمایئے آپؐ نے فرمایا "تمہارے بچے کی پرورش کون کرے گا؟" ایک انصاری بولے میں یارسول اللہ! اب آپؐ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔[2]

اگر کوئی شخص پرورش اولاد سے آزادی چاہتا تھا تو صحابہ کرامؓ اس کو سخت لعنت و ملامت کرتے' کسی شخص کے متعدد لڑکیاں تھیں' اس نے ان کی موت کی آرزو کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سخت برہم ہوئے اور کہا کیا تم ان کو روزی دیتے ہو؟۔[3]

پرورشِ یتامیٰ:

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ.

"ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں"۔

صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی توفیق دی تھی اس لیے وہ اپنے بچوں کی طرح یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔

حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں' ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے دریافت کروایا کہ "وہ اپنے شوہر اور ان یتیموں پر صدقہ کریں تو جائز ہے؟" ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں' حضرت بلالؓ نے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "ان کو دوہرا ثواب ملے گا'

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مع فتح الباری۔ [2] دار قطنی صفحہ ۳۴۰ کتاب الحدود۔
[3] ادب المفرد باب من کرہ ان یتمنی موت البنات۔

ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا"۔[1]

ایک یتیم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ شریک طعام ہوا کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے کھانا منگوایا تو اتفاق سے وہ موجود نہ تھا' کھانے سے فارغ ہو چکے تو وہ آیا' انہوں نے اور کھانا منگوانا چاہا مگر گھر سے جواب آیا' اب ستو اور شہد لائے اور کہا "لو کچھ نقصان میں نہیں رہے"۔[2]

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکیاں یتیم ہو گئی تھیں اور حضرت عائشہؓ نے ان کی پرورش فرمائی تھی۔[3]

پرورش کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور طریقوں سے بھی یتیموں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ ایک یتیم نے ایک شخص پر ایک نخلستان کے متعلق دعویٰ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ رو پڑا' آپ کو اس پر رحم آ گیا' اور مدعا علیہ سے فرمایا کہ "اس کو یہ نخلستان دے دو' خدا تم کو اس کے بدلے میں جنت میں نخلستان دے گا" لیکن اس نے انکار کر دیا' حضرت ابوالدحداحؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم میرے باغ کے عوض اپنے باغ کو بیچتے ہو اس نے کہا ہاں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "جو نخلستان آپؐ یتیم کے لیے مانگتے تھے' اگر میں دے دوں تو اس کے عوض مجھے جنت میں نخلستان ملے گا؟ ارشاد ہوا ہاں۔[4]

عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی یتیم بچوں سے کرنا پسند نہیں کرتے' لیکن صحابہ کرام کو یتیموں سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اس معاملہ میں انہیں ترجیح دیتے تھے' حضرت صالح کی صاحبزادی سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے منگنی کی' ان کی بی بی بھی اس نسبت کو پسند کرتی تھیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور ایک یتیم بچے کے ساتھ جوان کی تربیت میں تھا' صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔[5]

---

[1] بخاری کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ [2] ادب المفرد باب فضل من یقول یتیما بین ابویہ۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعنبر۔
[4] استیعاب تذکرۃ حضرت ابوالدحداحؓ۔ [5] مسند جلد ۲ ص ۹۷

یتیموں کی پرورش کے ساتھ صحابہ کرامؓ نہایت دیانت کے ساتھ ان کے مال کی نگہداشت بھی کرتے تھے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس کو ترقی دیتے تھے' حضرت عمر کا عام حکم تھا۔

اتجروا في اموال اليتامى لا تاكلها الزكوٰة.

''یتیموں کے مال سے تجارت کرو کہ زکوٰۃ اسے کھا نہ جائے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن یتیموں کی پرورش کرتی تھیں ان کے مال لوگوں کو دے دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں[1]

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' حضرت زینب کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے آپؐ نے اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا اور تمام اہل مکہ نے اپنے اپنے فدیئے بھیجے' تو حضرت زینبؓ کے پاس ایک یادگار ہار تھا جس کو حضرت خدیجہؓ نے رخصتی کے وقت دیا تھا' لیکن انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں مال کے ساتھ اس ہار کو بھی بھیج دیا' آپؐ نے اس کو دیکھا تو سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہؓ کے مشورہ سے ان کو آزاد کر دیا اور ہار بھی واپس دے دیا۔[2]

حضرت حمنہ بنت جحشؓ کے شوہر شہید ہوئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو فرطِ محبت سے چیخ اٹھیں۔[3]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہوا اور حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو ان کی بی بی حضرت عائشہ الخثعمیہ نے کہا ''آپ کو حکومت مبارک ہو'' سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تم مجھے امیر المومنین کے انتقال پر مبارک باد دیتی ہو''۔ اور اسی غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی۔ انہوں نے منہ ڈھانک لیا اور کہا کہ میں نے تو یہ نیک نیتی سے کہا

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ' زکوٰۃ اموال الیتمی والتجارۃ لہم فیہا۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیر بالمال۔ [3] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔

تھا بعد میں انہوں نے مہر وغیرہ کی رقم بھیجی تو اس کو دیکھ کر وہ رو پڑیں اور کہا کہ "جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے"۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بی بی حضرت عاتکہؓ روزے کے دنوں میں فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔[2]

حضرت عاتکہ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ غزوہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پر درد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیت لا تنفك عینی حزینة   علیك و لا ینفك جلدی اغبرا

میں نے قسم کھالی ہے کہ تمہارے غم میں میری آنکھیں ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی اور دعوت ولیمہ میں حضرت علی کو بھی شریک کیا تو انہوں نے حضرت عاتکہ کو یہ شعر یاد دلایا اور وہ رو پڑیں' حضرت عمر کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پر درد مرثیہ لکھا' اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو ان کا بھی نوحہ لکھا۔[3]

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتی تھیں اور نہایت پابندی کے ساتھ اس فرض کو بجالاتی تھیں' ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبوب تھیں' لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت پر نہیں پڑتا تھا' بلکہ سب سے زیادہ ان ہی کو آپ کا شرف خدمت حاصل ہوتا تھا' رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو پہلے دھلوالیا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں[4]

ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے' ایک صحابی نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ

---

[1] دار قطنی ص ۴۳۸ کتاب الطلاق۔ [2] موطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلة للصائم۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ۔ [4] ابوداؤد کتاب الطہارة باب غسل السواک۔

اس پر دھبہ نظر آتا ہے'' آپؐ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کہ دھو کر خشک کر کے میرے پاس بھیج دیں' حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا خود اپنے ہاتھ سے دھویا خشک کیا اور اس کے بعد آپؐ کے پاس بھیج دیا۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ احرام حج باندھتے تھے اور احرام کھولتے تھے تو وہ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[2]

جب آپؐ خانہ کعبہ کو ہدی بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں۔[3]

صحابہ کرامؓ جب تمام دنیا کی خدمت واعانت سے محروم ہو جاتے تھے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیبیاں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کو بی بی سے بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا۔ وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ ''وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے''؟ ارشاد ہوا ''نہیں''۔[4]

شوہر کے مال واسباب کی حفاظت:

مردوزن کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال واسباب کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت اس شدت سے پائی جاتی تھی کہ مال واسباب تو درکنار جو چیز شوہر سے تعلق رکھتی تھی اس میں بغیر اس کی اجازت کے کسی قسم کا تصرف کرنا پسند نہیں کرتی تھیں' حضرت اسماء کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی' ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا کہ اپنے سایہ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کے حکم کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں' بولیں ''اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو بڑی مشکل پڑے گی' زبیر کی

---

[1] ایضاً باب الاعادۃ من النجاسۃ تکون فی الثوب۔ [2] ایضاً کتاب المناسک باب الطیب عند الاحرام۔
[3] ابوداؤد باب من بعث بہدیہ واقام۔ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک۔

موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو" وہ اسی حالت میں آیا اور کہا "یا ام عبداللہ میں محتاج آدمی ہوں' آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں' بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا ہے' حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع وشرا سے روکتی ہو؟' وہ تو چاہتی ہی تھیں' اجازت دے دی[1] وہ نہایت فیاض تھیں اس لیے صدقہ وخیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں' لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ "میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟" ارشاد ہوا کہ "جو کچھ ہو سکے دو"[2] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ "ہم اپنے باپ بیٹے اور شوہر کی محتاج ہیں۔ ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے"؟ آپؐ نے فرمایا اس قدر کہ کھا پی لو اور ہدیہ دو"[3]

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا' لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا۔

نساء قريش خير نساء ركبن الابل احناه على الطفل و ارعاه على الزوج في ذات يده.[4]

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں' بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں"۔

شوہر کی خوشنودی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں' حضرت حولاءؓ عطر فروش تھیں' ایک دن حضرت عائشہ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں ہر

---

[1] مسلم کتاب الادب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیہ اذا اعیت فی الطریق۔ [2] مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقہ ولو بالقلیل۔ [3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجہا۔
[4] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل نساء قریش۔

رات کو خوشبو لگاتی ہوں بناؤ سنگھار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں' لیکن پھر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں' پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ آئے تو آپؐ سے بھی اس کا ذکر کیا' آپؐ نے فرمایا جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔[1]

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا "عائشہ یہ کیا ہے؟" بولیں میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ آپؐ کے لیے بناؤ سنگھار کروں"۔[2]

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے' آپ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا بولیں' اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگھار نہ کرے گی تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی"۔[3]

بی بی کی محبت:

جس طرح صحابیات اپنے شوہروں سے بے حد محبت رکھتی تھیں' اسی طرح صحابہ کرام بھی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بی بی کو اس قدر چاہتے تھے کہ جب حضرت عمرؓ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا' معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ نے اطاعت والدین کے خیال سے ان کو طلاق دینے کا حکم دیا۔[4]

ایک بار وہ سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کی بی بی سخت بیمار ہیں ان کے پاس آنے کے لیے نہایت تیز رفتاری سے کام لیا اور عشاء و مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔[5]

ایک بار حضرت امام حسنؓ نے اپنی بی بی حضرت عائشہؓ بنت الخلیفۃ الخثعمیہ کو غصہ کی حالت میں طلاق بائن دے دی' بعد کو مہر کی رقم بھیجی تو وہ اس کو دیکھ کر رو پڑیں اور کہا کہ "جدا ہونے والے دوست کے مقابل میں یہ نہایت حقیر چیز ہے" قاصد نے حضرت امام حسن کو ان کی خبر دی تو بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کہ اگر طلاق بائن نہ دے چکا ہوتا تو

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت حولاءؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھو وزکوٰۃ الحلی۔
[3] نسائی کتاب الزینہ ص ۷۶۵۔ [4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین۔
[5] بخاری کتاب الجہاد باب السرعۃ فی السیر

رجعت کر لیتا ہے[1]

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو اپنی بی بی عاتکہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا اس خیال سے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا پہلے تو انہوں نے ٹالا' لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو اطاعت والدین کے خیال سے طلاق دی اور یہ اشعار کہے:

اعاتك لا انساك مادر شارق — و ما ناح قمری الحام المطوق

اے عاتکہ جب تک سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا۔

اعاتك قلبی كل يوم و ليلة — اليك بما تخفی النفوس معلق

اے عاتکہ میرا دل ہر دن اور ہر رات بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے۔

و لم ار مثلی طلق اليوم مثلها — و لا مثلها فی غير جرم تطلق

مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو کبھی طلاق نہ دی ہوگی اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی۔

حضرت ابوبکرؓ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔[2]

حضرت مغیثؓ ایک غلام تھے' ان کی شادی حضرت بریرہؓ سے ہوئی تھی' حضرت بریرہ آزاد ہوگئیں تو حضرت مغیثؓ سے قطع تعلق کرنا چاہا' رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے روکا لیکن بولیں' کیا یہ آپ کا حکم ہے؟' فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں وہ راضی نہ ہوئیں حضرت مغیثؓ ان کے فراق سے بدحواس ہو گئے ان کے رخساروں پر آنسوؤں کی چادر دیکھ کر آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا' مغیث کی محبت اور بریرہ کا بغض تم کو عجیب نہیں معلوم ہوتا؟[3]

ایک بار صحابہ کرامؓ حج سے واپس آ رہے تھے' ذوالحلیفہ کے پاس پہنچے تو انصار

---

[1] دار قطنی ص ۴۳۸ کتاب الطلاق۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاتکہؓ بنت زید۔
[3] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکہ تعتق وھی تحت حر او عبد

کے لڑکے استقبال کے لیے نکلے ان ہی صحابہ میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی تھے ان کے خاندان کے بچوں نے ان کو بی بی کے انتقال کی خبر سنائی تو وہ منہ ڈھانک کر رونے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا' آپ قدیم الاسلام صحابی ہو کر ایک عورت کے لیے اس طرح روتے ہیں۔ بولے سچ ہے سعد بن معاذ کے بعد مجھے کسی پر یوں رونا نہیں چاہیے۔[1]

اس محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ عورت کے حق صحبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ عورت کی درشت خوئی بھی اس کو فراموش نہیں کرا سکتی تھی' حضرت لقیط بن صبرہؓ وفد بنو منتفق کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بی بی کی بدزبانی کی شکایت کی آپ نے فرمایا تو پھر طلاق دے دو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مدت کا ساتھ ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے فرمایا کہ اس کو نصیحت کرو' اگر راہ راست پر آ جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو لونڈی کی طرح نہ مارو۔[2]

ہمسایوں کے ساتھ سلوک:

صحابہ کرام ہمسایوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے اور اس میں کافر و مسلم کی تفریق روا نہیں رکھتے تھے' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بکری ذبح کی' پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا گھر والوں سے پوچھا کہ ''تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت بھیجا یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جبرائیل نے مجھ کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دیں گے۔[3]

صحابہ کرامؓ خود بھوکے رہتے تھے اور اپنے ہمسایوں کو کھلاتے تھے' ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت جابرؓ کے پاس گوشت کی گھڑی دیکھی تو بولے'' کیا تم لوگ اپنی بھوک کو اپنے ہمسائے اور چچا زاد بھائی کے لیے نہیں مارنا چاہتے۔[4]

اگر کوئی شخص ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتا تو صحابہ کرامؓ اس کو نہایت برا

---

[1] مسند جلد ۴ص ۳۵۲۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی الاستنثار۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی اکل اللحم۔

سمجھتے' ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ "میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے" آپؐ نے فرمایا جاؤ اور گھر سے اپنا تمام مال و اسباب نکال کر باہر ڈال دو' اس نے تعمیل ارشاد کی لوگوں نے دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بولے' میرے پڑوسی نے مجھے ستایا ہے' تمام صحابہؓ نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو' اس نے سنا تو کہا گھر میں چلو اب نہ ستاؤں گا۔[1]

غلاموں کے ساتھ سلوک:

صحابہ کرامؓ غلاموں کے ساتھ بالکل مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور جو خود پہنتے تھے وہی ان کو بھی پہناتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی لڑکیوں کی طرح اپنی لونڈیوں کو بھی سنہرے زیورارت پہناتے تھے[2] ایک بار کچھ لوگ ان سے ملنے کو آئے' دیکھا کہ ان کے غلام کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہوا ہے' ہر ایک دوسرے کی طرف تعجب سے دیکھنے لگا' بولے "تمہاری نگاہ برائیوں پر ہی پڑتی ہے"۔[3]

ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ ایک حلہ پہنے ہوئے تھے اور غلام کو بھی ویسا ہی پہنایا ہوا تھا اس کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے "میں نے ایک غلام کو ایک دفعہ برا بھلا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر! تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے' یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں' خدا نے ان کو تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ہاتھ میں ہو وہ اس کو وہی کھلائے پلائے جو خود کھاتا پیتا ہے"۔[4]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام دیا اور یہی نصیحت کی تو انہوں نے اپنا کپڑا پھاڑ کر آدھا غلام کو دے دیا۔[5]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گاڑھے کی دو قمیصیں خریدیں' ساتھ میں ان کا غلام بھی تھا' بولے اس میں جو تمہیں پسند ہو لے لو' اس نے ایک لے لی۔[6]

ایک بار حضرت ابوالیسیرؓ کے جسم پر دو مختلف قسم کے کپڑے تھے اور ان کے غلام

---

[1] ادب المفرد باب شکایۃ الجار۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب مالا زکوۃ فیہ من الحلی التبر و العنبر۔ [3] ادب المفرد باب فضول النظر۔ [4] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔
[5] فتح الباری جلد ۱ ص ۸۱۔ [6] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ۔

کے بدن پر بھی اسی قسم کے مختلف کپڑے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ لوگ ایک ایک کپڑا دوسرے سے بدل لیتے تو ہم رنگ ہو کر پورا حلہ یعنی جوڑا ہو جاتا' بولے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو' یعنی اس طریقہ سے دونوں کپڑے ہم رنگ تو ہو جاتے لیکن اس سے کپڑوں میں اختلاف ہو جاتا اور مساوات زائل ہو جاتی[1] صحابہ کرامؓ غلاموں کی زدوکوب کو نہایت برا سمجھتے تھے ایک بار ایک شخص نے اپنے غلام کے منہ پر طمانچہ مارا' حضرت سوید بن مقرنؓ نے فرمایا "طمانچہ کے لیے تم کو صرف اس کا چہرہ ہی ملتا تھا؟ ہمارے بھائیوں میں ایک نے غلام کو مارا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دیا تھا"۔[2]

زدوکوب تو بڑی بات ہے صحابہ کرام لونڈیوں اور غلاموں کو آدھی بات کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی' اس نے آنے میں تھوڑی دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی' حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں' صبح ہوئی تو کہا کہ "تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے"۔[3]

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست سے ملنے آئے' وہ موجود نہ تھے ان کی بی بی سے پانی مانگا' اس نے لونڈی کو ہمسایہ کے گھر بھیجا کہ دودھ مانگ لائے' لونڈی نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت عبداللہ ابن مسعود گھر سے نکل آئے ان کے دوست آئے تو کہا "آپ سے کیا پردہ تھا' گھر میں آ کر بیٹھے ہوتے کھایا پیا ہوتا۔ بولے سب کچھ کر لیا' لیکن آپ کی بی بی نے لونڈی پر لعنت بھیجی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اگر لعنت بے محل ہوتی ہے تو خود لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے' اس لیے مجھے خوف پیدا ہوا کہ شاید لونڈی معذور ہو اور وہ لعنت آپ کی بی بی پر

---

[1] ادب المفرد باب اکسوہم مما تلبسون۔
[2] مسلم کتاب النذور باب صحبۃ الممالیک وکفارۃ من لطم عبدہ۔
[3] مسلم کتاب البر والصلہ والاداب باب النہی عن لعن الدواب وغیرہا۔

لوٹ آئے اور میں اس کا سبب بنوں اس خیال سے گھر سے باہر نکل آیا۔[1]

صحابہ کرامؓ غلاموں کے آرام و آرائش کا نہایت خیال رکھتے تھے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر منتظم آیا تو انہوں نے پوچھا "غلاموں کو کھانا دیا یا نہیں" بولا "نہیں" فرمایا جاؤ اور دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے کہ آدمی غلاموں کی روزی کو روک رکھے۔[2]

صحابہ کرام غلاموں سے کبھی سخت کام نہیں لیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص حضرت سلمان فارسیؓ کے یہاں آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آٹا گوندھ رہے ہیں' اس نے کہا کہ "غلام کہاں ہے؟ بولے" ہم نے اس کو ایک کام کے لیے بھیجا ہے' اس لیے یہ پسند نہیں کیا کہ اس سے دو دو کام لیں"۔[3]

حضرت عثمانؓ رات کو اٹھ کر خود وضو کا پانی لے لیا کرتے تھے' لوگوں نے کہا "اگر آپ کسی خادم سے کہہ دیتے تو وہ یہ کام کر دیتا" بولے نہیں رات ان کے آرام کے لیے ہے"۔[4]

اسی حسن سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ غلام صحابہ کرامؓ پر جان دیتے تھے' اور ان کے ارشادات کی بطیب خاطر تعمیل کرتے تھے' افلح نامی حضرت ابوایوب انصاری کا غلام تھا' انہوں نے اس کو مکاتب بنا کر آزاد کرنا چاہا تو تمام لوگوں نے اس کو مبارک باد دی' لیکن بعد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ نے معاہدۂ کتابت کو فسخ کرنا چاہا اور اس کے ہاں کہلا بھیجا کہ تمہیں مثل سابق کے غلامی کی حالت میں رہنا ہوگا' افلح کے اہل وعیال نے کہا کہ تم پھر غلام بننا پسند کرو گے؟ حالانکہ خدا نے تم کو آزاد کر دیا تھا' لیکن اس نے کہا کہ "میں ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا' چنانچہ خود اس معاہدہ کو فسخ کر دیا اس کے بعد چند ہی دنوں کے بعد حضرت ابوایوبؓ نے اس کو آزاد کر دیا اور کہا کہ جو مال تمہارے پاس ہو وہ کل تمہارا ہے"۔[5]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۴۰۸ مسند عبداللہ ابن مسعودؓ۔ [2] مسلم کتاب الزکوۃ باب فضل النفقة على العيال والمملوک۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔
[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ افلح

باہمی محبت:

صحابہ کرامؓ باہم نہایت الفت و محبت رکھتے تھے' اس لیے جب کسی صحابی کو کسی قسم کا دکھ درد پہنچتا تھا تو دوسرے صحابہ کے دل بھر آتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب ابن لولو نے زخمی کیا تو تمام صحابہ کو اس قدر رنج ہوا کہ گویا ان پر کبھی ایسی مصیبت نہیں آئی تھی' حضرت عائشہ الگ رو رہی تھیں[1] حضرت صہیبؓ پاس آئے اور واہ اخیاہ' واہ اخیاہ کہہ کر رونے لگے[2]

حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو تمام صحابہؓ نے ان کے تابوت کو گھیر لیا اور دعائیں کرنے لگے[3] حضرت علیؓ نے پاس پہنچ کر کہا'' خدا تم پر رحم کرے' مجھے توقع ہے کہ خدا تم کو تمہارے دونوں رفقاء (حضرت ابوبکرؓ و رسول اللہ ﷺ) کی معیت عطا کرے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''میں ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے' میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یہ کام کیا تھا[4]

صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو سب کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا' لیکن رنج و غم کی وجہ سے کسی نے کھانے کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کیا' بالآخر حضرت عباسؓ کے سمجھانے سے سب نے کھانا کھایا۔[5]

ایک بار صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء کے مزار کی زیارت کو نکلے' پہاڑ پر چڑھے تو قبریں نظر آئیں' محبت کے لہجے میں بولے ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں''۔[6]

ایک بار واقد بن عمروؓ بن سعد بن معاذ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے نام پوچھا اور سلسلہ نسب میں حضرت سعد بن معاذ کا نام آیا تو فرمایا' تمہاری صورت سعد سے مشابہ ہے' وہ سب میں بڑے اور لمبے تھے یہ کہہ کر رو پڑے[7]

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عفان بن عثمان۔ [2] نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیت۔ [3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق۔ [4] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ۔

[5] طبقات ابن سعد تذکرۂ حضرت عباسؓ۔ [6] ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور۔

[7] نسائی کتاب الزینۃ باب لبس الدیباج المنسوج بالذہب و ترمذی کتاب اللباس باب لبس الحریر فی الحرب۔

ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سامنے کھانا آیا ان کو ابتدائے اسلام کا افلاس یاد آ گیا' بولے ''معصب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن میسر نہ ہوا حمزہؓ یا کوئی اور صحابی جو مجھ سے بہتر تھے شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن نہ ملا شاید دنیا ہی میں ہم کو ہمارے طیبات مل گئے' یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا[1]

باہمی اعانت:

صحابہ کرامؓ مصیبت میں' آفت میں کشمکش میں ایک دوسرے کی اعانت فرماتے تھے' جنگ کی حالت میں ہر شخص کو اپنی ہی جان کی فکر رہتی ہے لیکن صحابہ کرامؓ اس موقع پر بھی دوسروں کی اعانت کے لیے اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے' حضرت ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ''میں نے حنین میں دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان پر غالب آنا چاہتا ہے میں چکر دے کر آیا اور اس کی پشت کی جانب سے گردن پر ایک تلوار ماری وہ میری طرف بڑھا اور مجھ کو اس طرح دبوچ لیا کہ مجھے موت کی خوشبو آنے لگی اور پھر مر کر ہی چھوڑا''۔[2]

قبیلہ اشعری کے لوگ مدینہ میں ہجرت کر کے آ گئے تھے ان لوگوں میں باہم اس قدر تعاضد و تعاون تھا کہ جب غزوات میں ان کا زاد راہ ختم ہو جاتا تھا یا خود مدینہ میں مبتلائے فقر و فاقہ ہو جاتے تھے تو ہر شخص کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا' وہ لا کر سب کے سامنے رکھ دیتا تھا' اور یہ سب لوگ اس کو برابر تقسیم کر لیتے تھے۔[3]

ہمسایہ عورتیں اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں' حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی' لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔[4]

ایک دن کچھ مفلوک الحال لوگ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ''خدا کی قسم! نہ ہم کو نفقہ ملتا نہ سواری ملتی نہ اسباب ملتا'' بولے

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب الکفن من جمیع المال مع فتح الباری۔ [2] ابوداؤد کتاب الجهاد باب السلب يعطى القاتل۔ [3] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعريين۔ [4] مسلم کتاب السلام باب ارداف المراة الاجنبيه اذا اعيت في الطريق۔

اگر چاہو تو خدا جو توفیق دے ہم دیں ورنہ بادشاہ کے دربار میں تمہاری سفارش کر دیں اور اگر جی میں آئے تو صبر کرو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فقراء و مہاجرین امراء سے چالیس سال پیشتر جنت میں داخل ہوں گے' ان لوگوں نے کہا' ہم صبر کرتے ہیں اور کچھ نہیں مانگتے۔[1]

حضرت زبیرؓ نے لاکھوں روپے قرض چھوڑ کر انتقال فرمایا تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس کو ادا کرنا چاہتے تھے ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے کہا ''قرض کیونکر ادا کرو گے؟ اگر مجبور ہو جانا تو مجھ سے اعانت کی درخواست کرنا میں اعانت کروں گا'' یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ انہوں نے چار لاکھ سے ان کی اعانت بھی کرنا چاہی' لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔[2]

جب عورتوں کو شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ کہتی تھیں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں' ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں' رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں' ہم نے ویسی مصیبت نہیں دیکھی' دیکھئے اس کا چمڑا اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے:

و النساء ینصر بعضھن بعضا۔[3]

''عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں''۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا ''بیمار ہے'' انہوں نے ان کو بٹھلا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں۔[4]

---

[1] مسلم کتاب الزہد۔ [2] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ حیا و میتا مع فتح الباری۔
[3] بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الخضر۔ [4] ادب المفرد باب ص ۷۴۔

حضرت ربیعہ اسلمیؓ نہایت مفلس صحابی تھے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شادی کرنا چاہی لیکن خود ان کے پاس مہر اور دعوت ولیمہ کا کوئی سامان نہ تھا' اس لیے ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اعانت کی اور تمام سامان ہو گیا۔[1]

ایک کے رنج ومسرت میں دوسرے کی شرکت:

تالف واتحاد نے صحابہ کرام کو ایک جان دو قالب بنا دیا تھا اس لیے وہ ایک کے رنج کو اپنا رنج اور ایک کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے ایک بار حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ بیان کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق نہیں فرمائی اس لیے ان کو سخت صدمہ ہوا اس کے بعد قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی جس پر ان کو نہایت مسرت ہوئی اس لیے حضرت ابوبکرؓ ان سے ملے تو ان کو مبارک باد دی[2] غزوۂ تبوک کی عدم شرکت کے جرم میں جب حضرت کعب بن مالک' حضرت ہلال بن امیہ' حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کی توبہ مقبول ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا خاتمہ ہوا تو اس بارے میں جو آیت نازل ہوئی' حضرت ام سلمہؓ نے رات ہی کو حضرت کعب بن مالک کو اطلاع دینی چاہی لیکن آپؐ نے فرمایا ''اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ ٹوٹ پڑیں گے اور سونا دشوار ہو جائے گا''[3] اس لیے آپؐ نے نماز فجر کے بعد اس کا اعلان کیا اس وقت حضرت کعب بن مالک کوٹھے کی چھت پر سخت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً آواز آئی کہ ''زندہ باد'' دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مبارک باد دینے کے لیے چلے آ رہے ہیں' ایک صحابی گھوڑا اڑاتے ہوئے آئے ایک اور صحابی دوڑتے ہوئے پہنچے اور پہاڑ پر چڑھ کر بشارت دی' لوگ گروہ در گروہ آتے تھے اور کہتے تھے کہ ''کعب توبہ مبارک'' مسجد نبوی میں توبہ کا اعلان ہوا تھا اور وہ داخل مسجد ہوئے تو حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے دوڑ کر مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔[4]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۸۔ [2] ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المنفقین۔

[3] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ توبہ باب قولہ وعلی الثلثۃ الذین خلفوا الخ۔

[4] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ تبوک۔

حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور وہ اس رنج وغم میں رات دن مصروف گریہ و بکا رہنے لگیں تو ایک صحابیہ آئیں اور ان کی حالت دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں [1]

حسن رفاقت:

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی شان میں فرمایا ہے:

﴿ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴾ "یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں"۔

صحابہ کرام بھی اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے تھے اس لیے انہوں نے عملاً دنیا ہی میں اپنے اوپر اس آیت کو منطبق کر لیا تھا۔

حضرت رافع بن عمروؓ نے ایک غزوہ میں رفیق صالح کی تلاش کی حسن اتفاق سے حضرت ابوبکر کا شرف رفاقت حاصل ہو گیا' ان کا بیان ہے کہ "وہ مجھے اپنے بستر پر سلاتے تھے اپنی چادر اڑھاتے تھے' میں نے کہا کہ "مجھے کوئی ایسی بات سکھایئے جو مجھے فائدہ دے بولے خدا کو پوجو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' اگر مال ہو تو صدقہ دو' دارالکفر سے ہجرت کرو اور دو شخصوں کے بھی حاکم نہ بنو" [2]

بزرگوں کا ادب:

حدیث شریف میں آیا ہے:

من لم یرحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا فلیس منا.

"جو لوگ ہمارے چھوٹوں پر رحم اور ہمارے بزرگوں کا ادب نہیں کرتے وہ ہم میں سے نہیں ہیں"۔

اس لیے صحابہ کرام بزرگوں کا نہایت ادب کرتے تھے' ایک بار مجلس نبوی میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا کہ "مجھ کو اس درخت کا نام بتاؤ جو مسلمانوں سے مشابہ ہے ہر سال پھلتا ہے اور کبھی اس پر خزاں نہیں آتی" حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ لیکن ان دونوں بزرگوں کے ادب سے نہ بول سکے' حضرت عمر کو معلوم ہوا تو کہا کہ "تم نے کیوں نہیں بتایا اگر تم بتا دیتے تو وہ مجھ کو فلاں فلاں

---

[1] بخاری کتاب الشہادت باب تعدیل النساء بعضھن بعضا۔ [2] اصابہ تذکرہ رافع بن عمرو بن جابرؓ

چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتا'' بولے' جب آپ اور حضرت ابوبکرؓ نہیں بولے تو میں نے بولنا پسند نہیں کیا''۔[1] ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلے کسی طرف سے حضرت ابوبکر بھی آ گئے وہ دائیں طرف سے ہٹ کر آپ کے بائیں جانب آ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ نے بھی شرف رفاقت حاصل کیا اب وہ بالکل کنارے ہو گئے۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہؓ،[3] مسجد قباء میں نماز پڑھ کر خچر پر سوار ہو کر نکلے راہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مل گئے' انہوں نے دیکھا تو فوراً اتر پڑے اور کہا کہ ''چچا جان اس پر سوار ہو لیجئے''۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے وہ ایک سال سے ان سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پڑتی تھی' ایک موقع پر وہ مسئلہ پوچھا تو کہا ''خدا کی قسم! سال بھر سے پوچھنا چاہتا تھا مگر آپ کے خوف سے ہمت نہیں پڑتی تھی' یہ حسن ادب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے بھی بہ شفقت آمیز جواب دیا کہ ''ایسا نہ کرو اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ میرے پاس کسی چیز کا علم ہے تو پوچھ لیا کرو' اگر میں جانتا ہوں گا تو ضرور بتا دوں گا''۔[5]

دوستوں سے ملاقات:

ازدیادِ محبت کا نہایت موثر ذریعہ ہے صحابہ میں باہم محبت تھی اور وہ اس محبت کو ترقی دینا چاہتے تھے' اس لیے دوستوں سے اکثر ملاقات کرتے تھے' حضرت ام الدرداءؓ شام میں رہتی تھی لیکن ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ پا پیادہ مدائن سے ان کے ملنے کو آئے۔[6]

ایک دن بہت سے صحابہ حضرت جابرؓ سے ملنے آئے' انہوں نے روٹی اور سرکا سامنے رکھ دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''سرکہ بہترین سالن ہے وہ شخص ہلاک ہو جائے گا جس کے پاس اس کے احباب آئیں اور وہ اس چیز کو حقیر سمجھ کر ان کے سامنے پیش نہ کرے جو اس کے گھر میں موجود ہو اور وہ احباب بھی ہلاک ہو جائیں گے جو اس کو حقیر خیال

---

[1] بخاری کتاب الادب باب اکرام الکبیر۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۔ [3] ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۹۔ [5] مسلم کتاب الطلاق باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییر ہن وقولہ تعالیٰ وان تظاہرا علیہ۔ [6] ادب المفرد باب الزیارۃ۔

کریں"۔[1]

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ایک دوست (غالباً صحابی ہوں گے) سے ملنے آئے وہ گھر میں موجود نہ تھے آئے تو ان کو گھر کے باہر دیکھ کر بولے آپ سے کیا پردہ تھا گھر میں آ کر بیٹھے ہوتے کھایا پیا ہوتا۔[2]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیادِ محبت کا ذریعہ ہے' اس لیے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر ہدیہ بھیجا کرتے تھے' حضرت نسیبہ انصاریہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں' ایک بار ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا[3] حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو کچھ صدقہ میں آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیۃً دیا کرتی تھیں۔[4]

عیادت:

صحابہ کرامؓ مریضوں کی عیادت کو اپنا فرض خیال کرتے تھے' ایک بار حضرت سعد ابن عبادہؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ان کی عیادت کرتا ہے؟ باوجود یکہ غربت و افلاس سے صحابہ کرامؓ کے پاؤں میں جوتے نہ تھے' موزے نہ تھے' سر پر ٹوپی نہ تھی بدن پر کپڑا نہ تھا' لیکن بااین ہمہ دس پندرہ بزرگ پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں اور کھلے سر گئے اور ان کی عیادت کی۔[5]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں آج کون روزے سے ہے؟ تم میں آج کس نے جنازے کی مشایعت کی ہے؟ تم میں آج کس نے مسکین کو کھلایا ہے؟ تم میں آج کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر کی زبان سے ہر سوال کے جواب

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۵۰۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۴۰۸۔ [3] بخاری کتاب الزکوٰۃ و باب اذا تحولت الصدقۃ۔ [4] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الہدیہ للنبیؐ و بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب و ان کان الہدی ملکہا بطریق الصدقۃ۔ [5] مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضیٰ

میں ہاں نکلی تو آپ نے فرمایا ''جس شخص میں یہ تمام چیزیں جمع ہو جائیں وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا'' [1]

ایک بار ایک صحابی بیمار تھے' حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔ [2]

ایک بار حضرت شداد بن اوسؓ شام کے وقت کہیں جا رہے تھے' کسی نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے ''یہیں ایک مریض بھائی کی عیادت کو جاتا ہوں''۔ [3]

تیمارداری:

صحابہ کرامؓ نہایت دلسوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتے تھے' مہاجرین کے قیام کے متعلق جب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن مظعونؓ حضرت ام العلاءؓ کے حصے میں آئے وہ بیمار ہوئے تو ان کے تمام خاندان نے نہایت دلسوزی سے تیمارداری کی۔ ان کا انتقال ہوا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام العلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا ''تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی''۔ [4]

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہراتؓ سے پچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیویوں نے کہا ہم' ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ ان کو کون غسل وکفن دے گا؟ تمام بیویوں نے کہا ہم''۔ [5]

عزاداری:

صحابہ کرامؓ رنج وغم میں ایک دوسرے کے شریک تھے اس لیے عزاداری کو اپنا فرض بنا لیا تھا' ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو دفن کر کے آ رہے تھے' راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جا رہی ہیں' پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟' بولیں' اسی گھر میں عزاداری کے لیے گئی تھی [6]

---

[1] مسلم کتاب الزکوۃ باب من جمع الصدقہ واعمال البر مسند جلد ۳ ص ۱۸ میں یہ واقعہ حضرت عمر کی طرف منسوب ہے۔ [2] ادب المفرد باب عیادۃ النساء الرجل المریض۔ [3] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۳۔

[4] بخاری کتاب الشہادت باب القرعہ فی المشکلات۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینب بنت جحش۔

[6] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیہ۔

حضرت انس بن مالک کی متعدد اولاد غزوۂ حرہ میں شہید ہوئی تو حضرت زید بن ارقم نے خط کے ذریعہ سے رسم تعزیت ادا کی۔[1]

عرب میں ایک طریقہ عزاداری یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر مردوں پر نوحہ کرتی تھیں یہ جاہلیت کی رسم تھی' لیکن اسلام نے اس کو مٹا دیا چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتی تھیں تو ان سے اس کا بھی معاہدہ لیا جاتا تھا۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں فلاں فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے' مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے چنانچہ آپؐ نے ان کو اس کی اجازت دی۔[2]

سلام کرنا:

''السلام علیکم'' اگرچہ نہایت مختصر اور سادہ فقرہ ہے لیکن جلب محبت کے لیے عمل تسخیر کا حکم رکھتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

﴿ وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا ﴾

''جب تم کو سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ سے اس کا جواب دو''۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ﴾

''مسلمانو! اپنے گھر کے سوا کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک تم ان سے مانوس نہ ہو جاؤ اور ان کو سلام نہ کر لو''۔

اور اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ جب اوّل اوّل مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے یہ تعلیم دی:

یا ایها الناس افشوا السلام و اطعموا الطعام تدخلوا الجنة بسلام۔[3]

''لوگو! باہم سلام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو تا کہ اس کے بدلہ میں جنت میں اطمینان سے داخل ہو جاؤ''۔

---

[1] ترمذی کتاب الفضائل فضل الانصار وقریش۔ [2] مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ۔

[3] ترمذی ص ۴۰۹۔

اس لیے صحابہ کرامؓ ہر کہ ومہ کو سلام کرتے تھے' ایک بار حضرت ابوبکرؓ اونٹ پر سوار جا رہے تھے جو لوگ راہ میں ملتے اور وہ ان کو سلام کرتے تو صرف ''السلام علیکم'' کہتے لیکن وہ جواب میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے' اب وہ بھی اسی کا اعادہ کرتے' وہ لوگ اور اضافے کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہتے' بالآخر فرمایا کہ ''یہ لوگ ہم سے بہت بڑھ کے رہے''۔[1]

حضرت انس بن مالکؓ بصرہ میں نکلتے تو راستے میں ہر شخص کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ بازار میں جاتے اور ہر دکان دار ہر مسکین اور ہر مسافر' غرض ہر شخص کو سلام کرتے ایک شخص نے پوچھا کہ ''بازار میں آپ نہ بھاؤ تاؤ کرتے نہ سودا سلف خریدتے' نہ کہیں بیٹھتے پھر کس کام سے آتے ہیں؟'' بولے صرف سلام کرنے کے لیے۔[3]

جب وہ سلام کا جواب دیتے تو سلام کرنے والے کے جواب میں بعض فقرے کا اضافہ کر دیتے' ایک بار ایک شخص نے بار بار ان ہی کے اضافہ کے ساتھ سلام کیا تو اخیر میں انہوں نے جو جواب دیا وہ بہت طویل تھا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وطیب صلوٰۃ۔

اگر صحابہؓ کے درمیان ایک درخت بھی حائل ہو جاتا تو اس کی آڑ سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ سامنا ہوتا تو باہم سلام کرتے۔[4]

مصافحہ:

سب سے پہلے اہل یمن جو نہایت محبت کیش' رقیق القلب اور مخلص لوگ تھے مصافہ کا تحفہ دربار رسالت میں لے کر حاضر ہوئے[5] اور صحابہ کرامؓ نے اس پر شدت سے عمل کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ صرف دوستوں سے مصافہ کرنے کے لیے روزانہ ہاتھوں میں خوشبودار تیل ملا کرتے تھے۔[6]

---

[1] ادب المفرد باب فضل السلام۔ [2] باب من سلم اشارۃ۔ [3] ادب المفرد من خرج یسلم ویسلم علیہ۔
[4] ایضاً باب حق من سلم اذا قام۔ [5] ابوداؤد کتاب الادب باب فی المصافحۃ
[6] ادب المفرد باب من دہن یدہ للمصافحۃ۔

معاوضہ احسان:

﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾ ''احسان کا بدلہ صرف احسان ہے''۔

صحابہ کرام کی زندگی اس آیت کی عملی تفسیر تھی' ایک غزوہ میں صحابہ کرامؓ سخت تشنہ لب ہو کر پانی کی جستجو میں نکلے تو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی تھا' صحابہ کرامؓ اس کو استعمال میں لائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاوضہ دلوایا' لیکن باوجود معاوضہ دینے کے صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ اس کے احسان کو یاد رکھا' چنانچہ جب اس کے گاؤں کے پاس حملہ کرتے تھے تو اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے۔[1]

سپاس گذاری:

حدیث شریف میں آیا ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر الله.

''جو لوگ انسانوں کا شکریہ نہیں ادا کرتے وہ خدا کے بھی شکر گزار نہیں ہوتے''۔

اس بناء پر صحابہ کرامؓ اپنے محسنوں کے نہایت سپاس گذار رہتے تھے' رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے بہت سے صحابہ مدینہ پہنچ گئے۔ آپ تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ! ہم نے انصار سے زیادہ فیاض اور غمگسار قوم نہیں دیکھی' انہوں نے ہمارا بار اٹھا لیا ہم کو اپنا شریک بنا لیا ایسا نہ ہو کہ کل ثواب وہی لوٹ لیں ارشاد ہوا کہ ''جب تک ان کے لیے خدا سے دعا کرتے رہو گے ان کی تعریف میں تر زبان رہو گے ایسا نہ ہوگا''۔[2]

حسن ظن:

صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی نسبت ہمیشہ نیک گمان رکھتے تھے' ایک دفعہ کوفہ والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی کہ وہ نماز صحیح طریقہ سے نہیں پڑھاتے۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا تو بولے ''میں بالکل

[1] بخاری کتاب التیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ عن الماء۔

[2] ترمذی ابواب الزہد۔

رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہوں" انہوں نے کہا "تمہاری نسبت یہی گمان تھا"۔[1]

ایک شخص جس کے ہاتھ پاؤں چوری کے جرم میں کاٹ ڈالے گئے تھے' حضرت ابوبکرؓ کا مہمان ہوا' انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو اٹھ کے نماز پڑھتا ہے' تو بولے کہ تمہاری رات تو چوروں کی سی نہیں معلوم ہوتی' تمہارے ہاتھ پاؤں کس نے کاٹے؟" اس نے کہا "یعلی بن منیہ نے یہ ظلم کیا ہے" فرمایا "میں اس کی نسبت ان کو لکھوں گا" اس کے چند ہی دنوں بعد حضرت اسماء بنت عمیس کا ایک زیور غائب ہو گیا' اس کی تحقیقات کی گئی تو ایک سنار کے پاس ملا وہ حاضر کیا گیا تو اس نے کہا کہ "اسی دست و پا بریدہ شخص نے مجھ کو یہ زیور دیا" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یہ چوری کوئی بڑی چیز نہیں' البتہ اس نے مجھ کو اپنے مذہبی تقدس کی بناء پر جو فریب دیا وہ بہت بڑی چیز ہے۔ اس کے پاؤں کاٹ ڈالو"۔[2]

واقعہ افک کو منافقین نے اگرچہ بے حد شہرت دی' تاہم صحابہ کرام کو ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن ظن تھا اس کی بناء پر متعدد صحابہؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ:

سُبْحَانَکَ مَایَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ۔[3]

"سبحان اللہ! ہمارے لیے اس کا ذکر جائز نہیں' سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہیں"۔

بخاری میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری نے کہا تھا لیکن فتح الباری میں اور صحابہؓ کے نام بھی گنوائے ہیں۔

مصالحت وصفائی:

بہ مقتضائے فطرت انسانی اگر صحابہ کرامؓ میں باہم شکر رنجی ہو جاتی تھی تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ باہم صفائی کر لیتے تھے اور چند روزہ ناگواری پر ان کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ جب اس ناگوار حالت کا تذکرہ یا اس کا خیال آتا تھا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس قدر ناراض ہو گئیں کہ بول چال تک کی قسم کھالی۔ لیکن عفو تقصیر کے بعد جب ان کو

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الاخرین۔ [2] دار قطنی کتاب الحدود ص ۳۶۵
[3] بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم

یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔[1]

ابتداء میں اگرچہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، لیکن بعد کو انہوں نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے بلایا اور کہا کہ ''اے ابوبکرؓ! ہم کو تمہاری فضیلت کا اعتراف ہے اور اگر خدا نے تم پر یہ احسان (خلافت) کر دیا ہے تو ہم کو اس پر رشک نہیں'' ان کی اس مخلصانہ تقریر کا حضرت ابوبکرؓ پر یہ اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کی قرابت مجھ کو خود اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان جن معاملات میں اختلاف ہو گیا تھا ان میں حق سے سرمو تجاوز نہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے، اسی کے مطابق عمل کروں گا'' باہمی صفائی کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے سہ پہر کا وقت مقرر فرمایا ظہر کی نماز ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر ان کے تمام عذرات جو عدم بیعت کا سبب تھے بیان کیے اس کے بعد حضرت علیؓ نے تقریر کی جس میں حضرت ابوبکرؓ کے تمام فضائل و حقوق خلافت کا اعتراف کیا اور کہا کہ ''میں نے جو کچھ کیا وہ اس بناء پر نہ تھا۔ کہ مجھ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رشک و حسد تھا، یا میں ان کے فضائل کا منکر تھا۔ لیکن ہم اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس لیے ہم کو اس پر رنج ہوا'' اس اعلان سے تمام مسلمان خوشی کے مارے کھل گئے اور حضرت علیؓ سے جو عام ناراضگی پیدا ہوئی تھی وہ یک لخت زائل ہو گئی۔[2]

معاصرین کی فضیلت کا اعتراف:

رشک و حسد علماء کا مایہ خمیر ہے اس لیے وہ معاصرین کی فضیلت کا بہت کم اعتراف کرتے ہیں، محدثین اسلامی اخلاق کا بہترین نمونہ تھے لیکن بایں ہمہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی جرح دوسرے معاصر محدث پر قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان میں باہم رشک و حسد اور بغض و عناد ہوتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاصرین کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ کا انتقال

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ۔ [2] مسلم کتاب الجہاد قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا فہو صدقۃ۔

ہونے لگا تو لوگوں نے کہا "کچھ وصیت فرمایئے" بولے چار آدمیوں سے علم حاصل کرو عویمر ابی الدرداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم [1]

ایک بار حضرت ابوہریرہؓ کے پاس کوفہ سے ایک بزرگ آئے اور کہا کہ "علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں" بولے کیا تمہارے یہاں سعد بن مالک، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، عمارؓ اور سلمان رضی اللہ عنہم نہیں ہیں، ساتھ ساتھ ان کی وجوہ فضیلت بیان کیں [2]

ایک دفعہ کوفہ میں ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک فتویٰ پوچھا انہوں نے جو جواب دیا اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اعتراض کیا اگر اس زمانہ کے علماء ہوتے تو باہم لڑ بیٹھتے لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ اہل کوفہ جب تک یہ چیز (عبداللہ بن مسعودؓ) تم میں موجود ہے مجھ سے فتویٰ نہ پوچھو۔[3]

مساوات:

صحابہ کرامؓ ہر کہ ومہ سے مساویانہ برتاؤ کرتے تھے اور ان کے ساتھ مساویانہ معاشرت رکھتے تھے ایک بار حضرت صفوان بن امیہؓ ایک بڑے پیالہ میں کھانا لائے اور حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دیا انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کے بعد فرمایا "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے"۔[4]

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھی میں چورا کر کے روٹی کھا رہے تھے ایک بدو کو بلایا اور اپنے ساتھ شریک طعام کیا وہ لقمہ اٹھاتا تھا تو پیالے کی تلچھٹ تک سمیٹ لیتا تھا فرمایا "تم بہت ہی مفلس معلوم ہوتے ہو" بولا مدتوں سے نہ گھی دیکھا نہ کوئی گھی کا کھانے والا نظر آیا۔ قحط کا زمانہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تک بارش نہ ہو گی گھی نہ کھاؤں گا"۔[5]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے اطراف میں نکلے ساتھ ساتھ بہت سے

---

[1] ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن سلامؓ۔ [2] ترمذی کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
[3] موطائے امام مالک کتاب الرضاء باب ماجاء فی الرضاعۃ بعد الکبر۔ [4] ادب المفرد باب ہل یجلس معہ اذا اکل۔ [5] موطائے امام محمد ابواب السیر باب الزہد والتواضع۔

احباب تھے' دستر خوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا آ نکلا' اس نے سلام کیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس کو شریک طعام کرنا چاہا اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں بولے ایسے گرم دن میں روزے رکھتے ہو؟ اور پھر بکریاں چراتے ہو۔"[1]

زمانہ جاہلیت میں حضرت خبابؓ اور حضرت بلالؓ دونوں غلام رہ چکے تھے لیکن ایک بار حضرت خبابؓ، حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو اپنے گدے پر بٹھایا اور کہا کہ "ایک شخص کے سوا کوئی ان سے زیادہ اس جگہ کا مستحق نہیں" انہوں نے پوچھا وہ کون یا امیر المومنین' فرمایا "بلالؓ"۔[2]

ایک دن سرداران قریش میں حضرت ابوسفیان بن حربؓ اور حضرت حارث بن ہشامؓ وغیرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' استیذان کے بعد انہوں نے سب سے پہلے اہل بدر کو جن میں حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی تھے شرف باریابی بخشا' حضرت ابوسفیان کے دماغ میں اب تک زمانہ جاہلیت کا غرور باقی تھا' اس لیے انہوں نے سخت ناگواری کے ساتھ کہا "کیا قیامت ہے کہ ان غلاموں کو تو اذن ملتا ہے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے منہ تکتے ہیں"۔ حضرت سہیل بن عمروؓ بھی ساتھ تھے بولے' تمہارے چہروں سے غصے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں لیکن تم کو خود اپنے اوپر غصہ کرنا چاہیے' اسلام نے سب کے ساتھ تم کو بھی بلایا لیکن یہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہ گئے[3] یہ لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے اور حضرت صہیبؓ وغیرہ سابقین اسلام میں سے تھے یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

اگر کوئی شخص ایسا طرز عمل اختیار کرتا جو اخلاقی حیثیت سے مساوات کے خلاف ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس کو سخت ناپسند فرماتے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نکلے تو ایک شخص نے کہا "السلام علیکم ایھا الامیر ورحمۃ اللہ" اس کے بعد تمام لوگوں کی طرف خطاب کر کے کہا "السلام علیکم" بولے "صرف السلام کافی تھا میں بھی تو ان ہی میں سے ہوں"۔

حضرت رویفع اطرابلس رضی اللہ عنہ کے گورنر تھے' ایک شخص نے آ کر ان کو اس طرح سلام کیا "السلام علیک ایھا الامیر" انہوں نے کہا "اگر تم ہمیں سلام کرتے تو ہم سب

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت خباب بن الارتؓ۔

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیلؓ بن عمرو۔

تمہارا جواب دیتے' تم نے گویا مسلمہ گورنر مصر کو سلام کیا' جاؤ وہی جواب بھی دیں گے"۔[1]

حضرت سہیل بن عمروؓ سرداران قریش میں سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں انصار کو اپنے سے کم رتبہ سمجھتے تھے۔ لیکن وہ برابر حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے تھے ایک دن کسی نے کہا کہ "آپ اس خزرجی کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ اپنے قبیلہ کے کسی آدمی سے قرآن پاک کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے" بولے کہ "اسی فخر وغرور نے تو ہم کو سب سے پیچھے رکھا"۔[2]

فرق مراتب کا لحاظ:

صحابہ اکرامؓ اگرچہ آزادی اور مساوات کے پیکر مجسم تھے۔ تاہم انہوں نے ان تمام امتیازات کو مٹا نہیں دیا تھا جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں قائم کیا ہے۔

﴿وَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ "اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"۔

اس لیے وہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے موافق برتاؤ کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عائشہ کی خدمت میں ایک فقیر آیا انہوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے کر ٹال دیا۔ پھر ایک خوش پوشاک آدمی آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر کھانا کھلایا' لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

انزلوا الناس علی منازلهم.[3] "ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو"۔

ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اون صاف کروانے کی ضرورت ہوئی تو ایک مکتب کے مدرس کے پاس آدمی بھیجا کہ غلاموں کو بھیج دو لیکن آزاد لڑکے کو نہ بھیجنا' فتح الباری میں ہے کہ اس سے آزاد کا اعزاز مقصود تھا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک لونڈی نے آزاد عورتوں کی سی وضع اختیار کی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کو ناگوار ہوا' حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ "میں نے تمہارے بھائی کی لونڈی کو دیکھا کہ آزاد عورتوں کی وضع میں ادھر ادھر پھر رہی تھی"۔[5]

---

[1] ادب المفرد باب التسلیم علی الامیر۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلهم۔ [4] بخاری کتاب الدیات باب من استعان عبدا وصبیا۔

[5] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المملوک وھبته۔

حسن معاملت

ادائے قرض کا خیال:

حدیث شریف میں آیا ہے:

خیارکم' احاسنکم' قضاء۔[1]

''تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہیں''۔

یہ حدیث عملی حیثیت سے صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صادق آتی ہے۔ حضرت زبیرؓ جب معرکہ جمل میں شریک ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر کو بلا کر کہا کہ ''آج صرف ظالم یا مظلوم قتل ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ میں بھی مظلومانہ شہید ہوں گا' مجھ کو سب سے زیادہ اپنے قرض کی فکر ہے' ہماری جائیداد فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور اگر تم مجبور ہو جانا تو ہمارے مولا (خدا) سے مدد چاہنا''۔[2]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے نہایت دیانت کے ساتھ اس کی تعمیل کی' چنانچہ جب باپ کا کل قرض ادا کر چکے تو ان کے بھائیوں نے کہا ''اب ہماری میراث تقسیم کرو' لیکن انہوں نے کہا' کہ جب تک چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کرلوں گا کہ زبیرؓ پر جس کا قرض آتا ہو وہ ہم سے آکر لے لے' وراثت تقسیم نہ کروں گا چنانچہ چار سال تک برابر منادی کرتے رہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ غزوہ احد کے لیے نکلے تو اپنے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ ''میں ضرور شہید ہوں گا' مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا'[4] چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے چھ لڑکیاں چھوڑی تھیں جن کی کفالت کا بار حضرت جابرؓ پر تھا' لیکن جب فصل خرما تیار ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے باپ کا قرض ادا کیا اور اس دیانت کے ساتھ ادا کیا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس پر راضی تھا

---

[1] ترمذی کتاب البیوع [2] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ المغازی فی مالہ حیاومیتاً مع النبی ﷺ۔
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زبیر۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ

کہ میرے باپ کی امانت ادا ہو جائے اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور لے کر بھی نہ پلٹوں [1]

ایک بار حضرت ابو الملیح بن عروہؓ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ "میں اپنے باپ عروہ کا قرض ادا کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" حضرت قارب بن اسودؓ نے کہا تو اسود کا قرض بھی ادا کیجئے' آپؐ نے فرمایا لیکن اسود نے شرک کی حالت میں انتقال کیا تھا' حضرت قاربؓ نے کہا' ان کا بیٹا یعنی میں تو مسلمان ہوں' ان کے قرض کا بار مجھ پر ہے اور مجھ ہی سے اس کا تقاضہ کیا جائے [2]

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخم لگا اور ان کو زندگی سے مایوسی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر پوچھا کہ دیکھو مجھ پر کس قدر قرض ہے؟" حساب لگایا گیا تو چھیاسی ہزار نکلا' فرمایا کہ اگر آل عمرؓ کے مال سے ادا ہو جائے تو خیر ورنہ بنو عدی بن کعب سے درخواست اعانت کرنا' ان کی اعانت سے بھی کام نہ چلے تو قریش سے درخواست کرنا' لیکن ان کے علاوہ کسی سے نہ مانگنا [3]

حضرت ابن حدردؓ پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ نے تین بار فرمایا کہ "اس کا حق دے دو" انہوں نے کہا "میرے پاس کچھ نہیں" آپؐ خاموش ہو گئے تو وہ خود اٹھے اور بازار گئے' سر سے اتار کر عمامہ کا تہ بند بنایا اور اپنے تہ بند کو چار درہم پر فروخت کر کے اس کا قرض ادا کیا" [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں' ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اپنے قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے' خدا اپنی جانب سے اس کا مددگار مقرر کر دیتا ہے' تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں" ۔ [5]

رسول اللہ ﷺ جب قرض ادا فرماتے تھے تو بہترین مال دیتے تھے' ایک بار آپؐ

---

[1] بخاری ذکر غزوہ احد باب اذ ہمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما الآیہ

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قارب بن اسودؓ۔ [3] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ

[4] اصابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ۔ [5] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۹۹

نے کسی سے اونٹ لیا تھا' صدقہ کے اونٹ آئے تو اس کو اس سے بہتر اونٹ دیا اور فرمایا:

خیار الناس احسنهم قضاء۔[1]

''بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں''۔

صحابہ کرام کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا' ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی سے چند درہم قرض لیے' قرض ادا کیا تو اس سے بہتر درہم دیئے اس نے کہا ''آپ کے درہم تو میرے درہم سے اچھے ہیں' بولے مجھے معلوم ہے' لیکن میں نے بخوشی دیئے ہیں''۔[2]

ایک بار انہوں نے کسی سے دو ہزار درہم قرض لیے' ادا کیا تو دو سو درہم زیادہ دیئے' اس نے کہا کہ ''آپ کے دو سو درہم زیادہ ہیں'' بولے وہ تمہارے ہیں۔[3]

قرض داروں کو مہلت دینا:

قرض داروں کو قرض ادا کرنے کے لیے مہلت دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خود قرآن مجید نے اس کی ہدایت کی ہے:

﴿ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ﴾

''اگر قرض دار تنگدست ہو تو اس قدر مہلت دو کہ وہ فراخ دست ہو جائے''۔

لیکن اس کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں میں لطف و محبت اور رحم و شفقت کا مادہ ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے قلوب کو ان جذبات سے معمور کر کے ان کو اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائی تھی' ایک شخص پر حضرت ابو قتادہ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آتے تھے تو غریب گھر میں چھپ جاتا تھا' حسن اتفاق سے ایک دن آئے اور اس کے بچے سے پوچھا کہ ''وہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا کہ گھر میں کھانا کھا رہے ہیں' بلا کر پوچھا' مجھ سے کیوں چھپتے تھے؟ بولا سخت تنگدست ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے' حضرت قتادہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے قرض دار کو

---

[1] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی حسن القضاء۔ [2] موطائے امام محمد کتاب الصرف و ابواب الربوا باب الرجل یکون علیہ الدین فیقضی افضل مما اخذ۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

مہلت دیتا ہے یا قرض معاف کر دیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا“ [1]

حضرت ابوالیسرؓ پر حضرت سمرہؓ کا قرض تھا وہ تقاضے کو آئے تو وہ چھپ گئے حضرت سمرہؓ تیزی کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت ابوالیسرؓ سمجھے کہ وہ نکل گئے جھانک کر دیکھا تو ان سے آنکھیں چار ہوگئیں' بولے ”کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے کہ جو شخص تنگدست کو مہلت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لے گا؟' حضرت سمرہؓ نے فرمایا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپؐ سے یہ سنا ہے“۔ [2]

وضع دین:

صحابہ کرامؓ نہایت فیاض' نرم خو اور رحمدل تھے اس لیے قرض کو معاف فرما دیتے تھے' ایک بار حضرت کعب بن مالکؓ نے مسجد نبویؐ میں ایک صحابی پر قرض کا تقاضا کیا شور و غل ہوا تو کاشانہ نبوت میں آواز پہنچی' آپؐ نے پردہ اٹھا کر فرمایا ”کعب آدھا قرض معاف کر دو' بولے ”معاف ہے“۔ [3]

حضرت زبیرؓ پر حضرت عبداللہ بن جعفر کا چار لاکھ قرض تھا' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ادا کرنا چاہا تو بولے کہ ”اگر کہو تو معاف کر دوں“۔ [4]

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا' اس نے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجیے' انہوں نے کم کر دیا۔ [5]

ایک شخص پر حضرت ابوالیسر کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آئے تو اس نے لونڈی سے کہلوایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ انہوں نے آواز سن لی اور کہا کہ ”گھر سے نکلو میں نے تمہاری آواز سن لی“ وہ گھر سے نکلا تو بولے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ تنگدستی نے مجبور کیا' بولے اللہ! اللہ! جاؤ تمہارا قرض معاف ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے تنگدست کو مہلت دی یا قرض معاف کر دیا وہ قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہوگا“ [6]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۰۸۔ [2] اصابہ تذکرہ سمرہ بن ربیعہ۔ [3] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی الصلح۔
[4] بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ المغازی فی مالہ حیا و میتا۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ نصاح بن سرجس۔ [6] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوالیسرؓ۔

ایک شخص پر حضرت امام حسن علیہ السلام کا قرض آتا تھا' انہوں نے کل قرض اس پر ہبہ کر دیا۔[1]

دوسرے کی جانب سے قرض ادا کرنا:

صحابہ کرامؓ اپنے قرض دار بھائیوں کو قرض کی مصیبت اور قرض خواہوں کے تشدد سے نجات دلایا کرتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''فلاں قبیلہ کا کوئی شخص ہے؟'' ایک صحابی نے کہا ''یا رسول اللہ! میں ہوں'' ارشاد ہوا کہ تمہارا بھائی قرض میں ماخوذ ہے انہوں نے اس کا کل قرض ادا کر دیا۔[2]

ایک دفعہ ایک شخص کا جنازہ آیا جس پر تین دینار قرض تھا' آپ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوقتادہ انصاریؓ نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا'' اب آپؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔[3]

ایک صحابی نے باغ خریدا' کوئی آفت آئی اور تمام پھل ضائع ہو گیا' اب قیمت کیونکر ادا کرتے' رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قرض سے گرانبار ہو رہے ہیں' تمام صحابہ کو حکم دیا کہ سب لوگ اعانت کرو تمام صحابہؓ نے کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا۔[4]

وصیت کا پورا کرنا:

وصیت چونکہ وراثت سے پوری کی جاتی ہے' اس لیے اکثر ورثاء اس کو پورا نہیں کرتے تھے کہ مال وراثت میں کمی نہ آنے پائے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نہایت دیانت کے ساتھ وصیت کو پورا کرتے تھے' عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد سو غلام آزاد کیے جائیں' اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے ان کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے حصہ کے بقیہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا' آپؐ نے فرمایا ''اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے' صدقہ کرتے' حج کرتے تو اس کا ثواب ملتا''۔[5]

---

[1] بخاری کتاب الہبہ باب اذا وہب دینا علی الرجل۔ [2] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التشدید فی الدین۔ [3] بخاری کتاب الحوالۃ باب اذا حال دین المیت علی رجل جار۔ [4] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی وضع الجائحۃ۔ [5] ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی وصیۃ الحربی یسلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذہا۔

عورتوں کا مہر ادا کرنا:

ہم نے عورتوں کے تمام حقوق سلب کر لیے ہیں' بالخصوص مہر تو بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا ہے' لیکن صحابہ کرامؓ نہایت دیانتداری کے ساتھ عورتوں کا مہر ادا کرتے تھے اور اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی شادی کر دی' مہر معین تھا اور اب تک عورت کو کچھ نہیں دیا تھا کہ موت کا پیغام آ پہنچا موت کے وقت وصیت کی کہ خیبر میں جو ہمارا حصہ ہے وہ عورت کو مہر میں دے دیا جائے۔ عورت نے اس کو فروخت کیا تو ایک لاکھ درہم قیمت ملی۔[1]

بیویوں کے درمیان عدل کرنا:

متعدد بیویوں کے درمیان عدل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ ﴾

''اور تم لوگ متعدد عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے''۔

لیکن بعض صحابہؓ نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی دو بیویاں تھیں وہ ان دونوں کے درمیان اس شدت کے ساتھ عدل کرتے تھے کہ جب ایک کی باری ہوتی تو اس دن نہ دوسرے کے گھر کا پانی پیتے تھے نہ اس کے گھر کے پانی سے وضو کرتے تھے۔[2]

بیع وشراء میں مسامحت:

صحابہ کرامؓ بیع وشراء میں نہایت انسانیت' مروت اور مسامحت سے کام لیتے تھے' حضرت عثمانؓ نے ایک صحابی سے ایک قطعہ زمین خریدا لیکن قبضہ کرنے میں دیر لگائی' انہوں نے وجہ پوچھی تو بولے ''لوگ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں کہ ٹھگ گئے' بولے اگر یہی بات ہے تو قیمت واپس کر لیجئے'' اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اس بندے کو جنت میں داخل کرے گا جو خرید وفروخت اور داد وستد میں نرم خو ہو۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات۔ [2] نزہۃ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تذکرہ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ [3] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۵۸ مسند عثمان بن عفانؓ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک قمیص خرید کر واپس کرنا چاہی لیکن دیکھا تو اس میں خضاب کا رنگ لگ گیا تھا' اس لیے اس کو واپس نہیں کیا۔[1]

تقسیم وراثت میں دیانت:

جو لوگ اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں' اس کو زیادہ حقوق عطا کرتے ہیں' صحابہ کرامؓ بھی اپنی بعض اولاد کو زیادہ محبوب رکھتے تھے' لیکن یہ محبت ان کو مساوات فی الحقوق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ مال دیا تھا' لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہبہ نامکمل تھا' جب انتقال کرنے لگے تو کہا کہ' اے بیٹی مجھے اپنے بعد تمہارے تمول سے زیادہ کوئی چیز عزیز' اور تمہارے افلاس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں' میں نے تم پر جو مال ہبہ کیا تھا اگر تمہارا اس پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہارا ہو جاتا' لیکن آج وہ مال وراثت میں داخل ہے جس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کرلو' بولیں اگر اس سے زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی''۔[2]

ظلم وغضب سے اجتناب:

صحابہ کرامؓ دوسروں کے حق سے ذرہ بھی لینا گوارا نہیں کرتے تھے ایک بار ایک عورت نے حضرت سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیلؓ پر ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کیا بولے کہ'' گھر اس کو لے لینے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی بالشت بھر زمین بھی لے لے گا' قیامت کے دن خدا زمین کے ساتوں طبقوں کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا' خدایا اگر وہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کردے اور اسی گھر میں اس کی قبر بنا' راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس کو دیکھا کہ اندھی ہوگئی' دیوار پکڑ کر چلتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھ پر سعید بن زید کی بددعا پڑ گئی' ایک دن وہ اٹھی' گھر میں کنواں تھا' اس میں گر پڑی اور وہی اس کی قبر بنی۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالا یجوز من النحل۔ [3] مسلم کتاب البیوع باب غرز الخشب فی جدار الجاری و بخاری کتاب الغصب مختصراً۔

قسم کھانے سے اجتناب:

جو لوگ خائن یا خداع ہوتے ہیں ان کو معاملات میں قسم کھانے سے کوئی اجتناب نہیں ہوتا' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

﴿ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴾ "بات بات پر قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مان"۔

یہی وجہ ہے کہ محتاط لوگ سچی قسم کھانے سے بھی احتراز کرتے ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی زہد و تورع کی بناء پر قسم کھانے سے اجتناب فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک غلام آٹھ سو درہم پر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی عیب نہیں فروخت کیا' بعد کو مشتری نے دعویٰ کیا کہ اس غلام میں ایک بیماری ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا اور انہوں نے قسم لینا چاہی لیکن انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور غلام کو واپس لے لیا جب وہ اچھا ہو گیا تو پھر پندرہ سو درہم پر فروخت کر دیا' اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کا معاوضہ تھا کہ انہوں نے باوجود سچے ہونے کے قسم کھانا ایک بڑی بات سمجھا۔[1]

مروان نے ایک مقدمہ میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منبر مسجد نبویؐ پر قسم لینا چاہی انہوں نے اس کے سامنے تو قسم کھا لی لیکن منبر شریف پر قسم کھانے سے انکار کیا۔[2]

طرزِ معاشرت

غربت و افلاس:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے' ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ مہر کے لیے بھی ہے' بولے صرف یہ تہ بند ہے' آپ نے فرمایا اگر تم نے یہ تہبند اس کو دے دیا تو پھر تمہاری پردہ پوشی کیونکر ہو گی؟ کچھ اور تلاش کرو' واپس آئے تو کہا' کچھ نہیں ملا' فرمایا کچھ نہیں تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہیں سے لاؤ' بولے وہ بھی نہیں ملتی' یہ سب کچھ تو نہ تھا لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا' آپؐ نے قرآن مجید کی چند سورتوں پر نکاح پڑھا دیا۔[3]

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ خاندان نبوت سے تھے

---

[1] موطائے امام مالک کتاب البیوع باب العیب فی الرقیق مع زرقانی۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب ما جاء فی الیمین علی المنبر۔ [3] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی التزویج علی العمل بعمل۔

لیکن نکاح کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ صدقہ وصول کرنے کی خدمت تفویض ہو جائے تو اس کے معاوضہ سے مہر وغیرہ کا سامان کریں آپ نے یہ خدمت تو تفویض نہیں کی، لیکن شادی کا دوسرا سامان کر دیا۔[1]

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح ہوا تو ایک زرہ کے سوا مہر کے لیے کچھ نہ تھا اس لیے اسی کو مہر میں دے دیا۔[2]

ان کی دعوتِ ولیمہ کی داستان نہایت دردانگیز ہے ان کے پاس صرف دو اونٹنیاں تھیں، ایک بدر کے مال غنیمت کے حصہ میں ملی تھی، دوسری خمس میں سے رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی، دعوت کا سامان کرنے کے لیے چاہا کہ ان اونٹنیوں پر اذخر (ایک قسم کی گھاس جس کو سنار جلاتے ہیں) لاد کے لے آئیں اور سناروں کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ روپیہ پیدا کریں، وہ اسی سامان میں مصروف تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شراب کے نشہ میں چور ہوئے اور اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔[3]

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کو ایک بار کفارہ دینے کی ضرورت پیش آئی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، بولے کہ ''میں تو صرف اپنی ذات کا مالک ہوں'' اب آپ نے ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دینے کو کہا، بولے رات فاقہ مستی کے ساتھ بسر کی ہے، گھر میں ایک دانہ بھی نہیں۔

اسی طرح ایک اور صحابی کو کفارے میں صدقہ دینا پڑا لیکن ان کے پاس کچھ نہ تھا خود رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں عطا فرمائیں کہ جا کر فقراء کو دے دو بولے'' کیا مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ کوئی فقیر ہے؟'' آپؐ نے فرمایا تو اس کو تمہی لوگ کھا جاؤ۔[4]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرور کونینؐ کے داماد تھے لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر میں آئے تو دیکھا' حضرت حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما رو رہے ہیں' حضرت فاطمہؓ سے پوچھا' یہ کیوں رو رہے ہیں؟' بولیں ''بھوک سے بیتاب ہیں'' گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہوا دینار پایا' اس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو مدعو کیے ہوئے بغیر کھانا نہ کھایا''۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی بیان مواضع قسم الخمس او سہم ذوی القربیٰ۔ [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یدخل بامرأتہ قبل ان ینقدہا۔ [3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس۔ [4] ایضاً کتاب الطلاق باب فی الظہار۔ [5] ابوداؤد کتاب اللقطہ۔

اصحابِ صفہ کے تمام فضائل ومناقبت میں سب سے زیادہ نمایاں فضیلت ان کا فقر وفاقہ ہے ان کی یہ حالت تھی کہ جب آپؐ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ضعف سے گر پڑتے تھے بدو دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ پاگل ہیں [1]

حضرت معصب بن عمیرؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو کفن تک میسر نہ تھا' بدن پر صرف ایک چادر تھی اسی کا کفن بنایا گیا' لیکن وہ اس قدر مختصر تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا' پاؤں چھپاتے تھے تو سر پر کچھ نہیں رہتا تھا' بالآخر آپ نے فرمایا کہ چادر سے سر کو اور پاؤں کو گھاس سے چھپا دو [2] لیکن اور شہدائے احد کو یہ بھی نصیب نہ تھا۔ اس لیے ایک چادر میں متعدد صحابہ دفن کیے گئے۔ [3]

لباس: ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی' حضرت عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ "میں ساتواں مسلمان ہوں' اس وقت یہ حالت تھی کہ میں نے ایک چادر پائی تو تقسیم کر کے آدھی خود لی اور آدھی سعد کو دی' لیکن آج ہم ساتوں میں ہر شخص کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے [4]

اکثر صحابہؓ کے پاس صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گلے باندھ لیتے تھے کہ تہ بند اور کرتہ دونوں کا کام دے' ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا۔

اولکلکم ثوبان. [5] "کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں"۔

حضرت عمرو بن سلمہؓ نہایت صغیر السن صحابی تھے جن کو حفظ قرآن کی بناء پر ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اپنا امام بنایا تھا لیکن ان کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سجدے میں جاتے تھے تو کشفِ عورت ہو جاتا تھا۔ ایک صحابیہ نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ:

وروا عنا عورة قارئكم. "اپنے قاری کی ستر عورت کرو"۔

اس پر لوگوں نے ان کو ایک قمیص خرید دی' قمیص کون سی بڑی چیز تھی؟ لیکن ان کو اس پر اس قدر مسرت ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد پھر انہیں کبھی ایسی مسرت حاصل نہیں ہوئی [6]

مہاجرین کو کپڑے کی اس قدر تکلیف تھی کہ جب قرآن مجید کے حلقۂ درس میں شامل

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبیؐ۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد

[3] شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبیؐ۔ [4] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الشہید یغسل۔

[5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جمع الثواب مایصلی فیہ۔ [6] ابوداؤد باب من احق بالامامۃ

ہوتے تھے تو باہم مل جل کے بیٹھتے تھے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کی پردہ پوشی کر سکے[1]

ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہ تھے' موزے نہ تھے' سر پر ٹوپی نہ تھی' بدن پر کرتہ نہ تھا چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ اسی حالت میں ان کی عیادت کو گئے[2]

حضرت مصعب بن عمیرؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے نہایت ناز ونعم کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور نہایت عمدہ جوڑے پہنتے تھے۔[3] لیکن ہجرت کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ ایک روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بدن پر صرف ایک چادر دیکھی جس میں پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے تو آپ کو ان کی قدیم حالت یاد آ گئی اور چشم عبرت سے آنسو نکل آئے[4]

عورتوں کو زیادہ ستر پوشی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب وحیا سے جسم کے ہر حصے کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی۔ سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتا تھا' پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا' آپؐ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا' کوئی حرج نہیں یہاں تو صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔[5]

بعض عورتوں کو چادر بھی میسر نہیں تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ "اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا "اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھالے"۔[6]

شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن اس زمانے میں دلہن کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی' شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی"۔[7] حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نہایت تنگدست تھے' اس لیے معمولی چیزوں کو بھی بڑی چیز سمجھتے تھے۔

رومال نہایت معمولی درجے کی چیز ہے لیکن صحابہ کرام کو وہ بھی میسر نہ تھا' کھانا

---

[1] کتاب العلم باب فی القصص [2] مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضی۔ [3] اصابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ۔ [4] ترمذی ابواب الزہد' اصابہ میں ہے کہ یہ روایت کسی قدر ضعیف ہے لیکن بخاری کی روایتوں میں بھی ان کی غربت وافلاس کا پتہ چلتا ہے۔ [5] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ۔ [6] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین۔ [7] بخاری کتاب الھبہ باب الاستعار للعروس عند البناء۔

کھاتے تو تلوؤں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اگرچہ مال و دولت کی کثرت ہوئی اور متمدن قوموں سے اختلاط ہوا' تاہم انہوں نے اسلام کی اس پرعظمت سادگی کو قائم رکھا' فتوحاتِ ایران کے زمانے میں عام حکم دیا کہ لوگ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں اور حریر نہ پہنیں' لیکن بعد میں حالت اس قدر بدل گئی اور وضع ولباس میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا کہ ایک دن حضرت ابوہریرہؓ نے کتان کے دو رنگین کپڑے زیب تن کیے تو ایک سے ناک صاف کر کے کہا کہ "واہ واہ ابوہریرہؓ آج کتان کے کپڑے سے ناک پونچھتے ہو' حالانکہ ایک دن وہ تھا کہ بھوک کے مارے رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے سامنے بیہوش ہو کر گرتے تھے لوگ آتے تھے تو گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے تھے کہ ابوہریرہ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ یہ سب بھوک کی وجہ سے تھا"۔[2]

یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو کرتی دلہن کے لیے عاریۃً جایا کرتی تھی' اس کی نسبت انہوں نے ایک صحابی سے کہا کہ اب میری لونڈی بھی اس کو پہنتے ہوئے شرمائے گی۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی اور حضرت عمرؓ نے جس عجمیت سے روکا تھا ان کے گھر میں اس کے منظر نظر آنے لگے' ایک بار حضرت مقدامؓ ان کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے؟ اور جانوروں کی کھال سے روکا ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں" بولے لیکن میں یہ تمام چیزیں آپ کے گھر میں دیکھتا ہوں"۔[3]

غذا : غربت و افلاس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نہایت سادہ اور معمولی غذا پر زندگی بسر کرتے تھے ابتدائے اسلام میں تو گویا صحابہ کرام کو بالکل فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی' حضرت عتبہ بن غزوان کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں' اس وقت یہ حالت تھی کہ ہم لوگ درخت کے پتے کھا کھا کر گزر اوقات کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے۔[4]

اسلام نے قوت حاصل کی تو یہ تکلیفیں اگرچہ کم ہو گئیں تاہم پھر بھی عرب کی قدیم سادگی قائم رہی' تمام اہل مدینہ کی عام غذا کھجور اور جو تھی اور جو لوگ دولت مند ہوتے تھے وہ شام کے غلہ فروشوں سے خاص طور پر اپنے لیے میدہ خرید لیتے تھے۔ باقی تمام گھر جو اور کھجور پر

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب مسح الید بعد الطعام۔ [2] ترمذی ابواب الزہد و بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ [3] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور۔
[4] شمائل ترمذی باب ماجاء فی عیش النبیؐ۔

زندگی بسر کرتے تھے[1] جو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ صحابہ کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی۔ جو کا آٹا پیس کر منہ سے پھونک دیتے تھے' بھوسی اڑانے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو کھا لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک یہ سادگی قائم رہی لیکن جب فتوحات کو وسعت ہوئی متمدن قوموں سے اختلاط ہوا اور صحابہؓ نے عیش و طرب کے سامان دیکھے تو حضرت عمر کو یہ خوف ہوا کہ دنیا کی تروتازگی صحابہ کو اپنا فریفتہ نہ بنا لے اس لیے تمام عمال کو ہدایت کی کہ ایرانیوں کی وضع نہ اختیار کریں' حریر نہ پہنیں' چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں اس لیے ان کے عہد خلافت میں عموماً یہی سادگی قائم رہی' چنانچہ فتوحات ایران کے زمانے میں صحابہ کرامؓ نے میدے کی چپاتیاں دیکھیں تو پہچان نہ سکے اور تعجب کے لہجے میں کہا۔

ما هذه الرقاع البيض.[2] ''یہ سفید ٹکڑے کیسے ہیں؟''۔

لیکن بعد کو یہ سادگی فنا ہو گئی اور لطیف غذاؤں کا رواج ہو گیا چنانچہ ایک بار حضرت حسنؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک صحابیہ کے پاس جو رسول اللہ ﷺ کا کھانا پکاتی تھیں آئے اور کہا کہ ہمارے لیے وہ کھانا پکاؤ جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا' بولیں اب وہ تمہیں پسند نہیں آ سکتا''[3] اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

ای لسعة العيش و ذهاب ضيقة الذی کان اولا و قد اعتاد الناس الاطعمة اللذيذة.

''یعنی اس لیے کہ اب عیش کے وافر سامان پیدا ہو گئے ہیں اور پہلی تنگدستی زائل ہو گئی ہے اور لوگ عمدہ غذاؤں کے خوگر ہو چکے ہیں''۔

مکان:

غربت وافلاس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے مکانات نہایت مختصر' پست اور کم حیثیت ہوتے تھے ان میں جائے ضرور تک کا وجود نہ تھا۔[4] دروازوں پر پردے نہ تھے[5] راتوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے۔[6] بعد میں اگرچہ اس قدر ترقی ہوئی کہ دروازوں پر پردے لٹکائے گئے'[7] لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک عام طور پر عرب کی قدیم سادگی قائم رہی' حضرت عمرؓ نے بھی اگرچہ عرب کی اس سادگی کو اس شدت کے ساتھ قائم رکھنا چاہا کہ جب بصرہ کو آباد کرایا تو عام حکم دیا:

---

1 ترمذی تفسیر سورہ نساء۔ 2 طبری صفحہ ۲۰۲۵۔ 3 شمائل ترمذی مع شرح باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ ﷺ۔
4 صحیح بخاری کتاب المغازی قصۃ الافک۔ 5 ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔
6 صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التطوع خلف المراۃ۔ 7 ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث۔

لایزیدن احد کم علی ثلثة ابیات و لا تطاولوا فی البنیان و الزموا السنة تلزمکم الدوله[1]

"کوئی شخص تین کمرے سے زیادہ نہ بنائے اور مکان کو بلند نہ بناؤ اور سنت پر قائم رہو تو تمہاری سلطنت بھی قائم رہے گی"۔

تاہم لوگوں نے ان کے زمانے میں بلند مکانات بنانے شروع کیے اور یہ پہلا دن تھا کہ عرب میں بلند عمارتوں کے کنگرے نظر آئے' چنانچہ مسند دارمی میں ہے:

تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر[2] "لوگوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں بلند عمارتیں بنائیں"۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں تمدن نے اور ترقی کی' اس لیے صحابہ کرامؓ نے عظیم الشان مکانات بنوائے' حضرت زبیرؓ نے بصرہ' مصر' کوفہ اور اسکندریہ میں عمدہ مکانات تعمیر کرائے' حضرت طلحہؓ نے مدینہ میں اینٹ اور چونا سے پختہ مکان بنوایا اور اس میں ساکھو کی لکڑیاں لگوائیں' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مقام عقیق میں ایک نہایت بلند' وسیع اور پر فضا مکان تعمیر کروایا اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ حضرت مقدادؓ نے مدینہ میں ایک مکان بنوایا جس کی دیواریں بالکل پختہ تھیں۔[3]

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انہوں نے ایک عظیم الشان محل بنوایا' جس کا نام قصر بنی حدیلہ تھا اور جو قلعہ کا بھی کام دے سکتا تھا۔[4]

سامان آرائش:

صحابیات نہایت معمولی لباس اور سادہ زیورات استعمال کرتی تھیں' احادیث کی کتابوں کے تتبع و استقراء سے صرف بازو بند' کڑے' بالی' ہار' انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے۔لونگ کا ہار پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں' حضرت عائشہ کا جو ہار ایک سفر میں گم ہوگیا تھا وہ مہرہ یمانی کا تھا۔[5]

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں' زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پر ورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے کے داغ مٹ جائیں[6] خوشبو میں (سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے)[7] پیشانی پر لگاتی تھیں۔

---

[1] طبری ص ۲۷۴۸۔ [2] مسند دارمی باب فی ذہاب العلم صفحہ ۴۴۔ [3] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۵۔

[4] بخاری کتاب الوصایا باب من تصدق الی وکیلہ مع فتح الباری۔ [5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم۔ [6] ایضاً باب ماجاء فی وقت النفساء۔ [7] ایضاً کتاب المناسک باب یلبس المحرم۔

زہد و تقشف:

فتوحات کی وسعت اور مال و دولت کی کثرت نے اگرچہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' صحابہ کرام کی قدیم طرزِ معاشرت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا تھا' تاہم اکثر صحابہ نہایت زاہدانہ اور تقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ امارت پسندی سے اس قدر احتراز کرتے تھے کہ ایک بار انہوں نے کسی سے پانی مانگا اور وہ شیشے کے پیالے میں لایا تو پینے سے انکار کر دیا پھر لکڑی کے پیالے میں لایا تو پیا' اس کے بعد وضو کے لیے پانی طلب کیا وہ طشت میں لایا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا دوبارہ مشکیزے میں لایا تو وضو کیا وہ زہد و قناعت کی وجہ سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک بار ان کو کسی نے جوارش دی اور کہا کہ ''یہ کھانا ہضم کرتی ہے'' بولے میں تو مہینوں پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھاتا مجھے اس کی کیا ضرورت ہے''۔ حمام بھی اس لیے نہیں جاتے تھے کہ وہ عیش پسندی کی ایک صورت ہے[1]

ایک بار حضرت ابوجحیفہؓ عرب کی ایک لطیف غذا کھا کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈکار لی' آپ نے فرمایا: اکثر هم شبعا فی الدنیا اکثر هم جوعا یوم القیامۃ ''جن لوگوں کا پیٹ دنیا میں جس قدر زیادہ بھرے گا' اسی قدر وہ قیامت کے دن بھوکے رہیں گے''۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا رات کو کھاتے تھے تو دن کو بھوکے رہتے تھے اور دن کو کھاتے تھے تو رات کو فاقہ کرتے تھے۔[2]

زہد و تقشف کی وجہ سے بعض صحابہ گھر تک بنانا پسند نہیں کرتے تھے' حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنے لیے گھر نہیں بنایا تھا' بلکہ دیواروں اور درختوں کے سائے میں پڑے رہتے تھے' ایک بار ایک شخص نے گھر بنانے پر اصرار کیا تو پہلے راضی نہ ہوئے' راضی بھی ہوئے تو ایسے تنگ اور پست گھر پر کہ جب کھڑے ہوں تو چھت سے سر لگ جائے اور پاؤں پھیلائیں تو انگلیاں دیوار تک پہنچ جائیں۔[3] گھر میں سامان نہایت مختصر رکھتے تھے' یعنی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا لیکن اس کو بھی زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے' چنانچہ ایک بار بیمار ہوئے تو ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سبھوں کو وصیت فرمائی تھی کہ دنیا سے صرف اس قدر لینا جتنا ایک مسافر زادِ راہ کے لیے لیتا ہے حالانکہ ہمارے پاس یہ سامان ہیں[4] حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوجحیفہؓ

[3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

عبداللہ بن عمرؓ کے گھر کے کل سامان کی قیمت سو درہم سے بھی کم تھی[1] حضرت ابوذرؓ کے گھر کا سامان دو درہم سے زیادہ قیمت کا نہ تھا[2] ایک روز کچھ لوگ حضرت ابولبابہؓ کے ساتھ ہو لیے اندر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ گھر نہایت بوسیدہ ہے اور خود ان کا اوڑھنا بچھونا پھٹا پڑا ہے[3]

صحابہ کرامؓ باوجود استطاعت کے وضع ولباس نہایت زاہدانہ رکھتے تھے' ایک بار ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا' بولیں "ذرا ٹھہر جاؤ میں اپنا کپڑا سی لوں" اس نے کہا "اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے" بولیں "جو لوگ پرانا دھرانا نہیں پہنتے ان کو نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا"[4] ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ام الدرداءؓ کی ملاقات کو آئے بدن پر صرف ایک کمبل اور اونچا پاجامہ تھا' لوگوں نے کہا "آپ نے صورت کیوں بگاڑ رکھی ہے" بولے "نیکی صرف آخرت کی نیکی ہے"[5] ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس کا ایک حصہ بچھاتے تھے اور ایک حصہ پہنتے تھے[6] ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک چادر اڑھا دی سو کر اٹھے اور اس کے ریشمی بیل بوٹے دیکھے تو کہا کہ "اگر یہ نہ ہوتے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہ تھا"[7] حضرت فضالہ بن عبیدؓ اگرچہ مصر کے گورنر تھے لیکن پریشان مو اور برہنہ پا رہتے تھے' ایک دن کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ پریشان مو کیوں ہیں؟ بولے "ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ ناز و نعم کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے' پاؤں پر نگاہ پڑی تو بولا "آپ برہنہ پا کیوں ہیں؟" بولے "آپؐ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ کبھی کبھی برہنہ پا رہیں"[8]

مال و دولت دنیا کی سب سے زیادہ دلفریب چیز ہے' اخیر میں صحابہ کرامؓ کے آگے اگرچہ دنیا نے اپنا خزانہ اگل دیا' لیکن انہوں نے اس آب رواں سے اپنا دامن تر نہیں کیا' حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ حمص کے گورنر تھے' لیکن جو کچھ وظیفہ ملتا تھا سب صرف کر دیتے تھے اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حمص میں آئے اور حکم دیا کہ یہاں کے محتاجوں کا نام لکھا جائے' فہرست پیش ہوئی تو اس میں حضرت سعید بن عامرؓ کا نام بھی شامل تھا نام دیکھ کر تعجب سے پوچھا کون سعیدؓ بن عامر؟ لوگوں نے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابوذر غفاریؓ۔
[3] ابوداؤد ابواب تفریع شہر رمضان باب استحباب الترتیل فی القراءۃ۔ [4] ادب المفرد باب الرفق فی المعیشہ۔ [5] ادب المفرد باب الزیارۃ۔ [6] استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔ [7] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ [8] ابوداؤد کتاب الرجل۔

کہا کہ "ہمارے گورنر" بولے "تمہارا گورنر کیونکر محتاج ہو سکتا ہے' ان کا وظیفہ کیا ہوتا ہے؟" لوگوں نے کہا "سب صرف کر دیتے ہیں" حضرت عمرؓ نے ان کی یہ حالت سنی تو رو پڑے اور ان کے پاس ہزار اشرفیوں کا توڑا بھجوا دیا۔ انہوں نے اشرفیاں دیکھیں تو انا للہ پڑھنے لگے' بی بی نے سنا تو کہا' "کیا امیر المومنین کی شہادت ہوئی؟ کیا قیامت کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی؟" بولے "اس سے بھی بڑھ کر واقعہ پیش آیا' میرے پاس دنیا آئی' میرے پاس فتنہ آیا" بی بی نے کہا' "تو اس کو صرف میں لائیے" انہوں نے اشرفیوں کو اٹھا کر ایک توبڑے میں رکھ دیا' اور صبح کو ایک فوج کو دے ڈالا' بی بی نے کہا' "کچھ تو اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیتے" بولے "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اگر جنت کی ایک حور بھی دنیا میں آ جائے تو زمین مشک کی خوشبو سے معطر ہو جائے اور میں اس پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا"۔[1]

جو صحابہؓ مال و دولت جمع کر لیتے تھے ان کو بھی اس پر افسوس ہوتا تھا' حضرت ابو ہاشم بن عتبہ مبتلائے طاعون ہوئے تو حضرت امیر معاویہؓ عیادت کو آئے' وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے بولے' "کیا مرض کی تکلیف ہے یا دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہے؟" فرمایا "کچھ نہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک وصیت فرمائی تھی' کاش میں اس پر عمل کرتا آپؐ نے فرمایا تھا کہ شاید تم کو اس قدر مال ہاتھ آئے جو ایک قوم پر تقسیم کیا جائے' لیکن تم اس میں سے صرف ایک خادم اور ایک سواری پر قناعت کرنا' مجھے وہ مال ملا اور میں نے اس کو جمع کیا"۔[2]

بعض صحابہ امراء و عمال کے تعلقات کو زہد و تقشف کے خلاف سمجھتے تھے اور ان سے نہایت بے نیازی کے ساتھ ملتے تھے' ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور حضرت ابو ذر غفاریؓ سے بھائی بھائی کہہ کر لپٹ گئے وہ جس قدر لپٹتے تھے حضرت ابو ذرؓ ان کو اپنے پاس سے ہٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں تمہارا بھائی نہیں ہوں' بھائی اس وقت تھا جب تم عامل نہیں ہوئے تھے"۔[3]

حضرت نبیط بن شریط ایک صحابی تھے' ایک بار ان سے ان کے بیٹے نے کہا "اگر آپ بادشاہ وقت کے پاس جاتے تو آپ کو بھی فائدہ پہنچتا اور آپ کی بدولت آپ کی قوم بھی فائدہ اٹھاتی" بولے "لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں ان کی صحبت مجھے دوزخ میں نہ دھکیل دے"۔[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعیدؓ بن عامر اسد الغابہ میں ان کے زہد کے اور بھی بعض واقعات لکھ کر لکھا ہے کہ:
له اخبار عجيبة فى زهده لانطول بذكرها ۔

[2] نسائی کتاب الزینۃ باب اتخاذ الخاتم والمرکب۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابو ذرؓ۔

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت نبیط بن شریطؓ۔

اپنا کام خود کرنا:

صحابہ کرامؓ اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كنا مع رسول الله ﷺ خدام انفسنا نتناوب الرعاية رعاية ابلنا.[1]
''ہم سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خود اپنے خادم تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اپنے اونٹوں کی جوئیں نکالتے تھے۔[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی اونٹنیوں کو چارہ کھلاتے تھے اور آٹا گھول کر پلاتے تھے۔[3]

ایک بار حضرت عثمانؓ کے لیے کھانا تیار کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی مدعو کیے گئے ان کے پاس آدمی آیا تو دیکھا کہ خود اپنے ہاتھ سے اونٹوں کے لیے پتیاں جھاڑ رہے ہیں۔[4]

ایک بار ایک شخص حضرت ابو ذر غفاریؓ کے مکان پر آئے اور ان کی بی بی سے پوچھا ''وہ کہاں ہیں'' بولیں ''کام دھندے پر گئے ہیں'' تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ اونٹ پر مشک لادے ہوئے آرہے ہیں۔[5] ایک بار وہ مشک لیے آرہے تھے' ایک شخص نے پوچھا آپ کے کوئی اولاد نہیں ہے؟ بولے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کے تین لڑکے مرجاتے ہیں خدا اس کو جنت دیتا ہے''۔[6]

ایک بار رسول اللہ ﷺ فقر و فاقہ میں مبتلا ہوگئے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو ایک یہودی کے باغ میں آئے اور سترہ ڈول پانی کے کھینچے اور ہر ڈول کا معاوضہ ایک کھجور قرار پایا تھا۔ یہودی نے سترہ کھجوریں دیں ان کو لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک صحابی اسی طرح تقریباً دو صاع کھجور کما کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔[7] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں ہوتے تو جو کام خود کر سکتے تھے اس کو کسی دوسرے سے متعلق نہیں کرتے تھے۔[8]

حرمت خمر کے بعد بعض صحابہؓ نے جو سرد ملک کے رہنے والے تھے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ ''یارسول اللہ ﷺ ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور سخت مشقت طلب کام کرتے ہیں

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب مایقول الرجل اذا توضاء [2] موطائے امام مالک کتاب الحج باب مایجوز للمحرم ان یفعلہ۔ [3] ایضاً کتاب الحج باب القرآن فی الحج۔ [4] ابوداؤد کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم۔
[5] ادب المفرد باب من قدم الی ضیفہ طعاما فقام یصلی۔ [6] ادب المفرد باب فضل من مات لہ الولد۔
[7] سنن ابن ماجہ ابواب الرہون باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ ویشترط جلدۃ۔
[8] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ابن عمرؓ۔

اس لیے گیہوں کی شراب استعمال کرتے ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا ''کیا وہ نشہ آور بھی ہے؟'' بولے ''ہاں'' فرمایا ''اس کو چھوڑ دو'' [1] غسل جمعہ کے وجوب کا سبب صرف یہ ہے کہ:

كان الناس مجهودين يلبسون الصوف و يعملون على ظهورهم و كان مسجدهم ضيقا مقارب السقف انما هو عريش فخرج رسول الله ﷺ في يوم حار و عرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح اذى ذلك بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله ﷺ تلك الريح قال ايها الناس اذا كان هذا اليوم فاغتسلو اوليمس احدكم افضل ما يجد من دهنه و طيبه. [2]

''صحابہ کرامؓ سخت تنگدست تھے' کمبل کے کپڑے پہنتے تھے اپنی پیٹھ پر بوجھ لادتے تھے ان کی مسجد نہایت تنگ تھی چھت پست تھی یعنی اوپر صرف چھپر تھی' ایک روز آنحضرت ﷺ نماز جمعہ کے لیے برآمد ہوئے دن نہایت گرم تھا لوگوں کو کمبل کے کپڑوں میں پسینہ آیا اور اس قدر بو پھیلی کہ سب کو تکلیف ہوئی آپ کو بدبو کا احساس ہوا تو فرمایا کہ جب یہ دن آئے تو غسل کرلیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ تیل اور عمدہ خوشبو لگاؤ''۔

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں' حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا' جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے۔ [3]

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا' حضرت اسماءؓ، خود اس گھوڑے کے لیے گھاس لاتی تھیں' حضرت ابوبکرؓ نے گھوڑے کی سائیسی کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا' حضرت اسماءؓ وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں۔ گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں' آٹا گوندتیں [4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاشربہ باب النہی عن المسکر۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعہ۔ [3] ایضاً کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ۔

[4] مسلم کتاب السلام باب جواز اردات المراۃ الاجنبیۃ اذا عیت فی الطریق۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی' جو پیسے اس کی روٹی پکائی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا' آپؐ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سوگئیں آپ آئے تو جگایا[1]

ذرائع معاش:

مورخین یورپ کا خیال ہے کہ اسلام کے بعد صحابہ کرام کی معاش کا تمام تر دارو مدار صرف مال غنیمت پر رہ گیا تھا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔

مہاجرین و انصار اسلام کے نظام ترکیبی کے اصلی عنصر تھے اور ان دونوں نے ابتدا ہی سے الگ الگ ذریعہ معاش اختیار کر لیا تھا۔ مہاجرین تجارت اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے چنانچہ جب حضرت ابوہریرہؓ پر کثرت روایت کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے اس کی یہی وجہ بتائی:

ان اخوتی من المجهاجرین کان یشغلهم الصفق بالاسواق و کنت الزم رسول الله ﷺ علی ملاء بطنی فاشهد اذا غابوا و احفظ اذا نسوا و کان یشغل اخوتی من الانصار عمل اموالهم و کنت امرء مسکینا من مساکین الصفة اعی حین ینسون.[2]

''میرے بھائی مہاجرین تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا اس لیے جب وہ غائب ہوتے تھے تو میں حاضر ہوتا تھا جب وہ بھول جاتے تھے تو میں یاد کرتا تھا اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے اور میں مساکین صفہ میں سے ایک مسکین تھا اس لیے جب وہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں آپؐ کے اقوال کو یاد کر لیتا تھا''۔

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا حوالہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اس کی تصدیق کرنا چاہی اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس کی تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے خود معذرت کی۔

اخفی علی هذا من امر رسول الله ﷺ الهانی الصفق بالاسواق.[3]

''مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس لیے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار نے مجھ کو مشغول کر لیا تھا''۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب بیت المال سے وظیفہ لینا چاہا تو اس کی وجہ یہ بیان کی:

لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن موئنة اهلی و اشتغلت بامر

[1] ادب المفرد باب لایوذی جارہ۔ [2] بخاری کتاب البیوع۔ [3] بخاری کتاب البیوع باب الخروج فی التجارۃ۔

المسلمين فسيأكل آل ابی بکر من هذا المال[1]

"میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کی معاش کے لیے کافی تھا لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لیے میرے اہل وعیال بیت المال سے وجہ معاش لیں گے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ربیعہ بن حارث کی شرکت میں تجارت کرتے تھے۔[2]

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ہجرت کر کے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن الربیع کے ساتھ ان کی مواخات کرا دی' اس بنا پر حضرت سعدؓ نے اپنے مال میں سے ان کو نصف دینا چاہا لیکن انہوں نے کہا یہ مال تم کو مبارک مجھے کوئی تجارتی بازار بتاؤ' انہوں نے سوق قینقاع کا راستہ بتا دیا وہاں جا کر انہوں نے پنیر اور گھی کی تجارت شروع کر دی اور چند ہی دنوں میں اس قدر فائدہ ہوا کہ شادی کرنے کے قابل ہو گئے۔[3]

اسلام سے پہلے عرب میں جو بازار قائم تھے' مثلاً عکاظ' ذوالمجنہ' ذوالمجاز' حباشہ اسلام کے بعد بھی ان کی رونق تقریباً ایک صدی تک قائم رہی[4] لیکن یہ بازار چونکہ عموماً زمانہ حج میں لگتے تھے اس لیے اوّل اوّل صحابہ کرامؓ نے ان میں تجارت کرنا حرمت حج کے خلاف سمجھا' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنے فضل و برکت سے کیونکر محروم کر سکتا تھا' چنانچہ وحی آسمانی نے صحابہ کرام کو ان بازاروں میں تجارت کی عام اجازت عطا فرمائی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ.[5]

"زمانہ حج میں تجارت کرنا تمہارے لیے کوئی گناہ کا کام نہیں"۔

ان بازاروں کے علاوہ خود عہد اسلام میں بعض نئے بازار قائم ہوئے چنانچہ خود رسول اللہ نے مدینہ منورہ میں ایک جدید بازار قائم کیا جس میں کوئی تجارتی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔[6]

حضرت صخرؓ بہت بڑے تاجر تھے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

اللهم بارك لامتی فی بكورها. "اے اللہ! میری امت کو صبح کے تڑکے میں برکت دے"۔

"اسلئے وہ ہمیشہ اپنے سامان تجارت کو صبح سویرے روانہ فرماتے تھے اور معقول نفع اٹھاتے تھے"۔[7]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اکثر اپنا مال تجارت لے کر بصرہ جایا کرتے تھے چنانچہ رسول

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ربیعہ بن حارث۔ [3] بخاری کتاب البیوع باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ۔ [4] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۴۷۳' ۴۷۴ میں ان بازاروں کے تاریخی حالات بہ تفصیل مذکور ہیں۔ [5] بخاری کتاب البیوع باب ماجاء فی قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض الخ۔ [6] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۔ [7] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الابتکار فی السفر

اللہ ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرے کو گئے تھے''۔[1]

حضرت عمرؓ نے ایران سے تجارتی تعلقات قائم کیے تھے چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک ریشمی جبہ عنایت کیا اور انہوں نے لینے سے انکار کیا تو فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کو پہنو اس کو ارض فارس میں بھیج دو تمہیں مالی فائدہ حاصل ہوگا۔[2]

حضرت عطارد تیمیؓ ایک صحابی تھے جو عموماً سلاطین کے دربار میں (غالباً تجارتی تعلقات سے) حاضر ہوتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے ایک بار وہ ایک ریشمی جوڑا لائے اور حضرت عمرؓ نے اس کو بازار میں دیکھا تو فرمایا ''یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اس کو خرید لیجیے اور جب وفود عرب آئیں تو اسی کو پہن کر ان کے سامنے بیٹھیے''۔[3]

غرض صحابہ کرام کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ وہ اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ معاش پسند ہی نہیں کر سکتے تھے حکومت کی وظیفہ خواری ایک ایسا لقمہ تر ہے جس کے تصور سے بھی ایشیائی مذاق کے منہ میں پانی بھر آتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ میں جو لوگ تجارت کی برکات سے واقف تھے وہ عرب کو اس کا خوگر بنانا پسند نہیں کرتے تھے' چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے بیت المال سے تمام مسلمانوں کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو حضرت ابوسفیان بن حربؓ نے فرمایا:

ادیوان مثل دیوان بنی الاصفر انک فرضت للناس اتکلوا علی الدیوان و ترکوا التجارۃ۔[4]

''کیا رومیوں کی طرح ان کے نام بھی درج رجسٹر ہوں گے' اگر آپ نے لوگوں کے وظائف مقرر کیے تو وہ اس پر اعتماد کر لیں گے اور تجارت کو چھوڑ دیں گے''۔

مہاجرین کا مخصوص پیشہ اگرچہ تجارت تھا تاہم مدینہ میں آ کر وہ بھی رفتہ رفتہ کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے' چنانچہ جب اوّل اوّل مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے نخلستان ہمارے بھائی مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجیے' لیکن آپؐ نے انکار فرمایا پھر انہوں نے کہا کہ وہ محنت مزدوری میں حصہ لیں' ہم ان کو پیداوار میں شریک کر لیں گے تمام مہاجرین نے اس کو بخوشی منظور کر لیا[5] بعد میں انصار نے اپنے کھیت بٹائی پر دینا شروع کر دیے تو عموماً مہاجرین نے زراعت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ صحیح بخاری میں ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح۔ [2] مسند جلد ۳ ص ۳۴۷ لیکن اس حدیث سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایران سے ان کے تجارتی تعلقات تھے کیونکہ دوسرے تاجروں کے ذریعہ سے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ [3] مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضہ۔

[4] فتوح البلدان ص ۴۶۳۔ [5] بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب اذا قال اکفنی مؤنۃ النخل۔

ما بالمدینة اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث و الربع.

''مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو''۔

حضرت علیؓ، حضرت سعد بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ اسی طرح کھیتی کرتے تھے[1] لیکن صحابہ کرام کی معاش صرف زراعت و تجارت ہی پر موقوف نہ تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو کسب حلال کی توفیق عطا فرمائی تھی' اس لیے جس پیشے سے رزقِ طیب حاصل ہو سکتا تھا' اس کے اختیار کر لینے میں ان کو کسی قسم کا ننگ و عار نہ تھا' خود حضرت سودہؓ طائف کا ادیم بناتی تھیں اور اس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواجِ مطہرات سے بہتر تھی۔[2]

حضرت سلمانؓ فارسی اگرچہ مدائن کے گورنر تھے۔ تاہم چٹائی بن کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے۔[3] بعض صحابہ محنت مزدوری پر اپنی اوقات بسر کرتے تھے' ایک صحابی نے آپؐ سے مصافحہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں نشانات کیسے ہیں' بولے ''پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل و عیال کے لیے روزی پیدا کرتا ہوں'' آپؐ نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔[4]

بعض صحابہ شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کرتے تھے اور ان سے شہد پیدا کرتے تھے چنانچہ ایک صحابی نے ایک جنگل رسول اللہ ﷺ سے اپنے لیے مخصوص کرا لیا تھا اس سے شہد پیدا کرتے تھے اور اس کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے' یہ جنگل حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک ان کے قبضے میں رہا۔ ایک قبیلے کے لیے آپؐ نے اسی قسم کے دو جنگل مخصوص کر دیئے تھے اور وہ اس کی زکوٰۃ دیتے تھے۔[5]

---
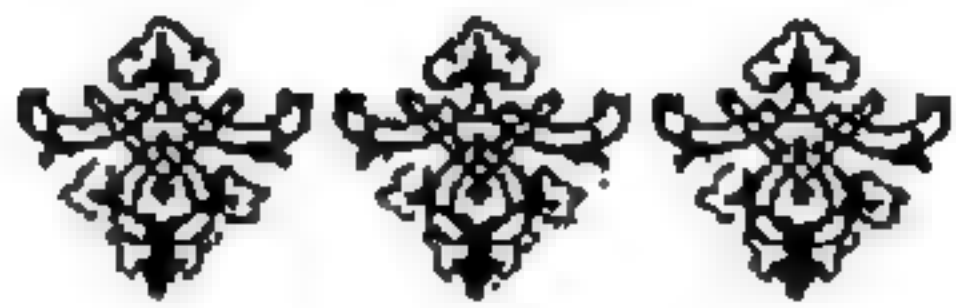
[1] صحیح بخاری ابواب الحرث والمزارعہ بالشطر ونحوہ۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ خلیبہ رضی اللہ عنہ۔

[3] استیعاب تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ سعد الانصاریؓ۔

[5] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ العسل

حصہ دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ طبع ثانی

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ کا جو سلسلہ لکھا ہے شائع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی وعملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ میں لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا۔ اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا۔

۱۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

۲۔ مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

۳۔ مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔ ۴۔ مولانا سعید انصاری صاحب

یہ سیر صحابیات رضی اللہ عنہن آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے۔ اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی اور اب وہ دوبارہ شائع کی جارہی ہے اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے حوالوں کی تصحیح بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لیے خیر جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لیے ان کا راہ سے ہٹنا دوراز عقل نہیں لیکن اگر ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری اور خداترسی' پاکیزگی عفت اور صلاح وتقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی : ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ)).

جناب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک' مذہب' اخلاق' سیاست اور علم معرفت کا ایک مکمل مجموعہ تھی جن کے اصول وقواعد قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں اس لیے آپ کے وصال کے بعد ان عناصر اربعہ کا تحفظ و بقاء صحابہ کرام کا سب سے اہم فرض تھا اور انہوں نے اس فرض کو جس دیانت اور سرگرمی کے ساتھ ادا کیا کتاب کے اس حصہ میں اسی کی تفصیل ہے اگرچہ بحیثیت جانشین رسولؐ کے خلفاء راشدین کو اس فرض کے ادا کرنے کا موقعہ اور تمام صحابہ سے زیادہ ملا اور اس لیے کتاب کا یہ حصہ زیادہ تر خلفاء راشدین ہی کے مذہبی اخلاقی سیاسی اور علمی کارناموں پر مشتمل ہے۔ لیکن ان تمام کارناموں کے انجام دینے میں دیگر صحابہ بھی ان کے شریک تھے مثلاً وہی مسجدوں کے امام' درسگاہوں کے معلم' صوبوں کے حاکم' عدالتوں کے قاضی' فوجوں کے افسر اور مسلمانوں کے مفتی تھے اور اس حیثیت سے ان کے عملی مظاہر مساجد سے لے کر ایوان حکومت اور میدان جنگ تک میں یکساں نظر آتے تھے اس بنا پر خلفائے راشدین کے کارناموں کے ساتھ اور صحابہ کے کارنامے بھی اس حصے میں آ گئے ہیں اور اس طرح یہ حصہ صحابہ کے کارنامہائے زندگی کا ایک مکمل مجموعہ بن گیا ہے۔

جو لوگ اس کتاب کے پہلے حصے میں خود صحابہ کرامؓ کے مذہبی' اخلاقی اور معاشرتی

فضائل ومناقب پڑھ چکے ہیں۔ ان کو اس حصے میں یہ نظر آئے گا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی تربیت سے کیوں کر صحابہ کرام کو تدبیر و سیاست اور علم و معرفت میں بھی دنیا کے لیے ایک مکمل نمونہ بنا کر چھوڑ گئے اور ان تمام نے اپنے زمانے میں کیونکہ تمام دنیا کو آپ کی تعلیمات وتلقینات کے مطابق مذہب' اخلاق اور سیاست کی صراطِ المستقیم پر قائم رکھا۔

خدا کے پیغمبروں نے بھی اپنے اصحاب کو ان تمام چیزوں کی تعلیم و تلقین کی ہے لیکن اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ان کی حفاظت کی اور جس طرح ان کو قائم و برقرار رکھا اس کی نظیر سے تمام دنیا کی مذہبی تاریخ خالی ہے اور درحقیقت ایک ابدی مذہب کے قیام و بقاء کے لیے اسی قسم کے برگزیدہ ومتدین محافظ درکار تھے۔

عبدالسلام ندوی

شبلی منزل اعظم گڑھ

۱۱ جولائی ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
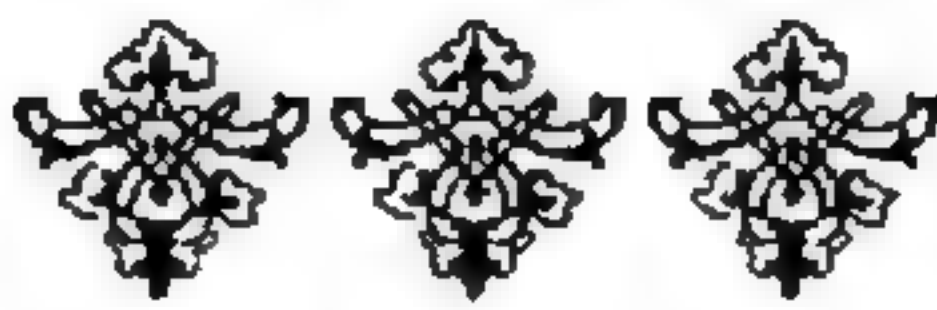
سیاسی خدمات

خلافتِ الٰہی

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ (نور)

خلافت الٰہی ایک مقدس مذہبی امانت ہے اس لیے اس کا استحقاق صرف ایمان و عمل ہی کی بنا پر پیدا ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اوّل اوّل جب آسمان پر اس کا اعلان ہوا تو مقربان بارگاہ الٰہی نے اپنے استحقاق کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ﴾ (بقرہ)

''جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تو ان سب نے کہا کیا تو زمین میں اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کرتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں''۔

صحابہ کرامؓ کے عقائد و اعمال کی جو تفصیل پہلے حصے میں گزر چکی ہے ان کو پڑھ کر ہر شخص تسلیم کرے گا کہ انہوں نے مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اپنے آپ کو خلافت

الٰہی کا حقیقی مستحق بنا لیا تھا لیکن اس حصے میں ہم ان اخلاقی خصوصیات کو دکھانا چاہتے ہیں جن سے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگا کہ صحابہ کرامؓ میں حاکم ومحکوم اور راعی ومرعی دونوں کے مشترکہ اخلاقی اوصاف نے خلافت کو کس صحیح اصول پر قائم کیا اور کس صحیح طریقے پر اس کو قائم رکھا۔

صحابہ کو خلافت کی خواہش نہ تھی:

امارت وحکومت اگر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا ذریعہ ہے تو وہ ایک مقدس فریضہ مذہبی ہے لیکن اگر اس کو ذاتی اغراض کی شکارگاہ بنا لیا جائے تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں اس بنا پر ہر نظام حکومت کے متعلق سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ اس کی بنیاد کس سطح پر رکھی گئی ہے؟ صحابہ کرامؓ کے دور کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ ذاتی حیثیت سے امارت وحکومت کی خواہش نہیں رکھتے تھے' البتہ جن مواقع پر وہ مذہبی خدمات اور مذہبی اعزاز کا ذریعہ ہو سکتی تھی وہاں تمام صحابہ اس کو محبوب سمجھنے لگتے تھے جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر میں اعلان فرمایا کہ ''میں آج یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اسی کے ہاتھ پر فتح نصیب کرے گا' تو اس مذہبی شرف کے شوق سے تمام صحابہ کے دل لبریز ہو گئے' لیکن ان مواقع کے علاوہ ان کے پاک دل کو کبھی اس ہوس نے آلودہ نہیں کیا' خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

ما احببت الامارة الایو منذ[1]

''غزوہ خیبر کے سوا میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی''۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو مہاجرین وانصار میں اگرچہ ایک طرح کی کشمکش پیدا ہوگی تاہم اس وقت بھی دور صحابہ کی یہ خصوصیات نمایاں رہیں اس وقت انصار مہاجرین کے حریف مقابل تھے لیکن ان ہی انصار میں حضرت زید بن ثابت بھی تھے جنہوں نے نہایت ایثار کے ساتھ کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ مہاجر تھے اس لیے خلیفہ بھی مہاجر ہی ہوگا ہم جس طرح آپ کے انصار تھے آپ کے خلیفہ کے بھی انصار رہیں گے''۔[2]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶

یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ تک ذاتی تفوق وامتیاز کی بنا پر صحابہ کرام میں باہم کوئی نزاع نہیں قائم ہوئی۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا احساس:

حکومت یا امارت اگر ذاتی اغراض کا ذریعہ ہیں تو ان کی ذمہ داری اس سے زیادہ نہیں جتنا ایک جانور اپنی بھوک پیاس کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر ان کے ذریعہ سے دنیا میں نیکیوں کا پھیلانا اور برائیوں کا استیصال کرنا مقصود ہے تو وہ ایک ایسا بار امانت ہے جس کے بوجھ سے آسمان وزمین تک کانپ اٹھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے سر پر یہی بار امانت ڈالا گیا تھا' اس لیے اس بوجھ سے ان کے اعصاب ہمیشہ متزلزل رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے پہلا خطبہ جو دیا وہ صرف خلافت کی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا' چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

یا ایھا الناس لوودت ان ھذا اکفانیه غیری و لئن اخذتمونی سنة نبیکم ما اطیقھا ان کان لمعصوما من الشیطان و ان کان لینزل علیه الوحی من السماء[1]

''لوگو! میری خواہش یہ تھی کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اٹھاتا اور اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبر کا اتباع چاہو گے تو میں اس کا متحمل نہ ہوسکوں گا کیونکہ وہ شیطان سے محفوظ و مامون تھے اور ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ'' اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کو اٹھانے کی قوت رکھتا تو مجھ پر یہ بہت زیادہ آسان تھا کہ میں آگے بڑھ جاؤں اور میری گردن اڑا دی جائے''۔[2]

ایک بار حج سے واپس آ رہے تھے راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے چادر بچھائی اور اس پر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

اللھم کبرت سنی و ضعفت قوتی و انتشرت رعیتی فاقبضنی الیک غیر مضیع و لا مفرط۔[3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۔ [2] موطائے امام محمدؒ باب النوادر۔ [3] موطائے امام محمد باب الرجم

''اے میرے اللہ! اب میرا سن زیادہ ہوا میرے قویٰ ضعیف ہو گئے میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی پس مجھ کو اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھوں''۔

ان کے مرض الموت میں جب لوگوں نے درخواست کی کہ ''اپنا جانشین مقرر کرتے جایئے تو بولے کیا میں یہ بوجھ موت اور زندگی دونوں حالتوں میں اٹھاؤں' میری صرف یہ آرزو ہے کہ میں اس سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ عذاب وثواب برابر سرابر ہو جائیں''۔

خلافت کی ذمہ داریوں کا یہی احساس تھا جس کی بنا پر انہوں نے حالت نزع میں ہر گروہ کی حفاظت حقوق کے لیے وصیت کی۔ مہاجرین وانصار سے لے کر بدو اور ذمی تک کے حقوق کی طرف اپنے جانشین کو توجہ دلائی چنانچہ بخاری باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان میں یہ وصیت بہ تفصیل مذکور ہے۔

فرائض خلافت:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اپنے فضل واحسان سے اپنا سب سے بڑا عطیہ عطا فرمایا تو ساتھ ساتھ اس کے فرائض بھی بتا دیئے۔

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (حج)

''وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں متمکن کر دیں گے تو وہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے اور ہر کام کا انجام صرف خدا کے لیے ہے''۔

یہ فرائض جلیلہ اصولاً تین قسموں میں منقسم کیے جا سکتے ہیں' مذہب' اخلاق اور سیاست صحابہ کرامؓ نے اپنے عہد میں جس طرح یہ فرائض انجام دیئے ان کی تفصیل اس حصہ کے مختلف ابواب وفصول میں آئے گی اس موقع پر صرف ان موثر مثالوں کا جمع کرنا مقصود ہے جن سے اس جوش' اس خلوص' اس مستعدی اور اس سرگرمی کا اظہار ہو گا جو ان فرائض کے انجام دینے میں صحابہ کرامؓ نے ظاہر فرمائی۔

ہمارے زمانہ میں بادشاہ کا رات کو تنہا نکلنا ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق جب خلیفہ ہوئے تو سات مہینے تک مقام سخ میں قیام فرمایا جو مدینہ کی اصل آبادی سے دور تھا لیکن روزانہ وہاں سے کبھی پاپیادہ اور کبھی سواری پر مسجد نبوی میں آتے تھے اور عشاء کی نماز پڑھا کر واپس جاتے تھے۔[1]

حضرت عمر صبح تڑکے اٹھتے تو پہلا کام یہ انجام دیتے کہ جو لوگ تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے ان کو نماز صبح کے لیے جگاتے[2] عشاء کے بعد ان کا سب سے آخری فرض یہ تھا کہ مسجد کی دیکھ بھال فرماتے جو لوگ عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے ان کے سوا دوسرے بیکار آدمیوں کو نہ رہنے دیتے۔[3]

لیکن ابھی ان کے فرائض خلافت ختم نہ ہوتے بلکہ راتوں کو اٹھ اٹھ کے مدینہ کا پہرا دیتے ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ رات کو نکلے دفعتاً ایک گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئی قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور کچھ لوگ شور و شغب کر رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے فرمایا تمہیں معلوم ہے یہ گھر کس کا ہے؟ ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے اور وہ لوگ اس وقت شراب پی رہے ہیں تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے کہ خدا نے ہم کو تجسس کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے واپس آئے۔[4]

مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا تھا۔ وہاں جاتے تھے اور مسلمانوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے ایک قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ امیر المومنین ہاتھ میں عصا لے کر مسلمانوں کو خود کھانا کھلا رہے ہیں[5] عشاء کے بعد پھر پھر کے مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اس کو لیجا کر کھانا کھلاتے۔[6]

فوجوں کو روانہ فرماتے تو ہر وقت اس کے خیال میں مصروف رہتے فرمایا کرتے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۸۔ [3] خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ صفحہ ۱۷۵۔ [4] اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ اس قسم کی متعدد مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔ [5] [illegible]ری صفحہ ۲۷۰۲۔ [6] طبقات ابن سعد تذکرہ ام حبیبہ خولہ۔

تھے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوج کے بھیجنے کا سامان کرتا رہتا ہوں۔ نہاوند کے معرکہ کا دن آیا تو رات کروٹیں بدل بدل کر کاٹی[1] قادسیہ میں ایرانیوں سے جنگ ہوئی تو صبح سے لے کر دوپہر تک کا صرف یہ مشغلہ تھا کہ جو شتر سوار ادھر سے آتے ان سے حالات دریافت فرماتے۔[2]

رعایا کی خبر گیری کا نہایت خیال رکھتے تھے عمال کے یہاں سے جو قاصد آتے ان سے رعایا کا حال پوچھتے ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے یہاں سے ایک آدمی آیا تو اس سے رعایا کے حالات پوچھے[3] اخیر میں تمام ملک کے دورے کا بھی ارادہ کیا تھا اور فرماتے تھے کہ ایک سال متصل دورہ کروں گا رعایا خود مجھ تک پہنچ نہیں سکتی اور عمال ان کی ضروریات کو مجھ تک نہیں پہنچاتے' دو مہینہ شام میں' دو مہینہ جزیرہ میں' دو مہینہ مصر میں' دو مہینہ بحرین میں' دو مہینہ کوفہ میں اور دو مہینہ بصرہ میں قیام کروں گا لیکن ان میں صرف شام کے دورہ کی نوبت آئی۔[4]

صدقہ میں جو جانور آتے تھے ان کی نگرانی اور حفاظت خود فرماتے تھے ایک دن سخت لو چل رہی تھی اور زمین پر انگارے بچھے ہوئے تھے اسی حال میں حضرت عثمان نے دیکھا کہ وہ دو اونٹوں کو ہانکے ہوئے لے جا رہے تھے پوچھا کہ آپ اس وقت گھر سے کیوں نکلے؟ بولے صدقہ کے دو اونٹ چھوٹ گئے تھے میں نے خیال کیا کہ ان کو چراگاہ میں پہنچا آؤں ایک روز صدقے کے اونٹ آئے تو سر پر چادر ڈال لی اور تپتی ہوئی زمین پر کھڑے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کا حلیہ قلم بند کروایا' حضرت عثمان بھی موجود تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا۔

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ.

''جس کو تم نے ملازم رکھا ہے وہ قوی اور امین ہے''۔

لیکن وہ قوی امین یہ ہیں۔[5]

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل لگا رہے تھے ایک شخص نے کہا ''اے

---

[1] طبری صفحہ ۲۶۲۸۔ [2] طبری صفحہ ۲۳۶۷۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیۃ القضاء فیمن ارتد عن الاسلام۔ [4] طبری صفحہ ۲۷۳۸۔ [5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

امیر المومنین کسی غلام کے متعلق یہ کام کر دیا ہوتا'' بولے ''مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ مسلمانوں کا غلام ہے۔[1]

بازار کی نگرانی کا خاص اہتمام رکھتے تھے اگرچہ اس کام کے لیے حضرت عبداللہ اور حضرت سائب ابن زید کو خاص طور پر مقرر کر دیا تھا[2] لیکن خود بھی بازار کا گشت لگایا کرتے تھے ایک دن بازار سے گذرے تو دیکھا کہ ایک نئی دکان کھلی ہے اس کو توڑ ڈالا اگر تاجر ایک جگہ جمع ہو جاتے تو ان کو کوڑا مارتے اور کہتے کہ راستہ نہ بند کرو۔[3]

ایک دن بازار سے گذرے حضرت حاطب بن بلتعہ کو دیکھا کہ منقی بیچ رہے ہیں بولے یا بھاؤ بڑھاؤ یا اس کو اٹھا کر بازار سے لے جاؤ۔[4]

بیت المال سے مسلمانوں کے جو وظائف مقرر تھے ان کے گھروں پر جا جا کر تقسیم کرتے تھے ہشام کعبی کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ میں قبیلہ خزاعہ کا رجسٹر لے لیتے تھے پھر وہاں سے مقام قدید میں جا کر ہر باکرہ و ثیبہ عورت کو اس کا وظیفہ خود اس کے ہاتھ میں دیتے تھے۔ پھر وہاں سے مقام عسفان میں آ کر وظائف تقسیم فرماتے تھے۔[5]

حضرت عثمانؓ نے بھی اس سنت کو قائم رکھا تھا مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ وہ منبر پر تھے اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا لیکن وہ اس حالت میں بھی لوگوں کے حالات اور بازار کا نرخ پوچھ رہے تھے۔[6]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ فرائض خلافت ادا فرماتے تھے استیعاب میں ہے کہ وہ ہاتھ میں درہ لیے ہوئے بازاروں میں گھومتے رہتے تھے اور لوگوں کو پرہیزگاری' سچائی' حسن معاملت اور پورے پورے ناپ جوکھ کی ترغیب دیتے تھے[7] ایک دن بازار میں گئے دیکھا کہ ایک لونڈی ایک خرمہ فروش کی دوکان پر رو رہی ہے بولے کیا حال ہے؟ بولی اس نے ایک درہم پر میرے ہاتھ کھجور فروخت کی لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کر دیا۔ اب وہ پھیرنے پر راضی نہیں ہوتا انہوں نے سفارش کی

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۴۔ [2] موطائے امام مالک کتاب البیوع۔ [3] کنز العمال صفحہ ۱۷۶۔ [4] مسند جلد ۱ صفحہ ۲۱۔ [5] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۷۔ [6] مسند جلد ۱ صفحہ ۷۳۔ [7] استیعاب تذکرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

کہ کھجور لے لو اور اس کے دام واپس دے دو۔ اس نے اس کو دھکیل دیا۔ لوگوں نے کہا کچھ خبر ہے؟ یہ امیر المومنین ہیں" اب اس نے اس کی کھجور واپس کر دی اور کہا کہ "مجھ سے راضی ہو جائیے" بولے اگر لوگوں کا حق پورا پورا کر دو گے تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہوگا۔[1]

ایک دن بازار سے گزرے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ہیں بولے کسی کو یہ اختیار نہیں ہے مسلمانوں کے بازار نمازیوں کے مصلیٰ کی طرح ہیں جو لوگ آج آگے بڑھ گئے ہیں وہ کل اس کو چھوڑ دیں۔[2]

دیانت:

خلفاء کی حفاظت میں سب سے زیادہ گراں قیمت چیز بیت المال تھا دنیوی بادشاہ سلطنت کا مال اپنے اوپر بے دریغ صرف کرتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ نے اس خزانہ الٰہی کی اس دیانت کے ساتھ حفاظت کی کہ اپنے مصارف سے زیادہ اس میں سے کبھی ایک حبہ نہیں لیا۔

حضرت ابوبکر نے فرائض خلافت کی مصروفیت کی بنا پر بیت المال سے وظیفہ لیا تو اس کے ساتھ یہ تصریح کردی کہ اس کے بعد ان کی تجارت کی آمدنی بیت المال میں منتقل ہو جائے گی۔

فسیاکل آل ابی بکر من ھذا لمال و یحترق للمسلمین.[3]

"اب آل ابوبکر اس مال سے وجہ معاش لے گی اور مسلمانوں کے لیے کام کرے گی۔"

لیکن انتقال کے وقت وظیفہ کی رقم بھی واپس کر دی۔[4]

حضرت عمر کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایک مزدور تھے اس لیے بیت المال سے صرف اسی قدر لیتے تھے جتنا ایک مزدور کو لینا چاہیے۔ اسد الغابہ میں ہے۔

و نزل نفسہ بمنزلۃ الاجیر و کاحاد المسلمین فی بیت المال.[5]

"انہوں نے اپنا حق بیت المال سے صرف اسی قدر لیا جس قدر ایک مزدور اور مسلمانوں کے عام افراد کا حق تھا"۔

انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہر موقع پر ثابت کیا کہ بیت المال مسلمانوں کا مشترکہ خزانہ ہے خود ان کا اس میں کچھ حق نہیں ہے چنانچہ انہوں نے ایک بار حضرت حذیفہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے وظیفے تقسیم کر دو انہوں نے جواب دیا کہ وظیفے تقسیم ہو چکے

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ صفحہ ۲۳۱۔ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۶۔
[3] بخاری کتاب البیوع [4] طبری صفحہ ۲۱۴۳۔ [5] اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۷۱

لیکن بہت سا مال بچ گیا ہے حضرت عمرؓ نے ان کو دوبارہ لکھا کہ یہ بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دو یہ عمرؓ اور آل عمر کا مال نہیں ہے۔[1]

ایک بار حج کو گئے تو آمد و رفت میں ۸۰ درہم صرف ہو گئے ان کو اس پر اس قدر افسوس ہوا کہ ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے تھے:

ما اخلقنا ان تکون قد اسرفنا فی مال اللہ تعالی.[2]

''یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے مال میں فضول خرچی کی''۔

ایک بار بیمار ہوئے اور دوا کے لیے شہد کی ضرورت پیش آئی بیت المال میں شہد کا پیپا تھا مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا' اگر آپ لوگ اجازت دیں تو یہ شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔[3]

ایک بار تمام مصارف کے بعد کچھ مال بچ گیا تو لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب یہ کہاں خرچ کیا جائے لوگوں نے کہا یا امیر المومنین ہم نے آپ کو زراعت و تجارت کے کاروبار سے روک دیا ہے' اب وہ آپ کا مال ہے' انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا ''لوگوں نے آپ کا نام لیا ہے'' بولے ''تمہیں کہو'' انہوں نے کہا ''ایک دن آپ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو ہم نے آپ کو افسردہ پایا دوسرے روز گئے تو آپ خوش تھے ہم نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے دن میرے پاس صدقے کے دو دینار رہ گئے تھے اس لیے میں رنجیدہ تھا اور آج میں نے ان کو تقسیم کر دیا' اس لیے خوش ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا میں دنیا و آخرت دونوں میں تمہارا شکر گزار رہوں۔[4]

خلافت کے بعد وہ خود مسلمانوں کے ہو گئے تھے اور اپنی ذاتی حیثیت فنا کر دی تھی اس لیے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو یا تو بیت المال میں داخل کر دیتے تھے یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۸۔ [2] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۷۲۔ [3] نزہت الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تذکرہ حضرت عمرؓ۔ [4] مسند جلد ۱ صفحہ ۹۴

ایک بار شاہِ روم کا قاصد آیا تو ان کی بی بی نے ایک اشرفی کا عطر خریدا اور اس کو شیشی میں بھر کر شاہ روم کی بی بی کے پاس ہدیۃً بھیجا اس نے ان شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ جواہرات دیکھے تو ان کو فروخت کر کے ایک دینار اپنی بی بی کو واپس کر دیا بقیہ رقم بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر نے چراہ گاہ میں اونٹوں کو چرا کر خوب فربہ کیا اور بازار میں بیچنے کے لیے لائے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا کہ ''اے امیر المومنین کے بیٹے یہاں آؤ'' وہ آئے تو کہا کہ ''امیر المومنین کا بیٹا سمجھ کر لوگوں نے تمہارے اونٹوں کو خوب کھلایا پلایا ہے راس المال لے لو بقیہ اونٹوں کو بیت المال میں داخل کر دو''۔

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کی بی بی عاتکہؓ کے پاس ہدیۃً ایک چادر بھیجی' انہوں نے اس کو بلا کر سخت تہدید کیا اور چادر کو ان کے اوپر پھینک دیا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیانت کا یہ حال تھا کہ ایک بار ان کے پاس اصبہان سے کچھ مال آیا جس میں ایک روٹی بھی تھی انہوں نے مال کے ساتھ روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصہ پر ایک روٹی کا ٹکڑا رکھا پھر قرعہ ڈالا کہ پہلے کس کو دیا جائے۔

ایک دن بیت المال کا کل مال تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دلوائی پھر اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن لوگ ان کی دیانت کی شہادت دیں۔

ان کو جو چیزیں ہدیۃً ملتی تھیں وہ ان کو بھی بیت المال میں داخل کر دیتے تھے ایک دن انہوں نے ایک عطر کی شیشی دکھا کر کہا کہ ''یہ مجھے ایک دہقان نے ہدیۃً دی ہے'' پھر بیت المال میں آئے اور اس میں جو کچھ عطر تھا انڈیل دیا اور فرمایا کامیاب ہے وہ شخص جس کے پاس ایک قوصرہ ہو اور وہ روز اس کو کھائے''[2]

ایک بار کسی رئیس نے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دو چادریں ہدیۃً دیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے چادروں پر نظر پڑ گئی تو پوچھا کہ یہ کہاں

---

[1] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ۔ [2] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سے ملیں؟ انہوں نے واقعہ بتایا تو ان کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک بار اصبہان سے ان کے پاس بہت سا مال اور سامان آیا انہوں نے اس کو چند دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھوا دیا اس میں سے حضرت ام کلثوم نے ایک مشکیزہ شہد اور ایک مشکیزہ گھی کا منگوا لیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آ کر گنا تو دو مشکیزوں کی کمی معلوم ہوئی انہوں نے پوچھا تو حفاظت کرنے والوں نے کہا ان کا حال نہ پوچھیے ہم ان کو لا دیتے ہیں' بولے ''تم کو اصل واقعہ بیان کرنا پڑے گا'' انہوں نے کہا ''ہم نے حضرت ام کلثوم کے پاس بھیج دیا'' فرمایا میں نے تو یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں میں تقسیم کر دو اور تم نے ام کلثوم کو دے دیا' چنانچہ اسی وقت وہ مشکیزے اٹھوا منگوائے اور ان میں سے جو کچھ صرف ہو چکا تھا اس کی قیمت لگوائی تو معلوم ہوا کہ ۳ درہم کی کمی آئی ہے حضرت ام کلثوم کے یہاں سے ۳ درہم منگوائے اور مشکیزوں کو تمام مسلمانوں پر تقسیم کرا دیا۔[1]

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے دور خلافت میں جمہوری روح پھونک دی تھی شخصیت پرستی درحقیقت بددیانتی' خود غرضی اور عیش پرستی کا نتیجہ ہے خود غرض لوگ صرف اس بنا پر شخصیت کی حمایت کرتے ہیں کہ سلطنت کے تمام اختیارات' سلطنت کی تمام دولت اور سلطنت کے تمام مداخل و مخارج ان کے ہاتھ میں آ جائیں اور وہ مطلق العنانی کے ساتھ مزے اڑائیں۔ لیکن جو لوگ دیانت کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ تمام دنیا کو خود امور سلطنت میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں تاکہ ان کے سر کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور ان کی ذمہ داریاں بہت سے لوگوں پر تقسیم ہو جائیں۔ صحابہ کرامؓ اسی اصول پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ خود تمام مسلمانوں کو امور خلافت میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خراج کے تعین کے متعلق تمام صحابہ کو مشورہ کے لیے بلایا تو یہ الفاظ فرمائے۔

انی لم از عجکم الا ان تشترکوا فی امانتی۔[2]

''میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ میری امانت میں شریک ہوں''۔

---

[1] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴

مساوات:

جب کہ تمام عرب وعجم نے سیادت وحکومت کے ذریعہ سے دنیا کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ اسلام نے صرف تقویٰ وطہارت کو انسان کا اصلی شرف قرار دیا اور قرآن مجید نے تمام دنیا کے خلاف یہ صدا بلند کی:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات)

''تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔

صحابہ کرام کو اگرچہ خلافت الٰہی نے اس شرف سے بھی ممتاز کیا جو روم وایران کا سب سے بڑا ذریعہ تفوق وامتیاز تھا تاہم انہوں نے صرف مذہب واخلاق ہی کو اپنا اصلی شرف خیال کیا' حضرت عمر بن الخطاب کا قول ہے:

کرم المومن تقواه و دینه و حسبه و مروته و خلقه۔[1]

''مسلمان کا اصل مایۂ شرف اس کا تقویٰ ہے اس کا دین ہے اس کا حسب ہے اس کی مروت ہے اور اس کا خلق ہے''۔

اس خیال کا یہ نتیجہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت خود اپنے آپ کو تمام لوگوں کے برابر سمجھتا ہے اور ہر شخص کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتا تھا۔

ایک دن حضرت عمر امورِ خلافت میں مشغول تھے کہ اسی حالت میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ ''اے امیر المومنین مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے انہوں نے اس پر کوڑا اٹھایا اور کہا کہ ''جب میں فصل مقدمات کے لیے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب خلافت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو دادرسی کے لیے آتے ہو'' وہ ناراض ہو کر چلا تو خود اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لو' اس نے کہا نہیں میں خدا کے لیے معاف کرتا ہوں بولے اگر خدا کے لیے معاف کرتے ہو تو خیر ورنہ اگر میرے لیے درگزر کرتے ہو تو مجھے بتاؤ'' اس نے کہا نہیں خدا کے لیے''۔[2]

اگر کبھی امراء وعمال ان کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرتے جو ان میں اور عام

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجهاد باب الشهداء فی سبیل اللہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ

مسلمانوں میں تفریق اور امتیاز پیدا کرتا تو سخت برہم ہوتے اور ان کو تہدید فرماتے ایک بار حضرت عتبہ بن فرقدؓ نے ان کی خدمت میں نہایت تکلف کے ساتھ ایک لذیذ غذا بھیجی فرمایا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں؟ جواب ملا نہیں بولے تو پھر مجھے بھی نہیں چاہیے اس کے بعد ان کو لکھا کہ یہ تمہاری اور تمہارے باپ کی کمائی نہیں ہے تمام مسلمانوں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور عیش پرستی سے بچو۔[1]

ایک بار حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ بن عمرؓ عراق کی کسی مہم میں شریک ہوئے پلٹ کر بصرہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو وہاں کے گورنر تھے نہایت جوش کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ ''اگر میں آپ دونوں صاحبان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہوتا تو ضرور پہنچاتا' یہاں میرے پاس تھوڑا سا صدقہ کا مال ہے جس کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں آپ لوگ یہاں اس روپیہ سے اسباب تجارت خرید لیں اور مدینہ جا کر اس کو فروخت کریں جو نفع حاصل ہو اس کو خود لے لیں اور اصل مال امیر المومنین کے حوالے کر دیں' یہ کہہ کر روپیہ ان کے حوالے کر دیا اور حضرت عمر کو اس کی اطلاع دے دی' ان دونوں صاحبوں نے اس پر عمل کیا لیکن جب روپیہ لے کر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کیا ابوموسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بولے نہیں فرمایا میرے لڑکے سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے اصل اور نفع دونوں دے دو۔

ایک بار انہوں نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا اس نے کہا کہ ''اگر اجازت ہو تو میں عراق کو جاؤں'' بولے مکاتب ہونے کے بعد جہاں چاہو جا سکتے ہو وہ روانہ ہوا تو اور چند غلاموں نے اس کی رفاقت کرنا چاہی اور کہا کہ امیر المومنین سے ایک خط لے لو کہ تمام مسلمان ہمارے ساتھ عزت سے پیش آئیں اس کو اگرچہ معلوم تھا کہ یہ درخواست ان کو ناگوار ہوگی تاہم اس نے یہ گزارش کی' ڈانٹ کر فرمایا تم لوگوں پر ظلم کرنا چاہتے ہو تم تمام مسلمانوں کے برابر ہو۔[2]

---

[1] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ۔

[2] طحاوی کتاب المکاتب فی الوضع عن المکاتب وبیعہ۔

اس طرز عمل نے تمام قوم میں مساوات کی روح پھونک دی تھی اس لیے اگر کوئی شخص خلفاء کے ساتھ کسی قسم کا غیر مساویانہ برتاؤ کرتا تھا تو تمام لوگ برہم ہو جاتے تھے' حضرت امیر معاویہ پہلی بار شام سے حج کو آئے تو ایک شخص نے کہا کہ "السلام علیك ایها الامیر و رحمة الله" تمام اہل شام بگڑ گئے اور کہا کہ یہ منافق کون ہے جو صرف امیر المومنین کو سلام کرتا ہے۔[1]

زہد و تواضع:

سلاطین و امراء کے جاہ و جلال سے اگر چہ انسان دفعتاً مرعوب ہو جاتا ہے لیکن حقیقی اطاعت اور اصلی محبت صرف زہد و تواضع سے پیدا ہو سکتی ہے صحابہ کرامؓ کے دور خلافت میں اگر چہ دنیا نے ان کے سامنے اپنے خزانے اگل دیئے' تاہم انہوں نے اپنی قدیم سادگی اور خاکساری کو ہمیشہ قائم رکھا اس لیے عرب کی غیور طبیعتوں کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کبھی عار و استنکاف نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ خلافت سے پہلے بکریاں دوہا کرتے تھے منصب خلافت سے ممتاز ہوئے تو ایک چھوکری نے کہا "اب وہ ہماری بکریاں نہ دوہیں گے" انہوں نے سنا تو بولے "خدا کی قسم ضرور دوہوں گا' خدا نے چاہا تو خلافت میری قدیم حالت میں تغیر نہ پیدا کرے گی چنانچہ امور خلافت کو بھی انجام دیتے تھے اور ان کی بکریاں بھی دوہتے تھے' بلکہ اگر ضرورت ہوتی تو ان کو چرا بھی لاتے تھے۔

ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا تو لوگ شہد کا شربت لائے پیالے کو منہ سے لگا کر ہٹا دیا اور رونے لگے جو لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی رو پڑے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے پھر دوبارہ رونا شروع کیا' لوگوں نے پوچھا آخر آپ کیوں روئے؟ فرمایا میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی آدمی کو دھکیل رہے ہیں حالانکہ کوئی شخص آپ ﷺ کے پاس نہ تھا میں نے پوچھا یہ آپ کس کو دھکیل رہے ہیں؟ فرمایا دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آئی ہے میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ جا

---

[1] ادب المفرد باب التسلیم علی الامیر۔

وہ ہٹ گئی پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں لیکن آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے'' مجھے یہی واقعہ یاد آ گیا اور مجھے خوف پیدا ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے چمٹ نہ جائے۔[1]

حضرت عمر کسریٰ و قیصر کے خزانے کے کلید بردار تھے لیکن زہد و تواضع کا یہ حال تھا کہ ایک دن انہوں نے پینے کا پانی مانگا لوگ شہد کا شربت لائے پیالے کو ہاتھ پر رکھ کر تین بار فرمایا کہ اگر پی لوں تو اس کی مٹھاس چلی جائے گی اور تلخی (عذاب) باقی رہ جائے گی' یہ کہہ کر ایک آدمی کو دے دیا اور وہ اس کو پی گیا۔

ایک بار ان کے پاس حضرت عتبہ بن فرقدؓ آئے دیکھا کہ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھا رہے ہیں' حضرت عمرؓ نے ان کو بھی شریک طعام کر لیا لیکن یہ لقمہ ہائے خشک ان کے گلے سے نہ اترے وہ عیش و طرب کے ساز و برگ دیکھ چکے تھے بولے ''یا امیر المومنین آپ کو میدے سے رغبت ہے؟'' فرمایا کل مسلمانوں کو مل سکتا ہے' انہوں نے کہا نہیں بولے کیا تم چاہتے ہو کہ میں دنیا ہی میں کھانے پینے کا مزہ اڑا لوں؟۔

ایک دن حضرت حفصہؓ کے یہاں آئے انہوں نے سالن میں زیتون کا تیل ڈال کر سامنے رکھ دیا' بولے ایک برتن میں دو دو سالن تا دم مرگ نہ کھاؤں گا۔[2]

عین زمانہ خلافت میں ان کے سامنے کھجوریں رکھ دیں جاتی تھیں اور وہ سڑی گلی کھجوریں تک اٹھا کر کھا جاتے تھے۔[3]

لباس اس سے بھی زیادہ سادہ تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔[4]

جاہ و جلال کے موقعوں پر بھی یہی سادگی قائم رہتی تھی' شام کے دورے کو گئے تو شہر کے قریب پہنچ کر اپنے اونٹ پر غلام کو سوار کرا دیا اور خود غلام کے اونٹ پر سوار ہو لیے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ
[3] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب جامع ماجاء فی الطعام والشراب
[4] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی لبس الثیاب

لوگ استقبال کے لیے چشم براہ تھے قریب پہنچے تو حضرت سالمؓ نے لوگوں کو اشارے سے بتایا کہ امیر المومنین یہ ہیں۔ لوگ تعجب سے باہم کانا پھوسی کرنے لگے فرمایا ان کی نگاہیں اہل عجم کے جاہ وحشم کو ڈھونڈ رہی ہیں۔[1]

ایلہ کو گئے تو اونٹ پر بیٹھے بیٹھے گاڑھے کی قمیض پھٹ گئی اس لیے وہاں کے پادری کو دے دیا کہ اس کو دھو کر پیوند لگا دے وہ قمیص میں پیوند لگا کر لایا تو اس کے سامنے خود اپنی طرف سے ایک نئی قمیض بھی دی' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ "میری قمیص پسینہ خوب جذب کرتی ہے"۔[2]

ایک دن منبر پر چڑھ کے فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں آج میرا زمانہ ہے یہ کہہ کر منبر سے اترے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی' بولے تنہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے میں نے چاہا کہ اس کو اپنی حقیقت بتا دوں۔[3]

ان کے دروازے پر دربان اور پہرے دار نہ تھے وہ خود چپڑاسی تھے جہاں ضرورت ہوتی تھی خود چلے جاتے تھے اور کام انجام دے کر چلے آتے تھے ایک دن حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس آئے لونڈی ان کے بالوں سے جوئیں نکال رہی تھی انہوں نے اس کو ہٹانا چاہا بولے "رہنے دو ابھی" انہوں نے کہا "یا امیر المومنین اگر آپ بلوا بھیجتے تو میں خود حاضر ہوتا" بولے ضرورت تو مجھ کو تھی۔[5]

حضرت عثمانؓ اگرچہ بذات خود دولت مند تھے لیکن زمانہ خلافت میں نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے مسجد میں سرہانے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے اٹھتے تو بدن میں کنکریوں کے چبھنے کے نشان نظر آتے تھے لوگ دیکھتے تھے تو کہتے تھے امیر المومنین ہیں۔[6]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ ﷺ نے ابوتراب کا خطاب عطا فرمایا تھا اور

---

[1] موطائے امام محمد باب الزہد والتواضع۔ [2] طبری ص ۲۵۲۳ [3] نزہتہ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ۔
[4] طبری صفحہ ۲۵۵۸۔ [5] الادب المفرد باب من کانت لہ حاجت فھو احق ان یذھب الیہ۔
[6] الریاض النضرۃ صفحہ ۱۱۱۔

خاکساری نے ان کو اس لقب کا صحیح مصداق بنا دیا تھا۔ تمام لوگ ان کی خدمت و اطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن وہ خود بازار سے اپنا سودا سلف خرید کر لاتے تھے ایک دن بازار میں کھجوریں خریدیں اور خود اٹھا کر لے چلے ایک آدمی نے کہا یا امیر المومنین میں پہنچا دوں بولے بچوں کا باپ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔[1]

زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ اپنے لیے کبھی اینٹ پر اینٹ اور شہتیر پر شہتیر نہیں رکھی یعنی گھر نہیں بنایا[2] بیت المال میں جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیتے اور کہتے کہ اے دنیا مجھے فریفتہ نہ کر۔[3]

لباس نہایت سادہ پہنتے تھے ایک شخص نے دیکھا تو ان کے بدن پر ایک پھٹی پرانی قمیص ہے جب آستین کھینچی جاتی ہے تو ناخن تک پہنچ جاتی ہے اور چھوڑ دی جاتی ہے تو سکڑ کر نصف کلائی تک جاتی ہے اسی سادہ لباس میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

ایک شخص کا بیان ہے کہ "میں نے دیکھا کہ گاڑھے کا تہ بند باندھے ہوئے اور گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے بازار میں پھر رہے ہیں ہاتھ میں درہ ہے اور لوگوں کو سچائی اور حسن معاملہ کا حکم دے رہے ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ سادہ لباس بھی بہ مشکل میسر ہوتا تھا ایک دن منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ میری تلوار کون خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کے دام ہوتے تو میں اس کو فروخت نہ کرتا' ایک شخص نے اٹھ کر کہا ہم آپ کو تہ بند کی قیمت قرض دیتے ہیں۔ دربان اور پہریدار کا جھگڑا نہیں رکھا تھا تنہا اٹھتے اور مسجد کو چلے جاتے۔[4]

ایثار:

خلافت الٰہی ایک خوان نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے دنیا کے سامنے چن دیتا ہے لیکن بد بخت لوگ تمام دنیا کو بھوکا رکھتے ہیں اور خود اپنا پیٹ بھرتے ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندے پہلے تمام دنیا کو کھلاتے ہیں' پھر جو کچھ بچ رہتا ہے خود کھاتے

---

[1] ادب المفرد باب الکبر۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ۔

[3] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ [4] ایضاً

ہیں صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لیے انہوں نے اس خوان نعمت کو تمام دنیا کے لیے وسیع اور اپنے لیے تنگ کر دیا تھا۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرمائیں ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ ''اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجئے'' بولے ام سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔[1]

ایک دن مسلمانوں کو حلے تقسیم فرما رہے تھے ایک نہایت عمدہ حلہ نکلا تو لوگوں نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر کو دے دیجئے بولے نہیں مہاجر بن سعید ابن عتاب یا سلیط بن سلیط کو دوں گا۔[2]

انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے اور جب میوہ یا کھانے کی کوئی عمدہ چیز آتی تو ان میں بھر کے ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے لیکن سب سے آخری پیالہ حضرت حفصہؓ کے پاس بھجواتے تھے تا کہ جو کمی ہو وہ ان کے حصہ میں آئے۔[3]

لوگوں کے وظیفے مقرر فرمائے تو لوگوں نے کہا کہ رجسٹر میں پہلے اپنا نام درج فرمایئے بولے نہیں اپنے آپ کو وہیں رکھوں گا جہاں مجھ کو خدا نے رکھا ہے' چنانچہ رسولؐ کے قرابت داروں کے نام پہلے لکھوائے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کا وظیفہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے کم مقرر فرمایا تو انہوں نے کہا کہ وہ مجھ سے کسی چیز میں آگے نہیں رہے بولے ان کے باپ تمہارے باپ سے اور وہ تم سے رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھے۔[4]

امراء وعمال مقرر فرمائے تو اپنے خاندان کے کسی شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیا ان کے خاندان میں صرف نعمان بن عدی ایک ایسے بزرگ ہیں جن کو میسان کا عامل مقرر فرمایا تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کو ایک جرم پر موقوف کر دیا۔[5]

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو۔ [2] اصابہ تذکرہ عتاب
[3] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس۔
[4] فتوح البلدان ص ۴۶۲۔ [5] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۷ تذکرہ نعمان بن عدیؓ۔

اس سے بڑھ کر کیا ایثارِ نفسی ہو سکتی ہے کہ اپنے بعد جن لوگوں کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا ان میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت صاف تصریح کر دی کہ خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ بخاری میں یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے۔

حق پسندی:

اگر خود امراء و سلاطین میں حق پسندی کا مادہ موجود نہ ہو تو رعایا کی آزادی' نکتہ چینی اور حقوق طلبی بالکل بیکار ہے لیکن صحابہ کرام کے دور میں خود خلفاء میں حق پسندی کا اس قدر مادہ موجود تھا کہ ہر جائز نکتہ چینی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے اس لیے ایک طرف تو ان نکتہ چینیوں کے عملی نتائج نکلتے تھے دوسری طرف قوم میں جائز آزادی کا مادہ پیدا ہوتا تھا جو خلافت کے استحکام کا سب سے قوی سبب تھا۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے خزائن کعبہ کو تقسیم کرنا چاہا' لیکن حضرت شیبہؓ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے' رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آپ سے زیادہ محتاج تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا' حضرت عمرؓ نے تقسیم سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بی بی کو شوہر کی دیت میں وراثت نہیں ملتی حضرت ضحاکؓ ابن سفیان نے کہا نہیں اشیم انصابی کی بی بی کو رسول اللہ ﷺ نے تحریری فرمان کے ذریعہ سے اس کے شوہر کی دیت دلوائی تھی حضرت عمرؓ نے فوراً اپنی رائے بدل دی۔[2]

ایک پاگل عورت مرتکب زنا ہوئی' لوگوں نے اس کو حضرت عمر کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے رجم کا حکم دیا لوگ اس کو سنگسار کرنے کے لیے لے جا رہے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آ گئے اور واقعہ معلوم ہونے پر کہا کہ اس کو واپس لے چلو حضرت عمر کی خدمت میں آئے تو کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پاگل مرفوع القلم ہے پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہیں؟ انہوں نے اس کو رہا کر دیا اور غلغلہ تکبیر بلند کیا۔[3]

ایک بار حضرت ابو مریم ازدیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے ان کو ان

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی مال الکعبۃ۔ [2] ابوداؤد وفی المراۃ ترث من دیت زوجہا

[3] ابوداؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب

کا آنا ناگوار ہوا اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے خوش نہیں ہوئے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ میں بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا حضرت امیر معاویہؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں کی حاجت برداری کے لیے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا۔[1]

رحم وشفقت:

اخلاقی کتابوں میں بادشاہ کو رعایا کا باپ کہا گیا ہے لیکن دنیائے قدیم میں کتنے مسند آرائے سریر سلطنت گزرے ہیں اور دنیائے جدید میں کتنے مدعیان تخت وتاج ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نہ صرف مجازاً بلکہ حقیقتاً ان بچوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور ان سے دائمی اطاعت کا خاموش معاہدہ لیتے تھے حضرت ابوبکر کو بچے دیکھتے تو دوڑ کر کہتے اے باپ وہ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے[2] چھوکریاں کہتیں کہ آپ ہماری بکریوں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ وہ دودھ دوہ دیتے اور کہتے کہ اگر ضرورت ہو تو چرا بھی لاؤں مدینہ کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی وہ رات کو جاتے اس کی ضروریات انجام دے آتے[3] جاڑوں کے دن میں چادریں خرید کر مدینہ کی بیواؤں میں تقسیم فرماتے۔[4]

حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو ان کی قدیم شدت وجلالت کے تصور سے تمام صحابہ کانپ اٹھے اور کہنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت عمر کو خبر ہوئی تو ایک عام مجمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمر ہم پر سختی کرتے تھے پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آئے اب جب کہ وہ خود خلیفہ ہوئے ہیں تو خدا

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ۔ [2] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد ۲ صفحہ ۳۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکرؓ۔ [4] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۱۔

جانے کیا غضب ہوگا؟ لوگوں نے یہ بالکل سچ کہا ہے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خادم تھا اور آپ کی رحمت و شفقت کا درجہ کون حاصل کر سکتا ہے؟ خدا نے خود آپ کو رؤف الرحیم کہا ہے جو خود خدا کا نام ہے' پھر ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے رفق و ملاطفت کا بھی آپ لوگوں کو انکار نہیں ہے میں ان کا بھی ایک خادم اور مددگار تھا اس لیے ان کی نرمی کے ساتھ اپنی سختی کو ملا دیتا تھا' اور تیغ بے نیام ہو جاتا تھا وہ چاہتے تھے تو اس سے وار کرتے تھے ورنہ میان میں ڈال دیتے تھے لیکن اب جب کہ میں خود خلیفہ ہو گیا ہوں تو یقین کرو کہ وہ سختی دو گنا ہوگئی ہے لیکن صرف ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں رہے نیک اور دیندار لوگ تو میں ان کے لیے اس سے زیادہ نرم ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں۔"[1]

حدیث رجال اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمر کی زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ ہے ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ کس قدر سچائی کس قدر صداقت اور کس قدر راستبازی سے لبریز تھا انہوں نے کہا تھا کہ وہ دین دار لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نرم ہوں گے' واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ایسے ہی تھے حضرت سعید بن یربوع ایک صحابی تھے جو ان کے عہد خلافت میں اندھے ہو گئے تھے حضرت عمرؓ ان کے پاس تعزیت کو آئے اور کہا کہ کوئی جمعہ ناغہ نہ کرنا اور مسجد نبوی میں برابر شریک جماعت ہونا بولے "مجھے کون لے جائے گا" پلٹے تو اس کام کے لیے ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔[2]

ایک بار حضرت احنف بن قیسؓ بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے اور کہا کہ "ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں' اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغربی جانب چٹیل میدان' نہ ہمارے پاس کھیت ہیں نہ مویشی دو کوس سے ضعیف لوگ پانی لاتے ہیں' عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح باندھ دیتی ہیں کہ کہیں درندے نہ اٹھا لے جائیں تو کیا آپ ہماری ضرورت پوری نہ کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فوراً بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کے لیے ایک نہر کھدوا دیں۔[3]

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد ۲ ص ۴۲۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعید بن یربوعؓ۔
[3] فتوح البلدان ص ۳۶۴۔

جن عورتوں کے شوہر سفر میں ہوتے ان کے گھر خود تشریف لے جاتے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتے اور کہتے تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ تمہیں کسی نے ستایا تو نہیں؟ اگر تمہیں سودے سلف کی ضرورت ہو تو میں خرید دوں' مجھے خوف ہے کہ بیع وشراء میں تم لوگ دھوکا نہ کھا جاؤ۔ وہ اپنی لونڈیاں ساتھ کر دیتیں بازار میں جاتے تو ان لونڈیوں اور غلاموں کا جھرمٹ ساتھ ہوتا ان کا سودا سلف خرید دیتے جن کے پاس دام نہ ہوتے خود اپنی گرہ سے دیتے مجاہدین کے خطوط آتے تو خود ان کی بیبیوں کے پاس لے کر جاتے اور کہتے کہ اگر کوئی پڑھنے والا نہ ہو تو دروازہ کے قریب آ جاؤ میں پڑھ دوں قاصد فلاں دن جائے گا جواب لکھوا رکھو کہ بھیجوں پھر خود ہی کاغذ دوات لے کر جاتے جن عورتوں کے خطوط تیار ہوتے ان کو لے لیتے ورنہ کہتے کہ دوازے کے پاس آ جاؤ میں خود لکھ دوں سفر میں ہوتے تو اپنے اونٹ پر ستو کھجور مشک اور پیالے ساتھ رکھتے جو لوگ کسی ضرورت سے پاس آتے ان سے کہتے کہ لو کھاؤ جب لوگ کوچ کر چکتے تو منزل کی دیکھ بھال فرماتے اگر کوئی چیز گری ہوتی تو اٹھا لیتے اگر کوئی شخص لنگڑا لولا ہوتا یا اس کا اونٹ بیمار ہوتا تو اس کے لیے کرایہ کا اونٹ کر دیتے قافلہ روانہ ہوتا تو پیچھے پیچھے چلتے کوئی چیز گر پڑتی تو اٹھا لیتے لوگ منزل پر اترتے تو گم شدہ چیزوں کی تلاش میں خود امیر المومنین کے پاس آتے۔[1]

ایک بار بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک نوجوان عورت آئی اور کہا کہ "یا امیر المومنین میرا شوہر مر گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں نہ وہ کوئی کام کر سکتے ہیں نہ ان کے پاس کھیتی ہے نہ مویشی مجھے خوف ہے کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں میں خفاف بن ایما الغفاری کی لڑکی ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے" حضرت عمر فوراً ٹھہر گئے وہاں سے پلٹے تو ایک اونٹ پر غلہ اور کپڑا لاد کر اس کے پاس لائے اور ہاتھ میں اونٹ کی مہار دے کر کہا کہ "اس کو ہانک لے جاؤ" جب یہ ختم ہو جائے گا تو پھر خدا دے گا ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین آپ نے اسے بہت دے دیا بولے ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے ایک قلعہ کا مدتوں محاصرہ کیا اور اس کو فتح کیا۔[2]

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ جلد ۲ ص ۴۵ بروایت ابوحذیفہ۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ

ایک بار سفر حج کو جا رہے تھے' راہ میں ایک بڈھا ملا اور اس نے قافلہ کو روک کر پوچھا کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں؟ جب معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا تو اس نے شدت سے گریہ و بکا کیا پھر پوچھا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کا نام بتایا بولا وہ تم میں ہیں؟ جب اس کو ان کی وفات کی خبر ہوئی پھر اسی طرح گریہ و بکا کی۔ پھر پوچھا کہ ان کے بعد کس نے زمام خلافت ہاتھ میں لی؟ بولے عمر بن الخطاب اس نے پوچھا وہ تم میں ہے؟ جواب دیا کہ تم سے وہی گفتگو کر رہے ہیں اس نے کہا تو میری فریاد رسی کیجئے مجھے کوئی فریاد رس نہیں ملتا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کون ہو؟ تمہاری فریاد سن لی گئی'' بولا میرا نام ابوعقیل ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت اسلام دی' میں آپ پر ایمان لایا آپ نے مجھے ستو پلایا اور میں اب تک اس کی سیری و سیرابی کو محسوس کرتا ہوں' میں نے بکری کا ایک گلہ خریدا اور اب تک ان کو چراتا ہوں نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں لیکن اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا کچھ نہ چھوڑا تھا مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا اب آپ میری دستگیری فرمایئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم سے چشمہ پر ملو منزل پر پہنچے تو اونٹنی کی لگام پکڑے بھوکے پیاسے بڈھے کا انتظار کرتے رہے لوگ آ چکے تو صاحب حوض کو بلا کر کہا کہ فلاں بڈھا آئے گا تو اس کو اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہو یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں حج سے پلٹے تو صاحب حوض سے اس کے متعلق دریافت فرمایا اس نے کہا کہ وہ مبتلائے بخار آیا تھا اور تین دن کے بعد مر گیا میں نے اس کو دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے حضرت عمرؓ نے فوراً اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس سے لپٹ کر روئے اس کے اہل و عیال کو ساتھ لے گئے اور تا دم مرگ ان کی وجہ معاش کے متکفل رہے۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بازاروں میں جاتے تو بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتے حمالوں کے سر پر بوجھ اٹھا دیتے اگر کسی کے جوتے کا تسمہ گر جاتا تو اسے اٹھا کر دے دیتے اور یہ آیت پڑھتے:

[1] اسد الغابہ تذکرہ ابوعقیل

﴿ تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَّ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ [1]

''ہم نے دار آخرت کو ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں فساد اور غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتے اور عاقبت صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے''۔

حلم وعفو:

حلم وعفو سیادت کا ایک ایسا ضروری عنصر ہے کہ عرب کے ان پڑھ بدو بھی اس سے واقف تھے چنانچہ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

اذا شئت یوما ان تسود عشیرۃ   فبالحلم سد لا بالتسرع و الشتم

اگر تم کسی قبیلے کے سردار بننا چاہتے ہو۔تو حلم و بردباری کے ساتھ سرداری کرو نہ کہ اشتعال وشتم کے ساتھ۔

بالخصوص عرب کی مشتعل طبیعتوں پر تو صرف یہی ایک ایسی چیز تھی جو چھینٹا ڈال سکتی تھی اگر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا جاتا تو روز بغاوت کے شعلے بلند ہوتے۔اس لیے صحابہ کرامؓ نے نہایت معتدل اصول سیاست اختیار فرمایا تھا۔

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول لا یصلح ھذا الامر الا بشدۃ فی غیر تجبر و لین فی غیر دھن. [2]

''حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ خلافت اس وقت تک صحیح اصول پر قائم نہیں رہ سکتی جب تک ایسی سختی نہ کی جائے جو ظلم کی حد تک نہ پہنچے اور ایسی نرمی نہ اختیار کی جائے جو کمزوری پر مبنی ہو''۔

لیکن یہ سختی بھی حقوق العباد اور حقوق اللہ تک محدود تھی ورنہ ذاتی معاملات میں وہ روئی کے گالے کی طرح نرم ہو جاتے تھے۔حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا اعلان کیا تو ایک شخص نے کہا:

ما عدلت یا عمر لقد نزعت عاملا استعملہ رسول اللہ ﷺ و غمدت

---

[1] الریاض النضرۃ جلد۲ صفحہ۲۴۴۔ [2] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف

سیفا سلہ رسول اللہ ﷺ و وضعت لواء نصبہ رسول اللہ ﷺ و لقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم.

''عمر تم نے انصاف نہیں کیا اور ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ نے مقرر فرمایا تھا اور اپنی تلوار کو میان میں کر دیا تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے کھینچا تھا ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جس کو آنحضرت ﷺ نے قائم کیا تھا تم نے قطع رحم کیا اور اپنے چچا جان بھائی پر حسد کیا''۔

یہ الفاظ مجمع عام میں کہے گئے تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو سن کر صرف اس قدر کہا کہ تم کو کم سنی اور قرابت مندی کی بنا پر اپنے چچا زاد بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا۔[1]

ایک دفعہ وہ مسجد سے آ رہے تھے راہ میں ایک صحابیہ سے ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں اے عمر میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ عکاظ میں عمرؓ کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب امیر المومنین ہے پس رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب خداوندی سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا۔ اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا خوف لگا رہے گا۔ ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا جانے دو یہ خولہ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بنت صامت کی بی بی ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی پھر عمر کو تو اور سننا چاہیے۔[2]

مساوات فی الحقوق:

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہیں کرتی' اس لیے اگر کوئی بادشاہ تمام رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے' صحابہ

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص مخزومی۔

[2] اصابہ تذکرہ خولہ بنت مالکؓ قرآن مجید کی یہ آیت قد سمع اللہ قول التی تجادلک الخ انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور حضرت عمر کا اشارہ اسی آیت کی طرف ہے۔

کرامؓ کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو اتفاق و اتحاد قائم رہا اس کا سنگ بنیاد خلیفہ کا یہی مساویانہ طرز عمل تھا اوّل اوّل حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب خراج و زکوٰۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر برابر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے آزاد غلام مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس درہم ملے اللہ تعالیٰ کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے مسائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ فضائل کا ثواب خدا دے گا یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے[1]

حضرت عمرؓ نے اگرچہ فضائل کے لحاظ سے وظائف کے مختلف مدارج قائم کیے تھے تاہم ان کے دل میں بھی یہ ناہمواری ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی چنانچہ اپنی خلافت کے اخیر زمانے میں خود یہ الفاظ فرمائے:

انی کنت تالفت الناس بما صنعت فی تفضیل بعض علی بعض و ان عشت هذه السنة ساویت بین الناس فلم افضل احمر علی اسود و لا عربیا علی عجمی و صنعت کما صنع رسول الله و ابوبکر.[2]

''میں نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر جو ترجیح دی تھی اس کا مقصد صرف تالیف قلوب تھا لیکن اگر اس سال زندہ رہا تو سب کے حقوق برابر کر دوں گا اور سرخ کو سیاہ پر عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا اور وہی طرز عمل اختیار کروں گا جو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ نے کیا تھا''۔

رعایا کے حقوق کا اعلان:

رعایا اور بادشاہ کے تعلقات اس قدر نازک مشتبہ اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ اگر وضاحت کے ساتھ ان کا اعلان نہ کر دیا جائے تو رعایا کے تمام حقوق و مطالبات پامال ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ ظالم سلطنتیں ان حقوق سے رعایا کو عموماً ناواقف رکھنا چاہتی ہیں اور

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۲۴۔ [2] یعقوبی مطبوعہ یورپ ج ۲ ص ۱۷۶

ان کا تفصیلی اعلان تو عادل سے عادل سلطنت بھی نہیں کرتی لیکن صحابہ کرامؓ دنیا میں معیار عدل کے قائم کرنے کے لیے آئے تھے اس لیے انہوں نے اپنے دور خلافت میں نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ان حقوق کا اعلان کیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے خاص اس موضوع پر ایک خطبہ دیا جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ خلیفہ رعایا کے حقوق واختیارات بتائے انہوں نے فرمایا:

''صاحبو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ معصیت الٰہی میں اس کی اطاعت کی جائے صرف تین طریقے ہیں جن کے اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہو سکتا ہے یہ کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے حق میں صرف کیا جائے اور ناجائز طریقے سے اس کو نہ خرچ کیا جائے میری اور تمہارے مال کی مثال یتیم کے ولی کی مثال ہے اگر میں متمول ہوں گا تو اس کے لینے سے احتراز کروں گا اور اگر محتاج ہوں گا تو نیکی کے ساتھ اس کو بقدر ضرورت اپنے اوپر صرف کروں گا۔ میں کسی کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دوں گا کہ راہ حق پر آجائے''۔

''مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جن کو میں اس لیے بیان کرتا ہوں کہ تم مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس کا مال جائز طریقے سے وصول کروں میرا فرض ہے کہ جب مال میرے ہاتھ میں آ جائے تو اسی کے مصارف صحیحہ میں صرف کروں۔ میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں اور سرحد کی حفاظت کروں اور میرا فرض ہے کہ تم کو خطرے میں نہ ڈالوں''۔

لیکن ان حقوق کی عملی تشکیل زیادہ تر امراء وعمال کے ہاتھ میں تھی اس لیے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اچھی طرح سن لو میں نے تم کو ظالم و جبار بنا کر نہیں بھیجا ہے میں نے تم کو ائمہ ہدیٰ بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعہ سے سیدھی راہ پائیں پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں نہ ان کی مدح و ستائش کرو کہ ان کو تمہارے ساتھ گرویدگی پیدا ہو نہ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے کر ان

پر ظلم نہ کرو ان کے ساتھ جہالت سے نہ پیش آؤ ان کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ جہاد کرو لیکن اس معاملہ میں ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ لوگو! تم گواہ رہنا کہ میں نے ان امراء کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں ان میں مال غنیمت تقسیم کریں ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جائے تو اس کو میرے سامنے پیش کریں''۔[1]

مشورہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے:

﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ ''ان کے تمام کام مشورے سے چلتے ہیں''۔

اور صحابہ کرام کا دور خلافت اس آیت کی عملی تفسیر تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیاست کے مہمات مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے مسند دارمی میں ہے:

کان ابوبکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله ثم فی السنة ثم استشار المومنین.[2]

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لے کر آتا تو پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالتے پھر تمام مسلمانوں سے مشورہ لیتے''۔

انہوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی جس میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین لازمی طور پر شریک کیے جاتے تھے۔[3] یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمرؓ نے دور خلافت میں نہایت وسیع نہایت باضابطہ اور نہایت مکمل کر دیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت اور ملک کی وسعت کی بناء پر اس قدر کثرت سے بحث طلب مسائل پیدا ہوئے کہ ان کے لیے ایک دوسری مجلس کی ضرورت پیش آئی اس لیے انہوں نے مسجد نبوی میں ایک دوسری مجلس شوریٰ قائم کی

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۶۷ [2] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۳۲-۳۳۔

[3] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

جس میں صرف مہاجرین شریک ہوتے تھے۔

چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں:

کان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه و يحدثهم عما ينتهي اليه من امر الافاق۔[1]

''مسجد نبوی میں مہاجرین کی ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان معاملات کے متعلق گفتگو کرتے تھے جو ان کی خدمت میں اطراف ملک سے پیش ہوتے تھے''۔

ان مجالس کے ذریعہ سے جو امور طے ہوئے وہ بہ تفصیل حدیث و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نبوت وخلافت میں تفریق وامتیاز:

جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے نبوت والوہیت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے' اور دنیا نے انبیاء کو صفات الٰہی کا مظہر قرار دے لیا تھا' اسی طرح اگر نبوت وخلافت میں تفریق وامتیاز قائم نہ کی جائے تو دونوں کے حدود باہم مل جائیں خلیفہ پیغمبر کا قائم مقام ہوتا ہے پیغمبر ہی کی طرح اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے خدا خود فرماتا ہے:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

''خدا کی خدا کے رسول اور امراء کی اطاعت کرو''۔

اس بناء پر اگر خلیفہ کی حیثیتیں الگ الگ نہ قائم کی جائیں تو کچھ دنوں میں دونوں ایک ہو جائیں اور شرک فی النبوۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت الٰہی کو قائم کیا تو سب سے پہلے نبوت وخلافت میں تفریق وامتیاز قائم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مورد الزام وشتم بنائے تو اس کی سزا موت ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کی نظیر قائم ہو چکی ہے خلیفہ کے ادب واحترام کا قائم رکھنا بھی اگرچہ امت کا فرض ہے تاہم اس کو اس معاملہ میں وہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۷۶۔

اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت و خلافت میں فرق و امتیاز قائم کیا۔ ایک بار وہ کسی شخص پر سخت برہم ہوئے سامنے ایک دوسرے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے تیور دیکھ کر کہا ''ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں'' غصہ فرو ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ''ہاں'' فرمایا ''خدا کی قسم! محمد ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے''۔[1]

ایک بار کسی نے ان کو خلیفۃ اللہ کہا بولے ''میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں خلیفۃ الرسولؐ ہوں''۔[2]

خانہ جنگی سے اجتناب:

اخیر زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کے خون سے سیراب ہونے لگیں لیکن متعدد تربیت یافتگان عہد نبوت نے اپنے دامن کو اس کی چھینٹوں سے محفوظ رکھا' سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکی لیکن جب لوگوں نے ان کو معرکہ آرا ہونے کا مشورہ دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھ سے یہ نہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنوں اور خود آپؐ ہی کی امت کا خون بہاؤں۔[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ شعلے بلند ہوئے تو حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ ان کی حمایت کے لیے اٹھے اتفاق سے حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گی انہوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر دو مسلمان باہم جنگ کریں تو دونوں جہنمی ہیں۔[4]

جنگ صفین میں حامیان علیؓ نے جب حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ وہ جنگ کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں تو بولے ''ہم نے جب کسی مہم کے لیے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے اس مشکل کو آسان کر دیا البتہ یہ جنگ ایسی ہے کہ ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے (یعنی ایک کے طرفدار ہو کر لڑتے ہیں تو فریق مخالف

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبی ﷺ۔ [2] استیعاب تذکرہ حضرت ابوبکرؓ۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۷ مسند عثمان۔ [4] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ۔

بھی مسلمان ہوتا ہے جس سے جنگ کرنا ناجائز ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیوں کر شریک ہوں''۔[1]

حجاج و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خانہ جنگی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس دو شخص آئے اور کہا کہ لوگ تباہ ہو گئے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ کیوں نہیں اٹھتے؟ بولے ''اس لیے کہ خدا نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔''

دونوں نے کہا خدا تو خود کہتا ہے:

﴿فَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ''جہاد کرو تاکہ فتنہ و فساد نہ ہونے پائے''۔

بولے اتنا تو ہم لڑ چکے کہ فتنہ دب گیا اور دین خدا کا ہو گیا اور اب تم لوگ اس سے لڑنا چاہتے ہو کہ اور بھی فتنہ و فساد ہو اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے۔[2]

متعدد صحابہ ایسے تھے جو نہ صرف خود الگ رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس خانہ جنگی سے الگ رکھنا چاہتے تھے' چنانچہ حجاج اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی تو حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے عسعس بن سلامہ کے پاس قاصد بھیجا کہ تم لوگوں کو جمع کرو میں ان کے سامنے ایک حدیث بیان کروں گا لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا مقابلہ ہوا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر تلوار ماری اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا لیکن انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا آپ کو معلوم ہوا تو وہ ہزار عذر کرتے رہے لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ قیامت کے دن تم اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے۔[3]

عمرو بن سعید یزید کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا حجاج اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس نے مکہ کو فوج بھیجنا چاہی لیکن حضرت ابوشریح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حدیث بیان کروں جس کا آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان کیا تھا

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ۔ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ قاتلوہم حتی لاتکون فتنۃ

[3] مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ وان من مات مشرکا دخل النار۔

آپ نے فرمایا تھا کہ مکہ کو خدا نے حرم بنایا ہے۔ نہ کہ آدمیوں نے' اس لیے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اگر عمرو بن سعید نے اس حدیث پر عمل کیا ہوتا تو اس آگ کے ایندھن میں کم از کم بہت کچھ کمی آ جاتی لیکن اس نے کہا مجھے تم سے زیادہ اس کا علم ہے مکہ کے نافرمانوں اور خونیوں کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔[1]

جب ابن زیاد اور مروان نے شام میں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اور قراء نے بصرہ میں یہ طوفان اٹھایا تو بعض لوگ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس پر افسوس ظاہر کیا بولے مجھے قریش پر سخت غصہ آتا ہے اے گروہ عرب تم جس ذلت جس گمراہی اور جس افلاس میں مبتلا تھے وہ تم کو معلوم ہے پھر خدا نے تم کو اسلام اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے نجات دلائی یہاں تک کہ اس درجہ کو پہنچے اب دنیا نے پھر تم کو برباد کر دیا یہ جو کچھ شام میں ہو رہا ہے خدا کی قسم وہ صرف دنیا کے لیے ہے۔[2]

اگر رعایا میں کسی کی بے چینی اور اضطراب کے آثار نمایاں ہوتے تو قبل اس کے کہ یہ چنگاریاں بھڑکیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پند و نصیحت کے چھینٹوں سے ان کو بجھانے کی کوشش کرتے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے گورنر تھے ان کا انتقال ہوا تو رعایا میں بے چینی کے آثار نمودار ہوئے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

علیکم باتقاء اللہ وحدہ لا شریک لہ و الوقار و السکینۃ حتی یاتیکم امیر فانما یاتیکم الآن ثم قال استعفوا لا میر کم فانہ کان یحب العفو.[3]

''تمہارے لیے اس حالت میں تقویٰ وقار اور سکون لازم ہے یہاں تک کہ دوسرا امیر آئے اور وہ آنے والا ہے اپنے امیر کو معاف کرو کیونکہ وہ معافی کو دوست رکھتا تھا''۔

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کشمکش سے الگ ہو کر عزلت گزینی اختیار کر لی تھی؛

---

[1] بخاری کتاب العلم لیبلغ العلم الشاہد الغائب۔ [2] بخاری کتاب الفتن۔

[3] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ

حضرت ابن الحنظلیہ دنیا سے قطع تعلق کر کے دمشق میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شب و روز نماز اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ربذہ میں چلے گئے اور عمر بھر وہیں مقیم رہے صرف وفات سے دو چار روز پیشتر مدینہ میں آ گئے تھے وہاں انہوں نے شادی بھی کر لی تھی اور اولاد بھی ہوئی تھی ایک بار حجاج نے ان سے کہا کہ اس گوشہ گیری نے تم کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ بولے نہیں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔[2]

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اگر چہ عمر بھر فوجی زندگی بسر کی تھی تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب خانہ جنگی ہوئی تو اس میں بالکل حصہ نہیں لیا اور خانہ نشین ہو گئے' ان کے لڑکے اور بھائی نے ترغیب دی کہ خود دعوائے خلافت کریں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعانت کی خواہش کی لیکن وہ اپنے گوشہ عزلت سے نہیں نکلے۔[3]

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی فتنہ کے خوف سے بالکل عزلت گزینی اختیار کر لی اور جنگ صفین و جمل کسی میں شریک نہیں ہوئے۔[4]

حضرت ہیبؓ اس زمانہ میں مصر کی ایک وادی میں گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں وفات پائی چنانچہ ان کے انتساب سے اس کا نام وادی ہیب پڑ گیا۔[5]

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو اشعث صنعانی رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تو وہ مدینہ میں ایک صحابی کے یہاں اترے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بولے میرے دوست ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اگر اس قسم کے واقعات پیش آئیں تو احد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو اور خانہ نشین ہو جاؤ اگر کوئی جنگ جو تمہارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر چلے جاؤ اگر بستر کی

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار۔ [2] بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنہ۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن وقاصؓ۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ سعید بن عاصؓ۔
[5] حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۰۰۔

طرف بھی بڑھے تو گھٹنوں بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا بار اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اس لیے میں نے تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں۔[1]

اطاعت خلفاء:

معصیت الٰہی کے سوا ہر موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گردنیں خلفاء کے سامنے جھک جاتی تھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے روایت حدیث سے زیادہ محبوب اور واجب العمل کوئی کام نہ تھا تاہم جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی اور انہوں نے اس پر ٹوک دیا تو کمال اطاعت گزاری کے لہجے میں بولے کہ ''اے امیر المومنین اگر آپ فرمائیں تو میں کبھی اس حدیث کو روایت نہ کروں''۔[2]

ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک شخص پر سخت برہم ہوئے سامنے ایک صحابی بیٹھے تھے بولے ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں غصہ فرو ہوا تو پوچھا کہ اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ہاں۔[3]

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حج کے متعلق لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لیکن ایک آدمی نے کہا ابھی آپ ٹھہر جایئے کیونکہ امیر المومنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے دوسرا تغیر کیا ہے انہوں نے فوراً لوگوں سے کہا کہ میں نے فتویٰ دیا ہے اس پر عمل نہ کرو امیر المومنین آرہے ہیں ان کی اقتداء کرو۔[4]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی شکایت کی انہوں نے ان کو بلوا بھیجا اور کہا کہ اگر آپ دمشق سے منتقل ہو کر ربذہ میں آ جاتے تو ہم سب قریب ہو جاتے انہوں نے بخوشی ان کی اطاعت کی اور ربذہ میں آ کر مقیم ہو گئے وہ خود فرماتے ہیں:

و لو امر و اعلی حبشیا سمعت و اطعت.

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۶۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب التیمم۔ [3] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من سب النبیؐ۔ [4] نسائی کتاب الحج باب ترک التسمیۃ عند الاہلال۔ [5] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما ادی زکوٰۃ۔

''اگر لوگ مجھ پر حبشی کو بھی امیر بناتے تو میں اس کی اطاعت کرتا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاریہ سے نکاح کیا اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد طلاق دے دی ایک دن قبا میں آئے تو دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اٹھا کر اپنے سامنے اونٹ پر بٹھا لیا لڑکے کی نانی آئی اور بچے کو چھیننا چاہا' معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بچے کو عورت کے حوالے کر دو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ چاپ چلے گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔[1]

بنو امیہ نے اسلام کے نظام سلطنت کو بہت کچھ بدل دیا تھا تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا کہ جہاں تک ممکن ہوگا میں تمہاری اطاعت سے دریغ نہ کروں گا۔[2]

یہ اطاعت صرف خلفاء کی زندگی ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔

ایک جذامی عورت (غالباً صحابیہ ہوگی) خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو فرمایا لوگوں کو اذیت نہ دو گھر میں جا کر بیٹھو وہ جا کر خانہ نشین ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جا کر کہا تمہارا روکنے والا تو مر گیا اب گھر سے باہر نکلو' بولی میں ایسی نہیں ہوں کہ زندگی میں ان کی اطاعت اور مرنے کے بعد ان کی نافرمانی کروں۔[3]

جب تمام اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو فسخ کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اہل و عیال اور نوکر چاکر سب کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عذر کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن جھنڈا قائم کیا جائے گا ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیعت کی ہے اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر عذر نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیعت

---

[1] موطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب ماجاء فی المونث من الرجال ومن احق بالولد۔

[2] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی البیعہ۔ [3] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔

کی جائے اور پھر اس سے جنگ کی جائے جس شخص نے اس کی بیعت کو فسخ کیا ہے میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔[1]

لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ:

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد چونکہ خلافت الٰہی کو دنیا کے لیے منبع خیر و برکات بنانا تھا اس لیے آپؐ نے اطاعت امراء کی ایک خاص حد مقرر فرما دی تھی اور معاصی و منکرات کو اطاعت کے دائرہ سے الگ رکھا تھا اور ایک موقع پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ اطاعت کا تعلق صرف نیک کاموں سے ہے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اطاعت خلفاء کے متعلق ہمیشہ اسی اصول پر عمل کیا یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں خلفاء جادۂ اعتدال سے سر مو تجاوز نہ کر سکے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر کہا کہ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا تمہارا سر اڑا دیں گے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے اس نے کہا ہاں تمہاری شان میں بولے الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھے سیدھا کر دیں گے''۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جب خلافت نے سلطنت کا قالب اختیار کر لیا تو اس وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اصول کو محفوظ رکھا اور امراء کے ناجائز احکام کے سامنے اپنی گردن خم نہ کی۔

ایک بار مدینہ کے ایک مروانی گورنر نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہلوانا چاہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔[3]

ایک بار حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی علانیہ مخالفت شروع کی انہوں نے حضرت عثمان کو لکھ کر بھیجا کہ عبادہ نے شام میں سخت فتنہ وفساد

---

[1] موطا امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔ [2] بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئا خرج فقال بخلافہ۔ [3] بخاری کتاب المغازی

پھیلا رکھا ہے آپ ان کو بلا لیجئے ورنہ میں ان کو جلا وطن کر دوں گا۔ انہوں نے ان کو مدینہ میں بلا لیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنائیں گے اس لیے جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔[1]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مسجد میں حدیث بیان کر رہے تھے' حضرت عبدالرحمٰن ابن عبدالرب الکعبہ آئے اور حلقہ میں شامل ہو گئے جب وہ روایت کر چکے تو بولے کہ آپ کا بھتیجا معاویہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ باہم ناجائز طور پر اپنا مال کھائیں اور اپنے بھائیوں کو قتل کریں حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾

''مسلمانو! اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ بجز اس صورت کے جب تم میں باہم رضامندی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوں اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو خدا تم پر مہربان ہے''۔

بولے خدا کی اطاعت میں ان کی اطاعت اور خدا کی نافرمانی میں ان کی نافرمانی کرو۔[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت لینا چاہی تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے سخت مخالفت کی اور کہا کیا ہرقل کی سنت جاری کی جائے گی۔ کہ جب ایک قیصر مرے گا تو دوسرا قیصر اس کا جانشین ہوگا خدا کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے امیر معاویہؓ نے ان کو دولت و مال دے کر ہموار کرنا چاہا اور اس غرض سے ان کی خدمت میں لاکھ روپے بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دین کو دنیا کے بدلے میں نہیں بیچ سکتا۔[3]

سلاطین و امراء کی عملی مخالفت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خدا اور رسول کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اس لیے وہ

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالبؓ۔ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲۵۔
[3] مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بالوفاء ببیع الخلفاء الاوّل فالاوّل۔

امراء و سلاطین کی دلیرانہ مخالفت کرتے تھے اور جو چیز اصول اسلام اور سنت نبوی کے خلاف ہوتی تھی اس سے ان کو روکتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کا قدیم نقشہ بدلنا چاہا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے عام مخالفت کی یہاں تک کہ ان کو ایک عام مجمع میں تمام صحابہ کو ہموار کرنا پڑا۔[1]

اخیر زمانہ میں جب خلافت نے حکومت کی شکل اختیار کر لی اس وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جوہر کو محفوظ رکھا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عرفات میں کہا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں کہتے؟ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے بولے کہ معاویہ کا خوف مانع ہے یہ سننے کے ساتھ ہی خیمے سے نکلے اور تین بار لبیک کہا اور فرمایا کہ علی کے بغض سے انہوں نے سنت کو چھوڑ دیا ہے۔[2]

مروان مدینہ کا گورنر تھا' ایک بار حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے مروان کا لڑکا سامنے سے گزرا اور انہوں نے پہلے اس کو ہٹایا وہ نہ ہٹا مارا وہ روتا ہوا مروان کے پاس گیا مروان نے کہا اپنے بھتیجے کو کیوں مارا بولے میں نے اس کو نہیں شیطان کو مارا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص حالت نماز میں کسی کے سامنے سے گزرے تو پہلے اس کو ہٹائے اگر نہ ہٹے تو اس سے مقابلہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔[3]

ایک دن جمعہ کے روز مروان خطبہ دے رہا تھا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پولیس نے بٹھانا چاہا لیکن وہ نہ بیٹھے لوگوں نے کہا خدا نے رحم کیا ورنہ وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے تھے۔ انہوں نے کہا جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسا کرتے ہوئے دیکھ چکا ہوں تو ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑ سکتا آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اسی حالت میں دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔[4]

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل بناء المسجد۔ [2] نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعرفۃ

[3] نسائی کتاب الدیات والقصاص باب من اقتص حقہ دون السلطان و بخاری کتاب الصلوٰۃ بخاری میں ہے تاب من بنی ابی معیط۔ [4] ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب۔

تشتت واختلاف سے اجتناب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ آزادی کی بناء پر خلفاء سے مناظرہ کرتے تھے' مباحثہ کرتے تھے' ردوقدح کرتے تھے' اختلاف کرتے تھے' لیکن اختلافات کو قائم نہیں رکھتے تھے ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی' اس کے بعد تم نے اور راستے اختیار کر لیے ہیں میں تو چار رکعت پر دو ہی رکعت کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اس کے بعد خود چار رکعت ادا کی' لوگوں نے کہا یہ کیا؟ ابھی تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ردو قدح کی اور پھر چار رکعت نماز پڑھتے ہیں بولے اختلاف بری چیز ہے[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ بے حد متبع سنت تھے اور اس وجہ سے جب منی میں تنہا نماز پڑھتے تھے تو قصر کرتے تھے لیکن جب امام کے ساتھ نماز کا اتفاق ہوتا تو اختلاف کے خوف سے چار ہی رکعت ادا فرماتے تھے[2]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف وتشتت سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جن احادیث سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوسکتا تھا اس کی روایت سے بھی احتراز فرماتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کی نسبت ناراضی کے کلمات فرمائے تھے ان کو حضرت حذیفہ مدائن میں بعض لوگوں سے بیان کرتے تھے تو وہ لوگ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو ان کا علم ہے حضرت حذیفہ کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا آپ میری روایتوں کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی خفا ہو جاتے تھے اور ناراضی کی حالت میں اپنے اصحاب کو کچھ کہہ دیا کرتے تھے تو آپ ان کے ذریعے سے دلوں میں بعض اصحاب کا بغض اور بعض اصحاب کی محبت پیدا کرتے ہیں اور اختلاف وتفریق کا سبب بنتے

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بمنی۔ [2] مسلم کتاب الصلاۃ باب قصر الصلاۃ بمنی

ہیں اگر آپ ان کی روایت سے باز نہ آئیں گے تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھوں گا۔[1]

حقوق طلبی:

جس طرح سلطنت کا فرض حقوق کا دینا ہے اسی طرح رعایا کا فرض حقوق کا لینا ہے جب کسی نظام حکومت میں یہ دونوں عنصر شامل ہو جاتے ہیں تو میزان عدل کے پلڑے برابر ہو جاتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں خلافت جن عادلانہ اصول پر قائم رہی اس کا سبب انہی دونوں عناصر کا اجتماع تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ نہایت بے نیاز تھے تاہم سلطنت سے اپنے پورے حقوق کے لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال خمس میں سے اہل بیت کا حق دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف اپنے حقوق لیتے تھے بلکہ جو گروہ ضعیف ہوتا تھا اس کے حقوق بھی طلب کرتے تھے' عہد نبوت میں آزاد شدہ غلاموں کا ایک لاوارث اور بے کس گروہ تھا اس لیے جب کہیں سے مال آتا تو آپ سب سے پہلے اسی کسمپرس گروہ کو حصہ دیتے تھے۔ آپ کے بعد جب دفتر قائم ہوا اور تمام وظیفہ خواروں کے نام لکھے گئے تو یہ گروہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے حقوق کا مطالبہ کیا اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں جا کر ان کے وظیفے طلب کیے۔[3]

---
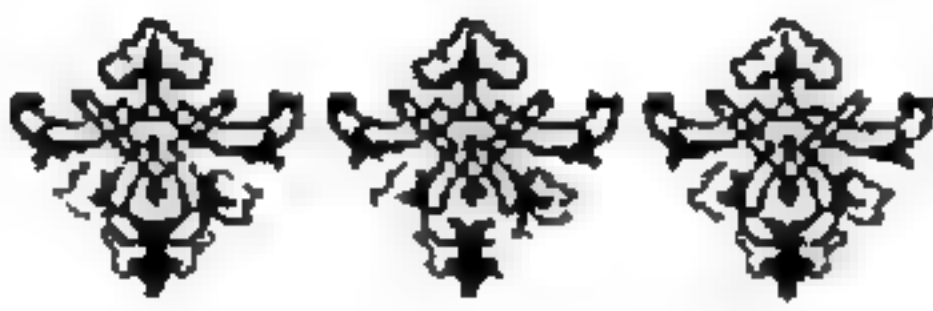
[1] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی النھی عن سب اصحاب رسول اللہ ﷺ

[2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی

[3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قسم الفئی

امراء وعمال

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دو قسم کے عمال کا تقرر ہوا حکام و ولاۃ اور محصلین زکوٰۃ جو صحابہ محصل زکوٰۃ بنا کر روانہ کیے جاتے تھے ان کو

❶ ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں کتنی زکوٰۃ لینی چاہیے' انتخاب کر کے یا حق سے زیادہ مال لینے کی اجازت نہ تھی۔

❷ یہ لوگ زکوٰۃ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ ان کا محاسبہ فرماتے تھے کہیں کوئی ناجائز رقم تو نہیں وصول کی ہے۔

❸ تمام عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا اور مقدار ضرورت کی تصریح آپ نے خود فرمائی تھی:

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما و ان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا و من اتخذ غیر ذالک فهم غال۔[1]

''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کر لینا چاہیے اگر اس کے پاس ملازم نہ ہو تو ایک ملازم رکھ لینا چاہیے اگر گھر نہ ہو تو ایک گھر بنا لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا''۔

صحابہ کرامؓ نے جس صداقت' راستبازی' دیانت' اور ایثار نفسی کے ساتھ ان احکام کی پابندی کی وہ ان کے محاسن اخلاق کا طرہ امتیاز ہے محصلین زکوٰۃ کو لوگ بہترین منتخب بلکہ بعض حالتوں میں اپنا کل مال دے دیتے تھے لیکن وہ لوگ صرف وہی مال لیتے تھے اور اسی قدر لیتے تھے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی تھی۔ چنانچہ زکوٰۃ کے عنوان میں اس کی متعدد مثالیں پہلے حصے میں گزر چکی ہیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی ارزاق العمال

خیانت کا ارتکاب تو ایک طرف بعض صحابہ خیانت کے خوف سے اس خدمت ہی کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے' چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو مصدق بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرنا کہ قیامت میں تمہاری پشت پر کوئی صدقہ کا اونٹ بلبلاتا ہوا نظر آئے (یعنی خیانت نہ کرنا) بولے کہ میں اب نہیں جاتا' ارشاد ہوا میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔[1]

ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یاایھا الناس من عمل منکم لنا علی عمل فکتمنا منه مخیطا فما فوقه فھو غل یاتی به یوم القیامة.

''لوگو! جو شخص ہمارا عامل ہو وہ اگر ایک دھاگا یا اس سے بھی کم ہم سے چھپا لے تو یہ خیانت کا مال ہے اس کو قیامت میں حاضر کرنا پڑے گا''۔

ایک صحابی جو عامل تھے یہ سن کر بولے یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو اس خدمت سے سبکدوش فرمائیے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رشوت خوری سے اس قدر اجتناب تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حسب معاہدہ یہود خیبر کے یہاں نصف پیداوار تقسیم کرنے کے لیے گئے اور یہودیوں نے رعایت کی غرض سے عورتوں کے زیور جمع کر کے ان کو رشوت میں دینا چاہا تو بولے یہ حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے۔[3]

معاوضہ خدمت اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرما دیا تھا اور بہت سے صحابہ اس کو لیتے بھی تھے تاہم بعض اکابر صحابہ اپنی خدمت کا صلہ صرف خدا سے چاہتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت انجام دی اور معاوضہ لینے سے انکار کر دیا لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بغیر سوال کے کچھ مل جائے تو اس کو لے لو کھاؤ پیو صدقہ کر دو۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی غلول الصدقہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الاقضیۃ باب فی ہدایا العمال۔
[3] موطائے امام مالک کتاب المساقات باب ماجاء فی المساقاۃ۔
[4] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی الاستعفاف۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتوحات کو وسعت ہوئی اور سلطنت کے کاروبار پھیلے تو انہوں نے صیغہ مال کو صیغہ فوج سے علیحدہ کر لیا اور ہر ایک کے لیے الگ الگ عمال مقرر فرمائے جو امیر الخراج اور امیر الثغور کے لقب سے ممتاز تھے۔[1]

ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک ضلع مخصوص کر دیا' چنانچہ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حمص میں یزید بن ابی سفیان کو دمشق میں شرحبیل بن حسنہ کو اردن میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور علقمہ بن حجرز کو فلسطین میں متعین کیا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمال کے تقرر میں حسب ذیل اصول ملحوظ رکھے:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ عامل مقرر ہوئے تھے ان کو اپنے عہدہ پر قائم رکھا چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد جب متعدد صحابہ اپنے اپنے عہدے چھوڑ کر چلے آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ کیوں چلے آئے عمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ملکی خدمت کا کون مستحق ہوسکتا ہے۔[3]

② وہ عمال کے تقرر میں کسی قسم کی رو رعایت پسند نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس معاملہ میں رشتہ داری کا لحاظ و مروت نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو شام کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا کہ وہاں تمہاری قرابتیں ہیں شائد امارت کے لیے تم ان کو ترجیح دو' تمہاری نسبت مجھے یہی خوف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اور وہ رعایت سے ان پر امراء مقرر کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔[4]

③ اہل بدر کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بالکل متضاد تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملکی اور مذہبی خدمت لیتے تھے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں کسی بدری صحابی کو عامل نہ بناؤں گا اور ان کو موقع دوں گا کہ اپنے بہترین اعمال کے ساتھ خدا سے ملاقاتی ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اور صلحاء کے ذریعے سے امتوں کی

---

[1] طبری ص ۲۰۵۲۔ [2] طبری ص ۲۰۹۰۔

[3] استیعاب تذکرہ خالد بن سعید بن عاصؓ۔ [4] مسند جلد ۱ ص ۶۔

مصیبت اور عذاب کو اس سے زیادہ دفع کرتا ہے جتنی ان سے مدد حاصل ہو سکتی ہے۔[1]

④ عمال کی تمام تر کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ ان کے رعب و داب اور اثر و اقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قائم رکھا جائے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ امراء و عمال سے قصاص نہیں لیتے تھے' بلکہ دیت دلواتے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی دستور تھا' ایک بار حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے غلطی سے بہت سے لوگوں کو قتل کروا دیا' حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کیا' لیکن انہوں نے کہا جانے دو اور خاموش رہو۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عہدوں کی ترتیب و تقسیم میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی' صوبوں کی تقسیم جو پہلے ہو چکی تھی اس کے علاوہ انہوں نے ملک کی جدید تقسیم کی اور اس تقسیم کی رو سے مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر' فلسطین کو الگ الگ صوبہ قرار دیا اور ان میں حسب ذیل عمال مقرر فرمائے۔

والی	یعنی حاکم صوبہ
کاتب	یعنی میر منشی
کاتب دیوان	یعنی دفتر فوج کا میر منشی
صاحب الخراج	یعنی کلکٹر
صاحب احداث	یعنی افسر پولیس
صاحب بیت المال	یعنی افیسر خزانہ
قاضی	یعنی صدر الصدور اور منصف

والی کا اسٹاف نہایت وسیع ہوتا تھا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنا کر روانہ فرمایا تو دس آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے۔[3]

(۱) ان عمال کے تقرر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر موقعوں پر اپنی فطری جوہر شناسی سے کام لیتے تھے عرب میں جو لوگ کسی خاص وصف میں عام طور پر مشہور تھے' مثلاً حضرت

---

[1] طبری صفحہ ۱۹۳۱۔ [2] طبری ص ۱۹۲۶۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ قرظہ۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کہ اپنی سیاست دانی کی وجہ سے دہاۃ العرب کہے جاتے تھے' یا حضرت عمرو معدی کرب رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن خالد رضی اللہ عنہ کہ فن حرب میں بے نظیر خیال کیے جاتے تھے ان لوگوں کو ملکی یا فوجی عہدوں کے دینے میں بہت زیادہ نکتہ شناسی کی ضرورت نہ تھی ان کی شہرت نے خود ان کو ان عہدوں کا مستحق بنا دیا تھا' لیکن ان کے علاوہ جن لوگوں میں ان کو کوئی خاص قابلیت نظر آئی ان کو اس قابلیت کے لحاظ سے مناسب عہدے عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن ارقم ایک صحابی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے اور آپ کو ان کی دیانت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ خط لکھ کر لاتے تھے تو آپ اس کو پڑھوا کر سنتے بھی نہیں تھے' ایک بار آپ کی خدمت میں کہیں سے خط آیا آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں۔ چنانچہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے اور وہ آپ کو نہایت پسند آیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ان کو اس پر حیرت ہوئی اور جب خلیفہ ہوئے تو ان سے میر منشی کا کام لیا اور تدوین کے لحاظ سے بیت المال کا افسر بھی مقرر فرمایا۔[1]

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے شوہر سے زیادہ افضل کون ہو سکتا ہے؟ رات بھر شب بیداری کرتا ہے' گرمیوں کے دن میں برابر روزے رکھتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تعریف کی اور وہ شرما کر چلی گئی حسن اتفاق سے حضرت کعب ابن سور رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے بولے یا امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف شوہر سے نہیں دلوایا' وہ شکایت کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ سے راہ و رسم نہیں رکھتا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو واپس بلایا اور اس نے اب صاف صاف اس کا اقرار کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب ہی سے اس کا فیصلہ کرا دیا اور ان کو اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیج دیا۔[2]

تمام عمال فاروقی میں صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک ایسے بزرگ تھے جو

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ کعب بن سور رضی اللہ عنہ۔

فن سیاست سے بالکل نا آشنا تھے اور بایں ہمہ نہایت معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھے لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو معزول کیا تو صاف صاف فرما دیا:

لقد علمت ما انت بصاحب عمل و لکنی تاولت و نریدان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم آئمة و نجعلهم الوارثین[1]

''میں خود جانتا تھا کہ تم ملکی خدمات کے اہل نہیں ہو لیکن میں نے اس آیت کے معنی کی عملی تشریح کی ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور تھے اور ان لوگوں کو امام اور وارث بنائیں''۔

ذاتی قابلیت کے علاوہ خارجی اوصاف کے لحاظ سے بدوؤں پر ہمیشہ شہریوں کو ترجیح دیتے تھے۔[2]

اور اپنے قبیلے کے کسی شخص کو کوئی ملکی عہدہ نہیں دیتے تھے' اپنے خاندان میں صرف نعمان بن عدی کو میسان کا عامل مقرر فرمایا لیکن ان کو بھی چند دنوں کے بعد ایک حیلہ سے معزول کر دیا۔[3]

ملکی عہدوں پر ہمیشہ صحیح اور تندرست لوگوں کو مامور فرماتے تھے' حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی نسبت معلوم ہوا کہ ان پر کبھی کبھی غشی طاری ہو جایا کرتی ہے تو ان کو طلب فرمایا اور جب انہوں نے اس کی معقول وجہ بیان کی تو پھر ان کو خدمت مفوضہ پر واپس کر دیا۔[4]

غیر مذاہب کے لوگوں میں صرف ابو زید کی نسبت اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عامل مقرر کیا اور اس کے سوا کسی عیسائی کو عامل نہیں بنایا۔

عمال کے انتخاب کی مختلف صورتیں تھیں:

1. کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور ان سے طالب اعانت ہوتے چنانچہ ایک بار تمام صحابہ کو جمع کر کے کہا کہ ''اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو دوسرا کون کرے گا؟ تمام صحابہ نے بخوشی آمادگی ظاہر فرمائی اور حضرت عمرؓ نے

---

[1] طبری ص ۲۶۷۸۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۵۱۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدیؓ
[4] استیعاب تذکرہ حضرت سعید بن عامرؓ

اسی وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین اور ہجر کا کلکٹر مقرر کر کے روانہ فرمایا باایں ہمہ اس وقت ملکی خدمت زہد و تقدس کے خلاف سمجھی جاتی تھی اس لیے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح نے کہا کہ عمر تم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آلودہ دنیا کر دیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر میں ان کے سوا کس سے مدد لوں؟ بولے اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہ اس قدر مقرر کرو کہ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں''۔

2. بعض اوقات صوبوں یا ضلعوں کی طرف سے منتخب اشخاص کو طلب کرتے تھے اور ان کو وہاں کا عامل مقرر فرماتے تھے چنانچہ اسی طریقے کے مطابق حضرت عثمان بن فرقد رضی اللہ عنہ کوفہ کے اور حضرت معین الدین بن یزید شام کے اور حجاج بن علاطہ بصرہ کے کلکٹر مقرر ہوئے[1]

3. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عمال کے انتخاب میں ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ لوگ حق الخدمت لینا زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اگر اس ایثار پر سلطنت کے کاروبار کی بنیاد رکھی جاتی تو آئندہ چل کر مختلف دشواریاں پیش آتیں' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلطی کو ہر ممکن طریقے سے مٹانا چاہا' ایک بار حضرت عبداللہ بن سعدی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم بعض ملکی خدمتیں انجام دیتے ہو اور جب تم کو معاوضہ دیا جاتا تو ناپسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' میرے پاس گھوڑے ہیں اور میری حالت اچھی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خدمت حسبۃ للہ انجام دوں بولے ایسا ہرگز نہ کرو میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا تھا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اس مال کو لے کر دولت مند بنو اور صدقہ کرو' جو مال بغیر حرص و سوال کے مل جائے اس کو لے لو اور جو نہ ملے اس کے پیچھے نہ پڑو[2]

4. ان کے زمانہ میں جب عمال کا تقرر ہوتا تھا تو ان کو متعدد صحابہ کے سامنے ایک فرمان

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۴۔۶۵۔

[2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۷ ابوداؤد و کتاب الخراج باب ارزاق العمال۔

عطا ہوتا تھا۔ جس میں ان کی تقرری اور فرائض کی تصریح ہوتی تھی' یہ عامل جس مقام پر پہنچتا تھا تمام رعایا کے سامنے اس فرمان کو پڑھ کر سناتا تھا' چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جب مدائن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو فرمان میں یہ الفاظ تھے:

اسمعوا له و اطیعوه و اعطوه ما سالکم.

''ان کی سنو ان کی اطاعت کرو اور جو کچھ وہ مانگیں ان کو دو''۔

انہوں نے یہاں آ کر یہ فرمان پڑھا تو لوگوں نے کہا آپ جو چاہیں مانگیں' بولے جب تک تمہارے یہاں رہوں اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں۔[1]

5 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر سخت اصرار تھا کہ امراء و عمال عیش و تنعم میں مبتلا نہ ہونے پائیں حاکم و محکوم میں مساوات قائم رہے غیر قوموں کی عادتیں ان میں سرایت نہ کرنے پائیں' حاکم تک ہر شخص بلا روک و ٹوک پہنچ سکے چنانچہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کو یہ تصریح لکھا۔

و ایاکم و التنعم و زی اهل الشرک و لبوس الحریر.

''عیش و تنعم اہل شرک کی وضع اور حریر سے اجتناب کرو''۔

اس بناء پر جب کسی شخص کو عامل مقرر فرماتے تھے تو اس سے یہ معاہدہ لے لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا' دروازے پر دربان نہ رکھے گا' اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا[2] اور جو عمال ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے تھے ان کو فوراً معزول کر دیتے تھے' ایک دفعہ راستے میں جا رہے تھے دفعتہً آواز آئی اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا یہ معاہدے تمہیں نجات دلا سکتے ہیں حالانکہ تمہارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے محمد بنؓ مسلمہ کو بھیجا کہ جس حال میں پاؤ ان کو پکڑ لاؤ وہ آئے تو دیکھا کہ دروازے پر واقعی دربان ہے اندر گھس گئے تو دیکھا جسم پر باریک قمیض ہے انہوں نے کہا امیر المومنین کی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ و کتاب الخراج ص ۶۰۔

[2] مسند جلد ا صفحہ ۱۶ ا مسلم کتاب اللباس والزینۃ

خدمت میں حاضر ہو' بولے بدن پر قبا ڈال لوں بولے نہیں وہ اسی حال میں حضرت عمرؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے قمیض اتر والی' اس کے بعد ان کا ایک کرتہ اور ایک عصا اور بکریوں کا ایک ریوڑ منگایا اور کہا کہ کرتا پہنو یہ عصا لو اور یہ بکریاں چراؤ انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے[1] بولے گھبرانے کی بات نہیں تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا[2] عربی میں غنم بکری کو کہتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے ان تک فریادیوں کی آواز نہیں پہنچ سکتی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس میں آگ لگوا دی۔[3]

مصر میں حضرت خارجہ بن حذافہ نے ایک بالا خانہ تیار کروایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا کہ خارجہ نے ایک بالا خانہ تیار کروایا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے ہمسایوں کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے' میرا خط جس وقت پہنچے اس کو فوراً منہدم کر دو۔[4]

ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ امرائے شام پرند کے گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھانا ہی نہیں جانتے حالانکہ عام لوگوں کو یہ کھانا میسر نہیں ہوتا' اس پر حضرت عمرؓ نے سخت گرفت کی اور تمام عمال سے اقرار لیا کہ روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم کرنا ہوگی' اور مال غنیمت کی تقسیم بھی مساویانہ طور پر ہوگی۔[5]

ان کو اس پر اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہدیۃً بھیجی تو انہوں نے پوچھا کیا کل مسلمان یہی کھاتے ہیں بولے نہیں اسی وقت ان کو لکھا کہ یہ تمہاری یا تمہارے باپ کی کمائی نہیں جو خود کھاؤ وہی تمام مسلمانوں کو کھلاؤ۔[6]

---

1 مشکوۃ صفحہ ۲۵۸ بروایت بیہقی۔ 2 کتاب الخراج ص ۶۶۔ 3 مسند ابن حنبل جلد ا ص ۵۴۔
4 حسن المحاضرہ جلد ا ص ۵۹۔ 5 یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۸۔
6 فتح الباری جلد ا ص ۲۴۱ و مسلم کتاب اللباس والزینۃ۔

اس دار و گیر کا یہ نتیجہ تھا کہ عمال نہایت سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عامل کو طلب فرمایا وہ آئے تو ساتھ میں صرف ایک توشہ دان ایک عصا اور ایک پیالہ تھا' حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بولے کہ تمہارے پاس بس اسی قدر اثاثہ ہے بولے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ عصا پر توشہ دان ٹانگ لیتا ہوں اور پیالے میں کھا لیتا ہوں۔[1]

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مدائن کے عامل مقرر ہو کر آئے تو لوگوں نے کہا جو جی چاہے طلب فرمایئے۔ بولے صرف اپنا کھانا اور اپنے گدھے کا چارہ چاہتا ہوں وہاں سے پلٹے تو جس حالت میں گئے تھے اس میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو لپٹ گئے کہ تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا زہد و تقشف دیکھا تو فرمایا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمہارے سوا ہم میں سے ہر ایک کو دنیا نے بدل دیا۔[3]

6. جب کوئی عامل مقرر ہوتا اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرالی جاتی تھی اور اس کی مالی حالت میں اس سے زیادہ جس قدر اضافہ ہوتا تھا وہ تقسیم کر دیا جاتا تھا' چنانچہ اس قاعدے کی رو سے بہ کثرت عمال کے مال کی تقسیم کی گئی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو لکھا کہ اب تمہارے پاس بکثرت اسباب' غلام' برتن اور مویشی ہو گئے ہیں حالانکہ میں نے جس وقت تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا' تمہارے پاس یہ سامان موجود نہ تھے۔ انہوں نے عذر کیا کہ مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے اس لیے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی دولت تقسیم کرادی۔[4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین سے واپس آئے تو اپنے ساتھ بارہ ہزار روپیہ لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کل رقم لے لی اور کہا کہ تم نے خدا کا مال چرایا ہے۔[5]

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سعید ابن عامرؓ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ
[3] اسد الغابہ تذکرہ ابوعبیدہ بن جراحؓ۔ [4] فتوح البلدان ص ۳۲۶۔ [5] فتوح البلدان ص ۹۰

ایک بار ایک شخص نے ایک قصیدے میں بہت سے عمال کے نام گنائے اور لکھا کہ ان لوگوں کے مال و دولت کا حساب ہونا چاہیے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کی دولت تقسیم کروائی یہاں تک کہ ان کے پاس صرف ایک جوتا رہنے دیا اور ایک خود لے لیا۔[1]

طبری اور یعقوبی نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں اور یعقوبی نے ان عمال کے نام بھی ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جن کے مال تقسیم کرا لیے گئے' اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں بھی اجمالاً اس قدر لکھا ہے۔

و هو الذی ارسله عمر الی عماله لیا خذشطر اموالهم لثقته به.

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہی کو اس لیے بھیجا تھا کہ عمال کا آدھا مال تقسیم کرلائیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ بہت زیادہ قابل اعتماد تھے''۔

7. عمال کی شکایتوں کی تحقیقات کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا جب کسی عمال کی شکایت پیش ہوتی تھی تو وہی تحقیقات کے لیے مامور کیے جاتے تھے' ایک بار کوفہ والوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے خود طلب فرما کر ان کا اظہار لیا' اس کے بعد ان کے ساتھ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر ایک ایک مسجد میں اس کی تحقیقات کی۔[2]

8. اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو تمام عمال کو حکم دیا کہ حج کے زمانے میں حاضر ہوں تاکہ مجمع عام میں ان کی شکایتیں پیش ہو سکیں' چنانچہ معمولی سے معمولی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور ان پر گرفت کی جاتی تھی ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں فرمایا:

انی لم ابعث عمالی لیضر بوا ابشار کم و لا لیا خذوا اموالکم فمن فعل به ذالک فلیر فعه الی اقصه منه.

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۹۲۔ [2] صحیح بخاری باب وجوب القراۃ للامام والماموم بخاری میں محمد بن مسلمہ کا نام مذکور نہیں ہے مگر فتح الباری میں ان کا نام لیا ہے۔

''میں نے عمال کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تمہارے منہ پر طمانچے ماریں نہ اس لیے کہ تمہارا مال چھین لیں جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے اس کو اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرنا چاہیے تا کہ میں اس سے قصاص لوں''۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی عامل رعایا کو تادیباً سزا دے تب بھی آپ اس سے قصاص لیں گے بولے ''ہاں'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کیوں نہ قصاص لوں گا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپؐ سے خود قصاص لیا گیا ہے۔[1]

یہ محض الفاظ ہی الفاظ نہ تھے بلکہ عین حج کے مجمع میں اس پر عمل بھی ہوا ایک بار انہوں نے حسب معمول تمام عمال کو طلب کیا اور ایک خطبہ میں کہا کہ جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے' ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو' اٹھو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا' آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہو جائے گی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا' خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا بالآخر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔[2]

9 اس کے علاوہ عمال کے حالات دریافت کرنے کے مختلف طریقے اختیار کیے جب عمال کے پاس سے کوئی شخص آتا تو اس سے اس کا حال دریافت کرتے' ایک بار حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے یہاں سے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا حال پوچھا انہوں نے نہایت انشاپردازانہ الفاظ میں ان کی تعریف کی۔[3]

عمال جب واپس آتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر چھپ جاتے اور خفیہ طور پر ان کا معائنہ کرتے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مدائن سے واپس آئے تو حضرت

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید۔ [2] کتاب الخراج ص ٦٦۔
[3] استیعاب تذکرہ جریر بن عبداللہؓ۔

عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر راہ میں چھپ گئے اور جب ان کی قدیم حالت میں کوئی تغیر نہیں پایا تو ان سے بے اختیار لپٹ گئے' حضرت حذیفہ اعلم بالمنافقین تھے یعنی ان کو تمام منافقین کے نام معلوم تھے' اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اپنے عمال کی نسبت بعض باتیں دریافت فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار انہوں نے فرمایا کہ میرے عمال میں کوئی منافق بھی ہے؟ بولے ہاں ایک ہے مگر نام نہ بتاؤں گا بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا خود پتہ لگا لیا اور اس کو معزول کر دیا۔[1]

عمال کی معزولی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ملکی عہدے ان لوگوں کو دیتے تھے جو ایک طرف تو اس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف ان کا دامن اخلاق بالکل بے داغ ہوتا تھا اس لیے ان کو جس عامل میں ان اوصاف کی کچھ بھی کمی نظر آتی تھی اس کو فوراً معزول کر دیتے تھے۔

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے میر منشی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتداء عربی طریقے کے موافق ان الفاظ میں کی' من ابوموسیٰ چونکہ عربی قاعدے کی رو سے من ابی موسی لکھنا چاہیے تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جس وقت میرا خط پہنچے اپنے میر منشی کو ایک کوڑا مارو اور علیحدہ کر دو۔[2]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ان کو کہاں کا عامل مقرر فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس قسم کے چند سوالات کیے تو معلوم ہوا کہ واقعی یہ خیال صحیح تھا' اس لیے ان کو معزول کر دیا۔[3]

اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا لیکن کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی کہ ان کا غلام تجارت کرتا ہے تو ان کو بھی وہاں سے ہٹا لیا۔[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن الیمانؓ۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۵۴۔
[3] طبری ص ۲۶۷۷۔ [4] طبری ص ۲۶۷۸۔

حضرت نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ کو میسان کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے بی بی کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا' وہاں پہنچے تو بی بی کے نام ایک خط میں حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے ۔

فمن مبلغ حسناء ان حليلها ميسان يعقى في زجاج و حنتم

میری طرف سے اس پیکر حسن کو کون پیغام پہنچائے گا۔ کہ اس کا شوہر میسان میں شیشے کے شیشے اور خم کے خم لنڈھا رہا ہے۔

اذاشئت غنتني د هاقين قرية و صناجة تحدو على كل ميهم

جب میں چاہتا ہوں تو دیہاتی لوگ میرے لیے گیت گاتے ہیں۔ اور ستار ہر قسم کا سر بجاتا ہے۔

اذا كنت ندماني فبالا كبرا سقني و لا يسقني باالا صغر المتثلم

اور تو میری ہم نشین ہو تو بڑے پیالے سے پلا نہ کہ چھوٹے اور ٹوٹے ہوئے پیالے سے۔

لعل امير المومنين يسئوه تنادمنا في الجوسق المتهدم

شاید امیر المومنین کو ہماری مصاحبت ناگوار ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خط و کتابت کا حال معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ میں نے تمہارا آخری شعر سنا درحقیقت مجھے اس قسم کی صحبت ناگوار ہے' اس کے بعد اس کو معزول کر دیا' وہ آئے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ کچھ نہ تھا صرف چند اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے تھے' ورنہ میں نے کبھی شراب نہیں پی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے لیکن با ایں ہمہ اب تم کبھی میرے عامل نہیں ہو سکتے [1]

جو عمال غلاموں کی عیادت نہیں کرتے تھے یا ان تک کمزور لوگوں کا گزر نہیں ہو سکتا تھا وہ معزول کر دیئے جاتے تھے [2]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ۔

[2] کتاب الخراج ص ٦٦

تنخواہ:

تنخواہ کا کوئی خاص معیار نہ تھا بلکہ حالات کے لحاظ سے تنخواہیں مختلف ہوتی تھیں مثلاً حضرت عیاذ بن غنم رضی اللہ عنہ حمص کے والی تھے اور ان کو روزانہ ایک اشرفی اور ایک بکری ملتی تھی[1] لیکن حضرت امیر معاویہؓ اسی عہدے پر مامور تھے اور ان کو اس کے صلہ میں ہزار دینار ماہوار ملتے تھے[2] تاہم جو تنخواہ تھی وہ ہر شخص کے لیے کافی ہوتی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اس نظام میں اس قدر تغیر کیا کہ تمام بڑے بڑے عہدے بنوامیہ کو دے دیئے تاہم انہوں نے بلا وجہ کسی قدیم عامل کو معزول نہیں کیا' طبری میں ہے کہ وہ بلا شکایت یا بغیر استعفاء کے کسی عامل کو معزول نہیں کرتے تھے[3]

بلکہ شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معزول کردہ جو عامل پہلے سے موجود تھے ان کو اپنے اپنے عہدوں پر قائم رہنے دیا[4] باقی اس نظام میں اور کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس معاملہ میں دو عظیم الشان انقلاب پیدا ہوئے ایک تو یہ کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سوا تمام عمال عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا[5] دوسرے یہ کہ انہوں نے تمام عمال کے طرز عمل کی عام تحقیقات کرائی[6] اور غالباً یہ ایسی ترقی تھی جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عیاض بن غنم

[2] استیعاب تذکرہ حضرت امیر معاویہؓ۔ [3] طبری صفحہ ۲۸۱۴

[4] طبری ص ۲۸۶۷۔ [5] یعقوبی صفحہ ۲۰۸۔ [6] کتاب الخراج ص ۶۷۔

صیغۂ عدالت

اسلام میں صیغہ قضا اگرچہ عہد نبوت ہی میں قائم ہوگیا تھا لیکن ابتداء میں یہ صیغہ اور صیغوں کے ساتھ مخلوط تھا چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل مقرر فرما کر بھیجا تو یہ خدمت بھی ان کے متعلق کی[1] اور اس کے آئین و اصول بتائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی مدتوں یہ خلط مبحث رہا لیکن انہوں نے اپنے وسط خلافت میں اس صیغہ کو اور صیغوں سے الگ کر دیا اور مستقل طور پر قضاۃ مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔[2]

اُصول و آئین عدالت:

اس باب میں سب سے مقدم چیز اصول و آئین عدالت کا منضبط کرنا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن مجید کی طرف پھر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور سب سے آخر میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے تھے' اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔[3]

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب تمدن کو زیادہ وسعت ہوئی تو انہوں نے قضاۃ کو اجماع اور قیاس سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی لیکن قیاس کو سب سے مؤخر رکھا[4] اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام آداب قضاۃ کے متعلق ایک مفصل فرمان لکھا' جو کنز العمال اور دار قطنی میں[5] بلفظہ منقول ہے' اس فرمان میں قضاۃ کے متعلق جو احکام مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب القضاء۔ [2] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۵' ۱۷۶۔ [3] مسند دارمی ص ۳۲' ۳۳۔
[4] مسند دارمی ص ۳۴۔ [5] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴ و دار قطنی ص ۵۱۲۔

② بارِ ثبوت صرف مدعی پر ہے۔
③ مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہیں ہے تو اس سے قسم لی جائے گی۔
④ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔
⑤ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
⑥ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔
⑦ اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو تو مقدمہ کا اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔
⑧ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے' لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کی جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔
⑨ اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہیے۔

آج اس تمدنی زمانے میں بھی عدالت کے اساسی قوانین یہی ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب:

قضاۃ کے متعلق سب اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب تھا' صحابہ میں جو لوگ علم و فضل میں مسلم تھے' مثلاً حضرت زید بن ثابت' حضرت عبادہ بن الصامت' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ان کے انتخاب کے لیے صرف یہی کافی تھا کہ وہ خود منتخب روزگار تھے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور لوگوں کو عملی تجربہ اور ذاتی امتحان کے بعد منتخب کرتے تھے' چنانچہ حضرت کعب بن سور ازدی رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے قاضی تھے ان کی تقرری کا شان نزول یہ ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتے تھے کہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میں نے اپنے شوہر سے بہتر آدمی نہیں دیکھا وہ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کی تعریف کی اور اس کے لیے استغفار کیا' وہ شرمندہ ہو کر چلی گئی' تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ نے عورت کا انصاف اس کے شوہر سے نہیں دلوایا' وہ مستغیث ہو کر آئی تھی اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوا بھیجا اور کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو یہ شکایت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے تعلق نہیں رکھتا اس نے کہا سچ ہے' حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو بلوا بھیجا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ تمہیں نے اس مقدمہ کو سمجھا ہے اور تمہیں اس کا فیصلہ کرو انہوں نے فیصلہ کیا تو اس قدر خوش ہوئے کہ بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔[1]

قضاءت کی ذمہ داریوں کا احساس:

حدیث شریف میں آیا ہے:

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین.

''جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ ابوداؤد کتاب القضاء''۔

اس حدیث کی بناء پر بعض صحابہ جو بہت زیادہ محتاط تھے' وہ سرے سے عہدہ قضا ہی کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا[2] لیکن جن صحابہ کو اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار نہ تھا وہ بھی شدت کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے حضرت ابوالدرداء بیت المقدس کے قاضی تھے ایک بار انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المقدس میں تشریف لائیے لیکن انہوں نے لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں بنا سکتی' انسان کو صرف اس کا عمل مقدس بناتا ہے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب (قاضی) مقرر کیے گئے ہو اگر تم سے لوگ شفایاب ہوں تو کیا کہنا ورنہ اگر جعلی طبیب ہو تو کسی انسان کو مار کر دوزخ میں نہ داخل ہو' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر اس خط کا یہ اثر پڑا کہ مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد فریقین واپس جاتے تھے تو احتیاطاً بلا کر دوبارہ اظہار لیتے تھے۔[3]

عدل وانصاف:

خلفاء مقدمات کے فیصلہ کرنے میں کسی قسم کی رعایت کو جائز نہیں رکھتے تھے' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہاں خود فریق مقدمہ بن کر آئے تو انہوں نے ان کو اپنے پاس بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے کیا ہے میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا۔[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت کعب بن سور رضی اللہ عنہ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۶۔

[3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب جامع القضاء۔ [4] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک مہمان آیا انہوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ ہو کر آیا اور ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے اب آپ تشریف لے جایئے ہم فریق کو صرف فریق کے سامنے ٹھہرا سکتے ہیں[1]

ایک بار ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا وہ بے ساختہ بول اٹھا' آپ نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا۔[2]

رشوت ستانی کی روک ٹوک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صغیہ عدالت قائم کیا تو رشوت ستانی کے انسداد کے لیے سخت بندشیں قائم کیں اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا:

اجعلو الناس عندکم فی الحق سواء قریبھم کبعیدھم و بعیدھم کقریبھم و ایاکم و الرشی.[3]

''انصاف میں تمام لوگوں کو برابر سمجھو' قریب و بعید میں فرق و امتیاز نہ کرو اور رشوت سے بچو''۔

اس کے ساتھ قضاءت کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ پڑے گا۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے رشوت دی جا سکتی ہے مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دی جائے تو وہ اس کے ذریعے سے بہت کچھ ذاتی فوائد حاصل کر سکتے ہیں ہدیہ بھی رشوت خواری کا ایک مہذب ذریعہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام طریقوں کا سد باب کیا چنانچہ قاضی شریح کو جب قضاءت کے عہدے پر مامور کیا تو فرمایا:

لا تشتر و لا تبع و لا ترتش.[4] ''نہ کچھ خریدو نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو''۔

ہدیہ کی طرف ایک واقعہ کے اثر سے ان کی توجہ مبذول ہوئی ایک شخص معمولاً ہر

---

[1] کنزالعمال جلد ۳ ص ۱۷۴۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق

[3] کنزالعمال جلد ۳ ص ۱۷۴۔ [4] کنزالعمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۵

سال ان کی خدمت میں اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا ایک بار وہ فریق مقدمہ ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا تو کہا کہ امیر المومنین ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ قبول نہ کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[1]

ماہرین فن کی شہادت:

مقدمات میں شہادت کی توثیق و اعتبار کا ایک بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ماہرین فن کی شہادت لی جائے یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا ہے اس کے متعلق اس فن کے ماہرین کا اظہار لے کر فیصلہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول پر نہایت کثرت سے عمل کیا' ایک بار حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی اور اس نے دربار خلافت میں مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حسان بن ثابت سے مشورہ لیا' اس کے بعد حطیہ کو سزا دی[2]

ایک بار ایک بیوہ عورت نے عدت کے دن گزار کے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا لیکن وہ پہلے سے حاملہ تھی' اس لیے دوسرے شوہر کے پاس ساڑھے چار مہینے کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے زمانہ جاہلیت کی تمام عورتوں کا اظہار لیا۔[3]

تحریری فیصلے:

اس زمانے کے تمدن کے لحاظ سے اگرچہ مقدمات کا فیصلہ نہایت سادہ طور پر کیا جاتا تھا' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام مقدمات کے فیصلے لکھے جاتے تھے جو آئندہ چل کر فریق مقدمہ کے کام آتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت رباب بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے تین اولاد پیدا ہوئی۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو ان کے عصبہ تھے ان تمام بچوں کو شام بھیج دیا اور وہ وہاں جا کر مر گئے ان کے بعد

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۷۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان بن بدر۔

[3] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادات۔

وراثت کے متعلق نزاع ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عصبہ کو وراثت دلوائی اور ایک تحریر لکھوا دی جس میں تین شخص یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص کے دستخط بطور شاہد کے ثبت تھے' چنانچہ ایک موقع پر جب ان لوگوں میں نزاع ہوئی تو عبدالملک نے اسی تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صفایائے نبوی کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ایک شخص کے پاس لکھا ہوا تھا۔[2]

اخلاق کا اثر مقدمات پر:

مقدمات کی کثرت وقلت کو ایک بہت بڑا اخلاقی معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس ملک' جس قوم' اور جس خاندان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہو جاتی ہے اس میں ذرا ذرا سی بات پر نزاع ہوتی ہے' مقدمات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کی نسبت لوگ جھوٹی سچی شہادت دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں' چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجیء قوم تبدر شهادة احدهم یمینه و تبدر یمینه شهادته.[3]

''سب سے بہتر زمانہ میرا ہے' پھر صحابہ کا پھر تابعین کا اس کے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو شہادت سے پہلے قسم کھائے گی اور قسم سے پہلے شہادت دے گی''۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک جھوٹی شہادت ایک ایسا جرم خیال کی جاتی تھی کہ لوگ بچوں کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے اسی حدیث میں ہے۔

قال ابراهیم کانوا ینهوننا و نحن غلمان عن العهد و الشهادات.

''ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور عہد سے منع کرتے تھے''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء۔

[2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ۔

[3] مسلم کتاب المناقب

ایک بار عراق کا ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک ایسے معاملے کے لیے آیا ہوں جس کا نہ تو سر ہے' نہ دم' ہمارے ملک میں جھوٹی شہادتوں کا رواج ہو چلا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت تعجب سے کہا کہ ہاں ایسا ہے۔[1]

مقدمات کی قلت کا یہ حال تھا کہ حضرت سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے قاضی تھے ان کی نسبت ابو وائل کا بیان ہے کہ میں مستقل چالیس دن تک ان کے پاس آتا جاتا رہا لیکن ان کے یہاں کسی فریق مقدمہ کو نہیں دیکھا۔[2]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الشہادت

[2] اسد الغابہ تذکرہ سلمان بن ربیعہ باہلیؓ

صیغۂ محاصل وخراج

فتوحات کا سلسلہ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شروع ہو گیا تھا' لیکن خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قائم ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی تو بہت سے صحابہ نے کہا کہ مال غنیمت کی طرح زمین اور جائیدادیں بھی مجاہدین پر تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو آئندہ نسل کے لیے کیا رہ جائے گا؟ سرحد کی حفاظت کیوں کر ہو سکے گی؟ یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا کیا انتظام ہو گا؟ اس غرض سے انہوں نے تمام قدماء مہاجرین کو مشورہ کے لیے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مخالف گروہ کی تائید کی' بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفائے انصار سے دس اوس سے پانچ اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پر زور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔[1]

اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بندوبست کی طرف توجہ کی اور صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کی خدمت کے لیے کون موزوں ہے؟ تمام صحابہ نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمت کے انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانچ درہم اور ایک جراب آٹا روزانہ کے حساب سے تنخواہ مقرر کی' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ان کا شریک کار مقرر کیا[3] اور حکم دیا کہ ٹیلوں جنگلوں'

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۴۔ [2] استیعاب تذکرہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ۔ [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۴

گڈھوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے' پیمائش نہ کی جائے اور ناقابل برداشت جمع نہ تشخیص کی جائے اور اس اصول کے مطابق ان بزرگوں نے پیمائش کا کام ختم کیا تو کل رقبہ طول میں تین سو پچھتر اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی کل تینتیس ہزار میل مکسر ٹھہرا' اس میں پہاڑ' صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ خاندان شاہی کی جاگیر' آتش کدوں کے اوقاف لاوارثوں' مفروروں اور باغیوں کی جائیداد' دریا برآورد جنگل اور ان زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالصہ قرار دیا[1] باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مال گزاری مقرر کی گئی۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دو درہم سالانہ
جو	ایضاً	ایک درہم سالانہ
نیشکر	ایضاً	چھ درہم سالانہ
روئی	ایضاً	پانچ درہم سالانہ
انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	دس درہم سالانہ
نخلستان	ایضاً	ایضاً
تل	ایضاً	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	ایضاً	تین درہم سالانہ

جمع تشخیص ہو گئی تو دونوں بزرگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے جمع تشخیص سخت تو نہیں کی؟ انہوں نے کہا ''ابھی تو اس میں اضافہ کی اور بھی گنجائش ہے'' بولے پھر غور کر لو جمع ناقابل برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی' انہوں نے کہا ''نہیں'' اب فرمایا کہ زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔[2]

خراج کی تشخیص میں سب سے زیادہ عادلانہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ذمی رعایا سے اس میں مشورہ لیا۔ چنانچہ انہوں نے عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو مشورہ کے لیے وہاں سے

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۸۱۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب قصہ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔

دو چوہدری طلب کیے جن کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا۔ اسی طرح مصر کے عامل کو لکھا کہ خراج کے معاملے میں مقوقس سے رائے لو۔ زیادہ واقفیت کے لیے ایک واقف کار قبطی کو مدینہ میں طلب فرمایا اور اس کا اظہار لیا۔[1]

عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور کسی صوبے کی پیائش نہیں کرائی البتہ قدیم طریقہ بندوبست میں جہاں جہاں غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی' مثلاً مصر سے رومی خراج کے علاوہ غلے کی ایک مقدار کثیر وصول کرتے تھے جو سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے روانہ کی جاتی تھی اور خراج میں محسوب نہیں ہوتی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں جابرانہ طریقے موقوف کر دیئے۔

زمین داری اور ملکیت کے متعلق انہوں نے سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ زمین داری کے متعلق قدیم جابرانہ قانون کو بالکل مٹا دیا مثلاً جب رومیوں نے شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں کے قبضے سے نکال کر اراکین دربار کو دے دیں کچھ خالصہ قرار دیا اور کچھ گرجوں پر وقف کر دیں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قاعدہ کو مٹا کر یہ قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے' یعنی اگر قیمت دے کر بھی خریدنا چاہیں تو نہیں خرید سکتے' یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو بڑے بڑے پیشوایان مذہبی مثلاً امام مالکؒ، نافع بن یزید وغیرہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام فوجی افسروں کے نام حکم بھیج دیا کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے' چنانچہ شریک غطفی نامی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لیے عبرت انگیز ہو گی۔[3]

ایک دفعہ عبداللہ بن الحر العنسی نے شام میں کھیتی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس کی کل جائداد برباد کروا دی۔[4]

---

[1] بلاذری ج ا ص ۲۱۱،۲۷۵۔ [2] مقریزی ص ۲۹۵۔ [3] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۶۸۔ [4] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن الحر العنسی

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ترقی زراعت کی طرف خود توجہ کی اور لوگوں کو توجہ دلائی ایک مرتبہ ایک شخص سے پوچھا تمہارا وظیفہ کیا ہے؟ اس نے کہا ڈھائی ہزار فرمایا قبل اس کے کہ قریش کے لونڈے سریر آرائے حکومت ہوں کھیتی کرلو ورنہ ان کے بعد وظیفہ کوئی چیز نہ رہ جائے گا[1] عام حکم دیا کہ جو افتادہ زمینیں ہیں ان کو جو شخص آباد کر لے گا اس کی ملک ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو اس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ بطور جاگیر کے دیا تھا لیکن انہوں نے اس کو آباد نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ان کے قبضے سے نکال دیا[2] اس طرح ان کے زمانے میں زرعی پیداوار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک صدقہ فطر میں صرف جو کھجور اور منقی وغیرہ دیا جاتا تھا لیکن جب ان کے عہد خلافت میں گیہوں کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہوا تو انہوں نے ان چیزوں کے عوض نصف صاع گیہوں مقرر کر دیا[3]

وصولی خراج کا طریقہ:

وصولی خراج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ آسانی یہ پیدا کی کہ خود رعایا کو اختیار دیا کہ وہ وصولی خراج کے لیے بہترین اشخاص منتخب کر کے دربار خلافت میں روانہ کرے' چنانچہ کوفہ والوں نے عثمان بن فرقد کو شام والوں نے معن بن یزید کو بصرہ والوں نے حجاج بن علاط کو منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عامل خراج مقرر کر دیا[4] خراج وصول ہو کر آتا تھا تو دس ثقہ آدمی کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کرتے تھے اور ان کا حلفیہ اظہار لیتے تھے کہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی وصولی خراج میں نہایت نرمی اختیار کی چنانچہ ایک بار کسی عامل کو وصولی خراج کے لیے مقرر فرمایا تو یہ وصیتیں کیں۔

---

[1] ادب المفرد باب الابلغر لاہلہا۔ [2] وفاء الوفاء ص ۱۹۰۔ [3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کم یودی فی صدقۃ الفطر۔ [4] کتاب الخراج ص ۶۴۔ [5] کتاب الخراج ص ۶۵

لا تضربن رجلا سوطا فی جبایة درهم و لا تتبعن لهم رزقا و لا کسوة شتاء و لا صیف و لا دابة تعملون علیها و لا تقیمن رجلا قائما فی طلب درهم.

''کسی شخص کی مال گزاری کے وصول کرنے میں کوڑا نہ مارو ان کی روزی' ان کے گرمی اور جاڑے کے کپڑے اور بار برداری کے جانور نہ لو اور کسی کو کھڑا نہ کرو''۔

اس نے کہا تو اے امیر المومنین! یہ کہیے کہ میں یونہی خالی ہاتھ واپس آؤں فرمایا یہ بھی سہی ہم کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فاضل مال سے مال گزاری وصول کریں۔[1]

جزیہ:

جزیہ بھی خراج کی طرح نہایت نرمی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا جو لوگ اپاہج اور بے کار ہو جاتے تھے ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا چنانچہ یہ قاعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں مقرر ہو گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو قائم رکھا ذمیوں کو کسی قسم کی اذیت دے کر جزیہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا کر کے کچھ لوگوں کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا' وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کے جرم میں یہ سزا دی جا رہی ہے فرمایا ان کو چھوڑ دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بندوں کو تکلیف دیتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب دیتا ہے۔

عشر:

غیر قوموں سے ایک اور تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا جس کا نام عشر تھا یہ اسلام کی کوئی جدید ایجاد نہ تھی بلکہ جاہلیت ہی کے زمانے میں اس کا رواج تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کو قائم رکھا۔[2]

اس کے وصول کرنے کا طریقہ نہایت آسان تھا کسی کے اسباب کی تلاشی نہیں لی جا سکتی تھی' دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا' شام کے قبطی چونکہ گیہوں کی تجارت کرتے تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے نصف عشر لیتے تھے کہ مدینہ میں اس کی درآمد زیادہ ہو۔[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ
[3] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشور اہل الذمہ۔

زکوٰۃ وعشور:

زکوٰۃ کے وصول کرنے میں بھی ہر قسم کی آسانیاں ملحوظ رکھی جاتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے عمال کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ میں بہترین مال نہ لیا جائے خلفائے راشدینؓ بھی نہایت شدت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اموال صدقہ میں ایک بڑے تھن والی بکری دیکھی تو فرمایا کہ "اس کے مالک نے اس کو بخوشی نہ دیا ہوگا اس طرح مسلمانوں کو نہ بدکاؤ۔[1]

دیوان' دفتر' بیت المال:

جزیہ' خراج' عشور اور زکوٰۃ سے جو رقم وصول ہوتی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک علی السویہ تمام مسلمانوں پر تقسیم ہو جاتی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب باقاعدہ نظام سلطنت قائم ہوا تو اس کے لیے دیوان' دفتر' اور بیت المال قائم کیا گیا خراج کا دفتر جیسا کہ قدیم زمانہ میں فارسی' شامی اور قبطی زبان میں تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ کیونکہ ابھی تک اہل عرب نے اس فن میں اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہوسکتا۔

بیت المال کے رجسٹر نہایت صحت اور تفصیل کے ساتھ مرتب کیے جاتے تھے چنانچہ صدقہ وزکوٰۃ کے مویشی آتے تھے تو ان کے رنگ' حلیہ' اور سن تک لکھے جاتے تھے[2] بیت المال میں جو رقم جمع ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے وظیفے میں صرف ہو جاتا تھا جن کے سالانہ وظائف علی قدر مراتب حسب ذیل تھے:

شرکائے غزوہ بدر	پانچ ہزار درہم سالانہ
مہاجرین حبش اور شرکائے غزوہ احد	چار ہزار درہم سالانہ
مہاجرین قبل از فتح مکہ	تین ہزار درہم سالانہ
جو لوگ فتح مکہ میں اسلام لائے	دو ہزار درہم

[1] موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب النہی عن التضیق علی الناس فی الصدقہ۔
[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ

جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	دو ہزار درہم سالانہ
اہل یمن	چار ہزار درہم سالانہ
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	تین سو درہم سالانہ
بلا امتیاز مراتب	دو سو درہم سالانہ

ان لوگوں کے اہل و عیال بلکہ غلاموں کے وظائف بھی مقرر تھے۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو درہم سے چار سو درہم تک اور اہل بدر کے اولاد ذکور کا وظیفہ دو دو ہزار درہم مقرر تھا' ان مصارف کے بعد صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جو رقم بچ جاتی تھی وہ مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔[1]

جن لوگوں کو وظیفے ملتے تھے ان کے نام مع ولدیت درج رجسٹر ہوتے تھے۔[2]

ان کی ترتیب کے لیے بڑے بڑے قابل لوگ مثلاً حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ وغیرہ مامور تھے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۶۳ بحوالہ ابن سعد

[2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۱

پبلک ورک یا نظارتِ نافعہ

اصطلاحی حیثیت سے اگرچہ اس صیغہ میں صرف نہریں' سرکاری عمارتیں پل' بند شفا خانے اور کنویں وغیرہ داخل ہیں' لیکن ہم نے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوقات وصدقات جاریہ کو بھی شامل کر لیا ہے' کیونکہ اوقاف وصدقات کا مقصد بھی رفاہ عام کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

کنوئیں:

رفاہ عام کی چیزوں میں اگرچہ کنوئیں اب نہایت معمولی درجہ کی چیز خیال کیے جاتے ہیں لیکن عرب میں وہ نہایت گراں قیمت چیز سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ ''سب سے اچھا صدقہ پانی ہے'' اسلام میں رفاہ عام کے کاموں کی ابتداء سب سے پہلے اسی صدقہ جاریہ سے ہوئی چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو مدینہ میں آب شریں کی نہایت قلت محسوس ہوئی آب شریں کا صرف ایک کنواں تھا جس کا نام بیر رومہ تھا اس لیے آپؐ نے تمام مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس کو کون خریدتا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس کو اپنے صلب مال سے خرید کر تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اور بھی متعدد کنویں' مثلاً بیر سائب' بیر عامر' بیر اریس' کھدوائے اور مسلمانوں پر وقف کیے۔[2]

اس کے بعد اور صحابہ نے بھی متعدد کنویں کھدوائے' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ان کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا ''پانی'' چنانچہ انہوں نے ماں کی یادگار میں ایک کنواں کھدوا دیا۔[3]

---

[1] نسائی کتاب الاحباس۔ [2] وفاء الوفاء ص ۲۵۴۔ [3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی فضل سقی الماء لیکن نسائی کتاب الاحباس میں ہے کہ انہوں نے بطور صدقہ کے متعدد باغ وقف کیے تھے۔

مدینہ میں ایک اور کنواں جس کا نام بیر ملک تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے وقف تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سر پر خلافت الٰہی کا تاج رکھا گیا تو اس صدقہ جاریہ کی طرف اور بھی توجہ ہوئی اگر چہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں کتنے کنوئیں کھودے گئے تاہم بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء نے اس کا نہایت اہتمام کیا تھا معجم البلدان ذکر تبوک میں ہے کہ وہاں ایک کچا کنواں تھا جو ہمیشہ گر گر پڑتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ابن عریض نامی ایک یہودی نے اس کو پختہ کرادیا۔

چوکیاں اور سرائیں:

عرب کے لوگ اکثر سفر کیا کرتے تھے' بالخصوص سال میں ایک بار تمام عرب کو حج کا احرام باندھنا پڑتا تھا' بایں ہمہ راستہ میں مسافروں کے آرام و آسائش کا بہت کم سامان تھا لیکن خلفاء کے عہد میں مسافروں کے آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا ہو گئے' چنانچہ جو لوگ راستے میں مسافروں کو پانی پلایا کرتے تھے' انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی اور مکہ اور مدینہ کے درمیان سرائیں بنوانا چاہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اجازت دی کہ مسافر پانی اور سایہ کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے۔[2]

شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں متعدد کنوئیں بھی کھدوائے اور جو کنوئیں پٹ گئے تھے ان کو صاف کروایا۔[3]

انہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایسے اشخاص بھی مقرر کیے جو گم گشتگان قافلہ کو سیراب راستوں سے لے جا کر منزل مقصود تک پہنچا آتے تھے۔[4]

مہمان خانے:

اول اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسافروں کے لیے کوفہ میں ایک مہمان خانہ قائم کیا فتوح البلدان میں ہے:

امر عمران یتخذ لمن یرد من الآفاق دارافکانوا ینزلونها۔[5]

---

[1] وفاء الوفا ص ۲۵۸۔ [2] فتوح البلدان ص ۶۰۔ [3] ازالۃ الخفاء۔

[4] مقریزی جلد اول ص ۴۶۱۔ [5] فتوح البلدان ص ۲۸۶۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو لوگ اطراف ملک سے مسافرانہ وارد ہوتے ہیں ان کے لیے ایک مہمان خانہ قائم کیا جائے' چنانچہ جو مسافر آتے تھے اسی مہمان خانے میں اترتے تھے''۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک اور مہمان خانہ قائم کیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ باہر سے جو لوگ تجارت کا غلہ لے کر آتے تھے وہ عموماً پرائیویٹ مکانوں میں قیام کرتے تھے اس غرض سے بعض فیاض طبع لوگوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ بازار میں منادی کروا دیتے تھے' کہ جس کے قیام کا بندوبست نہ ہو وہ ہمارے مکان میں قیام کر سکتا ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں کے لیے ایک مہمان خانہ قائم کر دیا[1] اسی طرح مصر میں بھی حضرت عثمان بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک مہمان خانہ قائم کیا۔[2]

حوض اور نہریں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رفاہ عام کی غرض سے جا بجا اور مدینہ میں بکثرت حوض اور چشمے تیار کرائے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے عرفات میں بہت سے حوض بنوائے اور متعدد نہریں جاری کیں[3] حمی قید کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام عین النخل تھا[4] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد نہریں وقف عام کی تھیں چنانچہ مقام ینبع میں ان کے ذاتی ملک میں بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں' انہوں نے سب کو وقف عام کر دیا[5] اسی طرح اور دو نہروں کو انہوں نے فقرائے مدینہ پر وقف کر دیا تھا چنانچہ ایک بار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر قرض ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک نہر کے بدلے دو لاکھ دینار دینا چاہے مگر انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ کا وقف فروخت کرنا نہیں چاہتا۔[6]

حضرت امیر معاویہ کو نہروں کے جاری کرنے کا خاص اہتمام تھا خلاصۃ الوفا میں ہے:

كان بالمدينة الشريفة و ما حولها عيون كثيرة و كان لمعاوية اهتمام بهذا لباب.[7]

---

[1] طبری ص ۲۸۴۳۔ [2] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۵۲۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔
[4] خلاصۃ الوفاء ص ۲۵۷۔ [5] وفاء الوفاء ص ۳۹۳۔ [6] معجم ذکر عین ابی نیزر۔ [7] خلاصۃ الوفاء ص ۲۳۷۔

"مدینہ شریف اور اس کے متصل بکثرت نہریں تھیں اور حضرت امیر معاویہ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا"۔

حضرت امیر معاویہ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ[1]، نہر ازرق[2]، نہر شہدا وغیرہ[3]

کا نام وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفا میں مذکور ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کران کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا' جس میں پانی جمع ہوتا تھا۔[4]

خلفاء کے علاوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی پانی کے چشمے وقف عام کیے تھے مثلاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک چشمہ خرید کر راہیوں پر وقف کر دیا تھا۔[5]

نہر سعد:

مکہ اور مدینہ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف شہروں میں نہریں جاری کیں انبار والوں کو مدت سے ایک نہر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی' چنانچہ اس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان لوگوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تو انہوں نے حضرت سعد بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا' انہوں نے بڑے اہتمام سے کام جاری کیا لیکن کچھ دور پہنچ کر بیچ میں ایک پہاڑ آ گیا۔ اس لیے کام وہیں تک پہنچ کر رک گیا' بعد کو حجاج نے اس کی تکمیل کی لیکن الفضل للمتقدم کی بنا پر یہ نہر حضرت سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔[6]

نہر ابی موسیٰ:

بصرہ والوں کو آب شیریں کی سخت تکلیف تھی ایک بار ان کا ایک وفد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وفد کے ایک ممبر یعنی حنیف بن قیس نے نہایت پر اثر تقریر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت حضرت

---

[1] وفاء الوفاء ص ۱۱۷۔ [2] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۶۔ [3] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۷
[4] وفاء الوفاء ۳۲۱۔ [5] وفاء الوفاء ص ۳۶۰۔ [6] فتوح البلدان ص ۲۸۳

ابوموسیٰ اشعری کے نام ایک تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ والوں کے لیے ایک نہر کھدوادی جائے چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس نہر کو دجلہ سے نکال کر نہر ابلہ سے ملا دیا' اخیر میں اس کا کچھ حصہ پٹ گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بن کریز نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے اس کی مرمت واصلاح کروادی۔[1]

نہر معقل:

یہ نہر بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے بصرہ میں کھدوائی چونکہ ان کی تیاری کا کام حضرت معقل رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا' اس لیے انہی کے نام سے مشہور ہوگئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیاد نے دوبارہ اس نہر کو کھدوایا اور تبرکاً حضرت معقل سے ہی اس کا افتتاح کروایا افتتاح کرنے کے بعد ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا'' کہ دجلہ کے کنارے گھوم آؤ اگر ایک شخص بھی اس نہر کو زیاد کی نہر کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دے دو'' لیکن بچے بچے کی زبان سے معقل کا نام سن کر اس نے کہا: ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔[2]

نہر امیر المومنین:

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں سے غلہ منگوایا لیکن شام ومصر سے چونکہ خشکی کا راستہ بہت دور تھا اس لیے غلہ کی روانگی میں کسی قدر دیر ہوئی ان دِقتوں کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور کہا'' کہ اگر دریائے نیل سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط وگرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو ورنہ خشکی کی راہ سے غلہ کا آنا دِقت سے خالی نہیں'' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر فوراً کام شروع کرادیا اور ایک سال میں یہ نہر بن کر تیار ہوگئی یہ تفصیل حسن المحاضرہ میں ہے۔[3]

لیکن طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام امراء وعمال کے نام سے غلہ کے لیے تحریری حکم بھیجا تو خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ پہلے بحر شام بحر عرب میں گرتا ہے لیکن رومیوں اور قبطیوں نے اس کو بند کر دیا' اگر آپ چاہتے ہیں

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۵۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۳۶۶۔ [3] حسن المحاضرہ سیوطی جلد اص ۶۸

کہ مصر کی طرح مدینہ میں بھی غلہ کا نرخ ارزاں ہو تو میں اس غرض سے نہر تیار کرا کے اس پر پل بنا دوں' مصر والوں نے اگرچہ اپنے ذاتی مصالح کی بناء پر بہت کچھ واویلا کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں کسی کی نہ سنی چنانچہ جب یہ نہر بن کر تیار ہوئی تو عرب ہمیشہ کے لیے قحط کی مصیبت سے نجات پا گیا۔[1]

حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں بھی بعض نہریں تیار ہوئیں مثلاً انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو اس نے جبال بخاری کو کاٹ کر ایک نہر نکالی[2] ان ہی کے زمانے میں حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی جس کا افتتاح نہ ہو سکا۔[3]

زرعی نہریں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زرعی ترقی کا جو مستقل انتظام ہوا اس کے سلسلہ میں انہوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائیں۔ چنانچہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور ان کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔[4]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس صیغے کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ ان کے زمانے میں صرف مدینہ اور اس کے آس پاس جو زرعی نہریں تھیں ان کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔[5]

بند:

مکہ میں جو چار مشہور سیلاب مختلف زمانوں میں آئے ان میں ایک سیلاب جو ام نہشل کے نام سے مشہور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آیا اور مسجد حرام تک پہنچ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیچے اوپر دو بند بندھوائے جس نے مسجد حرام کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا۔[6]

مدینہ میں ایک چشمہ تھا جس کا نام فہرور تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس میں طغیانی آئی اور تمام مدینہ ڈوب گیا اس لیے انہوں نے اس سے بچنے کے لیے ایک

---

[1] طبری ص ۲۵۷۷۔ [2] طبری ص ۱۶۹ و اقعات ۵۴ھ۔ [3] طبری ص ۱۵۶ و اقعات ۵۱ھ۔
[4] حسن المحاضر جلد ۱ ص ۶۳۔ [5] خلاصۃ الوفاء ص ۲۴۷۔ [6] فتوح البلدان ص ۶۰۔

بند بندھوا دیا۔[1]

پل اور سڑک:

خلفاء کے زمانے میں مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ صلح ہوتا تھا اس میں تمام شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی کر لی جاتی تھی کہ سڑکوں اور پلوں کا بنانا ان کے متعلق ہوگا' چنانچہ کتاب الخراج میں ایک معاہدہ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

وبناء القناطر علی الانہار من اموالھم.[2]

''نہروں پر ان کو اپنے صرف سے پل باندھنا ہوگا''۔

طبری واقعات ۱۶ھ میں ایک معاہدہ کے حسب ذیل فقرے نقل کیے ہیں:

فکان الفلاحون للطرق و الجسور و الاسواق و الحرث و الدلالة.

''کاشتکاروں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ سڑک بنائیں پل باندھیں بازار لگائیں کھیتی لگائیں اور مسلمانوں کو راستہ بتائیں''۔[3]

سرکاری عمارتیں:

سرکاری عمارتوں کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اور سرکاری کاموں کے لیے جس قدر عمارتوں کی ضرورت ہوتی ہے غالباً کل وجود میں آ گئیں۔

دارالامارۃ:

صوبجات اور اضلاع کے حکام کے لیے دار الامارۃ تعمیر کیے گئے جو گویا اس زمانے کے گورنمنٹ ہاوس تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غالباً سب سے پہلے بصرہ کا دار الامارۃ تیار ہوا چنانچہ جب عتبہ بن غزوان نے فوجی ضرورت سے بصرہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ مقام دہنا میں جس کو اب رحبہ بن ہاشم کہتے ہیں' سادہ طور پر ایک مسجد' ایک

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۷۔ [2] کتاب الخراج ص ۸۰

[3] طبری صفحہ ۲۴۷۰ لیکن علامہ سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بیت المال کے مصارف سے بھی پل وغیرہ بنوائے جاتے تھے چنانچہ حسن المحاضرہ جلد ا صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں:

کانت فریضة مصر الحضر خلیجها او اقامة جسورها و بناء قناطرها و قطع جزئرها مایة الف و عشرین القامعهم الطود و المساحی و الا داة یعقبون ذالک لا یدعون ذالک شتاء ولاصیفا.

جیل خانہ اور ایک دارالامارۃ بھی تعمیر کروایا بصرہ اول اول گویا چھپروں کا مجموعہ تھا' لیکن بعد کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کچے مکانات بنوائے تو دارالامارۃ کو بھی کچی اینٹ سے تعمیر کروایا اور چھت گھاس سے پٹوائی حضرت امیر معاویہ نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اس نے مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا دارالامارۃ کو مٹا کر مسجد کے سامنے قبلہ رخ کر دیا اور اس کی عمارت پہلے سے بھی زیادہ مستحکم بنوائی۔[1]

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو آباد کیا تو اس کے ساتھ دارالامارۃ بھی تعمیر کرایا زیاد نے اس کی عمارت بھی دوبارہ مستحکم طور پر بنوائی۔[2]

مکہ میں ایک نہایت قدیم یادگار تھی جس کو دارالندوہ کہتے تھے یہ عمارت قریش کا گویا دارالامارۃ تھی جس میں وہ تمام اہم قومی معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اخیر میں حضرت امیر معاویہ نے اس کو خرید کر دارالامارۃ بنا دیا۔[3]

جیل خانے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں متعدد جیل خانے بنوائے اول اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر کے جیل خانہ بنوایا۔[4]

پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے بصرہ کا جیل خانہ عتبہ بن غزوان نے تعمیر کروایا تھا جو بالکل دارالامارۃ کے متصل تھا۔ کوفہ کا جیل خانہ بانس یا نرسل سے بنا تھا۔[5]

غلہ خانے:

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام سرکاری ضروریات کے لیے الگ الگ مکانات تعمیر کروائے تھے ہم کو تاریخوں میں دارالدقیق اور دارالرقیق کا اکثر نام ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیان جنگ کے رہنے کے لیے کوئی مستقل مکان تعمیر کیا گیا تھا اسی طرح سرکاری آٹا کسی مستقل عمارت میں رکھا جاتا ہے عام الرمادۃ میں مدینہ کی بندرگاہ جار پر جو غلہ آتا تھا اس کو رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو بڑے بڑے محل بنوائے تھے۔[6]

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۵۵۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۸۵۔ [3] فتوح البلدان ص ۵۹۔
[4] مقریزی جلد دوم ص ۱۸۷۔ [5] فتوح البلدان ص ۲۶۸۔ [6] یعقوبی ص ۱۷۷۔

بیت المال:

اگر چہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المال قائم ہو چکا تھا' لیکن درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے مستقل اور شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں' چنانچہ کوفہ کا بیت المال ایک عظیم الشان محل کی صورت میں تعمیر ہوا تھا جس کے لیے شاہان فارس کی عمارت سے اینٹیں منگائی گئیں تھیں اور جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے تیار کیا تھا۔[1]

بازار:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں اگر چہ عرب کے تمام قدیم بازار مثلاً عکاظ' ذوالمجنہ وغیرہ قائم تھے' تاہم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی متعدد بازار قائم کیے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو ایک کھلی ہوئی جگہ بازار کے لیے مخصوص کر لی گئی۔[2]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہم مسجد جامع کے متصل آپ کے لیے ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ میں تو حجاز میں ہوں اور میرے لیے مصر میں مکان تعمیر ہوگا؟ اس جگہ ایک بازار قائم کردو۔ چنانچہ وہ بازار قائم کیا گیا اور اس میں غلام فروخت کیے جاتے تھے۔[3]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا عامل مقرر فرمایا تو انہوں نے بہت سے مکانات خرید کر منہدم کروا دیئے اور اس جگہ ایک بازار قائم کیا۔[4]

شفا خانے:

اگر چہ ہم کو اس قدر معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حفظان صحت کا نہایت خیال رکھتے تھے' چنانچہ ایک بار حضرہ کے باشندوں نے شکایت کی کہ ہمارا گاؤں وبائی امراض میں مبتلا رہتا ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو ان لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارا وطن ہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ سے کہا کہ اب کیا تدبیر ہے؟

---

[1] طبری ص ۲۴۸۹۔ [2] طبری ص ۲۴۹۱۔ [3] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۵۹

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

اس نے کہا کہ زمین مرطوب ہے اور وہاں پسو اور مچھر بہت لگتے ہیں جو وباء کا سبب ہیں اس کے لیے ان لوگوں کو قرب و جوار میں نکل جانا چاہیے' گھی اور کراث کھانا چاہیے' خوشبو لگانا چاہیے' ننگے پاؤں نہ چلنا چاہیے اور دن کو سونا نہ چاہیے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ان تدبیروں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔[1]

اور اگرچہ ہم کو اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بکثرت اطباء موجود تھے اور ان سے وہ کام لیتے تھے چنانچہ حضرت معیقب دوسی رضی اللہ عنہ کو جذام ہوا تو ان کے علاج کے لیے انہوں نے مختلف اطباء بلوائے۔[2]

لیکن بایں ہمہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء نے شفا خانے کے لیے کوئی عمارت تعمیر نہیں کروائی۔

چھاؤنیاں اور قلعے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا اس لیے بکثرت فوجی چھاؤنیاں اور بکثرت قلعے تعمیر ہوئے عام دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر محفوظ یا ساحلی مقام فتح ہوتا تھا تو وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی جاتی تھی جس سے ہر قسم کی شورش و بغاوت کا سدباب ہو جاتا تھا۔[3]

لیکن ان عارضی انتظامات کے علاوہ مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں اور تمام ساحلی مقامات قلعوں سے مستحکم کیے گئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں شام کا سفر کیا تو تمام سرحدی مقامات کا دورہ کر کے فوجی چھاؤنیاں قائم کروائیں۔ ساحلی مقامات کا مستقل انتظام کیا اور حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو اس کا افسر کل مقرر فرمایا۔[4]

۱۹ھ میں جب یزید بن سفیان کا انتقال ہوا تو اس کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام کے استحکام کی زیادہ ضرورت ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی مرمت کی جائے اور ان میں فوجیں رکھی جائیں' جتنے دریائی

---

[1] خلاصۃ الوفاء ص ۲۷۰۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت معیقب دوسیؓ۔
[3] فتوح البلدان ص ۱۳۴۔ [4] طبری ص ۲۵۲۳

مناظر ہیں ان میں پہرہ دینے والے متعین کیے جائیں اور ہمیشہ آگ روشن رکھنے کا سامان کیا جائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر وغیرہ میں بھی اس قسم کی بہ کثرت چھاؤنیاں قائم کیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اور ترقی دی اور متعدد قلعے اور چھاؤنیاں بنوائیں' ایک گاؤں جس کا نام جسر منبج تھا موسم گرما میں فوج کے قیام کے لیے آباد کرایا[1] اور جو لوگ ساحلی قلعوں میں اقامت گزین ہونا پسند کرتے تھے ان کو جاگیریں عطا کیں[2] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحریات کا بہت زیادہ خیال تھا' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طرابلس فتح ہوا تو' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا قلعہ بنوایا جس کا نام حصن سفیان رکھا' اس قلعہ کے تعمیر ہونے سے ہر قسم کے بحری حملہ کا اندیشہ جاتا رہا۔[3]

لاذقیہ، جبلہ، اور انطرطوس کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تو قدیم دستور کے موافق حفاظت کے لیے کچھ فوجیں متعین کر دیں' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام ساحلی استحکامات کے ساتھ یہاں بھی قلعے بنوائے۔[4]

جزیرہ روڈس فتح ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کروایا[5]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری استحکامات کے علاوہ خاص اہل مدینہ کے لیے بھی ایک قلعہ بنوایا جس کا نام قصر خل تھا۔[6]

مقبرہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبل مقطم پر جو مصر میں واقع ہے مسلمانوں اور عیسائیوں کا الگ الگ مقبرہ تعمیر کروایا' چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن خدافۃ السہمی رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اسی مقبرے میں مدفون ہوئے[7]

حمام:

مصر میں اگرچہ بہ کثرت حمام تھے لیکن وہ نہایت گندے ونجس رہتے تھے' اس

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۵۷۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۳۴۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۳۳۔ [4] فتوح البلدان ص ۱۴۰۔ [5] فتوح البلدان ص ۲۴۴۔ [6] وفاء الوفاء ص ۳۶۱۔ [7] معجم البلدان ذکر مقطم۔

لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک چھوٹا سا حمام تعمیر کرایا جس کو رومی حمام الفار یعنی چوہوں کا حمام کہتے تھے۔[1]

وصیت:

نزع کا عالم بھی عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے ایک طرف تو آل و اولاد کی' ماں باپ کی' بھائی بند کی محبت دامن پکڑتی ہے' دوسری طرف عالم قدس کی کشش گریباں گیر ہوتی ہے' اس لیے دین و دنیا کی محبت کے موازنہ کے لیے اس سے بہتر زمانہ نہیں مل سکتا' اگر انسان دنیا کا شیدائی ہے تو وہ اپنا تمام مال و دولت صرف عزیز و اقارب کو تفویض کر دیتا ہے' اگر وہ اپنا رشتہ خدا کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں تو اپنی جائیداد کا معظم ترین حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے اور آل و اولاد کو صرف اس قدر دیتا ہے جس قدر ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے صالح بندے تھے اس لیے وہ اس عالم میں جو کچھ دیتے تھے خدا ہی کو دیتے تھے' آل و اولاد کا صرف اسی قدر خیال رکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔ حضرت ابی وقاص مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس دولت بہت ہے اور ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے چاہتا ہوں کہ دو ثلث مال صدقہ کر دوں' آپؐ نے اجازت نہیں دی' بولے تو نصف' آپؐ نے فرمایا ''نہیں ثلث بہت ہے''۔[2]

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور آپؐ عیادت کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے کہا ''میں خدا کی راہ میں اپنا کل مال دیتا ہوں'' فرمایا بچوں کے لیے کیا چھوڑتے ہو؟ بولے خدا کے فضل سے وہ آسودہ حال ہیں'' آپؐ نے فرمایا نہیں صرف دسویں حصہ کی وصیت کرو' انہوں نے بہت اصرار کیا تو آپؐ نے ثلث کی اجازت دی۔[3]

اوقاف:

غربت و افلاس' تنگدستی اور فاقہ مستی سب کچھ تھی' لیکن ان میں کوئی چیز صحابہ رضی اللہ عنہم

---

[1] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۵۹۔ [2] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ۔
[3] ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والربع

کو انفاق فی سبیل اللہ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی' صدقہ و خیرات تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال صالح کا نمایاں جزو تھا' اسی بناء پر قرآن مجید نے ان کی یہ مشترکہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔
﴿وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ﴾ "اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ صرف کرتے ہیں"۔

لیکن ان میں متعدد بزرگ ایسے تھے جو خدا کی راہ میں کچھ دینا نہیں چاہتے تھے' بلکہ سب کچھ دینا چاہتے تھے' مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار خیبر میں ایک نہایت عمدہ قطعہ زمین پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے ایک نہایت عمدہ جائیداد پائی ہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دو چنانچہ انہوں نے اس کو وقف کر دیا۔[1]

لیکن اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی متعدد جائیدادیں وقف کیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ثمغ[2]	ایک نخلستان تھا جو اسلام کی تاریخ میں پہلا وقف تھا۔
صرمہ ابن اکوع	باغ کے ساتھ باغبان بھی وقف تھا۔
سو درخت	نسائی میں ہے کہ انہوں نے ان کو سو غلاموں کے بدلے خریدا تھا۔
سو درخت	خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے متعلق ایک وقف نامہ بھی لکھا تھا جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو متولی قرار دیا تھا۔[3]

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انتقال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے انتقال کیا' اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب حاصل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" بولے تو ایک باغ ان کے نام پر وقف کرتا ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں۔[4]

---

[1] بخاری کتاب الوصایا باب الوقف۔ [2] بخاری کتاب الوصایا۔ [3] ابوداؤد کتاب الوصایا باب فی الرجل یوقف الوقف۔ [4] ابوداؤد کتاب الوصایا باب فیمن مات من غیر وصیۃ یتصدق عنہ و بخاری کتاب الوصایا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے اس مسرت میں اپنی تمام جائیداد وقف کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ کے اصرار سے خیبر کا حصہ اپنے لیے محفوظ رکھا۔[1]

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ "وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دیتا ہے"۔

تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے فوراً بی بی کے پاس آئے اور کہا کہ ام دحداح باغ سے نکلو میں نے باغ خدا کو قرض دے دیا' یہ کہہ کر اس کو مساکین وفقراء پر وقف کر دیا۔[2]

شہروں کی آبادی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جدید شہر آباد کرائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بصرہ:

خریبہ ایک غیر آباد مقام تھا جہاں اکل وشرب کا کافی سامان موجود تھا وہاں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ آئے تو اس کو فوجی ضروریات کے لیے موزوں خیال کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کو آباد کرنے کی اجازت طلب کی' انہوں نے زمین کے نقشہ اور موقع ومحل کی اطلاع دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور ان کو اس کے آباد کرنے کی اجازت دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو خود آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا' بہر حال عتبہ نے نرسل کے مکانات بنوائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی' سرکاری کاموں کے لیے قید خانہ' دارالامارۃ اور دفتر بھی نرسل ہی کے تعمیر کروائے' ایک مدت تک یہ حال رہا کہ جب لوگ جہاد کے لیے روانہ ہوتے تھے تو نرسل کو گرا کر ڈھیر لگا دیتے تھے' پھر جب لوٹتے تھے تو اس کو مکان کی صورت میں ترتیب دے لیتے تھے' اس کے بعد لوگوں نے الگ الگ مکانات بنوائے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مسجد اور دارالامارۃ کو پکی اینٹ سے تعمیر کروایا' امیر معاویہ کے زمانے میں زیاد نے مسجد میں بہت کچھ اصلاح اور اضافہ کیا۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الایمان والنذر در باب فیمن نذران یتصدق بمالہ۔

[2] استیعاب تذکرہ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ [3] فتوح البلدان از ص ۳۵۴ تا ۳۵۸۔

کوفہ:

مدائن فتح ہوا تو وہاں مسلمان آباد ہو گئے' اور مسجدیں تعمیر کر لیں لیکن آب و ہوا ناموافق آئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی' انہوں نے لکھا کہ لوگ' دوسری جگہ آباد کرائے جائیں' کوفہ کی زمین جس کو اہل عرب خدالعذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے اس غرض کے لیے انتخاب کی گئی اور چالیس ہزار آدمیوں کے رہنے کے لیے مکانات بنوائے گئے جن میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے' عمارتیں اول اول نرسل کی بنی تھیں لیکن ایک بار آتش زنی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے اینٹ اور گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔

مسجد جامع کے علاوہ ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور زیاد کے زمانے میں بھی کوفہ کی آبادی میں بعض تغیرات کیے گئے۔[1]

فسطاط:

اسکندریہ فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہاں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہا' لیکن چونکہ اسکندریہ کے بیچ میں دریائے نیل حائل تھا جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناپسند فرماتے تھے' اس لیے انہوں نے اجازت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کی فتح کے لیے روانہ ہوئے تھے تو خیمہ کو خالی چھوڑ گئے تھے جو اسی طرح کھڑا رہا' وہ پلٹ کر اسی خیمہ میں اترے اور وہیں شہر کی بنیاد ڈالی اسی مناسبت کے لحاظ سے اس کا نام فسطاط پڑ گیا جس کے معنی خیمے کے ہیں۔

قبائل میں باہم جگہ کے انتخاب میں نزاع واقع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن خدیج' شریک بن سہمی' عمرو بن مخرم اور جبرئیل بن ناشرہ مغافری کو متعین کیا کہ ہر قبیلے کو مناسب مقامات پر آباد کریں۔[2]

تمام قبائل نے دریا اور قلعے کے سامنے مویشیوں کے لیے کچھ خالی زمینیں چھوڑ

---

[1] کوفہ کی آبادی کا حال معجم البلدان فتوح البلدان اور طبری میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

[2] معجم ذکر فسطاط۔

دی تھیں، لیکن امیر معاویہؓ کے عہد میں وہاں بھی مکانات تعمیر ہو گئے۔[1]

موصل:

یہ شہر اگرچہ پہلے سے آباد تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ہرثمہ بن عرفجہ رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ، عیسائیوں کے چند گرجے اور ان گرجوں کے متصل کے چند مکان اور یہودیوں کے ایک محلے کو ملا کر ایک مستقل شہر آباد کیا اور وہاں ایک مسجد جامع بھی تعمیر کروائی۔[2]

جیزہ:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے واپس آئے تو اس خیال سے کہ دشمن کہیں دریا کی راہ سے چڑھ نہ آئے اس مقام پر تھوڑی سی فوج متعین کر دی، جس میں قبائل حمیر، ہمدان، آل رعین، ازد بن حجرؓ اور حبشہ کے لوگ شامل تھے لیکن جب امن و امان قائم ہو گیا تو انہوں نے ان قبائل کو بلا کر فسطاط میں آباد کرانا چاہا مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ اچھا ان کے لیے ایک قلعہ بنا دیا جائے ان لوگوں نے اس کو بھی ناپسند کیا، اور کہا کہ ''ہمارا قلعہ خود ہماری تلوار ہے'' انہی لوگوں کی مجموعی آبادی سے جیزہ نے ایک مختصر شہر کی صورت اختیار کر لی، پہلے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ آباد ہوا تھا، اسی لیے بیچ بیچ میں زمین خالی تھی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب کثرت سے اہل عرب یہاں آئے تو ہر قبیلہ نے اپنے قبیلے کے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا، اس وجہ سے یہ خالی مقامات بھی آباد ہو گئے۔[3]

اردبیل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ والی آذربائیجان نے اس شہر کو آباد کیا اور بہت سے عرب لا کر یہاں بسائے اور ایک مسجد بھی تعمیر کی۔[4]

مرعش:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے لیے اس شہر کو آباد کرایا اور یزید کے زمانے

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۵۸۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۴۰۔
[3] معجم ذکر جیزہ و حسن المحاضرہ جلد ا ص ۵۹۔ [4] فتوح البلدان ص ۳۳۷

تک آباد رہا' یزید کی موت کے بعد رومیوں نے پیہم غارت گری شروع کی تو یہاں کے باشندے اجڑ کر دوسرے مقامات پر آباد ہو گئے۔[1]

قیروان:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں سب سے بڑا شہر جو آباد ہوا وہ یہی تھا' اس کی آبادی کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ بن خدیج کندی رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کو افریقہ کا گورنر مقرر فرمایا تو انہوں نے ایک فوج گراں کے ساتھ حملہ کر کے افریقہ کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لیے اور یہاں سے لے کر افریقہ تک اسلام پھیل گیا۔ اس موقع پر حضرت عقبہ نے اپنے تمام رفقاء کو جمع کر کے کہا یہ لوگ مسلمان تو ہو جاتے ہیں لیکن جب مسلمان یہاں سے واپس جاتے ہیں تو پھر مرتد ہو جاتے ہیں' اس لیے میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں مسلمانوں کا ایک شہر آباد کر دوں' لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا تو انہوں نے سب سے پہلے دارالامارۃ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں نے اس کے گرد مکانات بنوائے' انہوں نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کروائی اور اس کے علاوہ اور مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں۔[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی بعض شہر آباد کرائے مثلاً جزیرہ قبرص فتح ہوا تو وہاں مسجدیں تعمیر کرائیں' عرب کو لا کر بسایا اور ایک شہر آباد کیا جس کو یزید نے ویران کر دیا۔[3]

---
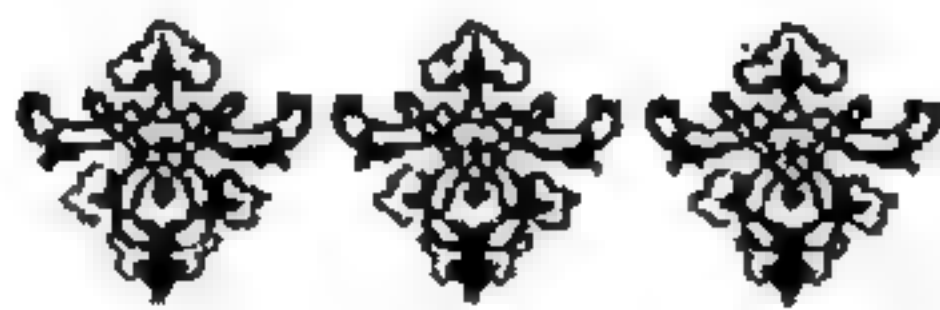
[1] فتوح البلدان ص ۱۹۶

[2] معجم البلدان ذکر قیروان

[3] فتوح البلدان ص ۱۶۰

تعزیر و حدود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگرچہ بعض صحابہ پولیس کی خدمت پر مامور تھے تاہم اس وقت تک پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں ہوا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر صرف اس قدر اضافہ کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرما دیا تھا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔ مثلاً حد خمر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل نہایت مختلف تھا' ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ کر لائے تو آپ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ مارتے جاؤ سب نے جوتے ڈنڈے اور کھجور کی شاخوں سے مارنا شروع کیا اخیر میں آپ نے اس کے منہ میں خاک جھونک دی۔[1]

لیکن ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شرابی جھومتا ہوا جا رہا تھا۔ صحابہ کرام نے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرنا چاہا' وہ حضرت عباس کے دروازے کے سامنے آیا تو ان سے لپٹ گیا' اور بھاگ نکلا' آپ کو خبر ہوئی تو ہنس پڑے اور کوئی سزا نہیں دی۔[2]

صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایک شرابی کو انجیر کی چھڑی سے ۴۰ ضرب[3] کی سزا دی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی کو لازمی کر دیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ابتدائی زمانے تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا۔[4]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے' مثلاً

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب اذا تتابع فی شرب الخمر۔ [2] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحد فی الخمر
[3] مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر۔ [4] ابوداؤد کتاب الحدود اذا تتابع فی شرب الخمر لیکن بخاری کتاب الحدود میں جو روایت ہے وہ اس کے بالکل مخالف ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں:
کنا نوتی بالشارب علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و امرة ابی بکر و صدرا من خلافة عمر فنقوم الیه بایدینا و نعالنا.

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ عوالی مدینہ میں ایک شخص......میں مبتلا ہے' چونکہ اہل عرب کے لیے یہ ایک جدید جرم تھا' اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا۔[1]

تعزیر و حدود کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور اس صیغہ میں متعدد چیزیں ایجاد فرمائیں' مثلاً:

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک جیل خانہ کی کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل خانے بنوائے اول اول مکہ معظمہ میں حضرت صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنوایا[2] پھر اور اضلاع میں جیل خانے بنوائے چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا معن بن زائدہ نے بیت المال سے کچھ روپیہ کا غبن کیا تو ان کو اسی جیل خانے میں قید کیا گیا۔[3]
2. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک کسی کو سولی کی سزا نہیں دی گئی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض اشخاص کو سولی کی سزا دی چنانچہ حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی کا حکم دیا' اور یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ میں دی گئی۔[4] ایک ذمی نے بالجبر ایک مسلمان عورت کی آبروریزی کی تو اس کو بھی سولی کی سزا دی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے۔[5]
3. مجرمین کی گرفتاری کے لیے اعلان و اشتہار دیا' چنانچہ جن غلاموں نے حضرت ام ورقہ کو شہید کیا تھا' وہ اعلان واشتہار ہی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔
4. تعزیر و حدود کے لیے اشخاص متعین کیے جو مجرمین کو سزا دیتے تھے' اصابہ میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ملیکہ کو اقامت حدود کی خدمت پر مامور کیا تھا۔[6]

---

[1] الترغیب والترہیب جلد۲ صفحہ ۱۱۶' الترہیب من اللواط بسند جید۔ [2] مقریزی جلد۲ ص ۱۷۸۔
[3] فتوح البلدان ص ۲۶۸۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔
[5] کتاب الخراج ص ۱۰۹۔ [6] اصابہ تذکرہ عبیداللہ بن عبداللہ ابی ملیکہ

5 جلا وطنی کی سزا اگرچہ اسلام میں کوئی جدید سزا نہ تھی' تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر اس کثرت سے عمل ہوا کہ گویا وہ ان کی اولیات میں قرار پائی۔[1]

لیکن ایک بار جب انہوں نے ایک شخص کو جلا وطن کیا اور وہ شام میں جا کر عیسائی ہو گیا' تو اس وقت سے جلا وطنی کی سزا موقوف کر دی۔

6 بعض سزائیں سخت کر دیں' مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شراب پینے کی سزا ۴۰ درے تھی' ان کے زمانے میں شراب نوشی کی کثرت ہوئی تو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اسی درے کر دیئے۔[2]

7 احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً کوئی شخص بیع و شرا میں خدع و فریب نہ کرے شراب علانیہ بکنے نہ پائے' کوئی شخص سڑک پر مکان وغیرہ نہ بنوانے پائے ان کی طرف خاص طور پر توجہ کی اگرچہ پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے احتساب کا کوئی مستقل صیغہ قائم کیا تھا' تاہم یہ صحیح طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے اس کام کے لیے افسر متعین کیے تھے' موطائے امام مالک میں ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عتبہ کو بازار کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو ان کا مددگار بنایا تھا۔[3]

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہلکار تھے جو ناجائز تجارت کی روک ٹوک کرتے تھے۔[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کیے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے' پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے۔ اور وہاں سے کبھی نہیں ٹلتے تھے' اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہو تاہم اس کی وجہ سے ملک کے امن و امان کو اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ میں کوئی گری پڑی چیز پاتا تھا تو لا کر براہ راست اس کے

---

1. بخاری کتاب المحاربین میں ہے کہ ان عمر بن الخطاب غرب ثم لم تنزل تلک السنۃ
2. مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر۔ 3. موطائے امام مالک کتاب البیوع۔
4. موطائے امام محمد باب الشرکۃ فی البیوع۔

مالک کے حوالے کرتا تھا' زیادہ خود کہتا تھا' کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی۔ ایک دن اس نے ایک گھر میں گھنٹے کی آواز سنی' پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہیں بولا اس کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی مال چوری ہو جائے گا تو میں اس کا ضامن ہوں۔

اس کے زمانے میں عشاء کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا[1]

حضرت امیر معاویہ نے اس محکمہ میں ایک جدید ایجاد یہ کی کہ مشتبہ چال چلن کے لوگوں کی جانچ پڑتال کروائی اور ان کے نام لکھوائے چنانچہ انہوں نے دمشق میں حضرت ابوالدرداء کے نام حکم بھیجا تھا کہ وہاں کے بدمعاشوں کے نام لکھ بھیجو[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں پولیس کے محکمہ میں عہد بہ عہد جو ترقیاں ہوئیں یہ اس کی سادہ تاریخ ہے اب ہم کو اس پر اخلاقی اور مذہبی حیثیت کی نگاہ ڈالنی چاہیے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور خلافت کا طغرائے امتیاز صرف سیاست نہیں' بلکہ اخلاق و مذہب ہے۔

پولیس کا محکمہ اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے دور خلافت میں اس کو اخلاقی اور مذہبی روح کی سب سے بڑی نمائش گاہ بنا دیا تھا' اور جہاں کہیں سیاست اور اخلاق میں باہم تصادم ہوتا تھا' وہاں اخلاق کو سیاست پر مقدم رکھتے تھے' ایک بار ایک مجرم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے اپنی بی بی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا' اس لیے دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو لکھا کہ قصاص لیا جائے لیکن مخفی طور پر ہدایت کی کہ دیت لے کر مجرم کو چھوڑ دیا جائے[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت فرمائی ہے:

﴿ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾

''عیوب کی جستجو میں نہ رہو اور تم میں کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے''۔

بالخصوص امراء و عمال کے لیے تو حدیث شریف میں خاص طور پر تجسس کی ممانعت آئی ہے:

---

[1] طبری صفحہ ۷۷ واقعات ۴۵ھ۔ [2] ادب المفرد باب الظن۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ ہانی بن حرام۔

﴿قال ان الا میر اذا تبغی الریبة فی الناس افسدھم﴾

''امیر اگر لوگوں کی برائیاں ڈھونڈھے گا تو ان کو خراب کر دے گا''۔[1]

ہمارے زمانے میں اگر اس پر عمل کیا جائے تو دفعتہً پولیس کا نظام درہم برہم ہو جائے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں حدود اللہ سے آگے کیونکر قدم بڑھایا جا سکتا تھا؟ اس لیے انہوں نے پولیس کے فرائض بھی انجام دیئے اور اس آیت پر عمل کیا۔

ایک بار لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شرابی کو پکڑ لائے اور کہا کہ اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے بولے ہم کو تجسس کی ممانعت کی گئی ہے ہم صرف ظاہری باتوں پر دارو گیر کرتے ہیں۔[2]

حضرت ابو محجن ثقفیؓ شراب کے سخت عادی تھے' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان کو محسوس ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہے' لوگوں سے کہا ان کا منہ تو سونگھو' لیکن سب نے کہا یہ تجسس ہے' آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے حضرت عمر فوراً رک گئے۔[3]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کو پہرہ دینے نکلے' ایک جگہ چراغ کی روشنی نظر آئی' پاس جا کر دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ بند ہے' اور اندر لوگ شور وشغب کر رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ شراب پی رہے ہیں' تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تجسس کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے وہاں سے فوراً واپس آئے۔[4]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پرائیویٹ سیکرٹری نے ان سے کہا کہ میرے پڑوسی شراب پیتے ہیں میں نے ان کو منع کیا' لیکن نہیں مانتے' اب پولیس کو بلاتا ہوں بولے جانے بھی دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' جو لوگ عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں وہ گویا زندہ در گور لڑکی کو جلا لیتے ہیں۔[5]

پولیس بجبر جرائم کا اقرار کرواتی ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے لوگ خود جرائم کا

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی النہی عن التجسس۔ [2] ایضاً۔ [3] اصابہ تذکرہ ابو محجن ثقفی۔
[4] اصابہ تذکرہ ربیعہ بن امیہ۔ [5] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم۔

اقرار کرتے تھے اور وہ ان سے انکار کرواتے تھے ایک بار ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر کہا کہ میں نے چوری کی ہے انہوں نے پہلی بار ڈانٹا دوسری بار اس نے پھر اقرار کیا تو بولے تم نے خود اپنے اوپر کامل شہادت دے دی ایک بار ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو بولے اگر وہ انکار کر دیتی تو ہم اس پر حد نہ جاری کرتے۔[1]

پولیس کا محکمہ عفو و درگزر کا مذبح ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر مجرمین سے عفو و درگزر فرماتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت سخت تھے لیکن ایک بار حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے کسی کی اونٹنی چرائی اور ذبح کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر فرمایا یہ بھوکوں مر جائیں گے اس لیے ان کا تاوان دلوا دیتا ہوں اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی؟ اس نے کہا چار سو درہم ملتے تھے مگر میں نہیں فروخت کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ سو درہم دلوا کر غلاموں کو رہا کر دیا۔[2]

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر ذرا سا بھی حیلہ پاتے تھے تو سزا نہیں دیتے تھے بیت المال اگر چہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری اور حفاظت میں رہتا ہے تاہم چونکہ وہ مسلمان کا مشترکہ خزانہ ہے اس لیے اس میں بہر حال یہ احتمال قائم رہتا ہے کہ اگر اس میں کسی نے تصرف کیا ہوگا تو اپنا حق سمجھ کر کیا ہوگا اس بنا پر جب کوفہ کے بیت المال میں چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا[3] غلام اور آقا کے مال میں بھی یہی اشتباہ قائم رہتا ہے اس لیے جب ان کے سامنے ایک شخص نے اپنے غلام کو پیش کیا کہ اس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہارا ہی مال چرایا۔[4]

عام الرمادہ میں جب تمام عرب سخت قحط میں مبتلا تھا تو عام حکم دیا تھا کہ کسی چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں لیکن باوجود اس عفو و درگزر کے جب جرم ثابت ہو جاتا تھا اور تمام

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ۱۰۳۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی الضواری و الحریسۃ۔ [3] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ۱۰۴۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الحدود باب ما لا قطع فیہ۔

حیلوں کی رگ کٹ جاتی تھی' تو کوئی چیز صحابہ کرام کو اقامت حدود سے باز نہیں رکھ سکتی تھی' ان معاملات میں انسان فطرتاً ذاتی تعلقات سے متاثر ہوتا ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اخلاقی طاقت نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس سنگ گراں کو بالکل ہٹا دیا تھا۔

ولید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی اور کوفہ کے گورنر تھے انہوں نے ایک بار شراب پی اور تحقیقات کرنے پر جرم ثابت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو ۸۰ کوڑے لگائیں۔[1]

حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ بڑے رتبے کے صحابی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سالے تھے انہوں نے شراب پی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنی چاہی' تمام صحابہ نے اس کی مخالفت کی تو انہوں نے فرمایا:

لان يلقى الله تحت السياط احب الى ان القاه و هو فى عنقى ائتونى بسوط تام.[2]

''اگر وہ کوڑوں کے نیچے مر جائیں تو یہ مجھے گوارا ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ میں خدا سے ملوں اور اس کی ذمہ داری میری گردن پر ہو' لاؤ مضبوط کوڑا''۔

یہود نے اقامت حدود میں رزیل و شریف کے درمیان سخت ناگوار تفریق قائم کر رکھی تھی' لیکن صحابہ کرام نے اس میں ہمیشہ عزیز و ذلیل کو برابر سمجھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ معزز خود خلیفہ وقت تھا' لیکن اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا' تو رعایا کا ہر فرد اس کی پیٹھ پر کوڑا مار سکتا تھا' ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا' سب لوگ آئیں مگر ہمارے پاس کوئی بلا اجازت نہ آئے لیکن ایک بدو ہاتھ میں مہار لیے ہوئے آیا اور بلا اجازت ان کے پاس چلا آیا انہوں نے اسی مہار سے اسے مارا' جب اونٹ تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس کو بلایا اور کہا کہ اسی مہار سے اپنا قصاص لو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ سنت نہ قائم کیجئے بولے قیامت میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل عثمان اگرچہ نفس حدیث میں شراب نوشی کی تصریح نہیں ہے لیکن حواشی میں تصریح ہے۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت قدامہ بن مظعون [3] کنز العمال جلد ۳ ص ۱۲۷۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ امورِ خلافت میں مشغول تھے۔ ایک شخص فریاد لے کر آیا' انہوں نے غصے میں اس پر کوڑا اٹھایا' وہ ناراض ہو کر چلا تو خود بلا کر اس کے سامنے اپنا کوڑا ڈال دیا اور کہا کہ مجھ سے قصاص لے لے۔[1]

خلیفہ کے بعد امراء وعمال کا درجہ تھا ان کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اعلان فرما دیا تھا۔

انی لم ابعث عمالی لیضربوا ابشارکم و لا لیا خذوا اموالکم فمن فعل به ذالک فلیر فعه الی اقصه منه.[2]

''میں نے اپنے عمال کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو ماریں پیٹیں یا بجز ان کا مال لیں' اگر کسی کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ مجھ سے استغاثہ کرے کہ میں اس کا قصاص لوں گا''۔

یہ صرف اعلان نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی ہوتا ہے' چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں' فرمایا تم بھی سو کوڑے مارنا چاہتے ہو' اٹھو اور مارو' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر یہ واقعہ نہایت گراں گزرا اور بولے کہ اگر یہ طریقہ جاری ہوا تو عمال کو سخت ناگوار ہوگا اور آئندہ کے لیے عام شاہراہ ہو جائے گی لیکن انہوں نے کہا کہ اس سے کیوں کر اغماض کیا جا سکتا ہے جب کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے قصاص کے لیے پیش کرتے تھے' بالآخر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو دو سو دینار دے کر راضی کیا۔[3]

غیر قومیں جب حلقۂ اسلام میں داخل ہوتی تھیں تو رسم تعود کی بنا پر ان کو اس مساوات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ ناگواری ہوتی تھی' جبلہ بن ایہم غسانی شام کا ایک رئیس تھا جو مسلمان ہو گیا تھا' اس نے ایک بار کسی شخص کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے قصاص لینا چاہا تو اس نے کہا کہ اس کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟ میں اس ملک میں رہنا پسند نہ کروں گا جہاں مجھ کو بھی کوئی دبا سکتا ہے۔ چنانچہ مرتد ہو کر روم کی طرف بھاگ نکلا۔[4]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الحدود باب القود بغیر حدید۔

[3] کتاب الخراج للقاضی ابو یوسف ص ٦٦۔ [4] فتوح البلدان ص ١٤٢۔

ذمی رعایا کے حقوق

تعصب کی انتہا تو یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ سرے سے تعلقات ہی نہ رکھے جائیں لیکن تعصب کی اس سے بھی زیادہ بدنما اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ تعلقات تو قائم کیے جائیں لیکن ان تعلقات کو نہایت ذلیل اور بیہودہ طریقے پر قائم رکھا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد تک تاریخ نے صرف یہی دو قسم کی مثال قائم کی تھی' لیکن صحابہ کرام نے غیر قوموں کے ساتھ ہر قسم کے مذہبی' تمدنی اور سیاسی تعلقات قائم کیے اور ان کو اس بے تعصبی کے ساتھ نباہا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مذہبی تعلقات:

مذہبی حیثیت سے قرآن مجید نے اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور مذاہب کی کتابوں سے بے نیاز کر دیا تھا' تاہم متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے قرآن مجید کی طرح توراۃ اور انجیل کو پڑھا تھا چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھتے ہیں:

و كان اصاب جملة من كتب اهل الكتاب و ادمن النظر فيها و رای فيها عجائب و كان فاضل عالما قرء القرآن و الكتب المتقدمة.[1]

''انہوں نے اہل کتاب کی تمام کتابیں حاصل کی تھیں اور بالاتصال ان کا مطالعہ کیا تھا اور ان میں ان کو عجائبات نظر آئے تھے وہ عالم فاضل تھے اور قرآن کو اور اگلی کتابوں کو پڑھا تھا''۔

مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ توراۃ کا ایک نسخہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کھول کر پڑھنے لگے۔[2]

اسد الغابہ میں ہے کہ توراۃ کا یہ نسخہ ان کے ایک یہودی دوست نے جو بنو قریظہ کا

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ [2] مسند دارمی ۶۲

تھا اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ اہل کتاب عبرانی میں توراۃ کو پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہو کہ ہم خدا پر اور اس کی کتاب پر جو ہم پر اور نیز اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی ایمان لائے۔[2]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے عبرانی زبان سیکھی تھی اور اس میں خط و کتابت کرتے تھے۔[3]

اسلام میں مذہبی حیثیت سے یہ حکم ہے کہ اگر جنازہ سامنے سے گزرے تو کھڑا ہو جانا چاہیے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن ایک بار قادسیہ میں ایک ذمی کا جنازہ گزرا تو حضرت سہل بن حنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہو گئے ایک شخص نے ٹوکا کہ یہ تو ذمی کا جنازہ ہے بولے آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہی واقعہ پیش آیا تو آپؐ نے فرمایا آخر وہ بھی تو ایک جان ہے۔[4]

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مذہبی حیثیت سے غیر قوموں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب جائز نہیں رکھا۔

تمدنی تعلقات:

تمدنی حیثیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اگرچہ مسلمانوں اور غیر قوموں میں کوئی فرق و امتیاز موجود نہ تھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہودیوں سے قرض لیتے تھے' ان سے بیع و شرا کرتے تھے' اور ان سے ہر قسم کے معاملات رکھتے تھے لیکن ان تعلقات سے بالاتر ایک چیز حسن معاشرت ہے' جو تمدن کی روح ہے اور صرف اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تعلقات خلوص پر مبنی تھے یا خود غرضانہ نفاق پر، لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ۔ [2] بخاری باب ما یجوز من تفسیر التوراۃ وکتب اللہ العربیہ کتاب الرد علی الجہمیہ۔ [3] بخاری کتاب الاحکام باب ترجمۃ الحکام۔ [4] بخاری کتاب الجنائز باب القیام الجنازۃ اہل الشرک۔

مذہبی عقائد و اعمال کو الگ کر دیا جائے تو صحابہ کرامؓ کے غیر متعصبانہ طرزِ عمل نے مسلمانوں اور غیر قوموں کو ہر حیثیت سے ایک کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک بار انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے یہودی ہمسایہ کے پاس گوشت ہدیۃً بھیجا۔ یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو جبرئیلؑ نے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اس شدت سے وصیت کی کہ میں نے سمجھا کہ اس کو شریک وراثت بنا دیں گے[1]

ایک بار ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کوئی چیز مانگی۔ انہوں نے بخوشی دی اور اس نے اس کے بدلے انہیں دعا دی۔[2]

سیاسی تعلقات:

غیر قوموں کے ساتھ سیاسی تعلقات کی ابتداء خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے ذریعہ سے زراعت کا معاملہ بٹائی پر طے ہو گیا' اس معاہدہ کی رو سے جب فصل تیار ہوئی تو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ پیداوار تقسیم کرا لائیں' انہوں نے پیداوار کے دو حصے لگائے اور کہا کہ اگر تم چاہو تو تمہارا ہے ورنہ میرا ہے' لیکن یہود اس سے زیادہ کے طالب رعایت تھے' اس لیے انہوں نے عورتوں کے زیور جمع کیے اور ان کو بطور رشوت دینا چاہا ایک متدین مذہبی شخص کی یہ سب سے بڑی توہین تھی' لیکن باایں ہمہ انہوں نے کہا کہ اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن یہ بغض مجھ کو ظلم اور ناانصافی پر آمادہ نہیں کر سکتا' باقی یہ رشوت وہ تو حرام ہے اور ہم حرام مال نہیں کھا سکتے' یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا بے ساختہ چیخ اٹھے کہ آسمان و زمین اسی عدل و انصاف کے بل پر قائم ہیں[3] اس کے بعد رسول اللہؐ نے نجران کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ صلح کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

علی ان لا یھدم لھم بیعۃ و لا یخرج لھم قس ولا یفتنوا اعن دینھم مالم

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق الجوار۔ [2] نسائی کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر

[3] موطائے امام مالک کتاب المساقات وابوداؤد کتاب البیوع باب ماجاء فی المساقات

یحدثوا حدثا او یاکلوا الربا.[1]

''اس شرط پر کہ ان کا کوئی گرجانہ گرایا جائے گا ان کے پادری کو جلا وطن نہ کیا جائے گا ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ کوئی فتنہ انگیزی نہ کریں یا سود نہ کھائیں''۔

کتاب الخراج میں اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

علی اموالھم و انفسھم و ارضھم و ملتھم و غائبھم و شاھد ھم و عشیرتھم و بیعھم و کل ما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر لا یغیر اسقف من اسقفته و لا راھب من رھبانیة و لا کاھن من کھانته.[2]

''یہ معاہدہ ان کے مال' جان' زمین' مذہب حاضر' غائب قبیلہ گرجا غرض ہر تھوڑی بہت چیز کی حفاظت پر جو ان کے قبضے میں ہے شامل ہے کسی پادری کو کسی راہب کو کسی کاہن کو اس کے عہدے سے الگ نہ کیا جائے گا''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس معاہدہ کی تجدید کی اور اس کے ایک ایک حرف کو قائم رکھا۔

ان کے زمانے میں حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ نے ایک اور معاہدہ کیا جس میں سب سے زیادہ قابل لحاظ شرط یہ تھی:

ایما شیخ ضعیف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر و صار اھل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته و عیل من بیت مال المسلمین و عیاله.[3]

''جو بوڑھا شخص بے کار ہو جائے گا یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے گا یا کوئی متمول شخص اس قدر محتاج ہو جائے گا کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں گے تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیہ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۴۱۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۸۵

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں اور بھی متعدد معاہدے کیے اور ان معاہدوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قائم رکھا ان معاہدوں میں اگرچہ باہم اختلاف ہے لیکن سب میں قدر مشترک یہ ہے:

لا يهدم لهم بيعة و لا كنيسة و على ان يضربوا نواقيسهم في اى ساعة شاء وا من ليل اونهارا لا في اوقات الصلوة و على ان يخرجوا الصلبان في ايام عيدهم [1]

''ان لوگوں کے گرجے نہ گرائے جائیں گے اور وہ رات دن میں بجز اوقات نماز کے ہر وقت ناقوس بجا سکیں گے اور اپنے تہوار کے دن صلیب نکالیں گے''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بکثرت معاہدے ہوئے ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع، اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

و اشترط عليهم حين دخلها على ان تترك كنا يسهم و بيعهم على ان لا يحدثو ابناء بيعة و لا كنيسة و على ان عليهم ارشاد الضال و بناء القناطر على الانهار من اموالهم و ان يضيفوا من مربهم من المسلمين ثلا ثة ايام و على ان لا يشتموا مسلما و لا يضربوه و لا يرفعوا في نادى اهل الاسلام صليبا و لا يخرجوا خنزيرا من منازلهم الى أفنية المسلمين و ان يوقدوا النير ان للغزاة في سبيل الله و لا يدلوا للم المسلمين على عورة و لا يضربوا نواقيسهم قبل اذان المسلمين و لا في اوقات اذانهم و لا يخرجو الرايات في ايام عيدهم و لا يلبسوا السلاح يوم عيدهم و لا يتخذوه في بيوتهم.

''جب وہ شام میں داخل ہوئے تو یہ شرط کر لی کہ ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کریں گے۔ بشرطیکہ نئے گرجے نہ تعمیر کریں، بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اپنے مال سے نہروں پر پل باندھیں، جو مسلمان ان کے پاس سے ہو کر

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

گزریں تین دن تک ان کی مہمانی کریں کسی مسلمان کو گالی نہ دیں نہ ماریں' نہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور نہ مسلمان کے احاطے میں سور نکالیں اور نہ مجاہدین کے لیے راستوں میں آگ جلائیں' مسلمانوں کی جاسوسی نہ کریں۔ اذان سے پہلے اور اذان کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں' اپنے تہواروں کے دن جھنڈے نہ نکالیں ہتھیار نہ لگائیں اور اس کو اپنے گھروں میں بھی نہ رکھیں''۔

ان لوگوں نے تمام شرطیں منظور کر لیں' صرف یہ درخواست کی کہ سال میں ایک بار بغیر جھنڈیوں کے صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ درخواست منظور کی۔

قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ نرمی اور یہ فیاضی اس لیے اختیار کی تھی کہ اور لوگوں کو صلح کی ترغیب ہو' چنانچہ اس معاہدے کے بعد جب رومیوں سے جنگ ہوئی اور فتح کے بعد اطراف وحوالی کے تمام عیسائیوں نے صلح کر لی تو ان لوگوں نے ایک شرط یہ پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے آئے تھے اور اب وہ عیسائیوں کے پناہ گزین ہیں' ان کو امن دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی منظور کر لی [1]۔

اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان معاہدوں کی پابندی کی گئی یا نہیں؟ اور کی گئی تو کیوں کر؟ اسلام میں معاہدے کی پابندی ضروری ہے اور اس میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں بلکہ خود معاہدہ کی اخلاقی عظمت کا یہی اقتضا ہے اس بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا' اس کا پورا کرنا ان کا مذہبی فرض تھا چنانچہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے:

و امنع المسلمین من ظلمھم و الاضرار بھم و اکل اموالھم و وف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم [2]

''مسلمانوں کو ان کے ظلم ونقصان سے روکو' ان کے مال کھانے سے منع کرو اور

[1] یہ معاہدہ اور یہ پوری تفصیل کتاب الخراج ص ۸۰'۸۱ میں ہے۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔

ان کو جو حقوق تم نے جن شرائط پر دیئے ہیں ان کو پورا کرو"۔

وفات کے وقت جو وصیت کی اس میں یہ الفاظ فرمائے:

و اوصیہ بذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم و ان یقاتل من و رائھم و ان لا یکلفوا فوق طاقتھم۔[1]

"اور میں اپنے جانشیں کو خدا اور خدا کے رسول کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو پورا کرے اور ان کی حمایت میں لڑے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دے"۔

ذمیوں کے معاہدے کی پابندی کا جس قدر خیال رکھا جاتا تھا' اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار ایک عیسائی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہا تھا۔ حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو انہوں نے عرفہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہے۔ حضرت عرفہ رضی اللہ عنہ نے کہا (نعوذ باللہ) کیا ہم نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ گالیاں دیں؟ ہم نے صرف یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ سچ ہے۔[2]

خود ذمیوں کو اس پابندی معاہدہ کا اعتراف تھا۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذمیوں کا ایک وفد آیا تو انہوں نے پوچھا کہ غالباً مسلمان تم لوگوں کو ستاتے ہوں گے؟ سب نے ہم زبان ہو کر کہا۔

ما نعلم الا وفاء و حسن ملکۃ۔[3]

"ہم پابندی عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے"۔

لیکن صرف اسی قدر کافی نہیں یہ جو کچھ ہے' قول ہے ہم عملاً دکھانا چاہتے ہیں کہ ذمیوں کو جو حقوق دیئے گئے ان کو عملاً پورا کیا گیا۔

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عرفہ بن حارث الکندیؓ۔ [3] طبری ص ۲۵۶۰۔

جان کی حفاظت:

رعایا کے تمام حقوق میں سب سے مقدم چیز جان ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں مسلمانوں اور ذمیوں کی جانیں یکساں عزیز تھیں' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک یہودی قتل کر دیا گیا۔ تو انہوں نے اس کو نہایت اہم واقعہ خیال کیا اور کہا کہ میرے دور خلافت میں انسانوں کا خون ہوگا' میں خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ جس کو اس کا حال معلوم ہو مجھ کو بتائے۔ حضرت بکر بن شداخ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ' اس کا قاتل میں ہوں بولے (اللہ اکبر) تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا[1] اپنی برأت ثابت کر سکتے ہو تو کرو' انہوں نے کہا کہ فلاں شخص شریک جہاد ہوا اور مجھ کو اپنے گھر کا محافظ بنا گیا میں اس غرض سے اس کے دروازے پر ایک روز گیا تو اس یہودی کو اس کے گھر میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

واشعث غره الاسلام منی خلوت بعرسه لیل التمام

ایک پراگندہ مو شخص جس کو اسلام نے مجھ سے غافل کر رکھا ہے۔ اس کی بی بی کے ساتھ میں نے شب بھر خلوت میں بسر کی۔

ابیت علی ترائبها و یمشی علی قود الاعنة و الحزام

میں اس کی بی بی کے سینے پر شب بسر کرتا ہوں۔ اور وہ گھوڑے کی باگ کھینچے کھینچے پھر رہا ہے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رہا کر دیا۔[2]

ایک بار قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی نسبت شبہ تھا کہ یہ ایرانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے' اس خیال سے حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ہرمزان کو قتل کر دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے قصاص میں ان کو قتل کرنا چاہا لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ قتل اس وقت ہوا جب کوئی خلیفہ نہیں مقرر ہوا تھا' اس لیے وہ بچ گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انہوں نے بھی ان سے قصاص لینا چاہا لیکن وہ بھاگ گئے۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت بکر بن شداخ رضی اللہ عنہ۔ [2] ایضاً

ایک بار ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا' لیکن مقتول کے بھائی آئے اور کہا کہ ہم نے معاف کر دیا' اس پر فرمایا کہ 'تمہیں کسی نے دھمکی دے کر تو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا[1]

ذمیوں کی دیت بھی بالکل مسلمانوں کے برابر مقرر کی گئی تھی' دار قطنی میں ہے:

ان ابابکر و عمر کانا یجعلان دیة الیهودی و النصرانی اذا کانا معاهدین دیة الحر المسلم.[2]

''حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ذمی یہودی اور عیسائی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر قرار دیتے تھے''۔

اب اس سے زیادہ ذمیوں کی جان کا کیا احترام ہوسکتا ہے؟

مال و جائیداد کی حفاظت:

مال و جائیداد کی حفاظت اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ ممالک مفتوحہ کی زمینیں غیر قوموں کے ہاتھ میں رہنے دی گئیں' اور ان کا خریدنا بھی مسلمانوں کے لیے ناجائز قرار دیا گیا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اہل عرب کو زراعت سے بالکل روک دیا اور تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں' اس لیے کوئی زراعت نہ کرنے پائے' مصر میں شریک غطفی نامی ایک شخص نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اور کہا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔[3]

عدالت میں جائداد وغیرہ کے متعلق جو مقدمات دائر ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے مقابل بلا تکلف غیر قوموں کو ڈگری دی جاتی تھی' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی ہی کے حق میں فیصلہ کیا۔[4]

---

[1] نصب الرایہ مطبوعہ دہلی ص ۲۵۹' ۲۶۰۔ [2] دار قطنی کتاب الحدود ص ۳۴۳۔ [3] حسن المحاضرہ ص ۹۳۔
[4] موطائے کتاب الاقضیہ باب الترغیب فی القضاء بالحق۔

مذہبی آزادی:

غیر قوموں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عیسائی غلام استق کو دعوت اسلام دی اور اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے تمام شام لرزتا تھا لیکن جب انہوں نے دمشق کی مسجد میں کینسہ یوحنا کو شامل کرنا چاہا اور عیسائیوں نے اس پر ناراضامندی ظاہر کی تو ان کو مجبوراً اس کو چھوڑ دینا پڑا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ جو یہ شرط کی تھی کہ لا یحدثوا بناء بیعة و لا کنیسة اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کی آبادی میں نئے گرجے نہ بنائے جائیں۔ خود عیسائیوں کو اپنی آبادی میں گرجا بنانے کی ممانعت نہ تھی' چنانچہ جب فسطاط مصر میں عیسائیوں نے ایک نیا گرجا بنایا اور فوج نے اس کی مخالفت کی تو حضرت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ یہ تمہاری آبادی سے باہر ہے اور اس پر تمام فوج نے سکوت اختیار کیا۔[3]

ہارون رشید کے زمانہ خلافت میں مصر کے گورنر عامر بن عمر نے جب عیسائیوں کو گرجوں کے بنانے کی عام اجازت دینا چاہی تو لیث بن سعد اور عبیداللہ بن لہیعہ سے مشورہ لیا۔ ان بزرگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ استدلال پیش کیا کہ مصر کے تمام گرجے صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔[4]

جزیہ کی وصولی میں رعایت ونرمی:

ان تمام حقوق کے مقابل میں مسلمانوں کو جزیہ کی ایک خفیف سی رقم ملتی تھی جو فوجی حفاظت کا معاوضہ تھی لیکن صحابہ کرام اس معاوضہ کو بھی نہایت لطف و مراعات کے ساتھ وصول کرتے تھے' چنانچہ جو لوگ نادار اور اپاہج ہو جاتے تھے ان کا جزیہ سرے سے معاف ہو جاتا تھا' اور ان کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت

---

[1] کنز العمال جلد ۵ ص ۴۹۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۳۱

[3] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۵ [4] ولاۃ مصر ص ۱۳۲۔

میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط داخل تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے زمانے میں عملاً قائم رکھا' چنانچہ ایک بار ان کو چند جذامی عیسائی نظر آئے تو بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[1]

ایک روز کسی بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا' اس کے جزیہ کی رقم معاف کر دی اور عام حکم دے دیا کہ اس قسم کے تمام لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔[2]

جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان پر بھی کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جاتی تھی' ایک بار حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ نے حمص میں دیکھا کہ کچھ قیدی دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں بولے یہ کیا ظلم ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فى الدنيا.[3]

''خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کے سر پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا ہے' وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ناداری کی وجہ سے جزیہ نہیں دیتے فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة.[4]

''لوگوں کو تکلیف نہ دو کیونکہ جو لوگ لوگوں کو دنیا میں تکلیف دیتے ہیں خدا ان کو قیامت میں تکلیف دیتا ہے''۔

ملکی حقوق:

رعایا کو سب سے بڑا حق جو حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ملکی انتظامات میں شریک کیا جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں غیر قوموں کو یہ حق حاصل تھا یعنی جن معاملات کا تعلق غیر قوموں کے ساتھ ہوتا تھا ان میں ان کی رائے مقدم خیال کی جاتی تھی۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۶۔ [2] کتاب الخراج ص ۷۲۔

[3] ابوداؤد کتاب الخراج باب التشدید فی الجزیۃ۔ [4] کتاب الخراج ص ۷۱

چنانچہ عراق کا بندوبست ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے چوہدری طلب کیے اور ان سے مال گزاری کے متعلق رائے لی۔[1]

غیر قوموں میں بہت سے لوگوں کو ملکی عہدے دیئے گئے اور ذمہ داری کی خدمتیں ان کے متعلق کی گئیں۔ ایک بار بہت سے عیسائی قیدی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض کو مکتب میں داخل کر دیا اور بعض کے متعلق ایک ملکی کام کیا۔[2] اصابہ میں ہے کہ ابوزید نامی ایک عیسائی کو انہوں نے عامل بھی مقرر فرمایا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عیسائی کو تعلیم دے کر اپنا میر منشی بنایا تھا۔[3]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سب سے زیادہ با اقتدار اور با اثر شخص ابن آثال نصرانی تھا' جو ان کا طبیب بھی تھا مترجم بھی تھا' اور حمص کا کلکٹر بھی تھا۔[4]

آزادی تجارت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیاضانہ طرز عمل نے کبھی غیر قوموں کی تجارتی آزادی میں خلل نہیں ڈالا بلکہ اس کو اور ترقی دی' چنانچہ شام کے قبطی جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عشر کو نصف کر دیا تاکہ مدینہ میں کثرت سے غلہ آئے مصر کے قبطی بھی مال تجارت لے کر آتے تھے لیکن ان سے پورا عشر لیا جاتا تھا۔[5]

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک:

غیر قومیں تو بالکل بیگانہ ہوتی ہیں' سازش اور بغاوت کی حالت میں مہذب سے مہذب سلطنت خود اپنی قوم سے کوئی مراعات نہیں کر سکتی' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حالت میں بھی ذمیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ شام کی انتہائی سرحد پر ایک شہر عربسوس تھا جہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح ہو گیا تھا' لیکن یہ لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو وہاں کے والی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ان کے تمام

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۴۹۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۶۰۔
[4] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۵ و استیعاب۔ [5] موطائے امام مالک کتاب الزکوۃ باب عشور اہل الذمہ۔

مال و متاع کا شمار کر کے ہر چیز کا دوگنا معاوضہ دے دیا جائے اور اس کے بعد وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ایک سال کی مہلت کے بعد جلا وطن کیے جائیں چنانچہ ایک سال بعد وہ لوگ جلا وطن کر دیئے گئے۔[1]

ان مراعات کا ذمیوں پر اثر:

ذمیوں پر ان تمام لطف و مراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

فلما رای اهل الذمة و فاء المسلمین لهم و حسن السیرة فیهم صاروا اشداء علی عدو المسلمین و عونا للمسلمین علی اعدائهم.

"جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے"۔

رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کیے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اور اس جنگی تیاری کی خبر دی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے کیونکہ معاہدہ کی رو سے ہم پر ان کی حفاظت واجب ہوگی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے ان حکام نے جب یہ رقمیں واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے کہ خدا تم کو واپس لائے اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو کچھ واپس نہ دیتے' بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے' مسلمانوں کو فتح ہوگئی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ڈال دی[2] کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آجائیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۳۔ [2] کتاب الخراج ص ۸۰

اس موقع کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے نکلے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔[1]

شام کے ایک اور عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ "اگر حضور چند اکابر صحابہ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہو گی" لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ 'ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔[2]

عیسائیوں اور یہودیوں کی جلاوطنیاں:

مخالفین نے ذمیوں کے متعلق صحابہ کرام پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جلاوطنی کا مسئلہ خاص طور پر قابل بحث ہے۔

یہود خیبر:

سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہود خیبر کی جلاوطنی عمل میں آئی لیکن اس کی کیفیت یہ ہے کہ خیبر جب فتح ہوا تو اسی وقت وہاں کے یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ جب مناسب ہو گا تم کو جلاوطن کر دیا جائے گا۔ ایک حدیث بھی پہلے سے موجود تھی۔

لا يجتمع دينان في جزيرة العرب.

"جزیرہ عرب میں ایک ساتھ دو مذہب نہیں رہ سکتے"۔

بایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا' لیکن یہ لوگ ابتداء ہی سے مسلمانوں پر مخفی حملہ کرنے کے عادی تھے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب انصار کی ایک جماعت وہاں گئی تو یہود نے موقع پا کر ایک انصاری کو مخفی طور پر قتل کر دیا' تاہم چونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی شہادت نہ تھی اور ان کو یہود کے حلف پر بھی اطمینان نہ تھا اس لیے یہود بالکل بری ہو گئے اور خود آپ ؐ نے صدقے کے اونٹوں سے ان کی دیت دلوائی۔[3]

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۶۔ [2] ادب المفرد باب دعوۃ الذمی۔ [3] بخاری کتاب الدیات باب القسامہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہوں نے اور بھی شرارتیں شروع کیں' ایک انصاری شام سے چند غلاموں کو لا رہے تھے' راہ میں خیبر میں قیام کیا تو یہودیوں نے شہ دے کر ان غلاموں سے ان کو قتل کروا ڈالا اور ان کو زادراہ دے کر شام کی طرف واپس کر دیا' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ان کو جلا وطن کر دیا۔[1]

یہ روایت اسد الغابہ میں ہے لیکن مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جائیدادیں خیبر میں تھیں اس غرض سے یہ لوگ آئے اور اپنی اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے منتشر ہو گئے' رات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر حالت خواب میں حملہ ہوا اور ان کا ہاتھ توڑ دیا گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ' یہ یہود کا کام ہے' اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہود کے ساتھ مصالحت کی تھی تو کہہ دیا تھا کہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے' اب انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر حملہ کیا ہے اور ان کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے اس سے پہلے بھی انہوں نے انصار پر حملہ کیا تھا تم میں سے خیبر میں جس جس کا مال ہو لے لے میں یہود خیبر کو جلا وطن کروں گا۔[2]

فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو جلا وطن کرنا چاہا تو لا تجتمع دینان والی حدیث کی کافی تحقیقات کر لی' اور ان کو اس کی صحت کا کامل یقین ہو گیا۔ تب ان کو جلا وطن کیا۔[3]

نصارائے نجران:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سود نہ کھائیں گے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی[4] اس کے ساتھ انہوں نے درپردہ جنگ کی تیاریاں بھی شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار بھی جمع کیے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا۔[5]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مظہر بن رافع۔ [2] مسند جلد ا ص ۱۵۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۴
[4] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الجزیہ وفتوح البلدان ص ۱۶۲۔ [5] کتاب الخراج ص ۴۲۔

طبری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں نے ان کو جلاوطنی کی وصیت کی تھی۔[1]

نصارائے عربسوس:

ان لوگوں نے رومیوں سے درپردہ سازش کی' حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو وہاں کے حاکم تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو انہوں نے ان کو جلاوطن کروا دیا۔[2]

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو جلاوطنیاں عمل میں آئیں ان کا سبب مذہبی تعصب نہ تھا بلکہ اس قسم کے پولیٹیکل اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کوئی سلطنت اس کے سوا دوسرا طرزعمل اختیار ہی نہیں کر سکتی تھی البتہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس قسم کے موقعوں پر دوسری سلطنتیں کیا کرتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو یہ حکم دیا کہ جو لوگ جلاوطن کیے جائیں ان کی زمین کی پیمائش کر لی جائے تا کہ اسی کے مثل ان کو معاوضہ دیا جائے اور ان کو اختیار دیا جائے کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔[3]

وہ لوگ جلاوطن ہو کر عراق عرب کو چلے تو ان کو جو پروانہ لکھا اس میں یہ فیاضانہ الفاظ تھے:

۱۔ یہ لوگ شام یا عراق کے جس رئیس کے پاس جائیں گے اس کا فرض ہو گا کہ وہ زراعت کے لیے ان کو زمین دے۔

۲۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ ان کی مدد کرے۔

۳۔ چوبیس مہینے تک ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔[4]

فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو ان کی زمین و جائیداد کی قیمت کا تخمینہ کروایا اور جب قیمت متعین ہو گئی تو بیت المال سے دلوادی[5] کیا کوئی دوسری قوم ان پولیٹیکل جرائم کے باوجود غیر قوموں کے ساتھ اس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

---

[1] طبری ص ۲۱۶۲۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۶۳۔ [3] طبری صفحہ ۲۱۶۲۔ [4] کتاب الخراج ص ۴۱۔

[5] فتوح البلدان ص ۳۶۔

غلاموں کے حقوق

غلامی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بدقسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے' گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے عام قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے' اس لیے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو بہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے:

(۱) حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟

(۲) آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کر دیا؟

(۳) غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنا:

اسلام سے پہلے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق بتصریح یہ حکم ہے:

﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً ﴾

''جب تم لوگ خوب خون ریزی کر چکو تو قیدی بناؤ ان کے بعد صرف دو صورتیں ہیں یا احساناً ان کو آزاد کر دو یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو''۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے کا

حکم دیا' لیکن انہوں نے کہا' ہم اس پر مامور نہیں ہیں'' اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔[1]

اسیران جنگ کو کھانا کھلانا اوران کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اوران کے آرام و آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

﴿ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ﴾

''باوجود یہ کہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو' یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں''۔

معجم طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھالیتے تھے' مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرادی:

ادفئوا اسراکم۔[2] ''اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اوڑھاؤ''۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ:

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ کرتے تھے لیکن شاہی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب جنگ مصر میں بلبیس پر حملہ کیا اور مقوقس شاہِ مصر کی بیٹی ارمانوسہ گرفتار ہوکر آئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لیے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔[3]

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف۔ [2] طبری ص ۱۹۲۵۔ [3] مقریزی جلد ا ص ۱۸۴

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا:

رسول اللہ ﷺ کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کیے جائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کسی فوج میں تھے۔ اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا' بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچے کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔[1]

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا:

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھی ان سے استبرائے رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے' اور اس میں حاملہ و غیر حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا' یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گزر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے' ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا' مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی:

من اصاب من هذا السبي فلايطوء هاحتى تحيض.

"یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آ جائے وہ ان سے جماع نہ کرے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ايها الناس انی لا اقول فيكم الا ما سمعت رسول الله ﷺ يقول قام فينا يوم حنين فقال لا يحل لامرء يومن بالله و اليوم الاخران يسقى ماء زرع

---

[1] مسند دارمی کتاب الجہاد باب النہی عن التفریق بین الوالدۃ وولدہا

غیرہ یعنی اتیان الحبالی من السبایا و ان یصیب امراۃ ثیبا من السبی حتی یستبرئها[1]

''لوگو! میں تم سے صرف وہی بات کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپؐ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی میں آبپاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبرائے رحم کے جماع کرے''۔

غلاموں کی آزادی:

یہ وہ احساسات تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے' لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ قید میں غلام بنا لیے جاتے تھے اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے دو غلام مدبر کیے تھے۔[2] جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تا کہ بی بی کو طلاق لینے کا اختیار باقی نہ رہے۔[4]

ایک بار وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بول چال کی قسم کھالی عفو تقصیر کے بعد کفارہ یمین میں ۴۰ غلام آزاد کیے۔[5]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دفعتہً حالت خواب میں مر گئے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کیے۔[6]

ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی' آپؐ نے فرمایا کہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۰۸' ۱۰۹۔ [2] مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء۔ [4] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معاہل تخیر امراتہ۔ [5] بخاری کتاب الادب الہجرۃ۔
[6] موطائے امام مالک کتاب العتق والولاء باب عتق الحی عن المیت۔

اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔[1]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا لیکن اگر اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملتا''۔[2]

سفینہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لیے آزاد کر دیا۔[3]

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرا رہی تھی بھیڑیا آیا اور ایک بکری اٹھا کر لے گیا' اس پر میں نے اس کو طمانچے مارے یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اس کو بلوا بھیجا وہ آئی تو آپؐ نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا ''آسمان پر'' پھر پوچھا ''میں کون ہوں؟'' بولی ''رسول اللہ'' ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔[4]

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو' حضرت ام سلمہ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں' لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔[5]

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے آپؐ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔[6]

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا' ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا' خدا کا کوئی شریک نہیں' اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔[7]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل باب من فضائل عقفاء واسلم وغیرھم۔ [2] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب الھبۃ۔ [3] ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ۔ [5] موطاء امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعۃ فی الکتابۃ۔ [6] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام۔ [7] ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیبا لہ من مملوک۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کیے[1] ان غلاموں کی آزادی نہایت شان و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کا دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام لکھا ہوا تھا' یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آیا تو ۲۰ غلام آزاد کیے۔[3]

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی من ادرك و فاتى من سبى العرب فهو حر حن مال الله یعنی غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال واسباب سے آزاد ہیں۔[4]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگر چہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے' لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔[5]

حضرت ابو مذکور رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے ان کی جائیداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا' لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس کی قیمت ان کو دلا دی۔[6]

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف ۶ غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق آپؐ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔[7]

اسیران ہوازن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لونڈی تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی حکم دیا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔[8]

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ۔ [2] نزہۃ الابرار تذکرہ حکیم ابن حزام۔ [3] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۷۳ و مسند عثمان۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۲۰۔ [5] سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبدا ولہ مال۔ [6] ابوداؤد کتاب العتق باب فی بیع المدبر۔ [7] ابوداؤد کتاب العتق باب فی من اعتق عبیدا لم یبلغھم الثلث۔ [8] ابوداؤد کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض کتاب الجہاد میں ہے کہ دو لونڈیاں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنا دیا تھا' اس لیے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتے تھے تو اس جرم کے کفارے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے' حضرت ابو مسعود انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کیے تھے[1]

ایک صحابی آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے دو غلام ہیں جو نہایت خائن' کذاب اور نافرمان ہیں میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہو گا؟ ارشاد ہوا ان کی خیانت' کذب نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہو گا' اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہو گی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ رونے پیٹنے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں' آپ ؐ گواہ رہیے کہ وہ آزاد ہیں۔[2]

ایک بار آپ ؐ نے حضرت ابو الہیثم بن التیہان انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ سلوک کرنا' ان کی بی بی نے کہا' تم سے یہ نہ ہو سکے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔[3]

ایک بار آپ ؐ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ' اس کے ساتھ نیکی کرو۔ انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔[4]

حضرت ابو ہریرہ ؓ اسلام لانے کے لیے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا' وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگا یا بھٹک گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا' آپ ؐ نے فرمایا ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لینا تمہارا یہ غلام ہے'' بولے ''آپ ؐ گواہ رہیے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے''۔[5]

ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا' وہ آیا تو اس کے چہرے پر آگ ڈال دی غلام گھبرا کر اٹھا تو کنوئیں میں گر پڑا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب فی حق المملوک۔ [2] ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ انبیاء۔ [3] ترمذی ابواب الزہد۔ [4] ادب المفرد باب العفو عن الخادم۔ [5] بخاری ابواب الشرکۃ باب اذا قال لعبدہ ہو للہ ونوی للعتق والاشہاد فی العتق۔

چہرے کی حالت دیکھی تو آزاد کر دیا[1]

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مملوکہ لونڈی غلام کو آزاد کر دیتے تھے بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لیے خریدتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو اس کے لیے خریدنا چاہا کہ اس کو آزاد کر دیں۔[2]

ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کیے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا[3] ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آزاد کیا۔

میر اسمٰعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اونتالیس ہزار دوسو سینتیس ۳۹۲۳۷ تک پہنچتی ہے' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۶۷ غلام	حضرت عباس رضی اللہ عنہ	۷۰ غلام
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ	۱۰۰ غلام	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۰۰۰ غلام
ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ	۸۰۰۰ غلام	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳۰۰۰۰ غلام

اس کتاب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے لیکن لکھا ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کیے۔[4]

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلاموں کو جو حقوق عطا کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عرب کا غلام نہ بنانا:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک لونڈی تھی

---

[1] ادب المفرد باب حسن الملکۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء۔ [3] موطائے امام مالک کتاب العتق والولاء باب جر العبد الولاء۔ [4] سبل السلام صفحہ ۳۳۵ کتاب العتق۔

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کردو' کیونکہ یہ اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں کرتے تھے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام قانون بنا دیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جا سکتا' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' کے عہد خلافت میں قبائل مرتدہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے' انہوں نے اسی بناء پر آزاد کرا دیا۔[1]

اسلام سے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنا لیے گئے تھے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنا لیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ دے کر آزاد کرایا جا سکتا ہے' اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جا سکتی ہے۔[2]

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جا سکتی تھیں تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا' مصر فتح ہوا تو چھ لاکھ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے' فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے' لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا' چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی' وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی' غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشت کار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اس کی وجہ سے محاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہیں۔

غلاموں کو مکاتب بنانا:

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی

---

[1] یعقوبی جلد۲ص ۱۵۸۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث۔ [3] حسن المحاضرہ جلد۱ص ۵۴۔
[4] کنز العمال جلد۲ص ۳۱۲

مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔

﴿ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ﴾

''اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کرلو''۔

لیکن حضرت عمر کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا' یعنی آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا' چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوا کر کوڑے لگوائے' اور قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے پر مجبور کر دیا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں آسانیاں پیدا کرتے رہتے تھے ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا' لیکن آقا نے ایک بار اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا' اور باقساط لینا چاہا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کروا دی اور کہا کہ تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا۔ اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کو اختیار ہوگا' آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر رقم وصول کر لی۔[2]

ام ولد کے بیع و شرا کی ممانعت:

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جا سکتیں نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نہ ان کا ہبہ ہو سکتا' بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی[3] اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔

---

[1] صحیح بخاری' کتاب المکاتب۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ ابوسعید المقبری

[3] موطائے امام محمد باب بیع امہات الاولاد۔

اسیران جنگ سے اعزہ واقارب کو جدا نہ کرنا:

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ و اقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قانوناً وحکماً اس کی ممانعت فرما دی چنانچہ تمام امرائے فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے' ایک بار بازار میں شور سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربان یرقاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے انہوں نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور آیت'' و لا تقطعوا ارحاکم ''کو پڑھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہو سکتا ہے؟ کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے؟ چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں ہے[1]

غلاموں کے وظیفے:

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا اس میں غلام برابر کے شریک تھے اول اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کو بیت المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا' ابوداؤد کتاب الخراج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان ابی یقسم للحر و العبد.

''میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرما دیتے تھے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب باضابطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آقا کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر فرمائے[2] ان کو اس بات میں اس قدر کد تھی کہ جب ایک عامل نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں' اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شماری کرائی اور ان کے روزینے جاری کیے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو ترقی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

---

[1] کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۶' ۲۲۷۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۵۵۔ [3] فتوح البلدان ص ۴۶۲

معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام از کار رفتہ نظر آتے ان کے ٹیکس معاف کر دیتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عام طور پر یہ ہدایت جاری کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں، ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقے سے وہ زر وزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔[1]

غلاموں کی تعلیم:

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میر منشی بنایا۔[3]

بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اون صاف کرنے کے لیے مکتب سے لڑکے طلب کیے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔[4]

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا:

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دے دی تمام مسلمانوں نے کہا، ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے، اب اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استصواب کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔[5]

غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت:

خلفائے راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت و آبرو کا اسی قدر پاس کرتے

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۴۹
[3] فتوح البلدان ص ۳۶۰۔ [4] بخاری کتاب الدیات باب من استعار عبدا وصبیا۔
[5] فتوح البلدان ص ۳۹۸

تھے جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جا سکتا ہے۔ ایک بار ایک غلام نے کسی لونڈی کی ناموس پر ناجائز حملہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلاوطن کر دیا۔[1]

مساوات:

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گزر چکی ہیں۔

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شخصی اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

[1] موطائے امام محمد باب الاستکراہ فی الزناء

رعایا کی آسائش کا انتظام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ معمول تھا کہ خراج وغیرہ کی جو رقم وصول ہوتی تھی ہر شخص پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اور اس میں غلام و آزاد کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان ابى يقسم للحر و العبد[1]

''میرے باپ غلام اور آزاد دونوں پر مال تقسیم کر دیتے تھے''۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ لوگوں کی خوراک بھی مقرر فرمائی اول اول جب یہ انتظام قائم کرنا چاہا تو دونوں وقت ایک ایک جریب آٹا پکوایا اور ۳۰' ۳۰ آدمیوں کو کھلایا' سب کو کافی ہوا تو ماہوار مرد' عورت اور غلام سب کے لیے دو جریب آٹا مقرر کیا۔ اعلان عام کے لیے پیمانہ ہاتھ میں لے کر منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر ماہوار خوراک مقرر کر دی ہے' جو شخص اس کو گھٹائے گا اس کو خدا سمجھے گا' یہ طریقہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو بد دعا دیتا تھا تو کہتا تھا کہ خدا تمہاری جریب موقوف کر دے یعنی تمہیں موت دے۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وظائف میں خاص موقعوں پر قومیت کی تفریق و امتیاز کو بھی بالکل مٹا دیا تھا چنانچہ ایک بار مقام جابیہ میں گئے وہاں چند عیسائی جذامیوں کو دیکھا تو حکم دیا بیت المال سے ان کے وظیفے مقرر کر دیے جائیں[3]

ایک بار ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کو خود اپنے گھر لائے اور جو کچھ ہو سکا دیا۔ پھر بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کے اشخاص کا لحاظ رکھا

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج الامارۃ باب فی قسم الفئ۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۶۵' ۴۶۶۔
[3] فتوح البلدان ص ۱۳۶۔

جائے۔ قرآن مجید میں صدقہ کے جو حصہ دار ہیں ان میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔[1]

ان کے علاوہ جو معزز لوگ کسی وجہ سے مفلوک الحال ہو جاتے تھے' ان کے لیے بھی وہ وظیفے مقرر فرما دیتے تھے' چنانچہ ایک موقع پر خود فرمایا:

انما فرضت لقوم احجفت بهم الفاقة و هم سادة عشائرهم لما ينوبهم من الحقوق.[2]

''میں نے چند فاقہ زدہ لوگوں کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے لیکن قومی حقوق کی گرانباری نے ان کو مفلوک الحال بنا دیا''۔

شیر خوار بچوں کے وظیفے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مجاہدین کے بچوں کے لیے بھی دس دس درہم وظیفے مقرر فرمائے پہلے یہ معمول تھا' کہ بچے دودھ چھوڑتے تھے تو ان کے وظیفے جاری کیے جاتے تھے لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ لوگ حصول وظیفہ کے لیے قبل از وقت بچوں کا دودھ چھڑا دیتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اعلان کو کروا دیا کہ قبل از وقت بچوں کا دودھ نہ چھڑاؤ ہم یوم ولادت ہی سے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیں گے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اور خلفاء نے اس کو اس قدر ترقی دی کہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے وراثت کے طریقے کو موقوف کرنا چاہا' لیکن پھر رک گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہی قدیم نظام پھر قائم کر دیا یعنی بچے جب دودھ چھوڑ دیتے تھے اس وقت سے ان کے وظیفے جاری کرتے تھے اخیر میں عبدالملک ابن مروان نے اس فیاضانہ طریقے کو کلیتہً موقوف کر دیا۔[3]

لاوارث بچوں کے وظیفے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۸ھ میں یہ حکم دیا کہ جو لاوارث بچے شاہراہ وغیرہ پر پڑے

---

[1] کتاب الخراج للقاضی ابی یوسف ص ۷۲۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۴۵

[3] فتوح البلدان ص ۴۶۴۔

ہوئے ملیں ان کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے چنانچہ یہ وظیفہ سو درہم سے شروع ہوتا تھا' پھر سال بسال اس میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔[1]

موطائے امام مالک میں ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک شخص اسی قسم کا بچہ اٹھا کر لایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اس کے نفقہ کا بار ہم پر رہے گا۔[2]

قحط کا انتظام:

قحط رعایا کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا تو انہوں نے اپنے اوپر گھی اور دودھ حرام کر لیا اور رعایا کے آرام و آسائش کے لیے ہر ممکن تدبیر کی۔ تمام امراء و عمال کو لکھ بھیجا کہ اہل مدینہ کی مدد کریں' چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے۔[3]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو لکھا کہ خراج میں جو غلہ وصول ہو وہ مدینہ کو روانہ کیا جائے' چنانچہ انہوں نے روغن زیتون اور ۲۰ جہاز غلہ روانہ کیا جن میں کم و بیش ہر جہاز میں ۳ ہزار ارب غلہ تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعدد اکابر صحابہ کے ساتھ بذات خود ملاحظہ کے لیے بندرگاہ پر گئے جس کا نام جار تھا۔ وہاں پہنچ کر ان غلوں کے رکھنے کے لیے دو مکان تعمیر کرائے اور حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کے نام لکھے جائیں چنانچہ جن لوگوں کے نام لکھے گئے ان کو ایک ایک چیک ملتی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر ہوتی تھی۔[4]

اس کے علاوہ ہر جگہ سے اونٹ' گیہوں اور روغن زیتون منگوا کر بدوؤں میں تقسیم کیا' جب یہ تمام سرمایہ ختم ہو چکا تو یہ انتظام کرنا چاہا کہ جو لوگ صاحب قدرت ہوں ان کے لیے گھروں میں جس قدر آدمیوں کی تعداد ہو اسی تعداد میں محتاجوں کی کفالت ان کے متعلق کی جائے' کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو شخصوں کی سد رمق کے لیے کافی ہوتا ہے' لیکن اس کے پہلے باران رحمت کی دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا' اس لیے اس انتظام کی ضرورت پیش نہیں آئی۔[5]

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۱ و فتوح البلدان ص ۴۵۷۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب القضاء فی المنبوذ۔ [3] طبری ص ۲۵۷۶۔ [4] فتوح البلدان ص ۲۲۳ یعقوبی جلد نمبر ۲ ص ۱۷۷۔
[5] الادب المفرد باب المواسات فی السنة والمجاعة

رعایا کی شکایتوں سے واقف ہونے کے وسائل:

ہمارے سلاطین و امراء میں کتنے لوگ ہیں جن کے پروہائے گوش فریادیوں کی کرخت آواز کے متحمل ہو سکتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمہ وقت رعایا کی آرام و آسائش کی فکر میں مصروف رہتے تھے۔ اس لیے ان کے دکھ درد سے واقفیت حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں حج کے موقع پر تمام لوگوں سے عام طور پر پوچھ لیا تھا کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اور بھی ترقی دی اور خفیہ طور پر متعدد لوگوں کو مقرر فرمایا جو ان تک تمام جزئیات کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ کنز العمال میں ہے:

كان لعمر عيون على الناس.[2]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر جاسوس مقرر فرمائے تھے''۔

تمام امراء و عمال کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے سامنے دروازے بند نہ کریں تاکہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنی شکایتیں پیش کر سکے' اخیر میں تمام ملک میں دورہ کا بھی ارادہ کیا تھا' لیکن شام کے سوا موت نے دوسرے مقامات کے دورہ کا موقع نہیں دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رعایا کی خبرگیری کا اس قدر خیال تھا کہ عین خطبہ کی حالت میں لوگوں سے ان کے حالات اور بازار کا نرخ دریافت فرماتے تھے۔

موذی جانوروں کا قتل:

مہذب سلطنتیں رعایا کے آرام و آسائش کا جو انتظام کرتی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ موذی جانوروں کو ملک سے فنا کرنے کی کوشش کرتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا' نصیبین میں بچھو بکثرت تھے' جس سے وہاں کے مسلمان کو اذیت پہنچتی تھی وہاں کے [illegible]ل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ تمام شہر

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص: ۱۳۰۔ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۴

کے لوگوں پر بچھوؤں کی ایک تعداد مقرر کر دی جائے کہ ہر رات کو پکڑ لائیں چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑ کر لاتے تھے' اور مار ڈالے جاتے تھے اس طرح بچھوؤں کی تعداد میں بہت کچھ کمی ہوگئی۔[1]

سجستان میں بکثرت سانپ رہتے تھے جب حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کو بصلح فتح کیا تو چونکہ نیولے اور خار پشت سانپ کو کھا جاتے ہیں اس لیے معاہدۂ صلح اس شرط پر کیا کہ کوئی شخص ان دونوں جانوروں کو نہ مار سکے گا۔[2]

[1] معجم البلدان ذکر نصیبین۔

[2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

مذہبی خدمات

اشاعتِ اسلام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آغاز اسلام ہی سے اس نیک کام کو شروع کیا اور اخیر تک اس کو قائم رکھا سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے اخلاقی اثر سے متعدد اکابر صحابہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن میں پانچ بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے تھے' اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ہے:

اسلم علی یدہ جماعة لمحبتھم و میلھم الیہ حتی انہ اسلم علی یدہ خمسة من العشرة .

''ان کے ہاتھ پر ایک جماعت جس کو ان کے ساتھ محبت تھی اسلام لائی یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی پانچ بزرگ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں صاحب اسد الغابہ نے بعض ناموں کی تفصیل بھی درج کی ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

کان رجال قریش یاتونہ و یالفونہ نعیر و احد من الامر لعلمہ و تجاربہ و حسن مجالستہ فجعل یدعو الی الاسلام من وثق بہ من قومہ ممن یغشاہ و یجلس الیہ فاسلم علی یدیہ فیما بلغنی الزبیر بن العوام و عثمان بن عفان و طلحة بن عبیداللہ.

''قریش کے لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے اور متعدد وجوہ مثلاً علم' تجربہ اور حسن مجالست کی بناء پر ان سے محبت کرتے تھے چنانچہ ان آنے والوں اور ساتھ بیٹھنے والوں میں جن لوگوں پر ان کو اعتماد تھا ان کو انہوں نے دعوت

اسلام دی اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان کے ہاتھ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ'
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے''۔

تاریخ خمیس میں ان بزرگوں کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ' حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کی کوششوں سے قریش میں اسلام پھیلا حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھی جو ابتداء میں اسلام کے سخت دشمن تھے' غزوۂ بدر میں ان کا ایک لڑکا گرفتار ہوا تو وہ اس کی رہائی کے بہانے سے مدینہ میں آئے کہ چل کر (نعوذ باللہ) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں' لیکن توفیق ایزدی نے یاوری کی اور یہاں آ کر مسلمان ہو گئے پلٹے تو قریش کو دعوت اسلام دی اور ان کے اثر سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔[2]

مردوں کے ساتھ عورتیں بھی اس شرف سے محروم نہ رہیں' چنانچہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں' جو مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو دعوت اسلام دیتی تھیں' قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔[3]

ان بزرگوں کے مساعی جمیلہ کا اگرچہ صرف مکہ بلکہ صرف قریش تک محدود رہا لیکن اور متعدد صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور وہ باہر سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام لائے' اور آپ کی خدمت سے واپس جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر میں اشاعت اسلام کی مقدس خدمت انجام دی' ان بزرگوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ' حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ' حضرت اثم رضی اللہ عنہ' حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ اور انصار کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے حضرت ابوذر غفاری فطرۃً نیکی کے قبول کرنے کا مادہ رکھتے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے پہلے پابند نماز ہو چکے تھے' ایک بار حسن اتفاق سے ان کے بھائی حضرت انیس مکہ میں آئے اور پلٹ کر ان کو خبر دی کہ مکہ میں

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۸۷۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمیر بن وہبؓ۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریکؓ۔

تمہارا ایک ہم مذہب پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے' لوگ اگر چہ اس کو شاعر کاہن اور ساحر کہتے ہیں' لیکن مجھ کو اس کا کلام ان سب سے مختلف معلوم ہوتا ہے' یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا اور تحقیق کے لیے خود مکہ تشریف لائے اور ایک دن رات کو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے' آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آ کر اسلامی طریقہ کے موافق سلام کیا' رسول اللہ ﷺ نے ان کے مختلف حالات پوچھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آج کی رات مجھے ان کی دعوت کا شرف حاصل ہو رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ تشریف لے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھر کا دروازہ کھولا' اور طائف کے منقے پیش کیے اس کے بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا مجھے مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا ہے تم میری طرف سے اپنی قوم کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے ہو؟ شاید تمہاری وجہ سے خدا ان کو نفع پہنچائے اور تمہیں ثواب دے' وہ پلٹے تو اپنے بھائی انیس کو دعوت اسلام دی' اور انہوں نے بخوشی لبیک کہا' اس کے بعد ماں کو مائل بہ اسلام کیا وہ بھی بخوشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئی پھر تمام قوم کو اسلام کی دعوت دی نصف لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے' اور نصف لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد ہم لوگ اسلام لائیں گے چنانچہ جب آپؐ مدینہ آئے تو وہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے قبیلہ غفار ہی کے متصل اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس چیز پر ہمارے بھائی اسلام لائے ہیں اس پر ہم بھی اسلام لاتے ہیں' آپؐ نے یہ سن کر فرمایا:

غفار غفر الله لها و اسلم سالمها الله[1]

''خدا غفار کی مغفرت کرے اور اسلم کو سلامت رکھے''۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے ہی سے دل نور ایمان سے لبریز تھا' چاہا کہ خود ان کے وطن کو دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہو' اس

---

1 صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی ذرؓ۔

غرض سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ایک محفوظ قلعہ میں پناہ گزین ہونا پسند فرماتے ہیں؟ یہ قلعہ خود ان کی قوم کا تھا' لیکن آپؐ نے انکار کیا' اس لیے وہ واپس آ گئے' اور جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ ایک مہاجر کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے' اور شرف ہجرت حاصل کیا۔[1]

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے جس سے فی الجملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اثر سے بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا' لیکن اسد الغابہ میں ہے کہ وہ آپ کی خدمت سے پلٹ کر متصل اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ ہجرت کی جو سب کے سب ان ہی کے اثر سے مسلمان ہوئے تھے۔[2]

حضرت اکثمؓ کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو یہ آیت سنائی:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾

''خدا' عدل' احسان اور قرابت داروں کے دینے کا حکم کرتا ہے اور فحاشی' برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے خدا تم کو یہ نصیحت کرتا ہے شاید تم سمجھو اور سوچو''۔

ان لوگوں نے جا کر ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اے قوم! میری رائے میں یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے تم لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو' سر بنو' مقدم ہو' مؤخر نہ ہو'' اس کے بعد تا دم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے انتقال ہوا تو اہل و عیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔[3]

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے سردار اور ان میں نہایت ہر دلعزیز تھے' رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ کو پلٹے تو انہوں نے راستہ ہی میں جا کر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر۔

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اکثم بن صیفیؓ

اسلام قبول کیا' اور وہاں سے آ کر اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دی ان کو اگرچہ اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ ان کو خود ان کی قوم نے اشاعت اسلام کے جرم میں قتل کر دیا' تاہم انہوں نے اپنا مذہبی فرض ادا کیا۔[1]

انصار میں اولاً چھ شخص مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ مکہ سے پلٹ کر انہوں نے خود تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا شروع کیا' ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ انصار کا کوئی گھر کلمہ توحید کی آواز اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر سے نا آشنا نہ رہا' دوسرے سال ۱۲ بارہ آدمی آئے اور آپ ؐ کے دست مبارک پر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لیے کر دیا اور انہوں نے اس خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام کا مقدس فرض بھی ادا کیا چنانچہ ان کی کوششوں سے بکثرت لوگ مسلمان ہوئے جن میں انصار کے گل سر سبز حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا تو انہوں نے ان کے ساتھ باجماعت جمعہ کی نماز ادا کی۔[3]

حضرت سعد بن معاذ اسلام لائے تو اپنے قبیلہ سے کہا کہ "اب مجھ پر تم سے بات چیت کرنا حرام ہے چنانچہ اسی روز ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا"۔[4]

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے قبائل میں اشاعت اسلام کی چنانچہ ان کے حالات میں ان کوششوں کا ذکر جا بجا آیا ہے مثلاً صاحب اسد الغابہ حضرت قیس بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

دعا قومه الی الاسلام. "اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی"۔

حضرت قیس بن یزیدؓ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

فدعا قومه الی الاسلام فاسلموا.

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت رافع بن مالکؓ و مسند ابن حنبل ص ۳۱۷۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ و تاریخ خمیس ص ۳۱۷۔
[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن معاذؓ

''انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوئے''۔

حضرت قیس بن نشیبہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

اسلم و رجع الی قومه فقال یا بنی سلیم سمعت ترجمة الروم و فارس و اشعار العرب و الکهان و مقاول حمیر و ما کلام محمد یشبه من کلامهم فاطیعونی فی محمد فانکم اخواله.

''وہ اسلام لا کر پلٹے تو کہا کہ اے بنو سلیم میں نے روم و فارس کے تراجم اور عرب اور کہان اور حمیر کے بہادروں کے اشعار سنے لیکن محمد کا کلام ان سب سے الگ ہے پس محمد ﷺ کے معاملے میں میری اطاعت کرو کیونکہ تم ان کے ماموں ہو''۔

فتح مکہ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام میں حصہ لیا چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ان مکة لما فتحت بادرت العرب باسلامهم فکان کل قبیلة ترسل کبراء هایسلموا و یتعلموا و یرجعوا الی قومهم فیدعوهم الی الاسلام.

''فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام لائیں اور تعلیم دین حاصل کر کے پلٹیں تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں''۔[1]

اس بناء پر تمام قبائل کا اسلام ان کے سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا ابوداؤد میں ہے کہ قبیلہ ہمدان نے حضرت عامر بن شہر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ جو تمہاری رائے قرار پائے گی اس کو ہم سب منظور کر لیں گے' وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور ان کے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[2]

ایک صحابی کسی چشمے کے مالک تھے جب ان تک دعوت اسلام پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم کو اسلام لانے کے لیے سو اونٹ دیئے لیکن یہ اسلام کا حقیقی معاوضہ نہ تھا چنانچہ جب وہ لوگ

---

[1] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۲۔

[2] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی حکم ارض الیمن۔

اسلام میں پختہ ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کو واپس لینا چاہا اور مشورہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجا' آپؐ نے فرمایا ان کو واپس لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔[1]

جن لوگوں کو خود رسول اللہ ﷺ نے اشاعت اسلام کے لیے بھیجا ان کے نام رجال وسیر کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت مالک بن مرارہ الرہادی رضی اللہ عنہ	انہوں نے عک اور ذی خیوان کو دعوت اسلام دی اور اس کے ساتھ ان کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔
حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ	رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنو لیث کی تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا۔
حضرت عبداللہ بن عویجۃ البجلی رضی اللہ عنہ	آپؐ نے ان کو قبیلہ بنی حارثہ کے پاس بھیجا۔
حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	آپؐ نے ان کو اہل فدکؔ کی ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا۔
حضرت مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ	آپؐ نے ان کے متعلق خود ان کی قوم کی تبلیغ و ہدایت فرمائی۔
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	ان کی ننھیال قبیلہ بلی میں تھی جو بدووں کا ایک قبیلہ ہے اور اس کے تعلق سے بدواں سے مانوس تھے آپؐ نے ان کو بدووں کی تبلیغ و ہدایت کے لیے منتخب فرمایا۔
حضرت مالک بن احمر رضی اللہ عنہ	یہ اسلام لائے اور خود درخواست کی کہ مجھے ایک فرمان لکھ دیا جائے کہ اس کے ذریعے سے اپنی قوم کو دعوت اسلام دوں۔
حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ	آپؐ نے ان کے ذریعہ سے عبید و جعفر کو دعوت اسلام دی وہ دونوں اسلام لائے اور وہاں کے تمام عرب

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی العرافۃ

کو دعوت اسلام دی جس کو سب نے بخوشی قبول کیا۔

حضرت علاء بن عبید اللہ الحضرمی رضی اللہ عنہ: آپ نے ان کو بحرین میں بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور منذر بن ساوی اور سیبخت کے نام خصوصیت کے ساتھ خط دیا وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور ان کے اثر سے وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم نے اسلام قبول کیا۔

حضرت وبر بن یحنس کلبی رضی اللہ عنہ: آپ نے ان کو یمن میں بھیجا وہ نعمان بن برزخ کی صاحبزادیوں کے یہاں اترے اور وہ سب مسلمان ہو گئیں انہوں نے فیروز دیلمی اور مرکنود کو پیغام اسلام دیا اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔[1]

وعظ و پند' ارشاد و ہدایت اور تبلیغ و دعوت کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن اخلاق کی خاموش زبان نے بھی بعض قبائل کو اسلام کی طرف مائل کیا' اور وہ لوگ بطیب خاطر مسلمان ہوئے ایک غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیاس سے بیتاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی' جس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا۔ صحابہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا' اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کا معاوضہ دلوا دیا' تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے تو خاص کر اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے اس پر اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ وہ مساعی جمیلہ تھے جن کے اثر سے متعدد قبائل نے اسلام

---

[1] یہ مختصر فہرست اسد الغابہ اور فتوح البلدان سے تیار کی گئی ہے ابوداؤد کتاب الخراج میں بھی ان بزرگوں کے نام ملتے ہیں اگر رجال کی کتابوں کا استقصاء کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔

[2] بخاری کتاب الغسل باب الصعید الطیب وضوء المسلم

قبول کیا لیکن ان قبائل کے علاوہ اور بھی متفرق لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے اسلام لائے' حضرت ام حکیم بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی' وہ خود فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن میں چلے آئے حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ بدن پر چادر تک نہ تھی لیکن ان سے اسی حالت میں بیعت لی۔[1]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہا' لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں نکاح کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا' اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی' چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔[2]

حضرت جبار سلمی رضی اللہ عنہ نے حالت کفر میں شہدائے بیر معونہ میں سے ایک قاری کو نیزہ مارا تو انہوں نے زخم کھانے کے ساتھ ہی نہایت ہی مؤثر لہجے میں کہا۔

فزت و اللہ۔ ''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا''۔

حضرت جبار رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا کہ میں نے تو انہیں قتل کر دیا اور آخر ان کو کامیابی کیونکر ہوئی؟ بعد کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے چنانچہ اسی اثر سے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ خود مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن ان کی ماں کافرہ تھیں اس لیے ان کو برابر دعوت اسلام دیتے رہتے تھے۔ ایک روز ان کو اسلام کی ترغیب دی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا ان کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا' روتے روتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ میری ماں کے لیے دعائے ہدایت فرمائیے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے' پلٹے تو دیکھا کہ دروازہ بند

---

[1] موطائے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجہ قبلہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت زید بن سہل بن اسود رضی اللہ عنہ۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ

ہے اور پانی گرنے کی آواز آ رہی ہے' ان کی ماں نے پاؤں کی آہٹ پائی تو کہا ابوہریرہ آگے نہ بڑھو' نہا دھو کر فوراً کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کلمہ توحید پڑھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ خوشی کے مارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ خدا نے آپ کی دعا قبول کر لی۔[1]

وفد بنوتمیم آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے؟ سب نے جواب دیا کہ "ہم اپنے شاعر اور اپنے خطیب کو لائے ہیں کہ آپ سے مفاخرت کریں" ارشاد ہوا کہ "ہم نہ شاعری کے لیے مبعوث ہوئے نہ ہم کو خدا نے مفاخرت کا حکم دیا تاہم آؤ اور مفاخرت کرو" اقرع بن حابس ساتھ تھے انہوں نے ایک جوان کی طرف اشارہ کیا اس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور اپنی قوم کے تمام مفاخر گنائے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ آپ کے خطیب تھے' آپ نے ان کو مقابلے کے لیے کھڑا کیا تو انہوں نے اس کا جواب دیا اس کے بعد زبرخان بن بدر کے حکم سے ایک نوجوان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں چند اشعار سنائے آپ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا حکم دیا' اور انہوں نے ایک قصیدے میں انصار کے اسلامی کارنامے گنائے' ابھی قصیدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اقرع نے کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا مقصد ان سب سے الگ ہے یہ دو شعر سن لیجئے' اس نے شعر پڑھے تو آپ کے حکم سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی یہ کل دو شعر تھے جس کا آخری مصرع یہ تھا:

لنا خول من بین ظیر و خادم.

"تمہارا قبیلہ ہمارا نوکر تھا' عورتیں دایہ اور مرد خادم تھے"۔

آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بنو آدم کے بھائی (اقرع کا قبیلہ تھا) جب کہ تمام لوگ اس کو بھول گئے تھے' مجھ کو اس کی یاد تازہ کرانے کی ضرورت نہ تھی' ان لوگوں پر اس کا سخت اثر ہوا اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت حسان بن ثابت نے پھر اپنا قیصدہ پڑھنا شروع کیا' آخرکار اقرع بول اٹھا کہ خدا جانے کیا بات ہے کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ثابت ہوا' یہ کہہ کر آپ کے قریب آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔[2]

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابوہریرہ الدوسی۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت اقرع بن حابس۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں اور بھی کثرت سے اسلام پھیلا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھا' جو خود بہ خود مسلمان ہو گیا' اور اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ پہلے عراق میں غارت گری کیا کرتا تھا' اب وہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں مجھ کو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجئے' ان کے ذریعے سے میں ایرانیوں پر حملہ کروں گا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھ کر دیا وہ وہاں سے چل کر مقام خفان میں آیا اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات کے ساتھ ساتھ اور بھی وسعت سے اسلام کی اشاعت ہوئی جب جنگ قادسیہ میں رستم مارا گیا تو اس کے ساتھ ویلم کی جو چار ہزار منتخب فوج تھی اور خسرو پرویز کی باڈی گارڈ ہونے کی وجہ سے چند شہنشاہ کے لقب سے ممتاز تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد مدائن اور جلولاء کے معرکہ میں نمایاں حصہ لیا۔[2]

قادسیہ کی جنگ میں ضخم' مسلم' رافع اور عشنق بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ مسلمان ہوئے اور انہی کے مشورے سے مسلمانوں نے جنگی ہاتھیوں پر قابو پایا۔[3]

اصفہان کے حملے کے بعد جب جے فتح ہوا تو آس پاس کے تمام روساء جو اپنے قلعوں میں پناہ گزین تھے مسلمان ہو گئے۔[4]

قزوین پر حملہ ہوا تو ویلم کی جو قوم وہاں آباد تھی کل کی کل مسلمان ہو گی۔[5]

سیاہ سواری یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا ایک بڑا افسر تھا' یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر سردار تھے' اصطخر کی طرف روانہ کیا' اور حکم دیا کہ ہر شہر سے اپنے ساتھ سپاہی انتخاب کر کے لیتا چلے' وہ اصطخر پہنچا تو معلوم ہوا

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۵۰۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۸۹ وطبری ص ۲۲۶۱ میں ہے کہ ان میں کچھ لوگ جنگ سے اور کچھ جنگ کے بعد مسلمان ہو کر شریک جنگ ہوئے اور ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا اور دو دو ہزار وظیفہ مقرر ہوا۔ [3] طبری ص ۲۳۳۲۔ [4] فتوح البلدان ص ۳۲۱۔ [5] فتوح البلدان ص ۳۲۹۔

کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سوس کا محاصرہ کیا ہے' اس لیے یزدگرد نے سیاہ کو سوس بھیج دیا' وہ جب فتح ہو گیا تو سیاہ نے تمام سرداروں کو جمع کر کے کہا ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ قوم اس سلطنت پر غالب ہو جائے گی' اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے' اب بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ ان کے مذہب میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سب کے سب چند شرائط پر مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ سیاہ بچہ زط' اور اندغار نے بھی جو ہندوستانی قومیں تھیں اسلام قبول کر لیا۔[1]

جلولاء کی فتح کے بعد اس اطراف کے تمام بڑے بڑے روساء مثلاً جمیل ابن بصبھری بسطام بن ترسی' رفیل اور فیروز مسلمان ہو گئے۔[2]

تستر کا محاصرہ ہوا تو ہرمزان نے اطاعت قبول کر لی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا اور وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا' تستر سے فارغ ہو کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جندلیسا پور کا رخ کیا تو وہاں سے کچھ لوگ بھاگ کر کلبانیہ چلے گئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ربیع بن زیاد کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور انہوں نے جا کر کلبانیہ کو فتح کر لیا وہاں کے اسادرہ نے امان طلب کی اور امان حاصل ہونے کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔[3]

یہ وہ لوگ ہیں جو جماعت کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن ان کے علاوہ تاریخوں میں اور بھی بہت سے نومسلموں کے نام ملتے ہیں جو متفرق طور پر اسلام لائے فتوح البلدان میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں میرا خراج معاف کر دیجیے۔[4]

تستر کی جنگ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عجمی نے آ کر امان طلب کی اور مسلمان ہو گیا۔[5]

روز بہ بن برزجمہر بن ساسان ایرانی فوج کا ایک افسر تھا جو رومیوں سے مل گیا تھا لیکن اس کو رومیوں پر اعتماد نہیں تھا' بالآخر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۲۔ [2] ایضاً ص ۲۷۴۔ [3] ایضاً ص ۳۸۹۔ [4] ایضاً ص ۲۷۷۔ [5] ایضاً ص ۳۸۸

کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا جس میں اس کے حالات سے اطلاع دی وہ دربار خلافت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[1]

دمشق فتح ہوا تو وہاں کا پادری جس کا نام اور کون تھا' حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔[2]

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سفر بیت المقدس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔[3]

شریح بن ہانی شیبانی ایک شخص تھا' جس کی بی بی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔[4]

مصر اور افریقہ میں بھی بکثرت اسلام پھیلا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر عرب میں بھیجا اور وہ فروخت ہو کر عرب میں پھیل گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ہر جگہ سے بلا کر مصر بھیج دیا اور لکھا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

چنانچہ ان میں بلہیب کے رہنے والے کل کے کل مسلمان[5] ہو گئے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کیا تاریخ طبری میں ہے کہ جب تمام قیدی اکٹھے کیے گئے تو عیسائیوں کے سامنے ایک ایک قیدی کو لایا گیا اور اس کو عیسائیت پر قائم رہنے یا اسلام قبول کرنے کا اختیار دیا گیا جب کوئی قیدی اسلام قبول کرتا تھا تو مسلمان اس زور سے تکبیر کا نعرہ مارتے تھے کہ کسی شہر کے فتح پر بھی تکبیر کی صدا میں یہ غلغلہ انگیزی نہیں پائی جاتی تھی' لیکن اگر وہ عیسائیت پر قائم رہتا تھا تو مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی آدمی خود ان کی جماعت سے نکل گیا ہے۔ بعض واقعات نے اسلام اور عیسائیت کی اس کشمکش کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا' ابو مریم ایک عیسائی تھا' جس کے سامنے یہ دونوں مذہب پیش کیے گئے توفیق ایزدی نے اعانت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں نے فوراً اس کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا' لیکن ابو مریم کے باپ ماں اور بھائی بھی موجود تھے انہوں نے اس کو اپنی طرف کھینچا

---

[1] طبری ص ۲۲۵۴۔ [2] معجم البلدان ذکر قنطرۃ سنان۔ [3] وفاء الوفاء ص ۴۰۹۔
[4] وفاء الوفاء ص ۲۱۴۔ [5] مقریزی جلد ا ص ۱۶۶۔

اور باہم اس قدر کشمکش ہوئی کہ اس کے کپڑے پرزے پرزے ہو گئے۔[1]

دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور ورادہ سے لے کر عسقلان تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔[2]

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے وہاں کا رئیس پہلے سے مسلمانوں کی طرف مائل تھا جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکل کر مسلمانوں سے جا ملا اور مسلمان ہو گیا۔[3]

ان نومسلموں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ وہ الگ الگ محلوں میں آباد کرائے گئے چنانچہ فسطاط میں تین محلے قائم کیے گئے جن میں دو محلے یونانی نومسلموں کے اور ایک یہودی نومسلموں کا تھا اور ان کا خاندان اس قدر وسیع تھا کہ ایک ایک معرکہ میں ان کے ہزار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔[4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہوئی ان کے زمانے میں جب آذربائیجان والوں نے بغاوت کی اور اشعث بن قیس نے اس کو فتح کر کے ان کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تو وہاں بہت سے عرب آباد کرا دیئے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں' ان لوگوں کی ہدایت وارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اشعث بن قیس دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے آذربائیجان کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو ان میں اکثر لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھنے لگے۔[5]

ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو اسلام لائیں۔[6]

حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں بھی۔ بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے چنانچہ انہوں نے افریقہ کو فوج روانہ کی تو نافع بن قیس قریشی نے جو برقہ اور زویلہ کے گورنر تھے اس میں ان برابرہ کو بھی داخل کیا جو اسلام لا چکے تھے' اس فوج گراں کے ساتھ جب نافع نے افریقہ کے شہروں پر حملہ کیا تو اور بھی بہت سے بربر اسلام لائے مجم

---

1. طبری ص ۲۵۸۳۔ 2. مقریزی ص ۱۸۴۔ 3. مقریزی جلد ا ص ۲۲۶۔ 4. مقریزی جلد اول ص ۲۹۸۔
5. فتوح البلدان صفحہ ۳۲۷۔ 6. ادب المفرد باب خفض المراءۃ

البلدان میں ہے:

و اسلم علی یدہ خلق من البربر فشافیھم دین اللہ حتی اتصل ببلاد السودان[1]

''ان کے ہاتھ پر بہت سے بربر اسلام لائے اور ان میں خدا کا دین پھیل گیا یہاں تک کہ سوڈان تک پہنچ گیا''۔

غیر قوموں کے علاوہ عرب نے ابتداء ہی سے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کیا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق پر حملہ کیا تو ربیعہ وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قنسرین پر حملہ کیا تو قبیلہ تنوخ کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور جو لوگ عیسائیت پر قائم رہے ان میں بھی ایک جماعت نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ قبیلہ طے کے جو لوگ یہاں آباد تھے ان میں بھی بہت سے لوگ اسلام لائے۔ جن لوگوں نے جزیہ پر مصالحت کر لی تھی وہ بھی کچھ دنوں کے بعد دائرۂ اسلام میں شامل ہو گئے۔ حلب کے آس پاس جو عرب آباد ہو گئے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے پہلے تو جزیہ پر مصالحت کر لی پھر بعد کو اسلام قبول کر لیا[3]

اسی طرح جب مسلمان شام میں آئے تو بہت سے شامی عرب مسلمان ہو گئے[4]

تکریت پر حملہ ہوا تو تغلب، ایاد، نمر وغیرہ کے جو قبائل وہاں آباد تھے سب کے سب اسلام لائے اور مسلمانوں نے انہی کی جاسوسی سے تکریت کو فتح کیا[5]

ابتدائے اسلام سے خلفاء کے زمانے تک جن قوموں اور جن ملکوں میں اسلام پھیلا یہ اس کی نہایت سادہ تاریخ ہے اب تاریخی حیثیت سے صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے عہد میں اسلام کیوں کر پھیلا؟ یورپ کے نزدیک اس سوال کا جواب ہمیشہ تلوار کی زبان نے دیا ہے لیکن ہم نے جو واقعات جمع کر دیئے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے جبری اسلام کی شہادت مہیا کی جا سکے عہد نبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] معجم البلدان ذکر قیروان۔ [2] طبری ص ۲۱۲۲۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۵۲۔
[4] فتوح البلدان ص ۱۵۷۔ [5] طبری ص ۲۴۷۵۔

کے مساعی جمیلہ سے اسلام کی جو کچھ اشاعت ہوئی وہ محض ان کے وعظ و پند ہدایت وارشاد فضائل اخلاق اور ذاتی رسوخ واقتدار کی بدولت ہوئی عہد خلافت میں بے شبہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام نے بھی وسعت وعمومیت حاصل کی لیکن اس زمانے میں بھی کسی سے تلوار کی زبان سے کلمہ نہیں پڑھوایا گیا۔

ا۔ بلکہ چند لوگوں نے تو صرف صحابہ کے فضائل واخلاق کی بنا پر اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ قادسیہ میں ایک ایرانی گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان ہو گیا اس کو مسلمانوں کی وفاداری' راست بازی اور ہمدردی کا منظر سامنے آیا تو بے ساختہ کہنے لگا کہ جب تک تم میں یہ اوصاف موجود ہیں تم شکست نہیں کھا سکتے' اب مجھے ایرانیوں سے کچھ مطلب نہیں[1]

شطا جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر گرویدہ اسلام ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا' تاریخ مقریزی میں ہے۔

فخرج شطا فی الفین من اصحابه و الحق بالمسلمین و قد کان قبل ذالک یحب الخیر و یمیل الی ما یسمعه من سیرة اهل الاسلام.

"شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا وہ پہلے نیکی کو دوست رکھتا تھا اور مسلمان کے محاسن اخلاق سن کر ان کی طرف مائل تھا"۔

صحابہ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب کو اپنی طرف مائل کرتا تھا بالخصوص جب مسلمانوں کی مساویانہ طرز معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرز معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا' تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خواہ مخواہ بندوں کی غلامی سے رہائی حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ ایک بار زہرہ نے رستم سے دوران گفتگو میں اسلام کے جو محاسن بتائے ان میں ایک یہ تھا:

اخراج العباد من عبادة العباد الی عبادة الله تعالی.

"بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصل مقصد ہے"۔

رستم نے یہ سن کر کہا لیکن ایرانیوں نے تو اردشیر کے زمانے سے طبقہ سافلہ کے

---

[1] طبری ص ۲۲۶۴

پیشے متعین کر دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ اس دائرہ سے نکلے تو شرفاء کے حریف بن جائیں گے رفیل ایک شخص ابتدا ہی سے اس گفتگو کو سن رہا تھا' اس پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رستم چلا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔[1]

۲۔ بہت سے لوگ دعوت و تبلیغ سے اسلام لائے مثلاً مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی کل قوم اس کی دعوت سے اسلام لائی ایک بار بہت سی رومی لونڈیاں آئیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت اسلام دی اور ان میں سے دو مسلمان ہو گئیں' قنسرین اور حلب پر حملہ ہوا تو وہاں کے عرب قبائل حضرت ابو عبیدہ کی دعوت سے اسلام لائے۔

جب اشعث بن قیس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آذربائیجان کو فتح کیا تو وہاں اہل عرب کی ایک جماعت مقرر کر دی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں' چنانچہ اس مقدس جماعت کے اثر سے چند ہی دنوں میں بہت سے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو گئے۔

۳۔ بہت سے لوگوں نے بطوع و رضا خود اسلام قبول کیا چنانچہ جنگ اسکندریہ کے بعد جب اسیران جنگ کو اختیار دیا گیا کہ وہ خواہ اسلام قبول کریں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں تو ان میں بہت سے قیدیوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

۴۔ بعض لوگ بلاشبہ مغلوب ہو کر اسلام لائے لیکن ان کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ ان کو خود نظر آیا کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں چنانچہ جنگ قادسیہ میں رستم کے قتل کے بعد پرویز کی باڈی گارڈ فوج نے کہا کہ ہماری حالت ایرانیوں سے مختلف ہے اب ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہم نے ایرانیوں کے لیے کوئی نمایاں کام نہیں کیا اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کے دین میں داخل ہو کر ان کے ذریعے سے عزت حاصل کریں[2] سیاہ اسواری نے اپنے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ ہم لوگ پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ لوگ (مسلمان) اس سلطنت پر غالب ہو جائیں گے' اور اصطخر کے محل ان کے گھوڑوں کے اصطبل بن جائیں گے' اب تم ان کا

---

[1] طبری [2] فتوح البلدان ص ۲۸۹

غلبہ علانیہ دیکھ رہے ہو سوچو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

نو مسلموں کا تکفل:

اسلام کی ابتداء نہایت غربت کے ساتھ ہوئی اور اس کے ساتھ وہ ابتداء میں اس قدر مبغوض تھا کہ جو شخص اس کو قبول کرتا تھا اس کو مجبوراً اپنے گھر بار اہل و عیال اور دولت و مال سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا' اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتے تھے' اسلام ہی کو ان کے سد رمق کا متکفل ہونا پڑتا تھا' اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو اس خاص خدمت پر مامور کر دیا تھا کہ جو محتاج مسلمان آئیں قرض لے کر ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیں۔ اس کے بعد جب کہیں سے مال آتا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا[1] لیکن صحابہ کی ذاتی فیاضیاں بھی بہت کچھ اس کار خیر میں حصہ لیتی تھیں بالخصوص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اکثر اس کی توفیق ہوتی تھی ان کو تجارتی کاروبار نے نہایت دولت مند بنا دیا تھا' اور ان کی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی دستگیری اور اعانت میں صرف ہوتا تھا۔ اصابہ میں ہے:

و عنده اربعون الفافكان يعتق منها و يعول لمسلمين.

"ان کے پاس چالیس ہزار.... تھے جن سے وہ غلاموں کو آزاد کراتے تھے اور مسلمانوں کا تکفل فرماتے تھے"۔

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ایک نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں اس لیے ان کا گھر گویا مسلمانوں کا مہمان خانہ بن گیا تھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر میں مہمانوں کی کثرت ہے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا[2] حضرت درہ بنت لہب رضی اللہ عنہا بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں[3] کبھی کبھی خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نو مسلموں کی اعانت کی طرف متوجہ فرماتے اور صحابہ بخوشی ان کا

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔ [2] صحیح مسلم کتاب طلاق باب المطلقہ ثلاثا لانفقہ لہا و کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب فی خروج الدجال۔ [3] اصابہ تذکرہ درہ

تکفل فرماتے تھے۔ ایک بار قبیلہ بنو عذرہ کے تین شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا آپ ﷺ نے فرمایا ان کا بار کون اٹھائے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں''۔[1]

مہاجرین میں جو لوگ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے آنحضرت ﷺ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیتے تھے' اور صحابہ ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کی معاش کے متکفل ہوتے تھے چنانچہ تعلیم قرآن کے عنوان میں اس کی مثالیں آئیں گی۔

[1] مسند جلد اول ص ۱۶۳

اقامتِ دین

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عقائد و اعمال کی جو سطح قائم ہو چکی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت مستعدی و سرگرمی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

عقائد:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب عرب میں ارتداد کی عام ہوا چل گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے دفعیہ کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دی اور ان کے مساعی جمیلہ نے جو نیک نتائج پیدا کیے تاریخ میں ان کی تفصیل پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے عہد میں اسلام مر کے دوبارہ زندہ ہوا اور کلمہ توحید کی صدا خاموش ہو کر دوبارہ غلغلہ انداز عالم ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی متعدد صحابہ کو اس نیک خدمت کے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی' اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے بچایا' چنانچہ جب تمام مکہ عرب کے اس عالمگیر ارتداد کی خبروں سے گونج اٹھا تو حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو خوف ہوا کہ کہیں خود قریش بھی اس وباء میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے انہوں نے خصوصیت کے ساتھ قریش کی طرف خطاب کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس کے چند فقرے یہ ہیں:

يا معشر قريش لا تكونوا اخر من اسلم و اول من ارتد و الله ان هذا الدين ليمتدن امتداد الشمس و القمر من طلوعهما الى غروبهما.

''اے گروہ قریش! یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ خدا کی قسم یہ دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چاند اور سورج کے طلوع و غروب کی حد ہے''۔

اس خطبے کا یہ اثر ہوا کہ تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔[1]

حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ یمامہ کے رئیس تھے آپ کے وصال کے بعد اگر چہ تمام یمامہ مرتد ہو گیا' لیکن ان کے زیر اثر جو لوگ تھے وہ عقیدہ توحید پر قائم رہے' اور وہ تمام اہل یمامہ کو مسیلمہ کی تقلید سے روکتے رہے لیکن جب ان کے ارشاد و ہدایت کا ان پر اثر نہ ہوا تو ان سے الگ ہو کر ہجرت کا عزم کر لیا۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے لوگوں کو اس گمراہی سے نجات دلائی چنانچہ ایک بار وہ بنو حنیفہ کی مسجد سے گزرے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مسیلمہ کے پیرو ہیں سب کو طلب کیا اور ان سے توبہ کرائی ابن النواحہ نے انکار کیا تو سر بازار اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو شخص اس عبرت انگیز منظر کو دیکھنا چاہے وہ بازار میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔[3]

نماز:

خلفاء نے نماز کے تمام جزئیات و خصوصیات کو قائم رکھنے کے لیے جو انتظامات کیے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان لکھا جس میں نماز کے اوقات کی تفصیل فرمائی اور ان کی پابندی کی طرف توجہ دلائی اور اس فرمان کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

ان اهم امركم عندى الصلوة فمن حفظها و حافظ عليها حفظ دينه و من ضيعها فهو لما سواها اضيع .

''میرے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس شخص نے اس کی محافظت کی اس نے اپنے دین کی محافظت کی اور جس شخص نے اس کو ضائع کر دیا وہ اس کے سوا اور چیزوں کو بھی ضائع کرے گا''۔

اخیر میں نماز عشاء کا وقت لکھا تو اس کے ساتھ یہ فقرے لکھے:

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ۔
[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرسل

فمن نام فلانامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلانا مت عینہ[1]

''جو شخص بغیر عشاء کی نماز پڑھے ہوئے سو گیا تو اس کی آنکھ نہ سوئے نہ سوئے نہ سوئے''۔

۲۔ جمعہ کے غسل کے متعلق اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت' بہر حال جو کچھ بھی ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت شدت سے لوگوں کو اس کی پابندی پر مجبور کرتے تھے' ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر کر کے آئے اور شریک جمعہ ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے' فرمایا یہ کون سا وقت ہے؟ بولے ابھی بازار سے پلٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو کر کے حاضر ہو گیا' بولے صرف وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غسل کا حکم بھی دیتے تھے۔[2]

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جماعت کی پابندی کا نہایت خیال رکھتے تھے' ایک دن سلیمان ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ کو صبح کی جماعت میں نہیں دیکھا' تو ان کے گھر گئے اور پوچھا کہ میں نے ان کو نماز صبح میں نہیں پایا؟ معلوم ہوا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتے پڑھتے سو گئے' اور صبح کو آنکھ نہ کھلی بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ جماعت کے ساتھ فجر کی نماز رات بھر کی نماز سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔[3]

حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک غلام مقرر کر دیا تھا' کہ ان کو مسجد میں لا کر باجماعت نماز پڑھایا کرے۔

۴۔ جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں اگر کوئی نماز پڑھتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔[4]

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صف کی ہمواری کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ خاص اس غرض کے لیے متعدد اشخاص مقرر کر دیئے تھے' جن کا کام صرف صف کو سیدھا کرنا تھا۔[5]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اس قسم کے اشخاص مقرر تھے۔[6]

---

[1] موطائے امام مالک کتاب وقوت الصلوت۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب العمل فی غسل یوم الجمعۃ۔ [3] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی العتمۃ والصبح۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب النھی عن الصلوۃ بعد الصبح والعصر۔ [5] طبری ص ۲۷۲۳۔ [6] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی تسویۃ الصفوف۔

٦۔ نماز مفروضہ کی امامت اگرچہ خود خلفاء کرتے تھے لیکن تراویح کی امامت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو مستقل امام مقرر فرما دیئے تھے' جو لوگوں کو باجماعت تراویح پڑھاتے تھے' عورتوں کی تراویح کے لیے ایک مستقل امام مقرر فرمایا تھا جن کا نام سلیمان بن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ تھا' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مردوں اور عورتوں کی ایک مشترک جماعت قائم کی اور حضرت سلیمان بن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ کو دونوں کا امام مقرر فرمایا' البتہ یہ انتظام تھا کہ جماعت ہو جانے کے بعد جب مرد مسجد سے نکل جاتے تھے تو عورتوں کو نکلنے کی اجازت دے جاتی تھی۔[1]

زکوٰۃ:

اسلام کے ارکان خمسہ میں زکوٰۃ ایک نہایت ضروری رکن ہے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ارتداد کی وباء عام پھیلی تو متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینا موقوف کر دیا' اس موقع پر اگر انہوں نے اس ستون کو نہ تھاما ہوتا تو اسلام کا یہ رکن اعظم قائم نہ رہتا' لیکن انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں' اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول اول اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ کلمہ گویوں سے کیوں کر جہاد کیا جا سکتا ہے؟ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

و اللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوۃ و الزکوۃ فان الزکوۃ حق المال و اللہ لو منعونی عقا لا کانو ایودونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعہ.

''خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا' کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے روک رکھیں گے تو میں اس کے روکنے پر ان سے جہاد کروں گا''۔

بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ انہوں نے جو کچھ کیا حق تھا۔[2]

حج:

خلفائے راشدین نے حج اور مناسک حج کو نہایت مستعدی کے ساتھ قائم رکھا

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ سلیمان ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ۔ [2] ابوداؤد و بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

تھا۔ بیت الحرام اگرچہ خود مکہ میں تھا لیکن خود اہل مکہ میں حج کا وہ ذوق وشوق نہیں تھا جس کے نشہ میں باہر والے مدہوشانہ آتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو اہل مکہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "اے اہل مکہ یہ کیا ہے؟" کہ لوگ پراگندہ مو آتے ہیں اور تمہارے سر میں تیل پڑا ہوا ہے' جب پہلی کا چاند دیکھو تو فوراً احرام باندھ لو۔[1]

جب حج کا زمانہ آتا تو خود قافلہ سالار ہوتے اور تمام لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم فرماتے موطائے امام مالک میں ہے:

ان عمر بن الخطاب خطب الناس بعرفة و علمهم امر الحج.[2]

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو مسائل حج کی تعلیم دی"۔

حج کے زمانے میں بہت سے لوگوں کو اس خدمت پر مامور فرما دیتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔[3]

کیونکہ عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جانا مناسک حج میں محسوب نہ تھا' جو لوگ احکام حج کی خلاف ورزی کرتے ان پر عموماً گرفت فرماتے ایک بار حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ پڑی تو فرمایا' آپ لوگ دنیا کے لیے نمونہ و مثال ہیں اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ حالت احرام میں طلحہ بن عبیداللہ تو رنگین کپڑے پہنتے تھے' اس قسم کا کوئی کپڑا ہرگز نہ پہنو۔[4]

ایک بار ایک شخص طواف رخصت کیے بغیر چلا گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس کو خود پکڑ کر واپس لائے۔[5]

روزہ:

روزہ ایک نہایت خشک اور بے آب و رنگ عبادت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] موطائے کتاب الحج باب اہلال اہل مکہ ومن بہا من غیرہم۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الحج باب الافاضۃ۔ [3] موطائے امام محمد کتاب الحج باب البیتوتہ بمکۃ لیالی منی۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔ [5] موطائے امام مالک کتاب الحج باب وداع البیت۔

اس کو نہایت شاندار اور بارونق بنا دیا' تراویح کا خاص انتظام کیا اور اس کو باجماعت کر دیا' مسجدوں میں روشنی کروائی اور روزہ داروں کے روزینے مقرر کیے' جس کی مقدار ایک درہم روزانہ تھی' حضرت عثمان نے ترقی دے کر اس مقدار کو دوگنا کر دیا۔[1]

آج رمضان میں جو رونق و شان نظر آتی ہے وہ صحابہ کرام ہی کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔

تحریم مدینہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا' یعنی حدود مدینہ کے اندر کے جانور' درخت اور گھاس بالکل محفوظ تھے اور ان کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگا سکتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ بذات خود اس کی حرمت کا لحاظ رکھتے تھے تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی نگرانی کے لیے ایک خاص عامل مقرر کر دیا تھا تاکہ ملجائے ایمان کا ادب و احترام ہمیشہ قائم رہے۔

نکاح و طلاق:

نکاح و طلاق کے تمام شرائط و احکام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھا اور اس کی پابندی کرائی۔ ایام عدت میں نکاح حرام ہے لیکن ایک عورت نے ایام عدت ہی میں نکاح کر لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو میاں بی بی دونوں کو سزا دی۔[2]

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں ان کے لیے قبل انقضائے عدت گھر سے نکلنا ناجائز ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سختی کے ساتھ اس حکم کی پابندی کرواتے تھے کہ اس قسم کی عورتوں کو حج کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔[3]

نکاح متعہ اگرچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں حرام ہو چکا تھا تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدت کے ساتھ اس کی روک ٹوک کی گئی۔ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے ایک لونڈی کے ساتھ متعہ کیا ہے' گھبرا اٹھے اور چادر گھسیٹتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ یہ متعہ ہے اگر میں نے پہلے سے اس کا اعلان کیا ہوتا تو اس شخص کو سنگسار کرتا۔[4]

---

[1] طبری ص ۲۴۷۴۔ [2] موطائے کتاب النکاح باب جامع مالا یجوز من النکاح
[3] موطا کتاب الطلاق باب مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتی تحل
[4] موطائے کتاب النکاح باب نکاح المتعہ

غرض احادیث کی کتابوں میں عبادات و معاملات کے سینکڑوں احکام اس قسم کے موجود ہیں۔ کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے استحکام و بقاء میں کچھ بھی مداہنت کی ہوتی تو تمام معالم دین مٹ گئے ہوتے اور آج جو حالت قائم ہے وہ آج سے بہت پہلے قائم ہو چکی ہوتی۔

جمع و ترتیب قرآن:

اسلام کا قیام و بقاء تمام تر قرآن مجید کے قیام و بقاء پر موقوف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو آیتیں نازل ہوئی تھی وہ اگرچہ الگ الگ سورتوں میں لکھ لی جاتی تھیں لیکن قرآن مجید منتظم شکل میں مرتب نہیں ہوا تھا[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب غزوہ یمامہ پیش آیا' اور اس میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب کی طرف خاص توجہ ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن لڑائیوں میں شہید ہوئے تو قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا' اس لیے میری رائے ہے کہ آپ جمع و ترتیب قرآن کا حکم صادر فرمایئے لیکن چونکہ یہ ایک نئی بات تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ کام نہیں ہوا تھا' اس لیے اول اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تامل کیا' لیکن بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار سے راضی ہو گئے' اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے طلب فرمایا اور یہ خدمت ان سے متعلق کی' اول اول انہوں نے بھی اس جدید کام کے شروع کرنے میں تامل کیا' لیکن بعد کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو بھی کھول دیا اور انہوں نے اس آفتاب ہدایت کے ذرہ ہائے پریشاں کو جمع کرنا شروع کیا' فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتیں اور وہ سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سورہ براءت کی آخری آیتوں کے لکھنے میں تامل کیا۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰' ۲۰۔ [2] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰

کیونکہ وہ لکھی ہوئی موجود نہ تھیں' لیکن خود بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ کا قول موجود ہے:

فتبعت القرآن اجمعه من العسب و اللخاف و صدور الرجال.

''میں نے قرآن مجید کی جستجو کی اور کھجور کی چھال وغیرہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں سے اس کو جمع کیا''۔

بہرحال قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں نہایت ثبت و احتیاط سے کام لیا گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو لوگ قرآن مجید کی آیتوں کو پیش کریں' وہ جب تک دو گواہ نہ لائیں وہ قبول نہ کی جائیں۔[1]

اس پر نہایت شدت کے ساتھ عمل ہوا' چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیت رجم پیش کی تو چونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا' انہوں نے اس کو نہیں لکھا۔[2]

اس کے بخلاف حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کا پتہ دیا تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا اس لیے وہ قبول کر لی گئی' اس حزم و احتیاط کے ساتھ تمام آیتیں جمع ہو کر الگ الگ سورتوں میں کاغذ پر لکھ لی گئیں' لیکن اس مجموعہ میں سورت کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔[3]

یہ مجموعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا' جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا ان کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کو محفوظ رکھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی قرأت میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت اپنی کتاب میں اختلاف کرے' آپ اس کا تدارک فرمائیے' انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں سے اس مجموعہ کو منگوا لیا' اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ' اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام کو حکم دیا کہ اس کو قریش کی زبان میں لکھیں' ان لوگوں نے اب

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۲۔ [2] اتقان ص ۱۳۷۔ [3] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳'۱۴۔

سورتوں میں بھی ترتیب قائم کی ہے۔[1]

اس طرح جب قرآن مجید کے چند مجموعے تیار ہو چکے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مصحف واپس کر دیا اور تمام صوبوں میں ان کا ایک ایک نسخہ روانہ کیا۔ صحیح بخاری میں ان مصاحف کی تعداد مذکور نہیں اور کتابوں میں مختلف تعدادیں مذکور ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد سات تھی' ایک کو مدینہ میں محفوظ رکھا تھا' بقیہ کو مکہ' شام' یمن' بحرین' بصرہ' اور کوفہ کو روانہ کر دیا تھا' اور صوبوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔[2]

احتساب

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مختلف مدارج قائم کر دیے ہیں:

من رای منکم منکر الفلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان. (مسلم)

''تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں چونکہ تمام اخلاقی طاقتیں زندہ تھیں اس لیے اس مقدس دور میں آخری درجہ کے سوا احتساب کے اور تمام مدارج قائم تھے۔

ایک روز نماز جمعہ کی صف بندی میں اس قدر کشمکش ہوئی کہ آگے کے لوگ پیچھے اور پیچھے کے لوگ آگے ہو گئے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ بے ترتیبی دیکھی تو فرمایا کہ ہم لوگ عہد نبوت میں اس سے احتراز کرتے تھے۔[3]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶۔ [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن میں مذکور ہے اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ان کے حوالے الگ الگ دے دیے ہیں۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصفوف بین السواری۔

ثواب بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے' اس لیے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ پھر آ کر اپنی مسجد میں امامت کرتے تھے ایک روز اسی طرح امامت کی اور سورہ بقرہ پڑھنا شروع کی' ایک کاروباری صحابی جو تھک کر چور ہو گئے تھے' جماعت سے الگ ہو گئے اور الگ نماز پڑھ لی۔ ایک صحابی نے فوراً ٹوکا کہ "تم منافق ہو گئے"۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں' صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جواب جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں' تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔[2]

ایک بار زیاد بن صبیح الحنفی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے بولے کہ نماز میں یہ پھانسی کی وضع[3] رسول اللہ اس سے منع فرماتے تھے۔[4]

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور معمولی طرح سے جھٹ پٹ وضو کر کے چلے' حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ "عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔[5]

علی بن عبدالرحمٰن المعادی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرو"۔[6]

ایک بار انہوں نے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہے بولے اس طرح نہ بیٹھو یہ ان لوگوں کی نشست ہے جن کو عذاب دیا جائے گا۔[7]

حضرت ابوتمیمہ جہمی رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی تھے' ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد بیٹھ کر

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الصلوۃ۔ [2] مسند جلد ۱ ص ۹۶۔ [3] جب پھانسی دی جاتی ہے تو مصلوب کے ہاتھ اسی طرح باندھ دیئے جاتے ہیں [4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب والاقعاء۔

[5] مسند جلد ۶ ص ۲۸۵۔ [6] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الاشارۃ فی التشہد۔

[7] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کراہیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ۔

کچھ وعظ و پند کرتے تھے' اور اس میں قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے' اور جب کوئی آیت سجدہ آ جاتی تھی تو سجدہ کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بار بار منع کیا' وہ باز نہ آئے تو فرمایا' کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ طلوع آفتاب سے پہلے کوئی سجدہ نہیں کرتے تھے۔[1]

ایک بار ایک صحابیہ خوب خوشبو لگا کر مسجد میں گئیں پلٹیں تو راہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سامنا ہو گیا' خوشبو آئی تو پوچھا کہ یہ خوشبو مسجد میں جانے کے واسطے لگائی تھی' بولیں ''ہاں'' فرمایا میں نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''جو عورت مسجد میں جانے کے لیے خوشبو لگائے اس کی نماز اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک پلٹ کر غسل جنابت نہ کر لے''۔[2]

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ اسیران جنگ کو باندھ کر قتل کر ڈالتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی اور عملاً اس کو مٹا دیا' ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس چار کافر گرفتار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو اسی طرح قتل کر ڈالا' حضرت ابو ایوب انصاری کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ ''آپؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اگر مرغیاں بھی ہوتیں تو میں ان کو اس طرح نہ مرواتا''۔[3]

ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کابل میں ایک فوج کے ساتھ تھے' اہل فوج نے مال غنیمت پایا اور باہم لوٹ مار کر کھا گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے سب نے اپنا اپنا حصہ واپس کر دیا'' اور دوبارہ انہوں نے اس کو تقسیم کیا۔[4]

حضرت انس بن مالک حکم بن ایوب کے پاس آئے دیکھا کہ چند نوجوان مرغی باندھ کر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم فیمن یقرأ السجدۃ بعد الصبح۔ [2] ابوداؤد کتاب الترجل باب فی طیب المرأۃ

[3] ابوداؤد کتاب الجھاد باب قتل الاسیر بالنبل۔ [4] ابوداؤد کتاب الجھاد باب فی النھی عن النھبی اذا کان فی الطعام قلتہ فی ارض العدو۔ [5] ابوداؤد کتاب الضحایا باب فی الرفق بالذبیحہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں' دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتے دم تک بھی فرض احتساب سے غافل نہیں ہوتے تھے' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر موت کے آثار طاری ہوئے تو ان کی بی بی رونے لگیں فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تمہیں خبر نہیں" فوراً چپ ہو گئیں[2]

ایک بار حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک چبوترے پر چڑھ کے امامت کی' حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا' اور وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کیا تمہیں خبر نہیں کہ عہد نبوت میں لوگ اس سے روکے جاتے تھے؟ بولے "تم نے دامن کھینچا تو مجھے یاد آیا"۔

مدائن ہی میں ایک دوسرے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تو حضرت حذیفہؓ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ چبوترے سے نیچے اتر آئے۔[3]

ایک بار حضرت امام حسن علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے' حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بھی حسن اتفاق سے آ گئے دیکھا کہ ان کے بال گندے ہوئے ہیں' فوراً ہاتھ سے کھول دیئے' انہوں نے برہم ہو کر ان کی طرف دیکھا' بولے کہ "نماز پڑھیے برہم نہ ہوئیے" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "چوٹی شیطان کا اڈہ ہے"۔

ایک بار اسی وضع کے ساتھ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پیچھے کھڑے ہو گئے اور بال کھولنے لگے' وہ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ میرے سر نے آپ کا کیا قصور کیا تھا؟ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طرح نماز پڑھتا ہے اس کی حالت بالکل اسی شخص کی سی ہوتی ہے جو نماز پڑھے اور اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں۔[4]

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۲۲۵۔ [2] ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی النوح

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم۔

[4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ۔

ایک بار ایک شخص نے جمعہ پڑھا اور اسی جگہ دو رکعت سنت بھی ادا کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو دھکیل دیا اور کہا کہ ''چار رکعت جمعہ پڑھتے ہو'' اس سرزنش کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سنت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کا اتباع کرتے تھے۔[1]

حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو پیچھے سے کھینچ کر ہٹا دیا اور خود میری جگہ کھڑے ہو گئے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ''برا نہ مانو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہی وصیت فرمائی ہے۔'' اس کے بعد قبلہ رو کھڑے ہو کر تین بار فرمایا خدائے کعبہ کی قسم اہل عقد ہلاک ہو گئے خدا کی قسم میں عام لوگوں پر افسوس نہیں کرتا ان پر افسوس کرتا ہوں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے قیس ابن عباد رضی اللہ عنہ نے پوچھا اہل عقد کون لوگ ہیں؟ بولے امراء۔[2]

ایک بار حضرت ہشام بن حکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے' حسن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی سورت پڑھائی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو ان کو قرأت میں اختلاف معلوم ہوا چنانچہ ان کو چادر سے باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور کہا کہ ''جس طرح آپؐ نے مجھ کو پڑھایا ہے ان کی قرأت اس کے مخالف ہے'' آپؐ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے' جس طرح ہو سکے پڑھو۔[3]

ایک بار صحابہ کرامؓ کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے' حضرت ابوبکرؓ آئے اور کوڑا اٹھا کر کہا کہ ''ہم لوگ آپ کے ساتھ جنازے میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے''۔[4]

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بازار میں زیتون کا تیل خریدا' اسی جگہ ایک شخص نے اس کو خریدنا چاہا' نفع ملتا تھا' انہوں نے اس کے ہاتھ فروخت کر دیا' اسی حالت میں پیچھے سے ایک شخص نے ان کی کلائی پکڑ لی مڑ کر دیکھا تو حضرت زید بن ثابتؓ تھے فرمایا کہ ''جہاں خریدا ہے وہیں نہ بیچو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے''۔[5]

---

[1] ابوداؤد الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الجمعہ۔ [2] نسائی کتاب القبلہ۔ [3] ابوداؤد ابواب کتاب الصلوٰۃ باب نزول القرآن علی سبعۃ احرف۔ [4] ابوداؤد کتاب الجنائز باب الاسراع بالجنائز
[5] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ حلقہ قائم کر کے بیٹھے تھے' دو آدمیوں نے کہا اس حلقہ میں کون ہے جو ہمارا فیصلہ کرے گا؟ ایک شخص نے کہا "میں" حضرت ابومسعود انصاری نے کنکری اٹھا کر ماری اور کہا چپ[1] "قضاءت کو جلدی قبول کرنا مکروہ ہے"۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے پاؤں میں گھونگھرو دیکھا تو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ "ہر گھونگرو کے ساتھ شیطان رہتا ہے"۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک لڑکی کے گھونگرو کٹوا دیئے۔[2]

ایک بار ان کی بھیجی حفصہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ چاک کر دیا پھر فرمایا "تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں خدا نے کیا احکام نازل کیے ہیں؟" اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔[3]

ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی' حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ میں خاک اٹھا کر جھونک دی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو۔[4]

سلاطین و امراء کا احتساب درحقیقت جان کی جوکھوں ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت دلیری اور حق گوئی کے ساتھ اس فرض کو ادا فرمایا۔

عہد نبوت میں یہ دستور تھا کہ عیدگاہ میں ساتھ منبر نہیں جاتا تھا اور آپ نماز عید کے بعد خطبہ پڑھتے تھے' بنوامیہ نے یہ دونوں طریقے بدل دیئے' چنانچہ ایک بار مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ "مروان تم نے سنت کی مخالفت کی عیدگاہ میں منبر ساتھ لائے اور خطبہ نماز سے پہلے پڑھا" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے بولے یہ کون ہے؟ اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔[5]

ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن

---

[1] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الجلاجل۔ [3] موطائے امام مالک کتاب اللباس۔ [4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الکراہیۃ التمادح [5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ۔

مسعود رضی اللہ عنہ نے ٹوکا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس جگہ صرف دو رکعت نماز پڑھی ہے اس کے بعد تم لوگوں نے اور طریقے اختیار کر لیے ہیں میں تو اسی دو رکعت کو محبوب رکھتا ہوں[1]

ایک بار حضرت یحییٰ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بی بی کو طلاق باین دی' مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا ان کو گھر سے رخصت کر دیا' حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو کہلا بھیجا کہ ''خدا سے ڈرو عورت کو سسرال ہی میں رہنے دو'' مروان بن الحکم نے جواب دیا کہ ''طلاق باین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو گھر میں نہیں رہنے دیا تھا'' بولیں کہ ''اگر تم فاطمہ کی حدیث پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔''[2]

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا' ابھی مدت معاہدہ گزرنے نہ پائی تھی کہ حملہ کی تیاری کر دی کہ مدت گزرنے کے ساتھ ہی حملہ شروع کر دیا جائے' فوج روانہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عنبسہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا' اللہ اکبر' اللہ اکبر وفائے عہد کرنی چاہیے' بدعہدی جائز نہیں۔[3]

ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے گھر میں گئے دیکھا کہ مصور تصویر بنا رہا ہے بولے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو میری طرح مخلوق پیدا کرتا ہے وہ ایک ذرہ ایک دانہ اور ایک جو تو پیدا کر لے۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بمنی۔

[2] ابوداؤد کتاب الطلاق باب من انکر ذلک یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو سکنی کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اس کو گھر ہی میں عدت گزارنی چاہیے' لیکن فاطمہ بنت قیس کی حدیث اس کے معارض ہے' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال یہ تھا کہ فاطمہ کا گھر نہایت سنسان اور الگ تھلگ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو دوسرے گھر میں عدت بسر کرنے کا حکم دیا تھا' ورنہ قرآن مجید کا اصل حکم اب تک باقی ہے۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسر نحو۔

[4] مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ۔

تجدید واصلاح

عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب اور اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا فرض تھا' اور انہوں نے ہر موقع پر نہایت سرگرمی کے ساتھ اس مقدس فرض کو ادا کیا۔

رسوم جاہلیت کا انسداد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے جن عقائد و اعمال کو مٹا دیا تھا وہ جب کبھی رونما ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سختی کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے تھے' جاہلیت کے زمانے میں بچوں کے سرہانے استرا رکھ دیتے تھے' اور سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعے بچے جنون کے آسیب سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔[1]

عرب میں قاعدہ تھا کہ مردے کی لاش پر نوحہ کرتے تھے' اسلام نے اس کی ممانعت کی لیکن بعد کو کوفہ والوں نے جاہلیت کی اس رسم کو تازہ کیا اور قرظہ بن کعب کی لاش پر اسی طریقہ سے نوحہ و بکاء کیا' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من ینح علیه فانه یعذب بما ینح علیه یوم القیامه.[2]

''جس شخص پر نوحہ کیا گیا اس پر قیامت کے دن اس کی وجہ سے عذاب کیا جائے گا''۔

ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے' وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کیا ہے' اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا کہ یہ جائز نہیں ہے یہ جاہلیت کا کام ہے۔[3]

---

1 ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔ 2 مسلم کتاب الجنائز باب المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ۔
3 بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے وطن طائف آئے تو ان کے قبیلے کے تمام لوگ ملاقات کو آئے اور جاہلیت کے طریقے پر سلام کیا۔

انہوں نے اس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ تم کو اہل جنت کی طرح سلام کرنا چاہیے[1]

شرک و بدعت کا استیصال:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد تک یہ معمول تھا کہ خطبہ عیدین نماز کے بعد دیا جاتا تھا' لیکن جب مروان نے اس سنت کو بدل دیا اور خطبہ کے بعد نماز پڑھانا شروع کی تو اسی وقت ایک شخص نے مخالفت کی اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید کی دوسرے سال مروان عیدگاہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آیا اور ان کو پہلے منبر کی طرف لے جانا چاہا لیکن انہوں نے اس کو نماز کے لیے گھسیٹا اور کہا ابتداء نماز کی کیا ہوئی؟ اس نے کہا آپ کو اس مسئلہ میں جو کچھ معلوم ہے وہ تو ترک کر دیا گیا' لیکن انہوں نے تین بار فرمایا کہ مجھ کو جو کچھ معلوم ہے تم اس سے بہتر روش قائم نہیں رکھ سکتے[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدعات و محدثات کے استیصال کا اس قدر خیال تھا کہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں پر دارو گیر کرتے تھے' ایک بار حضرت عبداللہ بن مغفل کے صاحبزادے نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھ لیا' انہوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ بیٹا یہ بدعت ہے اس سے بچو' شرک و بدعات کی تولید اکثر مذہبی عظمت سے ہوتی ہے جس کے مظہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہایت کثرت سے موجود تھے' لیکن جب کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کر لے گا' تو فوراً اس کی مخالفت کی۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے ہوئے جا رہے ہیں پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا ''ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی'' بولے ''تم سے پہلے اہل کتاب اسی طرح مشرک ہو گئے جس کو نماز پڑھنا ہو وہ نماز پڑھے ورنہ آگے بڑھے۔''[3]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ [2] مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین و بخاری کتاب العیدین۔ [3] وفاء الوفاء ص ۴۴۹۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک شجرۃ الرضوان قائم تھا' اور لوگ متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کو آتے تھے' یہ دیکھ کر انہوں نے اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔[1]

مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانا غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اور اس کو تبرک سمجھ کر گھر لے جاتے ہیں' اس کو مکانوں میں رکھتے ہیں' دوستوں کو بطور سوغات تقسیم کرتے ہیں قرآن میں رکھتے ہیں مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریضوں کو اس کی ہوا دیتے ہیں' لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی' متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے مصرف کا نہ رہے' شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے' حضرت عائشہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے' خدا اور رسول نے اس کا حکم نہ دیا' اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے' اس لیے شیبہ سے کہا' یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کیا تو کوئی مضائقہ نہیں تم کو چاہیے کہ بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔[2]

اصلاح اخلاق:

اسلام میں ہر مصلح اخلاق کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق کو قائم رکھے' اور ان کو غیر قوموں کے اخلاق کے ساتھ مخلوط نہ ہونے دے' دوسرے یہ کہ جو اخلاق اصول مذہب' اصول انسانیت اور اصول شرافت کو صدمہ پہنچاتے ہیں' ان کا استیصال کرے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے دور خلافت میں یہ دونوں فرض نہایت مستعدی کے ساتھ ادا کیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کو تحفظ اخلاق عرب کی ہدایت فرمائی اور لکھا کہ:

ادنو الخيل و انتسلو او اياكم و اخلاق الاعاجم و ان لا تجلسوا على مائدة يشرب عليها الخمر و لا يحل لمومن و لا مومنة يدخل الحمام الا بميزر الامن سقم.[3]

[1] ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۹۱۔ [2] عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

''گھوڑوں کو قریب رکھو' تیراندازی کرو اور اخلاق عجم کے اختیار کرنے' اور ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے جس پر شراب پی جائے احتراز کرو کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی بیماری کے حمام میں بلا تہبند باندھے نہائے''۔

فتوحات عجم کے بعد نرد بازی شطرنج بازی و مرغ بازی وغیرہ تضیع اوقات کے کھیل ملک میں پھیلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی' حضرت عائشہ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے خاندان میں کسی کو نرد کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اس کو مارتے اور نرد توڑ ڈالتے۔[1]

ایک بار کچھ لوگ شطرنج کھیل رہے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا:

ماهذه التماثيل التى انتم لها عاكفون.[2]

''یہ تصویریں کیا ہیں جن کے سامنے تم نے سر جھکا لیا ہے''۔

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہو گئے تھے' جن میں سے ایک باذق یعنی بادہ تھا' چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بناء پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں بالاعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک نہ بھگوئے جائیں' پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا ''اگر تمہارے خم کے پانی سے نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کو منع فرمایا ہے۔''[3]

ایک دفعہ شام کی چند عورتیں حضرت عائشہ کی زیارت کو آئیں' رومیوں کے اختلاط سے وہاں کی عورتیں بھی حمام میں برہنہ غسل کرتی تھیں' فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو عورت اپنے گھر سے باہر کپڑے اتارتی

---

[1] ادب المفرد باب الادب و اخراج الذین یلعبون بالزور موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی النرد۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ میسرہ بن حبیب۔ [3] سنن نسائی کتاب الخمر

ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ دری کرتی ہے۔[1]

قدیم زمانے میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال گر پڑتے تھے وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی تھی' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عربی عورتوں نے بھی یہ روش اختیار کر لی وہ حج کو آئے تو ایک سپاہی کو مصنوعی بال کا ایک گچھا دے دیا' اور منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس گچھے کو ہاتھ میں لے کر فرمایا:

یا اهل المدینه این علماء کم سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینهی عن مثل هذه و یقول انما هلکت بنو اسرائیل حین اتخذ هذه نساء هم.[2]

"اے اہل مدینہ! تمہارے علماء کہاں ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنو اسرائیلی اسی وقت برباد ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس کو اختیار کیا"۔

ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میری بیٹی دُلہن بنی ہے' لیکن بیماری سے اس کے بال گر گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[3]

عرب میں بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ بہت کچھ تو خود بخود اسلام کے اثر سے مٹ گئیں اور جو رہ گئیں تھیں ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالکل مٹا دیا' مثلاً "فخر و غرور" کہ اس کے اظہار کی ایک صورت یہ تھی کہ لوگ لڑائیوں میں قبائل کی جے پکارتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکماً منع کر دیا۔[4]

اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز شاعری کی اصلاح تھی کیونکہ شعراء لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے' اور ان سے سینکڑوں اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جرم قرار دیا اور ہجو گوئی پر شعراء کو سزا دی' چنانچہ ایک بار نجاشی نے تمیم بن مقبل کی ہجو لکھی' انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور شعار پر تو کوئی گرفت نہیں کی لیکن جب یہ شعر سنا۔

---

[1] مسند جلد ۶ ص ۱۷۳۔ [2] بخاری کتاب بدا الخلق و کتاب الادب۔ [3] مسند جلد ۶ ص ۱۱۱۔ [4] کنز العمال۔

اولئك اولاد الهجين و اسرة اللیم و رهط العاجز المتذلل

یعنی یہ لوگ دو غلے کمینہ خاندان اور عاجز اور ذلیل قبیلہ کے ہیں۔

تو فرمایا کہ اب اس شعر پر معاف نہیں رکھ سکتا' چنانچہ اس کو قید کیا اور کوڑے لگائے [1]

حطیہ مشہور ہجو گو شاعر تھا ایک بار اس نے زبرقان بن بدر کی ہجو کہی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

دع المکارم لاترحل لبغیتها واقعد فانك انت الطاعم الكاسی

''فضائل چھوڑ دے اس کے حاصل کرنے کے لیے سفر نہ کر۔ اور بیٹھ جا کیونکہ تو صرف کھانے اور پینے والا آدمی ہے''۔

زبرقان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''یہ ہجو ہے'' انہوں نے کہا ''ہاں'' اس پر انہوں نے حطیہ کو تہ خانہ میں قید کر دیا' اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تو یہ قول لے کر چھوڑا کہ پھر کسی کی ہجو نہ کہے گا۔[2]

ہجو کے علاوہ شعراء اشعار میں علانیہ اپنے معشوقوں کے نام لیتے تھے' اور ان کے حسن کی تعریف کرتے جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام شعراء کو حکم دیا:

لا يشبب احد بامراة الاجلده.[3]

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تشبیب نہ کرے ورنہ اس کو سزا دی جائے گی''۔

اصلاح بین الناس:

اسلام نے عرب کے قدیم بغض و کینہ کو مٹا کر تمام مسلمانوں کو اتحاد اتفاق کی جس سنہری زنجیر میں جکڑ دیا تھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حتی المقدور کبھی اس کی کڑیوں کو جدا نہیں ہونے دیا' حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں نے جب ان کے خون کا بدلہ لینا چاہا تو انہوں نے خود نہایت ایثار نفسی کے ساتھ فرمایا:

لا تقتلوا انی قد تصدقت بدمی علی صاحبه لا صلح بذالک بینکم.[4]

---

[1] اصابہ تذکرہ تمیم بن مقبل۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عروہ بن مسعود

''میرے بارے میں جنگ وجدل نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کر دیا تا کہ اس ذریعہ سے تم لوگوں میں مصالحت ہو جائے''۔

ان کے اصل قاتل حضرت اوس بن عوف رضی اللہ عنہ تھے' اس لیے مدت تک ان کو عروہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ابو ملیح بن عروہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسود رضی اللہ عنہ کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہا' چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کی تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو انتقام سے روکا اور ان سب کو باہم ملا دیا' اور سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجو یہ اشعار کہنے پر اس قدر سختی اس لیے کی تھی کہ باہم لوگوں میں ناچاقی نہ ہونے پائے' چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قریش کی ہجو میں جو اشعار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کہے تھے' قریش کے اسلام لانے کے بعد ان کے پڑھنے کی ممانعت کر دی کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔[2]

اصلاح معاش:

اصلاح معاش کے یہ معنی ہیں کہ معاش کے ناجائز طریقوں کو مٹا کر' جائز طریقوں کو ترقی دی جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دونوں فرض ادا کیے۔

ایک بار حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کو ایک مجمع میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ کھیل رہے ہیں برہم ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس کی کمائی کھاتے ہیں' سور کا گوشت کھاتے ہیں اور خون سے وضو کرتے ہیں۔[3]

ایک بار دو شخصوں نے ایک مرغ پر بازی لگائی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو مرغ کو مار ڈالنا چاہا ایک شخص نے کہا ایسی امت کو قتل کرتے ہو جو خدا کی تسبیح خواں ہے اس لیے چھوڑ دیا۔[4]

ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ جب اس کی گھوڑیاں بچھیرے جنتیں تو اس خیال سے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ اوس بن عوف۔ [2] آغانی تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ۔

[3] ادب المفرد باب الغناء واللہو۔ [4] ادب المفرد باب قمار الدیک۔

ذبح کر دیتا کہ جب تک یہ سواری کے قابل ہوں گے' میں زندہ کب رہوں گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ایک تحریری حکم بھیجا کہ:

اصلحوا ما رزقکم اللہ فان فی الا مر توسعًا.

"خدا تم کو جو کچھ دے اس کی اصلاح کرو کیونکہ زندگی میں بڑی وسعت ہے"۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ہدایت کی کہ اگر تم سنو کہ دجال نمودار ہو گیا ہے اور تمہارے ہاتھ میں کھجور کا ایک پودا ہو تو اطمینان سے اس کو لگاؤ کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہیں گے۔[1]

ارشاد و ہدایت

دنیا اندھیرے میں بھٹک رہی تھی' نیکی کا چراغ گل ہو گیا تھا' بدی کی گھٹا افق عالم پر چھا گئی تھی کہ اسی حالت میں غار حرا سے ایک چاند نکلا اور دنیا اجالی ہو گئی' لیکن یہ جو کچھ ہوا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت' وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کا نتیجہ تھا' اس لیے آپؐ کے بعد دنیا پھر اندھیری ہو جاتی اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سلسلے کو قائم نہ رکھا ہوتا۔

پند و نصیحت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہمہ وقت ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے تاہم یہ ایک ایسا اہم فرض تھا کہ اس کے لیے آپؐ نے ایک وقت مخصوص کر لیا تھا۔ اور ایک روز کا ناغہ دے کر مستمراً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ و پند فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ روش قائم رکھی' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جمعرات کے دن کو وعظ و پند کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔[2]

نمونہ و مثال:

آفتاب کسی کو اندھیرے میں بھٹکنے نہیں دیتا' لیکن بااین ہمہ زبان سے کچھ نہیں کہتا

---

[1] ادب المفرد باب اصطناع المال۔

[2] مسلم کتاب المنافقین واحکامہم باب الاقتصاد فی الموعظۃ و بخاری کتاب العلم۔

بلکہ اپنی شعاعوں کو بھیج دیتا ہے جو نہایت خاموشی کے ساتھ ہر شخص کی انگلی پکڑ کر سیدھی راہ پر لگا دیتی ہیں خلفاء راشدین بھی آفتابِ نبوت کا پرتو تھے اس لیے وہ ارشاد و ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے ایسی روشن مثالیں پیش کرنا چاہتے تھے جن کو دیکھ کر ہر شخص خود بخود سیدھی راہ پالے۔

ایک دفعہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا لوگو! تم امام ہو اور تمام دنیا تمہاری تقلید کرتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی جاہل آدمی اس کپڑے کو دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہ بن عبیداللہ حالت احرام میں رنگین کپڑے پہنتے تھے پس اے لوگو! اس قسم کا کپڑا ہرگز نہ پہنو۔[1]

وعظ گوئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اس کا رواج نہیں ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جن کے عہد خلافت میں اس کی ایجاد ہوئی اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ان کی اجازت سے کھڑے ہو کر وعظ کیا۔[2]

چنانچہ اس طریقہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص وعظ کو محض گرمی محفل کا ذریعہ بنانا چاہتا اور اس میں تکلف و تصنع سے کام لیتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت سختی کے ساتھ روک ٹوک کرتے واعظین گرمی مجلس کے لیے مقفی و مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لیے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ابن ابی السائب تابعی نے یہ طریقہ اختیار کیا تو انہوں نے ان سے خطاب کر کے کہا تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو ورنہ بزور تم سے باز پرس کروں گی عرض کیا ام المومنین وہ کیا باتیں ہیں فرمایا دعاؤں میں مسجع عبارتیں نہ بناؤ اس لیے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کہا کرو اگر یہ کافی نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن لوگوں کو خدا کی کتاب سے اکتا نہ دو ایسا نہ کرو کہ جہاں لوگ بیٹھے ہوں آ کر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الحج باب لبس الثیاب المصبغۃ فی الاحرام۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۹

سنانا شروع کر دو بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کریں تب کہو۔[1]

کلمات طیبہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے جو کلمات طیبہ نکل گئے وہ بھی ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں داخل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لوگوں میں اس طرح رہو جس طرح اڑنے والی شہد کی مکھی کہ اس کو ہر چڑیا اپنے آپ سے کمزور سمجھتی ہے لیکن اگر اس کو معلوم ہوتا کہ اس کے پیٹ میں کیا برکت بھری ہوئی ہے تو وہ ایسا نہ کرتی لوگوں کے ساتھ جسم اور زبان سے ملے جلے رہو لیکن دل اور عمل سے الگ رہو"۔[2]

ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "علم ایک چشمہ ہے، جس پر لوگ آتے ہیں اور اس سے نالیاں نکالتے ہیں اور خدا اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی حکمت خاموش ہو تو وہ جسم بے روح ہے، اگر کوئی علم لٹایا نہ جائے تو وہ مدفون خزانہ ہے عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تاریک راستے میں چراغ دکھاتا ہے تاکہ لوگ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو دعا دیں"۔[3]

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور بھی بہ کثرت مقولے ہیں جن کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد جلد ۶ ص ۲۰۷

[2] دارمی باب فی اجتناب الاہواء۔

[3] دارمی باب البلاغ رسول اللہ ﷺ وتعلیم السنن۔

جہاد

جہاد کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمات کی تفصیل حسب ذیل عنوانات میں کی جا سکتی ہے:

(۱) جہاد کی حقیقت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا خیال تھا؟

(۲) عہد نبوت کے نظام فوجی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذہبی اور اخلاقی سرگرمیوں کا کس قدر حصہ شامل تھا۔

(۳) خلفائے راشدین نے اس نظام کو کس قدر ترقی دی؟

جہاد کی حقیقت:

مؤرخین یورپ کے نزدیک جہاد اسلام کی حقیقت کا لازمی جزو ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اسلام کی حقیقت اس سے بالاتر تھی' کہ اس کے مایہ خمیر میں خون کے اجزاء شامل کیے جائیں چنانچہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے کلمہ توحید' نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج" یعنی جہاد اسلام کی حقیقت سے خارج ہے' اس کا جزو نہیں ہے[1]

عہد نبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فوجی نظام:

عام خیال ہے کہ عہد نبوت تک اسلام میں کوئی فوجی نظام نہیں قائم ہوا تھا۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی آواز کا معجزانہ اثر تھا کہ تمام صحابہ ایک جھنڈے کے نیچے آ کر جمع ہو جاتے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک بھی یہی حالت قائم رہی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک باضابطہ نظام فوج قائم کیا لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی ایک مستقل نظام فوج قائم

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس۔

کرلیا تھا' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہبی جوش اور اخلاقی طاقت نے اس کو نمایاں ترقی دی تھی۔

تمام قوم کا فوج بنانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال انصار کے نوخیز لوگوں کا جائزہ لیتے تھے اور پندرہ سالہ نوجوانوں کو فوج میں داخل کرتے تھے۔ آج اس تمدنی زمانہ میں بھی جب کہ ہر شخص قومیت و وطنیت کا ترانہ گا رہا ہے' اکثر لوگ اس قسم کی جبری خدمت سے انکار کرتے ہیں' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش مذہبی کا یہ حال تھا کہ بچہ بچہ بشوق فوج میں شامل ہونا چاہتا تھا اور اگر کسی کو اس دینی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہیں ملتی تھی تو اس کو سخت ملال ہوتا تھا' ایک بار آپ نے انصار کے نوجوانوں کا جائزہ لیا اور ایک نوجوان کو شریک فوج ہونے کی اجازت عطا فرمائی' حضرت سمرہؓ نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا' لیکن آپؐ نے کمسنی کی وجہ سے ان کی درخواست منظور نہیں کی' اس بنا پر ان کو سخت صدمہ ہوا' اور مایوسی کے لہجے میں کہا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے اس لونڈے کو اجازت دے دی اور مجھے قبول نہ فرمایا' حالانکہ اگر کشتی ہو تو میں اس کو پچھاڑ دوں' اب آپ نے دونوں میں کشتی کرائی اور سمرہؓ نے اس کو پچھاڑ دیا' اس لیے آپؐ نے ان کو بھی شریک جہاد ہونے کی اجازت دی۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس ذوق و شوق سے شریک جہاد ہوتے تھے' اس کے متعلق احادیث و رجال کی کتابوں میں بہ کثرت واقعات مذکور ہیں' ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں اس قسم کی متعدد مثالیں مختلف عنوانات میں جمع کر دی ہیں۔ اس موقع پر ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

فوجی شعار:

مہاجرین و انصار کو اگرچہ اخوت اسلامی نے بھائی بھائی بنا دیا تھا' تاہم صف جنگ میں دونوں اپنے مخصوص قومی شعار کی بناء پر الگ الگ نظر آتے تھے' اور یہ ان کے جوش و مسابقت کا بڑا سبب تھا' انصار کا شعار عبدالرحمٰن اور مہاجرین نے اپنا شعار عبداللہ قرار دیا تھا۔

قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ٹکڑوں کو بھی بطور شعار کے پڑھا جاتا تھا۔[2]

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سمرہ بن جندبؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الرجل ینادی بالشعار۔

فوجی کی تقسیم:

اخیر میں جب اسلام کا فوجی نظام بالکل مکمل ہوگیا' تو میدان جنگ میں فوجوں کی تقسیم بھی قومی حیثیت سے کی گئی' چنانچہ فتح مکہ میں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب المغازی میں مذکور ہے تمام قبائل کے دستے الگ الگ قائم کیے گئے تھے۔

فوجی تعلیم وتربیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوجی تعلیم و تربیت میں کدوکاوش کی ضرورت پیش نہیں آئی' خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تیراندازی کا ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا' کہ مغرب کے بعد مسجد سے نکل کر تیر کا نشانہ لگاتے تھے[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی اس ذوق کو اور بھی ترقی دیتی تھی۔ ایک بار آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیراندازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

ارموا یا بنی اسماعیل ان اباکم کان رامیا.

''اے بنواسمٰعیل تیراندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیرانداز تھا''۔

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیراندازی میں باہم مسابقت کرتے تھے' چنانچہ اسی موقعہ پر جب آپ نے فرمایا کہ میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں' تو دوسرے قبیلہ کے لوگ رک گئے' اور کہا کہ جب آپ خود ان کے ساتھ ہیں تو ہم کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ تیر پھینکو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔[2]

تیراندازی کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے' اور اس میں تمام صحابہ شریک ہوتے تھے' بعض صحابہ نے پیدل دوڑنے کی مشق کی تھی' چنانچہ اس وصف میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ خاص طور پر ممتاز تھے' اور اس مشق کی بدولت ان کو مختلف فوجی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

شہسواری اور تیراندازی کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فن جنگ میں اور بھی جدید ترقیاں کیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غیلان بن

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب وقت المغرب

[2] بخاری کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی

سلمہ رضی اللہ عنہ کو جرش بھیجا کہ وہاں سے منجنیق اور حبابہ کے استعمال کا طریقہ سیکھ کر آئیں' چنانچہ وہ لوگ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئے تو طائف کے محاصرہ میں ان آلات کا استعمال کیا گیا[1]

یہ طبری کی روایت ہے لیکن مواہب لدنیہ میں ہے کہ فن جنگ میں یہ جدید اضافہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ دوسی کی بدولت ہوا' زرقانی نے اس کی شرح میں یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے اور واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق کا استعمال حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے کیا گیا۔[2]

غزوہ احزاب میں خندق انہی کے مشورے سے کھودی گئی اور کفار نے اس کو اس قدر جدید اور عجیب چیز سمجھا کہ سب کے سب یک زبان ہو کر بول اٹھے۔

ان هذا لمكيدة ما كانت العرب تصنعها.[3]

''یہ ایک ایسی چال ہے جس سے اہل عرب بالکل ناآشنا تھے''۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام:

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشوق غزوات میں شریک ہوتے تھے' اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں' ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا' اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دلسوزی سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جب معرکہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے شریک جہاد ہونے کی اجازت دی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔[4]

غزوۂ خیبر میں بغیر جبر واکراہ کے متعدد عورتیں شریک جہاد ہوئیں آپ کو ان کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا' اور ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی

---

[1] طبری ص ۱٦٦۹ واقعات ۸ھ۔ [2] زرقانی جلد ۳ ص ۳۲۔ [3] طبقات ابن سعد کتاب المغازی ص ۴۹۔

[4] [illegible]

اجازت سے آئی ہو؟ بولیں' یا رسول اللہ ﷺ ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں' ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے' لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کے پلاتے ہیں۔[1]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں' کھانا پکاتی تھیں اور مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[2]

غزوۂ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں وہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کے لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔[3]

حضرت ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنہا کا بیان ہے' کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے' پانی پلاتے تھے' مجاہدین کی خدمت کرتے تھے اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔[4]

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ قائم کر رکھا تھا' جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے' وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں' چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔[5]

جہاد کے لیے ساز و سامان:

شوق جہاد نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے بہادر سپاہی تو جمع کر دیئے لیکن اسلام کی غربت مصارف جہاد اور آلات حرب کا کیا سامان کرتے؟ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تکمیل مقاصد جہاد کے لیے جان کی طرح مال کو بھی قربان کر دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس طرح غزوہ عسرہ کی تیاری میں اپنا تمام مال وقف کر دیا' وہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے ان کے علاوہ اور تمام صحابہ اس کارِ خیر میں حصہ لیتے تھے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد نفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی بار بار قرآن مجید میں ذکر کیا ہے احادیث میں اس قسم

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المراۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ۔ [2] مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضخ لہن ولا یسہم والنہی عن قتل صبیان اہل الحرب۔ [3] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ النساء مع الرجال۔ [4] بخاری کتاب الجہاد باب النساء والقتلی۔ [5] اصابہ تذکرہ رفیدہ رضی اللہ عنہا

کی فیاضیوں کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کی ضرورت کے لیے ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا تھا[1]

حضرت ابو معقل رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جوان اونٹ تھا انہوں نے اس کو جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔[2]

ایک صحابی ایک اونٹنی کی ناک میں نکیل لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خدا کی راہ میں دیتا ہوں ارشاد ہوا کہ "قیامت کے دن خدا تم کو اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں دے گا۔[3]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سی زرہیں تھیں جن کو انہوں نے جہاد کے لیے وقف کر دیا۔[4]

حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں تین ہزار نیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی' چنانچہ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نیزے کفار کی ریڑھ کی ہڈیاں توڑ رہے ہیں"۔[5]

عہد نبوت میں انفاق فی سبیل اللہ اسلام کی سب سے بڑی علامت تھی حضرت رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے' جن پر نفاق کا شبہ کیا جاتا تھا' ایک بار ان کے ہتھیار چوری ہو گئے بعد کو ملے تو انہوں نے جہاد کے لیے وقف کر دیا' اب لوگوں کے دل سے نفاق کا شبہ دور ہو گیا۔[6]

خلافت راشدہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فوجی نظام:

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جو فوجی نظام قائم کیا اس پر مادی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مادی حیثیت سے صرف اس قدر ترقی

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الرجل یبتاع صدقتہ و بخاری کتاب الزکوۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب العمرۃ۔ [3] مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الصدقۃ فی سبیل اللہ وتضعیفھا۔ [4] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی تعجیل الزکوۃ۔ [5] اسد الغابہ جلد۵ ص۴۶۔ [6] ترمذی ابواب التفسیر القرآن۔

ہوئی کہ مساویانہ تعداد میں فوج کے مختلف دستے قائم کیے گئے۔ اور ہر دستے کے الگ الگ سپہ سالار قرار دیئے گئے' چنانچہ ان کے عہد میں اول اول شام کی طرف جو فوج بھیجی گئی اس میں ہر کمانڈر کی ماتحتی میں تین تین ہزار سپاہی دیئے گئے' اس کے بعد متصل کمک نے اس تعداد کو بڑھا کر ساڑھے سات ہزار تک پہنچا دیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دستوں کو قومی حیثیت سے مرتب کیا تھا اور تمام امرائے فوج کو حکم دیا تھا کہ ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ جھنڈا قائم کیا جائے' انہوں نے امیر الامراء کا ایک نیا عہدہ بھی قائم کیا جو گویا تمام فوج کا کمانڈر انچیف تھا اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس عہدے پر مامور کیے گئے۔[1]

دستہ بندی کی وجہ سے ان کے زمانے میں فن جنگ میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ عرب کو چونکہ ہمیشہ ایک ناتربیت یافتہ فوج سے لڑنا پڑتا تھا' اس لیے حالت جنگ میں فوج کسی ترتیب و نظام کی پابند نہ تھی' غیر مرتب صفیں قائم ہو جاتیں تھیں اور ہر صف کی الگ الگ معرکہ آرا ہوتی تھی' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب بمقام یرموک رومیوں سے جنگ ہوئی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کی فوج کی ترتیب و نظام کو دیکھا' تو تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

و لا تقاتلوا قوما علی نظام و تعبیة علی تساند و انتشار.

''ایسی مرتب فوج سے متفرق طور پر نہ لڑو''۔

چنانچہ انہوں نے فوج کے ۳۶ دستے قائم کیے' اور ہر دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر کیے' ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے:

و اول ابطل الصف فی الحروب و صار الی التعبیة کرادیس مروان ابن الحکم.[2]

''پہلا شخص جس نے جنگ میں صف بندی کے طریقہ کو موقوف کر کے الگ الگ دستے قائم کیے مروان بن حکم تھا''۔

لیکن یہ تاریخی غلطی ہے اس کی ابتداء خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہو گئی تھی چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۱۰۔ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۰۰۔

و خرج خالد فی تعبیة لم تعبها العرب قبل ذلک.

''اور خالد نے فوج کو اس طرح آراستہ کیا کہ عرب نے اس سے پہلے اس قسم کی آراستگی نہیں دیکھی تھی''۔

اس ترتیب و نظام سے فوج کے مختلف شعبے مثلاً قلب، میمنہ، اور میسرہ قائم ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان میں اور بھی اضافہ ہوا۔

اخلاقی حیثیت سے خلفائے راشدین کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو جس قانون جنگ کا پابند بنایا تھا' اس کو وہ بھی قائم رکھیں' اور اس کی محافظت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو جس اخلاقی قانون کا پابند بنایا تھا' اس کی دفعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۲۔ بدعہدی نہ کی جائے۔

۳۔ مقتولین کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ بچے' عورتیں' بوڑھے اور راہب نہ قتل کیے جائیں۔

۵۔ مسلمانوں کی آبادی پر حملہ نہ کیا جائے۔

۶۔ لوگوں کی جائیداد اور مویشیوں سے تعرض نہ کیا جائے۔

۷۔ اسیران جنگ کو ان کے اعزاء و اقارب سے جدا نہ کیا جائے۔

۸۔ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم کے مباشرت نہ کی جائے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے شدت کے ساتھ اس قانون کی محافظت کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف فوج بھیجی تو امیر العسکر کو حسب ذیل وصیتیں کیں۔

انک تجد قوما زعموا انهم حبسوا انفسهم لله فذرهم و انی موصیک بعشر لا تقتلوا امراة و لا صبیا و لا کبیرا هر ما و لا تقطعن شجرا ثمراً و لا تخربن عامرا و لا تعقرن شاة و لا بعیرا لا کله و لا تحرقن نخلا و لا تعرقنه و لا تغلل و لا تجبن[1]

[1] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزوۃ۔

"تم ایک ایسی قوم (راہب) کو پاؤ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت خدا کے لیے وقف کر دیا ہے ان کو چھوڑ دو میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں' عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرو' پھل دار درخت کو نہ کاٹو' آبادی کو ویران نہ کرو' بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرو نخلستان میں آگ نہ لگاؤ' مال غنیمت میں بددیانتی نہ کرو اور نامرد نہ بنو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان قوانین کا نہایت احترام کیا' اور فوج کو عام طور پر ہدایت فرمائی:

فان قاتلو کم فلا تغدر و اولا تغلوا و لا تمثلوا و لا تقتلوا ولیدا۔[1]

"اگر وہ تم سے لڑیں تو بدعہدی نہ کرو' خیانت نہ کرو' مقتولین کے اعضا نہ کاٹو' اور بچوں کو قتل نہ کرو"۔

ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ فوجی لوگ امان دے کر بدعہدی کرتے ہیں تو سپہ سالار فوج کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہو' اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہو کہ "مترس" یعنی نہ ڈرو لیکن جب ان پر قابو پا جاتے ہو تو ان کو قتل کر ڈالتے ہو' اگر اب کوئی شخص اس بدعہدی کا مرتکب ہوا تو خدا کی قسم اس کی گردن اڑا دوں گا"۔[2]

لیکن اس اخلاقی قانون کے تحفظ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مادی حیثیت سے بھی نظام فوج کو نہایت ترقی دی' چنانچہ ان ترقیوں کی تفصیل یہ ہے۔

1. ایک مستقل محکمہ فوج قائم کیا۔ تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کروائے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔
2. ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل بنوائے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کہ بوقت ضرورت فوجی تیاریوں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ باہلی کے متعلق تھا' اور اس وجہ سے وہ سلمان الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔[3]

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۰۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الجہاد باب ماجاء فی الوفاء بالامان۔
[3] اسد الغابہ تذکرہ سلمان الخیل۔

گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے متعدد چراگاہیں قائم کرائی تھیں جن کو حمی کہتے ہیں۔

3. ملک میں مختلف چھاؤنیاں قائم کیں' بالخصوص سرحدی اور ساحلی مقامات کو نہایت مستحکم اور محفوظ کیا۔

4. رسد کا مستقل محکمہ قائم کیا جس کو اہراء کہتے تھے۔

5. سپاہیوں کو بھتہ دیا جس کو عربی میں معونہ کہتے ہیں جو سپاہی نادار ہوتا تھا اس کو سواری ملتی تھی۔

6. فوج کی صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں مثلاً۔

① جو سرد ممالک ہوتے تھے وہاں گرمیوں میں اور گرم ممالک میں جاڑوں کے موسم میں فوجیں روانہ کرتے تھے۔

② فصل بہار میں عموماً ان مقامات میں فوجیں بھیجتے تھے جن کی آب و ہوا خوشگوار اور وہ سرسبز و شاداب ہوں[1]

③ بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کرتے تھے۔

④ کوچ کی حالت میں فوج کو حکم تھا' کہ لوگ جمعہ کو شب و روز قیام کر کے دم لے لیں ہر روز اس قدر مسافت طے کی جائے کہ لوگ تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ اس مقام پر ڈالا جائے جہاں ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں مل سکیں۔

7. رخصت کا باقاعدہ انتظام تھا' جو فوجیں دور دراز مقامات پر رہتی تھیں' ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی۔ چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی[2]

8. فوج کے ساتھ قاضی' افسر خزانہ' محاسب' طبیب' جراح' اور مترجم مقرر کیے جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا' پہلے اس کی تفصیل لکھی جاتی تھی' محاسب اس کو تقسیم کرتا تھا' طبری میں ہے:

كان الا خماس يكتب و يحسب.[3]

---

[1] طبری ص ۲۴۸۶۔ [2] ابوداؤد کتاب الخراج باب تعقیب الجیوش۔ [3] طبری ص ۲۴۸۶

''خمس لکھا جاتا تھا اور اس کا حساب کیا جاتا تھا''۔

9 سفر مینا کا انتظام کیا اور یہ کام زیادہ تر ذمیوں سے لیا' وہی پل باندھتے تھے' سڑک بناتے تھے' بازار لگاتے تھے' اور تمام خدمتیں مسلمانوں کے حسن سلوک کی بناء پر بخوشی انجام دیتے تھے۔

10 ذمی جاسوسی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے لیکن ان کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود متعدد جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو ان کو ایک ایک جزئیات کی خبر دیتے رہتے تھے' تاریخ طبری میں ہے کہ: و كانت تكون لعمر العيون في كل جيش.

''ہر فوج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاسوس رہتے تھے''۔

۱۱۔ مقتولین و مجروحین کو میدان جنگ سے اٹھانے کے لیئے خاص خاص اشخاص مقرر کیے جاتے تھے' تاریخ طبری میں ہے:

و كل سدرجا لا ينقل الشهداء.[1]

''حضرت سعد نے شہداء کو اٹھانے کے لیے اشخاص مقرر کیے''۔

شہداء کی لاشیں آتی تھیں تو بچے اور عورتیں قبر کھود کھود کر ان کو دفن کرتی تھیں۔[2]

غزوۂ بحریہ:

بحری جنگ کی تحریک اور ابتداء اول اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بحری جنگ کی طرف توجہ دلائی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا' کہ جب کوئی نیا کام کرنا ہوتا تھا' تو کافی معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کی ابتداء فرماتے تھے' اس لیے پہلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بحری حالات دریافت فرمائے اور انہوں نے اس کو ایک پرخطر کام بتایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غزوات بحریہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو اس کی طرف سے توجہ ہٹالی اور مسلمانوں کو اس کی ممانعت فرمائی[3] لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش جہاد کے لیے زمین کی

---

[1] طبری ص ۲۳۰۴۔ [2] طبری ص ۲۳۱۷۔

[3] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۷۷ و طبری ۲۴۴۶۔

وسعت کافی نہ تھی' اس لیے باوجود اس ممانعت کے حضرت علاء بن حضرمیؓ اور حضرت عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ ازدی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ناکام بحری حملے کیے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی ناکامی کا حال معلوم ہوا تو سخت زجر و توبیخ کی اور معزولی کی دھمکی دی۔[1]

اس کے بعد ان کے عہد خلافت میں کوئی بحری جنگ نہیں ہوئی' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ جوش دوبارہ تازہ ہوا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابتداء ہی سے رومیوں کے ساتھ بحری جنگ کا خیال تھا' انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس خیال کو ظاہر بھی کیا تھا' لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہوں نے پھر یہ درخواست کی پہلے تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تم کو اس سے روکا تھا۔'' انہوں نے دوبارہ خواہش ظاہر کی تو اجازت دی' چنانچہ انہوں نے ۲۸ھ میں انقضاء موسم سرماء کے بعد قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا اور وہاں سے چند شرائط پر صلح کر کے واپس آئے' ۳۲ھ میں ان لوگوں نے بعض شرائط صلح کی خلاف ورزی کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پانچ سو جہازوں کے ساتھ دوبارہ حملہ کر کے قبرص کو فتح کر لیا اور وہاں عرب کی نو آبادیاں قائم کیں' مسجدیں تعمیر کیں اور ایک شہر آباد کیا اس کے بعد غزوات بحریہ کا عام سلسلہ قائم ہو گیا' اور برابر قائم رہا' اسد الغابہ میں ہے۔

كان خبادة بن اميه على غزو الروم فى البحر لمعاوية من زمن عثمان الى ايام يزيد۔[2]

''خبادہ بن امیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے یزید کے زمانہ تک امیر معاویہ کی جانب سے رومیوں کے ساتھ غزوہ بحریہ میں مشغول رہے''۔

طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن قیس حارثی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر البحر مقرر کیا تھا' اور انہوں نے پچاس بحری لڑائیاں کیں جن میں مسلمانوں کا ایک آدمی بھی ضائع نہ ہوا۔[3]

جہاز سازی کا کارخانہ:

ایسے عظیم الشان بحری حملے جس میں پانچ پانچ صد جہازوں کا بیڑا سطح سمندر پر

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۵۹' ۱۶۰۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ خبادہ بن امیہ۔ [3] طبری ص ۲۸۲۴۔

تلاطم انداز ہو بغیر جہاز سازی کے کارخانے کے نہیں کیے جا سکتے تھے' اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے تھے' جن میں پہلا کارخانہ مصر میں ۵۴ھ میں قائم کیا گیا تھا۔[1]

علامہ بلاذری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اور تمام ساحلی مقامات پر بھی جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے تھے' چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

کانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بجمع الصناع و النجارين فجمعوا و رتبهم في السواحل و كانت الصناعة في الاردن لعكا.

''جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر میں تھا' لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے کاریگر اور بڑھئی جمع کیے گئے اور ان کو انہوں نے تمام ساحلی مقامات پر مقرر کیا اور اردن میں بمقام عکا جہاز سازی کا کارخانہ تھا''۔

یہ کارخانہ مدتوں قائم رہا لیکن ہشام بن عبدالملک نے اس کو صور میں منتقل کر دیا۔[2]

---
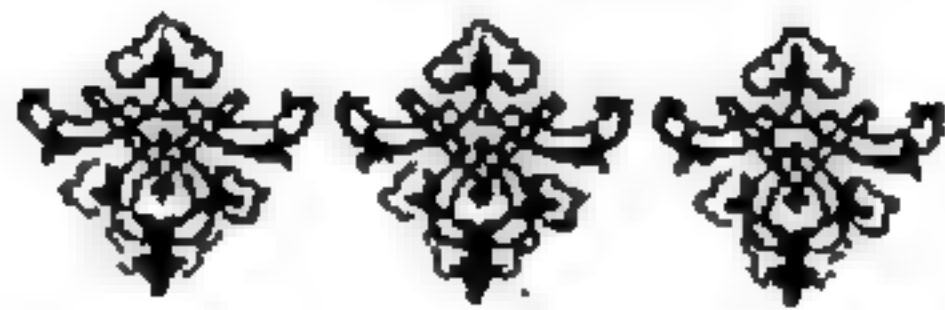
[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۱۹۹۔

[2] فتوح البلدان ص ۱۲۴ عربی میں صناعۃ کے لفظ کا جیسا کہ علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے جہاز سازی کے کارخانہ پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

فتوحات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے علل واسباب

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اخلاق' نظام عمل اور نظام عقائد کی تحلیل کی جائے تو ان فتوحات کے اہم اور اصولی اسباب حسب ذیل قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

❶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کی فتح کے لیے اٹھے تو ان کے سامنے ایک خاص مقصد تھا' جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطمع نظر قرار دیا تھا' چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خیبر میں علم فتح عنایت فرمایا تو ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی فرمائے:

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم.

"اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔

لیکن جس قوم سے بادۂ ہدایت کے ان متوالوں کا مقابلہ ہوا ان کے دل اس کیف سے بالکل خالی تھے' ان کا فوجی نظام اگرچہ نہایت مکمل تھا' تاہم ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا' وہ خارجی قوت سے لڑنا چاہتے تھے' حالانکہ فوج صرف اندرونی طاقت سے لڑتی ہے' خود فرانس کا مشہور مورخ لیبان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا سبب اسی مقصد جلیل اور اسی قوت ایمانیہ کو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنی مشہور فلسفیانہ کتاب سر تطور الامم میں لکھتا ہے:

"اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کے زمانے کی تاریخ پر غور کریں (حالانکہ ابتدائی فتوحات عادۃً مشکل اور اہم ہوتی ہیں) تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان کا مقابلہ ان حریفوں سے ہوا جن کا نظام فوج اگرچہ نہایت مستحکم تھا' تاہم ان کی اخلاقی طاقت ضعیف ہوگئی تھی عرب کی فوج نے اول اول شام کی طرف پیش قدمی کی جہاں ان کو بیزنطائن فوج سے سابقہ پڑا جو ان افراد سے مرکب تھی۔ جو کسی مقصد

کے لیے اپنے اندر جان فروشی کا جذبہ نہیں رکھتی تھی۔ لیکن عرب کی قوت ایمانیہ ان کی تعداد کو کئی گنا بڑھا دیتی تھی اس لیے ان کو ایسی کھوکھلی فوج کے شیرازہ کے پراگندہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی''۔[1]

❷ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک عظیم الشان سبب تھی، محبت و اطاعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس شمع ہدایت کا پروانہ بنا دیا تھا، اور وہ صرف جان دے کر اس سے جدا ہو سکتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ نے کہا کہ ''میں تمہارے سامنے ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہوں جو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے'' تو اس طنز آمیز فقرے نے جان نثاران رسول ﷺ کے دلوں پر نشتر کا کام کیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا ''ہم اور آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''۔[2]

غزوۂ بدر میں جب آپؐ نے کفار کے مقابلہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلایا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح یہ کہہ کر الگ ہو جائیں۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا.

''تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونوں مل کر لڑو''۔

بلکہ ہم آپؐ کے دائیں سے بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے، لڑیں گے چنانچہ یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو فرط مسرت سے آپ کا چہرہ دمک اٹھا۔[3]

غزوہ حنین میں معرکہ کا وقت آیا تو آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو بلائیں انہوں نے آواز دی تو وہ لوگ لبیک کہہ کر اس جوش کے ساتھ ٹوٹ پڑے جس طرح بچے والی گائیں اپنے بچوں پر ٹوٹتی ہیں۔[4]

جان نثاری رسول اللہ ﷺ کے عنوان میں اس قسم کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں اور ان تمام مثالوں کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو قوم اپنے پیغمبر کی اس

---

[1] سر تطور الامم مطبوعہ مصر ص ۲۶۵۔ [2] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اہل الحرب۔ [3] بخاری کتاب المغازی باب قصۃ غزوۃ بدر۔ [4] مسلم کتاب الجہاد باب فی غزوۂ حنین۔

قدر جان نثار ہو اس کی محبت میں اس قدر سرشار ہو اس کی اس قدر اطاعت گزار ہو اس کی حکومت کا پھریرا افق عالم پر لہرا سکتا تھا یا اس قوم کا؟ جس نے اپنے پیغمبرؑ سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾

''تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم تو اسی جگہ بیٹھتے ہیں''۔

3 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک بڑا سبب تحمل مشاق تھا تحمل مشاق فوج کے نظام اخلاق کا نہایت ضروری عنصر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوجی خدمات کے ادا کرنے میں جس قدر جسمانی تکلیفیں اٹھائیں ہیں اس کی نظیر سے دنیا کی مذہبی اور سیاسی تاریخ خالی ہے' بنو اسرائیل کو وادی تیہ میں کوئی فوجی خدمت انجام نہیں دینی پڑتی تھی' ان کو بھوک اور پیاس کی شدت کا مقابلہ کرنا نہیں پڑتا تھا ان کے لیے آسمان سے من وسلویٰ اترتا تھا' اور زمین سے چشمے ابلتے تھے' تاہم وہ فوجی زندگی کے ابتدائی امتحان میں بھی پورے نہیں اترے اور گھبرا کر بول اٹھے۔

﴿ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ﴾

''ہم ایک ہی کھانے پر قناعت نہیں کر سکتے ہمارے لیے خدا سے دعا کرو کہ زمین سے ترکاری کھیرے' گیہوں' مسور اور پیاز اگائے''۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک غزوہ میں فی کس صرف ایک کھجور ملتی تھی' جس کو وہ بچوں کی طرح چوس کے پانی پی لیتے تھے' درخت سے پتے جھاڑ لاتے تھے' اور اس کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔[1]

ایک غزوہ میں سامان رسد ختم ہو گیا' تو صحابہ کرام کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے۔[2]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی دواب البحر

[2] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار۔

غزوہ احزاب میں سامان رسد اس قدر کم تھا کہ صحابہ مٹھی بھر جو اور سڑی ہوئی چربی پر بسر کرتے تھے۔[1]

ایک غزوہ میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان صرف ایک سواری تھی' اس لیے پیدل چلتے چلتے تلووں میں سوراخ ہو گئے تھے' پاؤں کے ناخن گر پڑے تھے' مجبوراً تمام صحابہ کو پاؤں میں چیتھڑے باندھنے پڑے۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔ جس کے معنی چیتھڑے کے ہیں۔[2]

4. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک سبب ان کا بے باکانہ اقدام تھا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے مدین میں داخل ہونا چاہا تو بیچ میں دریا پڑتا تھا۔ لیکن اس سیلاب کو یہ دریا کیوں کر روک سکتا تھا؟ تمام صحابہؓ نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے' اور اس کو عبور کر کے شہر میں داخل ہونا چاہا ایرانیوں نے اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ ''دیوان آمدند'' اور یہ کہہ کر شہر کو خالی کر دیا۔[3]

5. فوجی نظام اخلاق کا اصلی عنصر صبر و استقلال ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ہر موقع پر صبر و استقلال کی تعلیم دی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ. ﴾

''اے پیغمبر! مسلمانوں کو جہاد کے لیے ابھارو اگر تم میں بیس شخص بھی صاحب استقلال ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے' کیونکہ وہ کچھ نہیں سمجھتے''۔

فیض تربیت نبوی ﷺ نے اس عنصر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظام اخلاق کا ایک لازمی جزو بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. ﴾

اس لیے سخت سے سخت فوجی مشکلات میں وہ ثابت قدم رہے' اور آخر غالب

---

[1] بخاری غزوۂ خندق۔ [2] مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذات الرقاع۔ [3] طبری ص ۲۴۴۱

آئے' رسول اللہ ﷺ نے طائف پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگ قلعہ بند ہو گئے اور آپ واپس پلٹ آئے حضرت صخر رضی اللہ عنہ کمک لے کر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ واپس تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک قلعہ مسخر نہ ہو جائے گا' وہ واپس نہ آئیں گے' چنانچہ انہوں نے محاصرہ کیا اور قلعہ مسخر ہو گیا۔[1]

ایک بار رومیوں نے مسلمانوں کے مقابل میں ایک لشکر گراں جمع کیا حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطرے کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھا کہ مسلمان بندے پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد خدا اس کو اطمینان و سکون عطا فرماتا ہے' ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی' خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں خود فرماتا ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

"مسلمانو! صبر کرو باہم صبر کی تلقین کرو' استقلال اختیار کرو اور خدا سے ڈرو شائد تم کامیاب ہو جاؤ"۔

6 اگر فوج میں ایک بد دیانت سپاہی بھی شامل ہے تو وہ پوری فوج کی مادی اور اخلاقی طاقت کو بے اثر کر سکتا ہے' اس کو حرص و طمع ہر قسم کی منافقت پر آمادہ کر سکتی ہے' وہ ہر قسم کی نمک حرامی کر سکتا ہے' وہ در پردہ دشمن کا جاسوس بن سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چند پیسوں پر اپنے فوجی مقصد کو قربان کر سکتا ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

ما ظهر الغلول في قوم قط الا القى في قلوبهم الرعب.[2]

"کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خیانت پیدا ہوا اور مرعوب نہ ہو جائے"۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیصر و کسریٰ کے دربار کے سامان دیکھے' دنیا نے ان کے آگے اپنا خزانہ اگل دیا' ان کے سامنے زر و جواہر کے انبار لگ گئے تاہم ان میں کوئی چیز ان کی دیانت کو صدمہ نہ پہنچا سکی۔ ایران کی فتح کے بعد جب دربارِ خلافت میں کسریٰ کی مرصع

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب اقطاع الارضین۔ [2] طبری ص ۲۶۹٦

تلوار اور زریں کمر بند آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "جس قوم نے ان چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ایک متدین قوم ہے"۔

یہی دیانت تھی جس نے صحابہ کے سامنے فتوحات کے دروازے کھول دیئے چنانچہ جب اصطخر فتح ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا کم و کاست مال غنیمت کو امیر العسکر کے سامنے لا کر رکھ دیا تو اس نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں کہا اسلام اور اہل اسلام کی تمام ترقیاں اسی وقت تک ہیں جب تک لوگ خیانت نہ کریں' لیکن جب بد دیانتی شروع ہو گی تو نادیدنی چیزیں دیکھنے میں آئیں گی اور زیادہ اتنا کافی نہ ہو گا جتنا تھوڑا ہوتا ہے۔[1]

7 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک سبب ان کا مساویانہ طرزِ عمل تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں نے انسانوں کے جو مختلف طبقے قائم کر دیئے تھے' اس کا ناگوار احساس خود رعایا کو ہو چکا تھا' اس لیے ان میں مدافعت کا وہ شریفانہ جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ جو خود ارکانِ سلطنت کے دلوں میں موجود تھا' چنانچہ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ قید کر کے رستم کے دربار میں پیش کیے گئے تو وہ بے تکلف رستم کے برابر تخت پر جا کر بیٹھ گئے ایرانیوں کو یہ کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا' خدامِ بارگاہ جھپٹے اور ان کو فوراً تخت سے اتار دیا' اس موقع پر انہوں نے کہا کہ پہلے ہم صرف تمہارے قصے سنتے رہے' لیکن آج مجھے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نظر نہیں آتی ہم عرب لوگ باہم مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا' میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہماری طرح ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہو گے' اس لیے یہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے خود مجھے بتا دیا کہ تم میں بعض لوگ بعض لوگوں کے خدا ہیں' اب تمہاری سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ میں نے اس راز کے انکشاف کے لیے خود کوئی کوشش نہیں کی' تم نے بلایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اب تم لوگ مغلوب ہو گئے' کیونکہ اس طرز عمل سے کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا اس آزادانہ تقریر کو سن کر طبقہ سفلی کے اصلی جذبات ابھر آئے' اور سب کے سب ہم زبان ہو کر بول اٹھے کہ خدا کی قسم یہ عرب سچ کہتا ہے' دہقانوں

---

[1] طبری ص ۲۶۹۰۔

نے کہا کہ اس نے ہمارے غلاموں کے دل کی بات کہہ دی۔[1]

اس کے برخلاف اسلامی فوج میں اصول مساوات سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جنگ ایران میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے ان کے سامنے چند ایرانی رئیسوں نے نہایت لذیذ کھانے پیش کیے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا تم نے اسی طرح کے کھانوں سے تمام فوج کی ضیافت کی ہے؟ بولے "نہیں" فرمایا ابوعبیدہ بدترین شخص ہوگا اگر ایک قوم کو ساتھ لے کر آئے جو اس کے آگے اپنا خون بہائے اور پھر وہ اپنے آپ کو ان پر ترجیح دے' وہی کھائے گا جس کو سب لوگ کھاتے ہیں۔[2]

اس مساوات نے خود مخالفین کو یقین دلا دیا تھا کہ اس قوم کے سامنے اب ان کے عرش کے پائے متزلزل ہو جائیں گے' چنانچہ جب رومیوں سے جنگ ہوئی تو قبقلار نے ایک عربی جاسوس کو بھیجا کہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا پتہ لگائے اس نے پلٹ کر خبر دی کہ یہ لوگ راتوں کو تو راہب رہتے ہیں اور دن کو شہسوار بن جاتے ہیں' اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی کوئی چیز چرائے تو اس کے ہاتھ کاٹ لیتے ہیں اور اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کرتے ہیں یہ سن کر قبقلار خود بول اٹھا کہ اگر یہ سچ ہے تو میرے لیے یہی بہتر ہے کہ میں پیوند خاک ہو جاؤں۔[3]

8 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کو ذمیوں کی ہمدردی اور اعانت نے بھی بہت کچھ ترقی دی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ذمیوں کے ساتھ جو سلوک کیا' اس نے ان کو اس قدر گرویدہ کر لیا کہ جب یرموک میں رومیوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خیال سے کہ اب وہ ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتے جزیہ و خراج کی کل رقم ان کو واپس کر دی' تو اہل حمص نے کہا کہ تمہاری عادلانہ حکومت ہم کو اپنی قدیم ظالمانہ حکومت سے زیادہ پسند ہے' ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہرقل کی فوج سے معرکہ آرا ہوں گے یہودیوں نے تورات کی قسم کھا کر کہا کہ جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں ہرقل کا عامل حمص میں داخل نہیں ہو سکتا۔[4]

---

[1] طبری ص ۲۲۷۴۔ [2] طبری ص ۲۱۷۱۔ [3] طبری ص ۲۱۲۶۔ [4] فتوح البلدان ص ۱۴۴۔

اس گرویدگی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہی لوگ تمام فوجی کام جن پر فوج کی کامیابی کا دار و مدار ہے انجام دیتے تھے' جاسوسی کرتے تھے' مینا بازار لگاتے تھے' اور دشمن کی خبریں لاتے تھے' معجم البلدان میں ہے:

و كان الدهاقين ناصحو المسلمين و دلوهم على عورات فارس و اهدواهم و اقامو اللهم الاسواق[1]

"دہقانوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی ان کو ایرانیوں کی کمزوریاں بتائیں اور ان کو راستہ دکھایا اوران کے لیے بازار لگائے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حریفوں کو اس طرز عمل نے خود یقین دلا دیا تھا کہ جو قوم معاہدہ کی اس قدر پابند ہو اس کی اخلاقی طاقت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا' چنانچہ جب مسلمانوں کی فوج سے ایک رومی قیدی بھاگ نکلا اور ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہیں' جس قوم سے معاہدہ کرتے ہیں اس سے ہر چیز بہ قیمت لے کر کھاتے ہیں اور جس شہر میں داخل ہوتے ہیں امن وامان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں' ہرقل نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے کی زمین تک کے مالک ہو جائیں گے۔[2]

9 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کا ایک سبب ان کا اتحاد و ائتلاف تھا' اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

"خدا وہ ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا اگر تم زمین کا کل خزانہ صرف کر دیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہ ملا سکتے' لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کیا اور اللہ غالب اور دانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اور اس اتحاد نے رسول ﷺ کو دنیا کی ہر مادی طاقت

---

[1] معجم البلدان ذکر کوفہ۔ [2] طبری ص ۲۳۹۵

سے بے نیاز کر دیا تھا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اے پیغمبر تیرے لیے خدا اور مسلمان کافی ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اتحاد کو قائم رکھا' اور جب اس میں کسی قسم کا ضعف پیدا ہوا تو اس کی اصلاح کی' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ قریش نے مختلف مجلسیں قائم کر لی ہیں' اور باہم مل جل کر نہیں بیٹھتے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مختلف مجلسیں قائم کر لیں ہیں اور اب یہ امتیاز قائم ہو گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں یہ فلاں کا دوست ہے اور وہ فلاں کا ہمنشیں ہے' خدا کی قسم یہ تمہارے مذہب کو تمہارے شرف کو اور تمہارے تعلقات کو بہت جلد برباد کر دے گا' اور گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس کے بعد کہیں گے کہ یہ فلاں کی رائے ہے' اور اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے' ایک ساتھ نشست و برخاست کرو کیونکہ وہ ہمیشہ تمہاری محبت کو قائم رکھے گا اور دشمن تمہارے اجتماع کو دیکھ کر مرعوب ہوں گے۔[1]

⑩ ان اسباب کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی اوصاف مثلاً مذہبی پابندی' وفا' صدق' اصلاح اور مواسات وغیرہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات کو بہت کچھ ترقی دی' صحابہ کرام کی مادی طاقت کا غیر قوموں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ عجمیوں نے جب ان کے تیر دیکھے تو نہایت حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ ''یہ تکلے ہیں'' لیکن ان کی روحانیت عجمیوں کے بڑے بڑے جنرلوں کو مرعوب کر دیتی تھی' ایک بار بمقام قادسیہ صبح کی اذان ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس تیزی سے نماز ادا کرنے کے لیے دوڑے کہ ایرانیوں کو دھوکا ہوا کہ حملہ کرنا چاہتے ہیں' لیکن جب رستم نے دیکھا کہ وہ ایک روحانی آواز پر اس قدر جلد جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود بول اٹھا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ میرا کلیجہ کھا گیا''۔[2]

اسی جنگ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہوا اور اس نے مسلمانوں کے اخلاقی منظر کو دیکھا تو مسلمان ہو گیا اور کہا کہ جب تک تم میں یہ وفا' یہ صداقت' یہ اصلاح یہ مواسات

---

[1] طبری ص ۲۷۵۶۔ [2] طبری ص ۲۲۹۱

ہے تم لوگ شکست نہیں کھا سکتے۔[1]

۱۱۔ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ظاہری شان وشوکت کچھ کم مؤثر اور ان کا ظاہری جوش و خروش بھی کچھ کم مرعوب کن نہ تھا' حضرت حارث بن یزید رضی اللہ عنہ بکری کا بیان ہے کہ میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی ہے' سیاہ جھنڈیاں لہرا رہی ہیں' حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار لگائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر روانہ فرما رہے ہیں۔[2]

فتح مکہ کے زمانہ میں کفار کو اس جوش اور اس ظاہری شان وشوکت کا نہایت مؤثر اور مرعوب کن منظر نظر آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار جان نثار شریک تھے' اور آپؐ نے ہر قبیلے کے الگ الگ دستے بنائے تھے' جب یہ پرجوش فوج روانہ ہوئی تو اس کی روانگی سے پہلے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جوش سے مرعوب کرنا چاہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو یہ پر اثر منظر دکھائیں' ابوسفیان کو انہوں نے ایک مقام پر روک لیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ دستے ترتیب ونظام کے ساتھ روانہ ہوئے تو ہر دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرا انہوں نے پہلے دستے کے متعلق حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ یہ کس قبیلے کے لوگ ہیں؟ بولے ''غفار'' بولے مجھے ان سے غرض نہیں' اسی طرح جہینہ' سعد بن ہذیم اور قبیلہ سلیم کے دستے گزرے اور انہوں نے نام پوچھ کر کہا کہ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں سب کے آخر میں ایک عظیم الشان دستہ گزرا جس کے علم بردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے' ابوسفیان نے ان کا نام پوچھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یہ انصار ہیں'' اخیر میں ایک چھوٹا سا دستہ گزرا جس کے علمبردار حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے اور خود شمع نبوت انہی پروانوں کے جھرمٹ میں تھی' آپ مقام حجون میں پہنچے تو آپ کا علم نصب کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جوش سے حملہ آور ہوئے کہ ابوسفیان بول اٹھے کہ ''آج قریش کا باغ اجڑ گیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کوئی فوجی خدمت انجام دیتے تو یہ جوش اور بھی تازہ ہو

---

[1] طبری ص ۲۳۶۴۔ [2] ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۂ ذاریات۔

جاتا' غزوۂ خندق کے زمانے میں موسم نہایت سرد اور رسد کا سامان اس قدر کم تھا کہ:

یؤتون بملاء کفی من الشعیر فیصنع لھم باھالة سنخة توضع بین یدی القوم و القوم جیاع و ھی بشعة فی الحلق و لھا ریح منتن.

''صحابہ کے پاس مٹھی بھر جو آتا اور سڑی ہوئی بدبودار بدمزہ چربی کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا اور اس گرسنہ قوم کے سامنے یہ بدمزہ اور اور بدبودار کھانا رکھ دیا جاتا''۔

زمین اس قدر سخت تھی کہ بعض پتھروں کے توڑنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجموعی طاقت نے جواب دے دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی معجزانہ طاقت سے کام لینا پڑا' لیکن بااین ہمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جوش کا یہ حال تھا کہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدًا علی الجهاد ما بقینا ابدا

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کی ہے۔ اس وقت تک کے لیے جب تک زندہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھ کر اس جوش کو تازہ کرتے رہتے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا و لا تصدقنا و لا صلینا

خدا کی قسم اگر خدا ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فانزلن سکینة علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

پس اے خدا ہم پر اپنا سکینہ نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔

ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنة ابینا

ان لوگوں نے (کفار نے) ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ جب وہ لوگ جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں تو ہم اس سے ابا کرتے ہیں۔

جب اخیر مصرع پر پہنچتے تو آواز نہایت بلند ہو جاتی اور مکرر فرماتے ''ابینا' ابینا'' [1]

۱۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی مستعدی اور سرگرمی نے بھی غزوات میں بہت کچھ کامیاب کیا اور ان کو مختلف جنگی خطرات سے محفوظ رکھا۔

ایک بار آپؐ سفر میں تھے' کفار نے ایک جاسوس کو بھیجا' وہ آ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

1 بخاری غزوۂ خندق

کے پاس بیٹھا اور چپکے سے نکل گیا' آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر قتل کر ڈالو' حضرت اکوع رضی اللہ عنہ نہایت مستعد تیز رو اور سرگرم صحابی تھے' سب کے آگے نکل گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

ایک دوسرے سفر جہاد میں مسلمانوں کی فوجی حالت نہایت ابتر تھی' اکثر لوگ پاپیادہ تھے' فوج میں بہت کمزور لوگ شامل تھے' اتفاق سے کفار کا ایک جاسوس آیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام فوجی کمزوریوں کو دیکھ بھال کر چلتا ہوا' قبیلہ اسلم کے ایک مستعد صحابی نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو جا لیا' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی پیچھے پیچھے تھے' اب انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اس کو زمین پر بٹھا دیا اور تلوار کھینچ کر اس کی گردن اڑا دی۔[1]

ایک بار عبدالرحمٰن بن عیینہ نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپہ مارا' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو نہایت تیزی کے ساتھ پہلے مدینہ کا رخ کیا اور عرب کے طریقہ پر تین بار یا ''صباحاہ'' کا نعرہ مارا پھر پلٹ کر ان کا تعاقب کیا' وہ اگرچہ تنہا تھے اور دشمن تیر پر تیر برساتے تھے اور تلوار پر تلوار چلاتے تھے' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف تمام اونٹنیوں کو واپس لیا بلکہ ڈاکو بھاگے اور اس سرعت اور بدحواسی کے ساتھ بھاگے کہ ۳۰ سے زیادہ نیزے اور ۳۰ سے زیادہ چادریں بھی چھوڑتے گئے۔[2]

تعمیر مساجد

مسجد قباء اور مسجد نبوی کی عالمگیر شہرت نے اگرچہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی اور تمام مسجدوں کو گم نام کر دیا ہے' تاہم تاریخ رجال اور احادیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے متصل ہر جگہ بہ کثرت مسجدیں تعمیر کی تھیں اور ان میں باجماعت نماز ہوتی تھی' فتح الباری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لقد لبثنا بالمدينة قبل ان يتقدم علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسنين نعمر المساجد و نقيم الصلاة.[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الجاسوس المستامن۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السریہ ترد علی اہل عسکر۔ [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۱۹۱۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے تھے اور ان میں نماز پڑھتے تھے''۔

دارقطنی میں ہے کہ مسجد نبوی کے متصل قبیلہ بنو عمر' بنو ساعدہ' بنو عبید' بنو سلمہ' بنوراتج' بنو زریق، اسلم، جہنیہ، اور بنوسنان کی نو مسجدیں آباد تھیں جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی صدا پہنچنے کے ساتھ جماعت شروع ہوتی تھی۔[1]

اس روایت کا ایک راوی یعنی ابولہیعہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے' امام بخاری نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس باب میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنوزریق کا نام لیا ہے' طبقات ابن سعد میں ہے۔

و لجھینۃ مسجد بالمدینۃ. ''مدینہ میں جہنیہ کی ایک مسجد ہے''۔[2]

اصابہ میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی۔[3]

صرف انہی قبائل کی خصوصیت نہیں بلکہ کوئی قبیلہ' کوئی محلہ اور کوئی گاؤں مسجد سے خالی نہ تھا' مسند ابن حنبل میں ایک مدنی سے روایت ہے کہ میں نے مسجد بنوغفار میں نماز پڑھی[4] اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس قبیلہ کے امام خفاف بن ایماء ابن رحضہ غفاری تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبیلہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں دیکھا[5] اسی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر خطمی رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنوخطمہ کی مسجد کے امام تھے۔ ابوسفیان عبدی کے حال میں صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ وہ بنو صباح کی مسجد کے موذن تھے' انصار کی جو آبادیاں تھیں سب میں الگ الگ مسجدیں قائم تھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو قصبے آباد تھے' عاشورہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان میں عام منادی کرا دیتے تھے' کہ جو لوگ روزہ دار ہیں اپنے

---

[1] دارقطنی کتاب الصلوۃ باب تکرار المساجد۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۶۷۔
[3] اصابہ تذکرہ حضرت ابومریم جہنی۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۷۔
[5] اسد الغابہ تذکرہ حضرت ثابت ابن الصامت انصاری۔

روزے پورے کرلیں اور جو افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن کا روزہ رکھیں چنانچہ صحابہ اپنے بچوں کو لے کر مسجدوں میں نکل جاتے تھے۔[1]

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک گاؤں میں آئے جس میں قبیلہ بنو معاویہ آباد تھا' اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی۔[2]

قبائل اور آبادیوں کے علاوہ مدینہ کے راستوں میں بہ کثرت مسجدیں آباد تھیں۔ اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے:

باب المساجد التی علی طرق المدینة و المواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے۔

ان تمام مساجد میں بہت سی مسجدیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک قائم تھیں چنانچہ جن مساجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی' انہوں نے ان کو دوبارہ منقش پتھروں سے تعمیر کروایا۔[3]

وفاء الوفاء میں ان مسجدوں کا مفصل حال لکھا ہے ہم اس موقع پر ان کی ایک مختصر فہرست درج کرتے ہیں۔

مسجد جمعہ:

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پہلا جمعہ ادا فرمایا تھا' اس لیے وہ مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہوگئی۔

مسجد فیضخ:

یہ مسجد قبا کے مشرقی جانب وادی کے کنارے ایک بلند مقام پر واقع تھی۔ اس کا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب من اکل فی عاشورہ فلیکف بقیہ یومہ۔ [2] موطائے کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الدعاء۔ [3] فتح الباری جلد اول ص ۴۷۱۔

ایک نام مسجد الشمس بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ بظاہر یہ ہے کہ بلند مقام پر ہونے سے سورج کی شعاعیں سب سے پہلے اسی مسجد پر پڑتی ہیں۔

مسجد بنو قریظہ:

بنو قریظہ کے مکانات کے کھنڈر اس کے متصل تھے' حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تیمار داری کے لیے جو مسجد متعین کر دی تھی' وہ بظاہر یہی مسجد تھی۔

مشربہ ام ابراہیم:

یہ ایک باغ کے اندر ایک بالا خانہ تھا' اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں' آپ نے چونکہ اس میں نماز ادا فرمائی تھی اس لیے اخیر میں اس نے مسجد کی صورت اختیار کر لی' تاہم کوئی دیوار قائم نہیں کی گئی بلکہ ادھر ادھر سے پتھر کھڑے کر دیئے گئے۔

مسجد بنو ظفر:

یہ مسجد بقیع کے مشرقی جانب واقع تھی۔

مسجد بنو معاویہ:

اس مسجد کا نام مسجد اجابہ بھی ہے جس کی وجہ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الفتن میں ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا قبول ہوئی تھی۔

مسجد فتح:

چونکہ غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فتح کی دعائیں مانگی تھیں اس لیے اس کا ایک نام مسجد احزاب بھی ہے' جس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے اس کے آس پاس اور تین مسجدیں تھیں جو اسی نام سے موسوم تھیں۔

مسجد قبلتین:

یہ مسجد وادی عقیق کے کنارے واقع تھی' بعض لوگوں کے نزدیک چونکہ تحویل قبلہ اسی مسجد میں ہوئی تھی' اس لیے اس کا یہ نام پڑ گیا۔

مسجد السقیا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک قطعہ زمین تھا جس میں کنواں تھا جس کو سقیاء کہتے تھے' یہ مسجد اسی کنوئیں کے متصل آباد تھی۔

مسجد ذباب:

ذباب ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر یہ مسجد واقع تھی۔

مسجد احد:

یہ مسجد کوہ احد کے متصل واقع تھی۔

ان مساجد کے علاوہ وفاء الوفا میں اور مسجدوں کے نام بھی مذکور ہیں جن کو ہم اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں۔

مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاوہ عرب کے جن ممالک میں اسلام پھیلا وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجدیں تعمیر کیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو بت شکنی کے لیے طائف بھیجا تو حکم دیا کہ جہاں جہاں یہ بت نصب تھا' وہیں وہیں مسجد تعمیر کی جائے تا کہ خدا وہاں پوجا جائے جہاں پوجا نہیں جاتا تھا۔[1]

آفتاب اسلام کی شعاعیں سواحل یمن پر پڑیں اور یہاں کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لایا تو اس قبیلہ نے جو مسجد تعمیر کی اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مسجد نبوی کے بعد جمعہ کی سب سے پہلی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔[2]

صنعاء میں بھی کوہ ضبیل کے پاس ایک مسجد تھی' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں حضرت دبر بن یحنس کلبی رضی اللہ عنہ کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا تو فرمایا کہ اس مسجد میں جانا۔[3]

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست پر اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور اس

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ تمیم بن غیلان بن سلمہ الثقفی۔ [2] بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن۔
[3] اصابہ تذکرہ حضرت دبر بن یحنس کلبی رضی اللہ عنہ۔

کو چھڑک کر وہاں مسجد بنا لو۔ چنانچہ ان لوگوں نے واپس جا کر حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی

ابوداؤد میں ایک روایت ہے:

كان رسول الله ﷺ يا مرنا بالمساجد ان نصنعها في ديارنا و نصلح صنعتها و نطهرها.

''رسول اللہ ﷺ ہم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے دیار میں عمدہ مسجدیں بنائیں اور ان کو پاک و صاف رکھیں''۔

ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور میں اس حدیث کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجدیں تھیں جو آپؐ کے حکم سے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے گھروں میں بنا لیتے تھے' لیکن دیار کے لفظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باہر کے مسلمانوں کے متعلق ہوگا۔ بہر حال اسلام جہاں جہاں پھیلا وہاں مسجدیں تعمیر ہوئیں' یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ کہیں فوج کشی کرتے تھے' تو ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے:

اذا رايتم مسجدا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدا.[1]

''اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو''۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں فتوحات کے ساتھ ساتھ جابجا اسلام اور مسلمان دونوں پھیل گئے اس لیے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بہ کثرت مسجدیں تعمیر کروائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو نہایت مختصر اور پر آشوب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہر شہر میں کم از کم ایک ورنہ بعض بعض شہروں میں متعدد مسجدیں تعمیر ہوئیں' چنانچہ انہوں نے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے[2] کوفہ آباد کیا گیا تو

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

[2] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۲۳ ذکر جوامع' حسن المحاضرہ کی اصل عبارت یہ ہے' لما افتتح عمر البلدان' كتب الى ابى موسىٰ وهو على البصرة بامره ان يتخذ مسجد الجماعة و يتخذ للقبائل مساجد فاذا كان يوم الجمعه انضموا الى مسجد الجماعت و كتب الى سعد بن ابى وقاص وهو على كوفة بمثل ذالك و كتب الى عمرو بن العاص و هو على مصر بمثل ذالك كتب الى امراء اجناء الشام ان لا ينبذ والى القرى و ان ير بوالمدائن و ان يتخذ وافى كل مدينة مسجد واحد اولا يتخذ القبائل مساجد و كان الناس متمسكين بامر عمر وعهده.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں چنانچہ جب کوفہ والوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ ٹھیک طور پر نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک مسجد میں ان کی تحقیقات کروائی[1] اسی طرح بصرہ کی آبادی کے ساتھ ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[2]

عراق فتح ہوا تو ہر جگہ مسجدیں تعمیر کی گئیں سب سے پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدائن میں جامع مسجد تعمیر کروائی پھر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت کو اور وسیع و مستحکم کیا' اس کے بعد بہ ترتیب کوفہ اور انبار کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[3]

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ موصل کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے ایک مسجد تعمیر کروائی[4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے حضرت ہرثمہ بن عرفجہ البارقی کو وہاں کا والی مقرر کیا تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کی ایک مستقل نو آبادی قائم کی اور ان کے لیے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔[5]

حضرت سعید بن عامر بن خدیم رضی اللہ عنہ جزیرہ کے والی مقرر ہوئے تو رقہ اور رہا کی مسجدیں تعمیر کرائیں ان کے انتقال کے بعد حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ان کے قائم مقام ہوئے تو دیارِ ربیعہ اور دیارِ مضر میں متعدد مسجدیں بنوائیں۔[6]

مصر فتح ہوا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہاں نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اور تقریباً اسی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا قبلہ سیدھا کیا اس مسجد میں بخور بھی سلگایا جاتا تھا۔[7]

شام میں لاذقیہ فتح ہوا تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی اور بعد کو اس کو توسیع دی گئی۔[8]

حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحری حملہ کر کے فوج کو فتح کیا تو وہاں عرب کی

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب القرآۃ الامام والماموم فی الصلوٰۃ کلہا فی الحضر والسفر۔

[2] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۳۳ ذکر جامع مصر۔ [3] فتوح البلدان ص ۲۹۸۔

[4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن فرقد۔ [5] فتوح البلدان ص ۳۴۔

[6] فتوح البلدان ص ۱۰۶۔ [7] حسن المحاضرہ ص ۵۸ جلد اول۔ [8] فتوح البلدان ص ۱۳۹

ایک نو آبادی قائم کی اور وہاں متعدد مسجدیں بنوائیں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جدید مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ مسجد نبوی اور مسجد حرام کی تجدید وتوسیع بھی کی ازواج مطہرات کے حجروں کے علاوہ مسجد نبوی کے آس پاس کے اور تمام مکانات نہایت گراں قیمت پر خرید لیے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اول اول اپنا مکان دینا نہیں چاہتے تھے' لیکن اخیر میں انہوں نے بھی اس کو وقف کر دیا' اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو از سر نو اینٹ سے تعمیر کیا ستون پہلے کھجور کے تھے' انہوں نے لکڑی کے لگوائے۔[2]

مسجد کا طول پہلے ۱۰۰ گز تھا' انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ تجدید عمارت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ کہ جو لوگ شور وشغب کرنا یا اشعار وغیرہ پڑھنا چاہیں وہیں جا کر پڑھیں۔[3]

۱۷ھ میں حرم کی عمارت کو بھی بہت کچھ وسعت دی جن لوگوں نے بالکل خانہ کعبہ کے متصل مکانات بنوا لیے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ''کعبہ خدا کا گھر ہے اور گھر کے لیے صحن چاہیے' لیکن تم نے الٹے کعبہ ہی کو دبا لیا ہے' اس نے تم کو نہیں دبایا ہے'' چنانچہ اس غرض سے تمام مکانات منہدم کروا دیئے پہلے خانہ کعبہ کی کوئی دیوار نہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے گرد چار دیواری بنوائی[4] اور اس پر چراغ جلوائے۔[5]

کعبہ پر اگرچہ غلاف ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا' چنانچہ جاہلیت میں نطع اور معافر کا غلاف چڑھاتے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی کپڑوں کے غلاف چڑھوائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قباطی کا غلاف تیار کروایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا ہے۔[6]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور بہ کثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں' انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ بحریہ کی اجازت دی تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ متعینہ فوج کے علاوہ تمام سواحل پر جدید فوجی آدمی آباد کرائے

---

[1] فتوح البلدان ص۳۹۴۔ [2] ابوداوٗد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المساجد۔ [3] موطا کتاب الصلوۃ العمل فی جامع الصلوۃ۔ [4] بخاری باب بنیان الکعبہ۔ [5] معجم البلدان ذکر مسجد الحرام۔

[6] فتوح البلدان ص۵۴

جائیں اور ان کو جاگیریں اور جلاوطن شدہ لوگوں کے مکانات دیئے جائیں مسجدیں تعمیر کرائی جائیں اور ان کے زمانے سے پیشتر جو مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں ان کو وسعت دی جائے[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی اور حرم محترم کو بھی بہت کچھ وسعت دی' پہلے پہل جب انہوں نے توسیع مسجد نبوی کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اگرچہ مخالفت کی اور قدیم ہیت کو بدلنا پسند نہیں کیا۔[2]

لیکن بالآخر سب لوگ راضی ہو گئے اور اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ربیع الاول ۲۹ھ میں تعمیر کا کام شروع کروادیا' پورے دس مہینے میں کام ختم ہوا[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دیوار کچی اینٹ کی تھی' انہوں نے منقش پتھروں کی دیواریں قائم کیں' اور اس پر چونے کی سفیدی کروائی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکڑی کے ستون لگوائے تھے' انہوں نے منقش پتھروں کے ستون قائم کرادیئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک گویا چھپر کی چھت تھی انہوں نے ساکھو کی چھت بنوائی[4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حرم محترم کی عمارت کو اور بھی وسعت دی اور اردگرد کے تمام مکانات خرید کر گروادیئے' اور ان کی زمین کو حرم میں شامل کر دیا انہوں نے مسجد حرام میں یہ جدت کی کہ رواق بنوائے جن کو ان کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اگرچہ بہت کم مسجدیں تعمیر ہوئیں تاہم یہ سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا' فتوح البلدان میں ہے کہ انہوں نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کا والی مقرر کیا وہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے ہیں انہوں نے اردبیل ایک نیا شہر آباد کیا اور وہاں بہت سے عرب بسائے اور ایک مسجد تعمیر کروائی[6] اس کے علاوہ ان کے عہد میں ہم کو اور کسی جدید مسجد کا نام نہیں ملتا۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں بہ کثرت نو آبادیاں قائم ہوئیں اور نو آبادیوں کے ساتھ مساجد کا تعمیر ہونا لازمی تھا' انہوں نے جزیرہ قبرص کو فتح کیا تو وہاں

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۵۔ [2] صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد۔ [3] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۴

[4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المساجد۔ [5] فتوح البلدان ص ۵۳۔ [6] فتوح البلدان ص ۳۲۷

ایک شہر آباد کرایا اور بارہ ہزار فوجی آدمی متعین کیے جنہوں نے وہاں متعدد مسجدیں تعمیر کیں۔[1]

ان کے عہد میں افریقہ فتح ہوا تو عقبہ بن نافع فہری نے جو وہاں کے گورنر تھے وہاں مسلمانوں کی ایک ایک مستقل نو آبادی قائم کی بہت سے مکانات اور ایک جامع مسجد بنوائی۔[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان مسجدوں میں بھی توسیع و اضافہ کیا جو ان سے پہلے تعمیر ہو چکی تھیں' مثلاً انہوں نے زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے وہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھو کی چھت بنوائی۔[3]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فن تعمیر میں بھی مزید ترقی ہوئی یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ جو ان کی جانب سے بجستان کے عامل تھے' آئے تو اپنے ساتھ کابل سے چند غلام لائے جنہوں نے ان کے محل میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کی۔[4]

مصر میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں تھیں اب تک ان میں منارے نہیں بنے تھے' حضرت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ ۵۳ھ میں مساجد میں منارے بنوائے۔[5]

انصاب حرم:

حرم کی حدود سے چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اس لیے اس کے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے' جن کو انصاب حرم کہتے تھے' ہر زمانے میں ان پتھروں کی تجدید ہوتی رہی' سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت تمیم بن اسید رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔[6]

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تجدید کرائی۔[7]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پھر تجدید و اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے یہ کام لیا۔[8]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۰۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۳۶۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۵۵۔

[4] فتوح البلدان ص ۴۰۴۔ [5] اصابہ تذکرہ سلمہ بن مخلد۔ [6] اسد الغابہ تذکرہ حضرت تمیم بن اسید رضی اللہ عنہ۔ [7] اسد الغابہ تذکرہ مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ۔ [8] اسد الغابہ تذکرہ حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ۔

خدمات متفرقہ

مسجد کی صفائی:

ایک بار کسی نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھوک دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا' ایک صحابیہ اٹھیں اور اس کو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی' آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[1]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں' یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نہایت قدر فرماتے تھے' چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا' اور آپ کو اطلاع نہ دی' آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ بولے حضور استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارہ نہیں کیا۔[2]

مسجد میں روشنی کا انتظام:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھجور کی شاخوں کی مشعل بنا کر لاتے تھے' اور مسجد نبوی میں روشنی کرتے تھے' مدتوں یہی حالت رہی' اس کے بعد حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا' بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا اور مسجد میں روشنی کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہے؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام فتح کے بجائے سراج رکھ دیا' جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مساجد میں اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کا انتظام کیا' چنانچہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی جگمگاہٹ دیکھی تو بولے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جس طرح ہماری مسجدوں کو روشن کیا اسی طرح خدا ان کی قبر میں بھی اجالا کرے۔

---

[1] نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر
[3] اسد الغابہ تذکرہ سراج رضی اللہ عنہ۔

مسجد میں بخور کا انتظام:

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ جس کو انہوں نے حسب معمول مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا' لیکن کافی نہ ہوا' اس لیے حکم دیا کہ انگیٹھی میں رکھ کر سلگایا جائے' تاکہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں' ان کے بعد تمام خلفاء نے اس انتظام کو قائم رکھا۔[1]

مسجد کی نگرانی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت اہتمام کے ساتھ مسجد کی نگرانی فرماتے تھے' عموماً عشاء کے بعد مسجد میں آتے اور کسی بے کار شخص کو دیکھتے تو نکال دیتے' البتہ نمازی اس سے مستثنیٰ تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال رہا' ایک دن عصر کی نماز کے لیے آئے تو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشے میں ایک درزی بیٹھا ہوا ہے' اس کو نکل جانے کا حکم دیا' لوگوں نے کہا' وہ مسجد میں جھاڑو دیتا ہے' دروازے بند کرتا ہے' کبھی کبھی چھڑکاؤ بھی کرتا ہے بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کاریگروں کو مسجد سے الگ رکھو۔[2]

اذان:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اذان کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے' اس لیے اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے' اگر میں مؤذن ہوتا تو میرا کام مکمل ہو جاتا' حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تو اپنی زندگی ہی اس خدمت پر وقف کر دی تھی اور اس کو نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے' مسجد نبوی کے متصل ایک صحابیہ کا مکان سب سے بلند تر تھا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح تڑکے وہیں آ جاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے' اذان دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے جب آپ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوتے تو اقامت کہتے۔[3]

---

[1] خلاصۃ الوفاء ص ۱۷۴۔ [2] خلاصۃ الوفاء ص ۱۷۴۔

[3] اسد الغابہ۔ تذکرہ ابو الوقاص رضی اللہ عنہ

امامت:

امامت نہایت ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس خدمت کو نہایت شوق کے ساتھ انجام دیتے تھے' مہاجرین پہلے پہل مدینہ میں آئے تو حضرت سالم مولیٰ ابی خذیفہ رضی اللہ عنہ امامت کراتے تھے' حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ مسلمان ہوا تو ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم میں کون امامت کرائے گا؟ آپ نے فرمایا جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو' حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا سن اگرچہ صرف سات آٹھ برس کا تھا' تاہم ان کو قرآن سب سے زیادہ یاد تھا' اس لیے ان لوگوں نے انہی کو امام بنایا' اور وہ عمر بھر ان کے امام رہے' حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا خلیفہ بنایا تھا' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے' لیکن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تھے تب اپنی مسجد میں جا کر امامت کراتے تھے' حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے' وہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو آئے ان لوگوں نے کہا کہ "ہمارا امام بیمار ہے" فرمایا بیٹھ کر نماز پڑھیں تو تم لوگ بھی بیٹھ کر نماز ادا کرو[1] تمام خلفاء اور فرائض خلافت کے ساتھ یہ فرض بھی ادا کرتے تھے۔

حجاج کی خدمت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجاج کی خدمت کو بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے' اور نہایت فیاضی کے ساتھ ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچاتے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو عام حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں دروازے نہ لگائیں تاکہ تمام حجاج بلا روک ٹوک ان میں قیام کرسکیں مکہ اور مدینہ کے راستہ میں انہوں نے سرائیں چوکیاں اور کنوئیں تیار کرائے تھے' کہ حجاج ان سے متمتع ہوسکیں' سقایہ یعنی حاجیوں کو پلانی پلانے کی خدمت زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان سے متعلق تھی' اور عہد اسلام میں بھی ان کا یہ خاندانی شرف قائم رہا' ایام حج میں ان کے خاندان کے لوگ' دودھ شہد اور ستو کی سبیل چلاتے تھے' لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حاجیوں کو صرف نبیذ پلاتے تھے' ایک شخص

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ ابواب الامامۃ

نے ان سے پوچھا کہ آپ کا خاندان بخیل ہے یا محتاج؟ بولے نہ بخیل ہے نہ محتاج وجہ صرف یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے پانی مانگا تو ہم نے آپ کو نبیذ پلائی آپؐ نے فرمایا تم نے خوب کیا ایسا ہی کرتے رہو' اس لیے ہم آپؐ کے ارشاد میں کسی قسم کا تغیر کرنا نہیں چاہتے۔[1]

علمی خدمات

تعلیم القرآن:

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ معظمہ ہی کے زمانے میں شروع کر دیا تھا' چنانچہ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا' کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[2]

لیکن ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا تھا' اور اصحاب صفہ شب و روز قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں مصروف رہنے لگے' سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کا شانہ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ کو مسجد میں دو حلقے نظر آئے ایک میں لوگ تلاوت و دعا کرتے تھے' اور دوسرے حلقے والے تعلیم و تعلم میں مصروف تھے' آپؐ نے فرمایا دونوں نیک کام کر رہے ہیں ایک گروہ تلاوت و دعا کرتا ہے' دوسرا قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا ہے میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں یہ کہہ کر اسی حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔[3]

اس حلقہ میں درس و تدریس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے' ایک بار اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ آ نکلے تو قاری جو قرآن پڑھ رہا تھا رک گیا اور ادب سے سلام کیا' آپؐ بیچ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا لوگ حلقہ قائم کر کے آپؐ کے گرد بیٹھ گئے۔[4]

اصحاب صفہ نہایت نادار اور مفلس تھے اس لیے ان میں کچھ لوگ دن میں شیریں

---

[1] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی نبیذ السقایہ۔ [2] مسند جلد ۴ ص ۲۵۱ و بخاری کتاب التفسیر سبح اسم ربک الاعلیٰ۔
[3] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔ [4] ابوداؤد کتاب العلم باب فی القصص۔

پانی بھر لاتے جنگل سے لکڑیاں چن لاتے' اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔[1]

لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا' اس بنا پر تعلیم کا وقت رات کو مقرر کیا تھا' مسند ابن حنبل میں ہے:

فکانوا اذاجاء ت ھم اللیل انطلقوا الی معلم لھم بالمدینة فید رسون اللیل حتی یصبحوا۔[2]

"جب رات ہو جاتی تھی' تو یہ لوگ ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک پڑھتے تھے"۔

اس طرح جو لوگ تعلیم و تربیت حاصل کر چکتے تھے' ان کو قراء کہا جاتا تھا' اور باہر کے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کی ضرورت ہوتی تھی' تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے' چنانچہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو کر دیجئے کہ ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں' آپؐ نے ستر انصار کو جو قراء کے نام سے مشہور تھے ساتھ کر دیا' لیکن ان لوگوں نے دھوکے سے ان کو شہید کر دیا۔[3]

باہر سے جو مہاجرین آتے وہ بھی اہل صفہ میں داخل ہو جاتے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس جاتے' ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اجمالاً مروی ہے:

علمت ناسا من اھل الصفة القرآن و الکتاب فاھدیٰ الی رجل منھم قوسا۔

"میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن کی اور لکھنے کی تعلیم دی ان میں سے ایک نے مجھے ایک کمان ہدیۃً بھیجی"۔[4]

لیکن مسند کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ شخص مہاجر تھا' اس نے اپنے وطن میں پہنچ کر ان کی خدمت میں ہدیۃً یہ کمان بھیجی تھی۔[5]

اس سلسلہ سے الگ انصار کا ہر گھر مہمان خانہ ہونے کے ساتھ ایک مستقل مکتب بن گیا تھا' باہر سے جو مہاجر آتے رسول اللہ ﷺ ان کو انصار کے سپرد کر دیتے اور وہ لوگ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارة باب ثبوت الجنة للشہید۔ [2] مسند جلد ۳ ص ۱۳۷۔ [3] مسلم کتاب الامارة باب ثبوت الجنة للشہید۔ [4] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم۔ [5] مسند جلد ۵ ص ۳۲۴

مہمانداری کے ساتھ اس دل سوزی سے ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے کہ یہ لوگ نہایت شکر گزاری کے ساتھ واپس جاتے' چنانچہ وفد عبدالقیس آیا تو اس منت شناسانہ اعتراف کے ساتھ واپس گیا۔

ان الانصار یعلمونا کتاب ربنا و سنة نبینا[1]

''انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں''۔

وفد بنوتمیم آیا تو مدت تک مدینہ میں رہ کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔[2]

بعض اوقات مہاجرین کو بھی یہ خدمت انجام دینی ہوتی تھی' چنانچہ حضرت وردان رضی اللہ عنہ طائف سے آئے تو آپ ؐ نے ان کو حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[3]

نظام حکومت کے قائم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو امراء و عمال مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فرض کتاب اور سنت کی تعلیم دینا قرار دیا۔ چنانچہ استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں ہے:

بعثه رسول الله ﷺ قاضیا الی الجند من الیمن لیعلم الناس القرآن و شرایع الاسلام.

''آپ ؐ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام کی تعلیم دیں''۔

چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو اسلام اور تفقہ فی القرآن پر آمادہ کیا اور کہا کہ ''جب قرآن مجید پڑھ چکو تو مجھ سے پوچھ لینا' کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟'' وہ لوگ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان سے یہ سوال کیا گیا۔[4]

اس کے بعد اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعلیم قرآن کے متعلق کوئی خاص یا جدید انتظام نہیں کیا گیا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نہایت وسیع

---

[1] مسند جلد ۳ ص ۴۳۲۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن اہتم۔ [3] اصابہ تذکرہ وردان جد القرات۔
[4] دارمی باب الاقتدار بالعلماء ص ۴۰

پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قائم کیا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں تعلیم قرآن کے لیے مکاتب قائم کیے اور بعض حالتوں میں قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام کیا' چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا' خاص اس کام پر مامور کیا کہ بدوؤں کے قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔"[1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے عہد نبوت ہی میں قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے' شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے انہی کو منتخب کیا اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی کر دیا' ان میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے حمص میں قیام کیا' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی کر دیا' ان میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے حمص میں قیام کیا' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ دمشق کو گئے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فلسطین میں اقامت اختیار کی اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی فلسطین چلے گئے۔[2]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بھی کر دیا کہ لوگوں کو فقہ اور قرآن مجید کی تعلیم دیں۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تعلیم کی توسیع واشاعت کے لیے اور بھی مختلف ذرائع اختیار کیے' ضروری سورتوں یعنی بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کی نسبت حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازمی ہوگا' کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں[4] عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھ چکے ہوں ان کو بھیج دیں کہ ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[5]

ان تدابیر سے قرآن مجید کی تعلیم نے بتدریج اس قدر وسعت حاصل کی کہ ایک بار خراج کا کچھ مال بچ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اجازت دی۔ کہ طلبائے قرآن کو تقسیم کر دیا جائے' دوسرے سال بھی یہ نوبت پیش آئی تو انہوں نے لکھا کہ پہلے سال صرف سات آدمی تھے اور اس سال ستر ہیں[6] ایک بار جب

---

[1] اصابہ تذکرہ اوس بن خالد رضی اللہ عنہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۸۴۔ [4] کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۴۔ [5] کنز العمال جلد ۱ ص ۲۱۷۔ [6] اصابہ تذکرہ بشر بن ربیعہ

فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیج دو کہ ان کو جابجا قرآن کی تعلیم کے لیے بھیج دوں' تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو سے زائد حافظ موجود ہیں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ صحت تلفظ کا بھی نہایت اہتمام کیا' ہر جگہ تاکیدی حکم بھیج دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت اعراب کی تعلیم دی جائے اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو شخص علم لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید نہ پڑھانے پائے۔[2]

ان کے بعد اور خلفاء نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آذربائیجان دوبارہ فتح ہوا تو کچھ لوگ وہاں اشاعت اسلام کے لیے آباد کر دیئے گئے۔ ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ لوگ مسلمان ہو کر قرآن مجید پڑھ چکے تھے۔[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انہوں نے طلبائے قرآن کے وظیفے دو دو ہزار مقرر فرمائے۔[4]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ قبرص فتح کیا تو مجاہدین حبر کو قرآن مجید کی تعلیم کے لیے متعین کیا۔[5]

بعض صحابہ ذاتی طور پر بھی لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے' حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے۔[6]

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک مستقل حلقہ درس قائم ہو گیا تھا' چنانچہ اس حلقے کے کچھ لوگ شام میں آئے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے قرآن پڑھوا کر سنا۔[7]

---

[1] کنزالعمال جلد ا ص ۲۱۷۔ [2] کنزالعمال جلد ا ص ۲۲۸۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۳۶۔
[4] کنزالعمال جلد ا ص ۲۳۰۔ [5] فتوح البلدان ص ۲۴۴۔ [6] دارمی ص ۷۳۔
[7] بخاری کتاب التفسیر' تفسیر واللیل اذا یغشی۔

تعلیم حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشاعت حدیث کے لیے تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے' اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیتے تھے' حضرت ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''میں حمص کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابی تھے' بیٹھ گیا' ایک شخص روایت حدیث کر چکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے۔[1]

نضر بن عاصم اللیثی کا بیان ہے کہ میں کوفہ کی مسجد میں گیا تو ایک حلقہ نظر آیا جو نہایت خاموشی کے ساتھ ایک شخص کی طرف کان لگائے ہوئے تھا' دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں رہتے تھے' اور جب درس دینے کے لیے مسجد میں آتے تھے' تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔[3]

لیکن علم حدیث کا سب سے بڑا دارالعلم مدینہ تھا' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے' علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں کہ:

كان لجابر بن عبدالله حلقة في المسجد النبوى يوخذ عنه العلم.[4]

''جابر بن عبداللہ کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا اور لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے''۔

ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ کی مرویات سنتے تھے' لیکن اس پر کافی اعتماد نہیں ہوتا تھا' اس لیے خود مدینہ میں آ کر ان کی زبان سے ان کو سنتے تھے۔[5]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اکثر حدیثیں انصار کے یہاں ملیں' بعض صحابہ کو اگرچہ سلطنت کی طرف سے روایت حدیث کی ممانعت تھی' لیکن سلطنت کا دباؤ ان کو اس

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۳۲۸۔ [2] مسند ج ۵ ص ۳۸۶۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔
[4] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۷۸۔ [5] مسند دارمی باب الرحلۃ فی طلب العلم ص ۸۴'۸۵۔

مقدس فرض کے ادا کرنے سے روک نہیں سکتا تھا' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی قسم کے صحابی تھے لیکن وہ علانیہ کہتے تھے' کہ اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ ایک کلمہ بھی جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ادا کر سکوں گا تو قبل اس کے کہ تلوار اپنا کام کرے میں اس کو ادا کر دوں گا۔[1]

خود امراء وسلاطین کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طلب فرماتے تھے اور روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے' ایک دن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ٹھیک دوپہر کے وقت مروان کے دربار سے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مروان نے اس وقت ان کو کیوں تکلیف دی؟ ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ''مجھ سے بعض حدیثوں کے متعلق پوچھنا تھا''۔[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ لوگوں کو احادیث کی تعلیم دو اور جب میرے خیمہ کے پاس کھڑے ہو تو مجھے حدیثیں سناؤ۔[3]

لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس طلب علم کے لیے آتے تھے' تو وہ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرتے تھے' حضرت ابو ہراون عبدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' تو وہ کہتے تھے' کہ مرحبا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے گوشے سے بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔[4] تم لوگ ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے۔ جب آدمیوں سے ان کا گھر بھر گیا تو انہوں نے خاکساری سے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ لیٹے ہوئے تھے' ہم لوگوں کو دیکھا تو اسی طرح پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا کہ میرے بعد

---

[1] بخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل۔

[2] ترمذی ابواب العلم باب فی الحث علی تبلیغ السماع۔

[3] مسند جلد ۳ ص ۴۴۴۔ [4] ترمذی ابواب العلم باب ما جاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم ترمذی میں ہے کہ شعبہ نے ہراون عبدی کی تضعیف کی ہے۔

تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کے لیے آئیں گے ان کو مرحبا کہنا تحیت دینا اور علم سکھانا۔[1]

ایک بار حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے وتر کی بہت بڑی عالم ہیں انہوں نے حضرت حکیم بن افلح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا' انہوں نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی اور اب وہ ساتھ ہو گئے' دروازے پر اذن طلب کیا' بولیں کون؟ بولے حکیم بن افلح' پھر فرمایا ساتھ میں کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام فرمایا سعد بن ہشام بن عامر جو احد میں شہید ہوئے' بولے ''ہاں'' فرمایا نہایت اچھا آدمی تھا' اس تعارف کے بعد انہوں نے کہا کہ آپؐ کے خلق کا حال بیان کیجئے' بولیں آپ کا خلق قرآن تھا' کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ پھر پوچھا' آپؐ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟ بولیں کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے' اس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے کہ انہوں نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا خدا کی قسم اس کا نام حدیث ہے۔[2]

اس تمدنی دور میں سب سے پہلے طلباء کی علمی قابلیت کا امتحان لیا جاتا ہے' پھر اس کو اساتذہ کے فیض تعلیم سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درس گاہ میں طالبان علم سے صرف خلوص نیت کا امتحان لیا جاتا تھا' ایک بار حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ سے ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں آپ کی خدمت میں حدیث کے لیے حاضر ہوا ہوں جس کی آپ روایت کرتے ہیں بولے کسی ضرورت سے تو نہیں آئے' تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ اس نے کہا نہیں' تو حدیث کی روایت کی۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث روایت فرماتے تو طالبان حدیث کا ہجوم ہو جاتا' ایک بار اشقیا اصبحی رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو دیکھا' کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' وہ درس دے چکے تو انہوں نے تنہائی میں جا کر ایک حدیث کی درخواست کی۔[4]

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الوصاۃ بطلبۃ العلم۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلوۃ اللیل۔ [3] ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فضل الفقہ علی العبادۃ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [4] ترمذی ابواب الزہد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت حدیث کرتے تھے' تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہو جاتی تھی۔[1]

ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے' تو ان کے گرد آدمیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث بیان کرنی پڑتی تھی۔[2]

تعلیم فقہ

جس قدر اکابر صحابہؓ تھے' تقریباً سب فقہی مسائل کی تعلیم میں مصروف تھے' اور اس کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی مسجد میں آخر رمضان میں خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقہ فطر کی ترغیب دی' یہ لوگ احکام شریعت سے اس قدر ناواقف تھے' کہ ان کو صدقہ فطر کا تعین و مقدار کا حال بھی معلوم نہ تھا' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو بولے یہاں مدینہ کے کون لوگ ہیں؟ اٹھیں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آزاد غلام' مرد' عورت اور چھوٹے بڑے پر ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گیہوں صدقہ فطر میں مقرر فرمایا ہے۔[3]

موطائے امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو تشہد سکھایا۔[4] موطائے امام محمد میں ہے کہ انہوں نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل سکھائے۔[5]

اسی طرح اور متعدد خطبوں میں مسائل فقہ کی تعلیم دی لیکن تمام ممالک مفتوحہ کی فقہی تعلیم کے لیے یہ طریقہ کافی نہیں تھا' اس لیے انہوں نے اور بھی متعدد طریقے اختیار کیے مثلاً:

۱۔ اکثر امراء و عمال کے پاس اہم مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر روانہ کرتے رہتے تھے'

---

[1] مسلم کتاب الصلوۃ باب القراۃ فی الظہر والعصر۔ [2] مسند جلد ۵ ص ۵۸۔ [3] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب کم یؤدی فی صدقۃ الفطر۔ [4] موطائے امام مالک کتاب الصلوۃ باب التشہد فی الصلوۃ۔
[5] موطائے امام محمد ۲۲۷۔

چنانچہ نماز پنجگانہ کے متعلق تمام عمال کے نام ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا جس کو امام مالک نے موطاء میں نقل کیا ہے' اسی طرح عمال کے نام اور بھی مختلف مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

② اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے' وہ عالم اور فقیہ ہوتے تھے' اور تمام فرائض کے ساتھ ان کو تعلیم فقہ کا فرض بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر ہو کر آئے تو علی الاعلان فرمایا:

بعثنی الیکم عمر لا علمکم کتاب ربکم و سنة نبیکم[1]

''مجھ کو عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں خدا کی کتاب اور سنت نبویؐ کی تعلیم دوں''۔

③ خاص اس مقصد کے لیے ممالک مفتوحہ میں فقہاء اور معلمین مقرر کیے' شام فتح ہوا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور فقہ کے مسائل سکھائیں،[2] حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کو بھی شام میں یہ خدمت تفویض ہوئی اور انہوں نے شام کے تمام تابعین کو فقہ سکھائی،[3] بصرہ کے لوگوں کی تعلیم کے لیے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور ان کے ساتھ آٹھ بزرگ اور بھی اسی غرض سے روانہ فرمائے[4] مصر میں تعلیم فقہ کے لیے حضرت حیان بن ابی جبلہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا[5] مدائن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس خدمت پر مامور تھے۔[6]

غرض تمام ممالک میں فقہاء اور معلمین پھیلے ہوئے تھے اور نہایت سرگرمی کے

---

[1] دارمی ص ۷۴ باب البلاغ عن رسول اللہ ﷺ و تعلیم السنن

[2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبادہ بن صامتؓ۔ [3] تذکرہ الحفاظ ترجمہ عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؓ

[4] طبقات الحفاظ تذکرہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ و اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن معقل

[5] تہذیب تذکرہ حیان بن ابی جبلہ رضی اللہ عنہ۔ [6] یعقوبی جلد دوم ص ۱۶۳

ساتھ مسائل شریعت کی تعلیم دیتے تھے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کوفہ سے روانہ ہوئے تو اپنے اصحاب وتلامذہ کو جمع کر کے کہا ''خدا کی قسم! میرے خیال میں دین' فقہ اور تعلیم قرآن مجید کی حالت ملک کے اور صوبوں سے تمہارے یہاں بہتر ہوگئی۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد میں اس نظام کو قائم رکھا' چنانچہ قاضی ابن عبدالبر حضرت ربیعہ بن عمرو الجرشی رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھتے ہیں۔

کان یفقه الناس زمن معاویة.[2]

''وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتے تھے''۔

عملی تعلیم:

لیکن اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عملی طریقہ سے بھی لوگوں کو مسائل شرعیہ کی تعلیم دیتے تھے' ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرنا شروع کیا' پہلے بالترتیب تین بار ہاتھ دھوئے پھر کلی کی ناک صاف کی اور تین بار منہ دھویا' اس کے بعد تین بار دایاں ہاتھ اور تین بار بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا' پھر تین بار سر کا مسح کیا' پھر تین بار دایاں پاؤں پھر تین بار بایاں پاؤں دھویا' ان تمام جزئیات کو عملاً نمایاں کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے' اور جو شخص میری طرح وضو کر کے اس خشوع کے ساتھ نماز پڑھے گا کہ اس کے دل میں وسوسے نہ پیدا ہوں تو خدا اس کے تمام اگلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح سنن وضو کی تعلیم فرمائی چنانچہ وہ نماز پڑھ کر آئے تو وضو کا پانی طلب کیا' صحابہ سمجھ گئے کہ اب پانی کا کیا ہوگا؟ اس سے صرف عملی تعلیم مقصود ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طریقہ سے سنن وضو کی تعلیم دی[3] اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔[4]

---

[1] مسند جلد ا ص ۴۰۵۔ [2] استیعاب تذکرہ ربیعہ بن عمرو الجرشی۔ [3] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلاثاً باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرتین

ایک بار حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق روایت کروں یہ کہہ کر اٹھے اور صف بندی کی پہلی صف میں مردوں کو اور ان کے پیچھے بچوں کو کھڑا کیا' پھر نماز پڑھائی۔[1]

ایک بار حضرت ابوسلیمان بن مالک حویرث رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے اور فرمایا کہ میں نماز پڑھنا نہیں چاہتا صرف مقصود یہ ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز سکھاؤں۔[2]

تعلیم تحریر و کتابت

اسلام کا آغاز ہوا تو قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے' جن میں شفاء بنت عدویہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب کے سب مرد تھے۔[3] ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی لکھنا سکھایا تھا۔[4]

انصار اگرچہ مکہ والوں سے زیادہ متمدن تھے تاہم ان میں تحریر و کتابت کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا اوس و خزرج کے قبائل میں صرف چند لوگ لکھنا جانتے تھے' اور بعض یہود مدینہ کے بچوں کو لکھنے کی تعلیم دیتے تھے' اس طرح اسلام کے ابتدائی زمانے میں انصار میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، منذر ابن عمرو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، رافع بن مالک رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، معن بن عدی رضی اللہ عنہ' بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ' سعد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، اوس بن خولی اور عبداللہ بن ابی لکھنا جانتے تھے۔[5]

لیکن اسلام کے زمانے میں اس کی بہت ترقی ہوئی' اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے تو ان میں جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ یہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں' چنانچہ انصار کے بچوں نے ان سے لکھنا شروع کیا' حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ بھی جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔[6]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الصبیان من الصف۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النہوض فی الفرد
[3] فتوح البلدان ص ۴۷۷۔ [4] ابوداؤد کتاب الطب باب ماجاء فی الرقی۔ [5] فتوح البلدان ص ۴۷۹۔
[6] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اہل صفہ کو قرآن مجید کی جو تعلیم دیتے تھے' تحریر و کتابت بھی اسی کا جزو تھی۔[1]

خلفائے راشدین کے زمانے میں اس میں اور بھی ترقی ہوئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو مکاتب قائم ہوئے ان میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا' انہوں نے تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے' کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے' ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا تو یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حمران بن ابان کو جو میسب بن نجبہ فزاری کا غلام تھا خرید لیا اور اس کو لکھنا سیکھا کر اپنا میر منشی مقرر کیا۔[3]

افتاء

اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مہاجرین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دینے لگے تھے[4] لیکن آپ کے بعد تمام مسائل شرعیہ کا دارومدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات پر رہ گیا تھا' اس لیے ان بزرگوں کے دروازوں پر تشنگان علم کی بھیڑ رہتی تھی' چنانچہ حضرت قرعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے' اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے' میں نے انتظار کیا' جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود سفر کے روزے کے متعلق سوال کیا۔[5]

خلفائے راشدین کے عہد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں' حضرت

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۳۱۵۔ [2] معجم البلدان لغت حاضر بحوالہ الفاروق۔ [3] فتوح البلدان ص ۲۶۰

[4] اسد الغابہ تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ [5] ابوداؤد کتاب الصیام باب الصوم فی السفر

عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے تھے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس صیغہ کو بالکل باضابطہ کر دیا۔

۱۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگرچہ منتخب بزرگ اس خدمت کو انجام دیتے تھے تاہم اور لوگوں کو فتویٰ دینے کی ممانعت نہ تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند اکابر صحابہ کو اس خدمت کے لیے مخصوص کر لیا اور بقیہ صحابہ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اگرچہ فقہاء صحابہ میں تھے' اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو خزانۃ العلم کہتے تھے' لیکن جب انہوں نے بغیر اجازت فتویٰ دینا شروع کر دیا تو انہوں نے ان کو روک دیا۔[1]

۲۔ جو صحابہ جس فن میں ممتاز تھے ان کو اسی شاخ میں فتویٰ دینے کا مجاز کیا۔ چنانچہ شام کے سفر میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ فرمائے:

من اراد القران فلیات ابیا و من اراد ان یسائل الفرائض فلیات زیدا و من اراد ان یسال الفقه فلیات معاذ.

''جن لوگوں کا مقصود قرآن مجید ہو وہ ابی ابن کعب کے پاس آئیں جو لوگ فرائض کے متعلق سوال کرنا چاہیں وہ زید کے پاس آئیں جن لوگوں کو فقہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ معاذ کے پاس جائیں''۔

۳۔ سوال کرنے والوں کو صرف عملی مسائل کے پوچھنے کی اجازت دی' چنانچہ ایک شخص کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں میں متشابہت قرآن کے متعلق سوال کرتا تو اس کو سزا دی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اس کے پاس کوئی مسلمان بیٹھنے نہ پائے۔[2]

صحابہ کرام جن پابندیوں کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے وہ حسب ذیل ہیں:

❶ خلیفہ وقت کے فتویٰ کو اپنے فتویٰ پر نافذ العمل سمجھتے تھے' چنانچہ ایک بار ابوموسیٰ

---

[1] مسند دارمی ص ۳۴۔ [2] مسند دارمی ص ۳۱

اشعری رضی اللہ عنہ نے حج کے متعلق فتویٰ دیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا تغیر کیا ہے تو لوگوں کو خود ہدایت فرمائی کہ میرے فتویٰ پر عمل نہ کرو' امیر المومنین آرہے ہیں ان کی اقتداء کرو۔[1]

2. جو فتوے دیتے تھے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی تصویب کروا لیتے تھے' اگر ان کی رائے میں وہ فتویٰ صحیح نہیں ہوتا تھا' تو وہ آزادی کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے' ایک بار ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا' انہوں نے جواب دے کر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری تائید کریں گے' وہ آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاؤں میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے موافق فتویٰ دیتا ہوں۔[2]

3. صرف انہی مسائل کا جواب دیتے تھے' جو عملاً وقوع پذیر ہوتے تھے' ہمارے فقہاء کی طرح فرضی مسائل کے جواب نہیں دیتے تھے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ جو شخص ہر مسئلہ کا جواب دیتا ہے وہ پاگل ہے' ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کیا یہ ہو چکا؟'' بولا'' نہیں'' فرمایا انتظار کرو جب ہو چکے تو ہم غور کر کے تمہیں جواب دیں گے' اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال مذکور ہیں۔

4. اگر کسی کو مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو ہمارے علماء کی طرح حیلہ بازیاں نہیں کرتے تھے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں' ایک دفعہ کسی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی مسئلہ پوچھا' انہوں نے کہا معلوم نہیں وہ واپس ہوا تو بولا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خوب کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔[3]

5. مسئلہ کے متعلق جس قدر معلوم ہوتا اس سے زیادہ جواب نہیں دیتے تھے' ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ وتر واجب ہے یا نہیں' بولے رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے وتر پڑھا ہے وہ بار بار پوچھتا رہا مگر انہوں نے اس فقرے کے سوا کچھ نہیں کہا کہ واجب ہے۔

---

[1] نسائی کتاب الحج ترک تسمیہ عند الاہلال۔ [2] ابوداؤد کتاب الفرائض باب ماجاء فی الصلب۔ [3] دارمی ص ۳۵۔

علم التفسیر

احادیث کی کتابوں میں اگرچہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں منقول ہیں تاہم جو کچھ ہیں وہی قرآن مجید کا مغز ہیں۔

قرآن مجید صرف عقائد' احکام اور اخلاق کا مجموعہ ہے قصص انبیاء نے اگرچہ اس میں تاریخی عنصر بھی شامل کر دیا ہے' لیکن ان کا جو حصہ قرآن مجید میں مذکور ہے وہ نہایت سادہ مختصر اور صحیح ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے متعلق کوئی صحیح روایت مذکور نہیں' لیکن بعد کو ان کے متعلق بے سروپا روایات کا جو دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اس کے متعلق علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

و قد جمع المتقدمون فی ذالک و اوعوا الا ان کتبهم و منقو لا تهم تشتمل علی الغث و السمین و المقبول و المردود و السبب فی ذالک ان العرب لم یکونو اهل کتاب و لا علم انما علیهم البداوة و الامیة و اذا تشوقوا الی معرفة شیٔ مما تشوق الیه النفوس البشریة فی اسباب المکونات و بدء الخلیقة و اسرار الوجود فانما یسائلون عنه اهل الکتاب قبلهم و یستفیدونه منهم و هم اهل التوراة من الیهود و من تبع دینهم من النصاری و اهل التوارة الذین بین العرب یومئذ بادیة مثلهم و لا یعرفون من ذلک الا ما تعرفه العامة من اهل الکتاب و معظمهم من حمیر الذین اخذوا بدین الیهودیة فلما اسلموا بقوا علی ما کان عندهم مما لا تعلق له بالا حکام الشرعیة التی یحتاطون لها مثل اخبار بدء الخلیقة و ما یرجع الی الحدثان والملاهم و امثال ذلک و هو لاء مثل کعب الاحبار و وهب بن منبه و عبدالله بن سلام و امثالهم فامتلات التفاسیر من المنقولات عندهم[1]

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۱

''متقدین نے ان تمام چیزوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے لیکن ان کی کتابوں میں بری بھلی مقبول اور مردود ہر قسم کی روایتیں مذکور ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور اہل علم نہ تھے' بلکہ وحشی اور جاہل تھے' اس لیے ان کو جب مخلوقات کی تکوین عالم کی آفرینش اور اسرار کائنات کے جاننے کا شوق ہوتا تھا تو اہل کتاب یعنی یہود اور ان کے مقلدین نصاریٰ سے پوچھتے تھے' لیکن اس وقت عرب میں جو یہود آباد تھے وہ بھی انہی کی طرح وحشی تھے ان باتوں کا علم ان کو صرف اتنا ہی تھا۔ جتنا ایک عامی کو ہو سکتا تھا' ان میں زیادہ تر قبیلہ حمیر کے وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کیا تھا' اس لیے جب یہ لوگ اسلام لائے تو جن چیزوں کو احکام شرعیہ سے تعلق نہ تھا' ان کو اسی قدیم حالت میں قائم رکھا' مثلاً آفرینش عالم واقعات تاریخی اور مذہبی لڑائیوں کے حالات وغیرہ' اس قسم کے لوگوں میں کعب احبار' وہب بن منبہ اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں' اس بناء پر متقدین کی تفسیریں ان ہی منقولات سے بھر گئیں''۔

لیکن اس نکتہ کو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے سمجھا تھا' مثلاً حضرت کعب احبار کو اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثقہ سمجھتے تھے' تاہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق صاف الفاظ میں فرما دیا تھا:

ان كان من اصدق هؤلاء المحدثين الذين يحدثون عن اهل الكتاب و ان كنا مع ذلك لنبلوا عليه الكذب.

''اگرچہ ان محدثین میں جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ سچے ہیں تاہم ہم ان کو جھوٹ سے بری نہیں پاتے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عموماً لوگوں کو تفسیر کے متعلق اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے سے روکتے تھے۔ ایک بار انہوں نے فرمایا: تم لوگ اہل کتاب سے کیا پوچھتے ہو؟ تمہاری کتاب تو خود تازہ اور غیر مخلوق ہے اور اس میں مذکور ہے کہ یہود نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا' اور اس میں اپنے قلم سے تغیرات کر دیئے تھے۔[1]

---

[1] بخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئلوا اہل الکتاب عن شیء۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ نہایت کثیر الروایت صحابی تھے لیکن وہ بھی اہل کتاب سے روایت نہیں کرتے تھے۔[1]

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جس درخت کا پھل کھایا' وہ کون سا درخت تھا؟ عصائے موسیٰ کا طول کیا تھا؟ سفینہ نوح کتنا بڑا تھا؟ یہ اور اسی قسم کی بہت سی بیکار باتوں کے متعلق تفسیروں میں جو دور از کار روایتیں مذکور ہیں وہ انہی تفسیروں کا اندوختہ ہیں' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قسم کی اُدھیڑ بن میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب تھے اور عربی کلام کے رموز و اسرار سے واقف تھے' اس لیے قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کے لیے متن بھی تھا اور تفسیر بھی البتہ جب کوئی لفظ یا کوئی آیت سمجھ میں نہیں آتی تھی تو:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور آپؐ اس کی تفسیر فرما دیتے تھے احادیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں' مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ.

''اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے محفوظ نہیں کیا''۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کس نے ظلم نہیں کیا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾[2] ''شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

جس سے معلوم ہو گیا کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے:

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾

''جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا''۔

کے متعلق آپؐ سے سوال کیا' آپؐ نے فرمایا کہ اس بدلے سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو بندوں کو بھگتنی پڑتی ہیں یہاں تک کہ اگر انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس

---

[1] فتح الباری جلد ۶ ص ۲۵۶۔ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ولم یلبسوا ایمانھم بظلم

کے لیے پریشان ہو تو وہ بھی اسی میں داخل ہے۔[1]

قرآن مجید کی اس آیت سے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

''مسلمانو! تم پر صرف تمہاری ذات کی ذمہ داری ہے' جب تم نے ٹھیک راہ پالی تو جو شخص گمراہ ہو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔

بظاہر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا سد باب ہو جاتا ہے' ایک صحابی کے دل میں یہ بات کھٹکی اور انہوں نے آپؐ سے سوال کیا' آپؐ نے فرمایا کہ اس آیت پر صرف اس وقت عمل کرنا چاہیے۔ جب ہوا پرستی عام ہو جائے' اور ہر شخص صرف اپنی رائے پر عمل کرنے لگے۔ ورنہ جب تک لوگوں میں ہدایت کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہے امر بالمعروف کا فرض ساقط نہیں ہو سکتا۔[2]

بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جن پر تاریخی حیثیت سے اعتراض ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ سے ان کا جواب پوچھتے تھے' مثلاً ایک بار آپؐ نے ایک صحابی کو نجران کے عیسائیوں کے پاس بھیجا تو ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بہت فصل ہے' ان سے اس کا جواب بن نہیں آیا' اس لیے انہوں نے واپس آ کر آپؐ سے اس کا ذکر کیا' آپؐ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہود اپنے قدیم انبیاء وصلحاء کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے تھے۔[3]

اس لیے حضرت مریم علیہا السلام کے بھائی کا نام اسی طریقہ پر ہارون رکھا گیا تھا۔

۲۔ بعض اوقات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لیتے تھے اور جب ان سے جواب بن نہیں آتا تھا تو خود آیت کی تفسیر فرما دیتے تھے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے:

---

[1] ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ۔ [2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدہ۔

[3] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ مریم۔

﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ﴾

''مثل اس پاک درخت کے جس کی جڑ ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے اور وہ ہمیشہ پھلتا رہتا ہے''۔

ایک بار صحابہ کا مجمع تھا' آپؐ نے پوچھا کہ یہ کون سا درخت ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں اگرچہ اس کا جواب آیا' لیکن انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کچھ بولنا خلاف ادب سمجھا' بالآخر آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپؐ کی زبان مبارک سے تفسیر کے سننے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار جب آپؐ نے حالت سفر میں بہ آواز بلند یہ آیت پڑھی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾

''لوگو! اپنے خدا سے ڈرو' قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے''۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی سواریوں کو تیزی کے ساتھ دوڑایا کہ آپؐ اس آیت کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں' چنانچہ پاس پہنچے تو آپؐ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟ بولے اس کا علم تو صرف خدا اور اس کے رسول کو ہے اس کے بعد آپؐ نے وقائع قیامت کو بیان کیا۔[2]

۳۔ بعض اوقات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم علمی صحبتیں منعقد کرتے تھے اور ان میں قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق بہت سے نکتے حل ہو جاتے تھے' ایک بار صحابہ کا مجمع تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آیت ایود احدکم ان تکون له جنة کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے صحابہؓ نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ یا تو یہ کہو کہ جانتے ہیں یا یہ کہو کہ نہیں جانتے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اگرچہ بہت کم سن تھے' اور اس لیے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے' تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمت افزائی سے اجمالاً اس قدر کہا کہ یہ آیت ایک عمل کی مثال ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید تشریح کی اور کہا کہ اس دولت مند شخص کے عمل کی مثال ہے

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت۔ [2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورہ حج

جس نے اطاعت الٰہی کی پھر شیطان کے اغوا سے گناہوں کا مرتکب ہوا اس لیے خدا نے اس کے تمام اعمال کو برباد کر دیا۔[1]

ایک بار تمام کبار صحابہ جمع تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذا جاء نصر اللّٰه و الفتح' کی تفسیر پوچھی سب نے کہا کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم کو اس آیت میں تسبیح و استغفار کا حکم دیا گیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش رہے' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی یہی جانتا ہوں۔[2]

۴۔ بعض اوقات لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر کے متعلق سوال کرتے اور وہ اس کا جواب دیتے قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ ...الخ﴾

''جو لوگ خوش ہوتے ہیں وہ گمان نہ کریں''۔

ایک بار مروان نے اپنے دربان کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ اگر یہ گناہ ہے تو ہر شخص پر عذاب ہونا چاہیے' انہوں نے کہا کہ اس آیت کا تم سے تعلق نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلایا اور ایک سوال کیا' انہوں نے اس کے اصلی جواب کو مخفی رکھ کر دوسری بات بتا دی اور جس علم کو مخفی رکھا' اس پر خوش ہوئے' اور جو جواب دیا اس پر داد طلب کی' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[3]

جس آیت میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے حسب خواہش دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو''۔

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قول ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ۔ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک۔
[3] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا۔

لیکن بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں باہم ربط نہیں معلوم ہوتا' یتیموں کے معاملے میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے؟

ایک بار حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا' تو انہوں نے کہا کہ بعض اوقات یتیم لڑکیاں جائیداد میں ولی کی شریک ہوتی ہیں' وہ ان سے نکاح کر لیتا ہے اور مہر اور عورتوں سے کم دیتا ہے' ایسی حالت میں ان سے نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے[1] اور دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جن دو بیبیوں نے آپ ﷺ سے مظاہرہ کیا تھا ان کے نام ایک برس سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھنا چاہتے تھے' بالآخر ایک سفر حج میں یہ موقع ملا اور انہوں نے بتایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[2]

مناسک حج میں سے ایک رکن کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے' قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾

''صفا و مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی طواف کر لے''۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ خالہ جان' اس کے تو معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تب بھی کوئی ہرج نہیں' فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا' یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے' اوس و خزرج اسلام سے پہلے مناۃ کی جے پکارا کرتے تھے۔ منات مشلل میں نصب تھا اس لیے کہ وہ لوگ صفا و مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے' اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے' اب کیا حکم ہے؟ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا و مروہ کا طواف کرو' اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔[3]

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان خفتم وان لاتقسطوا فی الیتامی۔ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وان تظاھرا علیہ۔ [3] بخاری باب وجوب الصفاء والمروۃ۔

قرآن مجید کی ایک آیت یہ ہے:

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِيْ يَتَامَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَاتُؤْ تُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾

''عورتوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے' اس کتاب یعنی قرآن میں جو کچھ ہم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تم مقررہ حقوق دیتے ہو نہ ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس کا مطلب دریافت کیا تو بولیں کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اس قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے یہ آیت ان اولیاء سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے کہ وہ دولت حسن سے محروم ہیں' اور نہ دوسرے سے ان کا نکاح کرنا پسند کرتے کہ جائیداد مشترکہ ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔[1]

اسی سورۃ میں ایک آیت اور ہے:

﴿ حَتّٰى اِذَا سْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَ هُمْ نَصْرُنَا ﴾

''یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آ گئی''۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کُذِبُوا ہے (جھوٹ بولے گئے یعنی ان سے جھوٹ کا وعدہ کیا گیا) یا کذبوا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذبوا عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جھٹلائے گئے یہ ظن وخیال تو نہ تھا' اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا) صحیح ہے' بولیں معاذ اللہ پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد ونصرت کا جھوٹا وعدہ کیا۔ عروہ نے پوچھا تو پھر آیت کا مطلب کیا ہے' فرمایا یہ پیغمبروں کے پیروں سے متعلق ہے کہ جب وہ ایمان لائے اور توریت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور نصرت الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک

---

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر صحیح بخاری کتاب النکاح۔

کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کریں کہ اسی حالت میں دفعتہً خدا کی مدد نازل ہوئی۔[1]

اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں:

۵۔ بعض آیتیں اس قسم کی تھیں جو خاص خاص اشخاص یا خاص خاص قبائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں اس لیے وہی لوگ اس کی صحیح تفسیر کر سکتے تھے' مثلاً ایک بار ایک صحابی نے رومیوں پر اس جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا کہ ان کی صف جنگ کے اندر گھس گئے اس پر تمام لوگوں نے شور کیا کہ سبحان اللہ وہ اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں جس سے قرآن مجید کی آیت' لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کی طرف اشارہ تھا اس غزوہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے' انہوں نے کہا تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو' حالانکہ یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان و انصار پیدا ہو گئے' تو ہم میں بعض لوگوں نے چھپے چوری کہا کہ ہماری جائیداد برباد ہو گئی اب اسلام کے بہت سے حامی اور انصار پیدا ہو گئے' اس لیے اب ہم کو اپنی جائیداد کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے' اس لیے خدا نے ہمارے خیال کی تردید کی اور فرمایا:

﴿ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ﴾

''خدا کی راہ میں صرف کرو اور اپنی ذاتوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

اس بناء پر جہاد ہلاکت نہیں ہے بلکہ جہاد کو چھوڑ کر معاش کی فکر میں مصروف ہو جانا ہلاکت ہے۔[2]

۶۔ کبھی کبھی بعض اشخاص کسی آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر ہوتی تھی تو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے تھے' اس طرح آیت کی صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی تھی' مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

﴿ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴾

[1] بخاری تفسیر سورہ یوسف۔ [2] ترمذی کتاب التفسیر تفسیر سورۃ بقرہ۔

”اس دن کا انتظار کر جس دن آسمان سے دھواں نمودار ہوگا“۔

ایک بار ایک شخص نے اس کی تفسیر بیان کی کہ قیامت کے دن ایک ایسا دھواں اٹھے گا جو منافقین کو بہرا اور اندھا کر دے گا' لیکن مسلمانوں کو اس سے نہ صرف اس قدر گلوگرفتگی ہوگی جتنی زکام میں ہوتی ہے' ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا' وہ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے برہم ہو کر اٹھ بیٹھے' اور کہا کہ جو علم رکھتے ہوں وہ بولیں اور جو جاہل ہوں وہ خاموش رہیں' یہ کہنا کہ ہم نہیں جانتے یہ بھی علم ہے' خدا نے خود اپنے پیغمبر کی نسبت فرمایا ہے کہ کہہ دو کہ میں تم سے معاوضہ نہیں مانگتا' اور تم سے بناوٹ کی کوئی بات نہیں کہتا' اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں لیت ولعل کیا' اس لیے آپ نے ان کو قحط کی بددعا دی' چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ سب مردار اور ہڈیاں تک کھانے لگے' اسی حالت میں لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فضا دھوئیں سے بھر اٹھی ہے چنانچہ یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔[1]

ایک بار مروان نے اہل حجاز کو ایک خطبہ میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ترغیب دی' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا' اس نے ان کو گرفتار کرنا چاہا' وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چھپ گئے تو مروان نے تنقیص کے طور پر کہا' قرآن مجید کی آیت و الذی قال لو الدیه اف لکما اتعداننی انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے سے کہا کہ بجز براۃ افک کے ہم لوگوں کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔[2]

۷۔ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کا دارومدار تمام تر عربیت پر ہے' لیکن مفسرین نے عربیت کے اصول وقواعد کو چھوڑ کے متعدد غلطیاں کی ہیں' مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا ﴾

”جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ لوگ فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں“۔

---

[1] بخاری کتاب التفسیر تفسیر الم غلبت الروم۔ [2] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ احقاف

لیکن اگر اس آیت میں امر کے معنی حکم کے لیے جائیں جیسا کہ عام مفسرین نے لیے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا ہی ان کو فسق و فجور کا حکم دیتا ہے حالانکہ خدا برائیوں کا حکم نہیں دیتا' مفسرین کے دل میں یہ اعتراض کھٹکا ہے' اور انہوں نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن خصائص ابن جنی میں متعدد شواہد سے ثابت کیا گیا ہے کہ امر کے معنی کلام عرب میں کثرت کے بھی آتے ہیں' اس آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ جب ہم کسی شہر کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو بہت سے امراء پیدا کر دیتے ہیں' اور امارت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے فسق و فجور ہو جاتے ہیں جو تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر عربیت کا کون ماہر ہو سکتا ہے؟ اس لیے انہوں نے اس قسم کے موقعوں پر ٹھیک وہی تفسیر کی ہے جو ادب و عربیت کا اقتضا تھا' چنانچہ بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے اس میں انہوں نے امر کے معنی کثرت ہی کے لیے ہیں ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

کنا نقول للحی اذا کثروا فی الجاھلیة امر بنو فلان[1]

''زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قبیلہ بڑھ جاتا تھا تو ہم کہتے تھے کہ امر بنو فلاں''۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بحث و جستجو' تحقیق و تلاش' روک وٹوک جو کچھ تھی اس کا تعلق صرف تفسیر کے اس حصے کے ساتھ تھا جو ضروری کار آمد اور عملی تھا' غیر ضروری مباحث مثلاً تخلیق عالم اسرار کائنات' تاریخ قدیم اور قصص انبیاء سے انہوں نے کبھی اعتنا نہیں کیا' یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بروایت صحیحہ ایک حرف بھی مروی نہیں ہے' متاخرین کے دماغ کا سب سے بڑا جولانگاہ آیات متشابہات ہیں' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بحث میں پڑنا بڑا گناہ سمجھتے تھے' چنانچہ ایک شخص کو جو آیات متشابہات کے متعلق سوال کرتا پھرتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سخت سزا دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس بیٹھنے نہ پائے۔[2]

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید کی اور متعدد آیتوں کی تفسیریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں لیکن ہم ان کو بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ اذا اردنا ان نھلک قریۃ الخ۔ [2] مسند دارمی ا۳۱

علم حدیث

یہ مسلم ہے کہ حدیث کا مقدس فن تمام تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ساختہ و پرداختہ ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فن کو کیونکر مرتب کیا؟ تو اس کے جواب کے لیے ہم کو اس سوال کے تمام اجزاء کو تحلیل کر کے تفصیل کے ساتھ بتانا ہوگا۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فن حدیث کی کیا ضرورت تھی؟ اس کو کیوں کر حاصل کیا؟ کیونکر محفوظ رکھا؟ ہم تک اس کو کس حزم واحتیاط کے ساتھ پہنچایا؟ ان کی روایتوں کا مقصد کیا تھا؟ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا؟ ان سے جن لوگوں نے روایتیں کیں' انہوں نے ان احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے کس قدر مدارج قائم کیے؟ یا فن روایت کو کس حد تک پہنچایا؟ قلت و کثرتِ روایت کی بنا پر ان کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟ ان کی روایات کی تعداد کیا ہے؟ چنانچہ ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

فن روایت کی ضرورت:

عقائد' عبادات اور اخلاق کے تمام ابواب اگرچہ اصولاً قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان کی توضیح تفصیل اور تجدید وتعین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ بھی قرآن مجید کی طرح مذہبی عقائد واعمال کا لازمی جزو ہیں۔ اسی مقصد کے لیے فن حدیث کی ضرورت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی یہی ضرورت سمجھی تھی۔

چنانچہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کہا ''آپ لوگ ایسی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن مجید میں نہیں ملتی'' وہ سخت برہم ہوئے اور فرمایا کیا قرآن مجید میں یہ تفصیل ہے کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم اتنی بکریوں میں اتنی بکری اور اتنے اونٹوں میں اتنے اونٹ زکوٰۃ میں دینے چاہئیں؟ اس نے کہا نہیں بولے تو پھر تم

کو یہ کیوں کر معلوم ہوا؟ تم نے ہم سے سیکھا اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم حدیث کیونکر حاصل کیا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت کا مشتاق نہ تھا' لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کریں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ عوالی میں قیام رکھتے تھے' جو مدینہ سے کسی قدر دور ہے' اس لیے آپؐ کی خدمت میں روزانہ حاضر ہونا ناممکن تھا' تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے' اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے تاکہ خرمن نبوت کی خوشہ چینی سے کسی دن محروم نہ ہونے پائیں۔[2]

بعض صحابہ کو اس کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کے لیے برسوں آپؐ کی خدمت میں قیام کرتے تھے۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگ جب آپؐ کے پاس سے رخصت ہوتے تھے تو کچھ پوچھ کر نہیں جاتے تھے' لیکن مجھے گناہ ثواب کی حقیقت دریافت کرنی تھی' اس کے بعد میں نے ایک سال تک قیام کیا' اس کے بعد آپؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو خود تمہارے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر اس کا افشا تمہیں ناگوار ہو۔[3]

اس طرح جن بزرگوں کو آپؐ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا' اسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ جمع ہو جاتا تھا' چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر کثرت روایت حدیث کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا:

ان اخوتی من المهاجرین كان يشغلهم الصفق بالاسواق و كنت الزم رسول الله ﷺ على ملاء بطنی فاشهد اذا غابوا واحفظ اذا نسوا و كان يشغل اخوتی من الانصار عمل اموالهم و كنت امرء مسكينا من مساكين

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب ماتجب فیہ الزکوٰۃ۔ [2] بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم

[3] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب تفسیر البر والاثم۔

الصفة اعی حین ینسون[1]

''میرے بھائی مہاجرین تجارت میں اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے لیکن میں مساکین صفہ کا ایک فرد تھا' اس لیے ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا' اس بناء پر جب وہ لوگ غائب ہوتے تھے تو میں آپؐ کی خدمت میں موجود رہتا تھا' جب یہ لوگ بھولتے تھے' تو میں یاد کیا کرتا تھا''۔

وہ معاش کی ضرورت کے علاوہ خود حدیث نبویؐ کے نہایت مشتاق تھے اس لیے آپؐ سے سوالات کیا کرتے تھے' اور آپؐ شوق سے ان کا جواب دیتے تھے۔

ایک بار انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ بہرہ اندوز کون ہوگا؟ فرمایا کہ' میرا خیال تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کا سوال نہ کرے گا کیونکہ تم حدیث کے بڑے حریص ہو۔[2]

ان بزرگوں سے الگ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قرب حاصل تھا اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کے سننے اور دیکھنے کا موقع ملتا تھا' احادیث میں نہایت کثرت سے اس قسم کے واقعات ملتے' جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اور صحابہ کی روایتوں پر نکتہ چینی کی' اہل بیت میں بھی جو لوگ زیادہ متفحص ہوتے تھے' وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے تھے' حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں وہ ان کے یہاں اس غرض سے سوتے تھے' کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔[3]

شوق حدیث میں سفر:

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا' بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش میں طرح طرح کی مشقتیں کر کے سینکڑوں

---

[1] بخاری کتاب البیوع۔ [2] بخاری کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث۔

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی صلاۃ اللیل۔

کوس کا سفر کرتے تھے۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے' ایک صحابی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں ملاقات کے لیے نہیں آیا میں اور آپ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی' اس لیے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس اس کا علم ہو۔[1]

حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ مصر میں مقیم تھے' وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بازار میں آ کر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے۔ ایک مہینے میں مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے ان کے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی' جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آ کر لپٹ گئے' اور پوچھا کہ آپ کیوں تشریف لائے؟ بولے قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے' اس لیے میں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔[2]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ اور حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود تھے' لیکن بعد میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کے متعلق وہم پیدا ہوا اور وہ اس کے ازالہ شک کے لیے مصر میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور پہلے مسلمہ بن مخلد کے دروازے پر حاضر ہوئے انہوں نے ان کو مہمان بنانا چاہا' لیکن انہوں نے کہا کہ پہلے عقبہ سے میری ملاقات کروا دیجئے' وہ ایک گاؤں میں تھے وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کر کے واپس آئے۔[3]

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سینکڑوں طریقے سے احادیث کو جمع کرتے تھے' ایک بار حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ آستانہ مبارک پر ٹیک لگا کر سوئے اور آپ کی نماز شب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب الترجل۔ [2] حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۷۸ بخاری کتاب العلم میں بھی اس کا اجمالاً تذکرہ ہے' دیکھو باب الخروج فی طلب العلم۔ [3] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۸۶۔ [4] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء کم یصلی اللیل۔

ایک بار ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے ان سے کچھ کہا جس کو اور صحابہ نے نہیں سنا جب وہ پلٹے تو تمام صحابہؓ نے ان کو گھیر لیا اور کہا کہ "آپؐ نے کیا فرمایا"۔[1]

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ نماز کے سلام کے بعد آپ کیا دعا پڑھتے تھے؟ انہوں نے وہ دعا لکھ بھیجی۔[2]

اس تفحص و تلاش کے ذریعہ سے کان سعادت کے یہ موتی جب دامن میں آ جاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نشہ مسرت سے بے خود ہو جاتے تھے حضرت ابن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ ایک خاموش اور گوشہ نشین صحابی تھے ایک روز وہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہو کر گزرے تو انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا:

کلمة تنفعنا و لا تضرک.

"کچھ فرمایئے جو ہم کو نفع دے اور آپ کے لیے مضر نہ ہو"۔

انہوں نے ایک حدیث بیان کی' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس قدر مسرور ہوئے کہ سر اٹھا کر کہا' آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے' اسی طرح وہ متعدد باران کے پاس سے گزرے اور انہوں نے کلمہ نافعہ کی استدعا کی اور انہوں نے ایک حدیث بیان کر دی۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کو کیوں کر محفوظ رکھا:

دنیا کو تعجب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے ذخیرے کو کیونکر اس صحت و جامعیت کے ساتھ محفوظ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کا ایک فقرہ بھی ہوا کہ تموج میں جذب ہو کر فنا نہیں ہوا؟ لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف اس مقدس مجموعہ کی حفاظت کی بلکہ آپؐ کے ایک ایک اشارے' ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا کو محفوظ کیا تو یہ تعجب خود بخود زائل ہو جاتا۔

ایک بار لوگوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجا اذا قیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب مایقول الرجل اذا اسلم۔ [3] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار۔

میں قراءت کرتے بولے "ہاں" لوگوں نے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا ہم آپ کی ریش مبارک کی حرکت سے اس کا پتہ لگا لیتے تھے۔[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ اندازہ کیا کہ آپ ظہر وعصر کی رکعت میں کتنی دیر تک قیام کرتے ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ اوّل کی دو رکعتوں میں اتنی دیر جس میں تین آیتیں پڑھ لی جائیں اور اخیر کی دو رکعتوں میں اس کی نصف مدت۔[2]

ایک بار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نماز کا طریقہ بتایا اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی گردش نظر آ رہی ہے۔[3]

پہلے جب نماز میں اشارہ کرنا یا بات چیت کرنا جائز تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے حضرت بلالؓ سے اس کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے اسی طرح ہاتھ کو گردش دی جس طرح آپؐ ہاتھوں کو اس حالت میں گردش دیتے تھے۔[4]

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار شمار کیا معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نشست میں سو بار استغفار فرمایا۔[5]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح ان اشارات وحرکات کو محفوظ رکھا تھا' اسی طرح بعض احادیث کی روایت میں ان جزئیات کی تفصیل بھی بیان کرتے تھے۔

ایک بار حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کے مجمع میں کہا کہ میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے واقف ہوں' ان لوگوں نے کہا' کیونکر؟ تم نہ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے' نہ ہم سے زیادہ قدیم الصحبت' انہوں نے صلوۃ نبویہ کے ایک ایک جزئیات کو بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے تصدیق کی۔[6]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الظہر۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تخفیف الاخرین

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تفریع ابواب الرکوع والسجود ووضع الیدین علی الرکبتین۔

[4] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب رد السلام فی الصلوۃ۔ [5] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی الاستغفار۔

[6] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب افتتاح الصلوۃ۔

لیکن احادیث کے محفوظ رکھنے کا اصلی ذریعہ حفظ حدیث تھا' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو ازبر یاد کرتے تھے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رات کے تین حصے کرتا تھا ایک میں سوتا تھا' ایک میں نماز پڑھتا تھا' اور ایک میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا تھا[1]

لوگوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہم کو احادیث کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے فرمایا۔ ہم حدیث کو قرآن کی طرح لکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے' لیکن جس طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر حدیثیں یاد کر لی تھیں' تم بھی اسی طرح یاد کر لو[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس حزم واحتیاط کے ساتھ ہم تک احادیث کو پہنچایا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے' بعض صحابہ مثلاً حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سرے سے روایت ہی نہیں کرتے تھے' ایک بار ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ تمام صحابہ کی طرح کیوں نہیں روایت کرتے؟ بولے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ کو امتیاز وخصوصیت حاصل تھی' تاہم میں نے آپؐ سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف جھوٹ کا انتساب کرے اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے[3]

بعض صحابہ برسوں قال الرسول کے لفظ سے اپنے لب کو آشنا تک نہیں کرتے تھے' امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث بیان نہ کی ہے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ' حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی' لیکن طلحہ کے سوا کہ وہ واقعات احد بیان کرتے تھے' کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔[4]

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی لیکن میں نے ان کی زبان سے ایک حدیث بھی نہیں سنی[5]

---

[1] مسند دارمی ص ۴۵۔ [2] دارمی ص ۶۶۔ [3] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] بخاری کتاب الجہاد باب من حدیث بمشاہدہ فی الحرب۔ [5] سنن ابن ماجہ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کی درخواست کرتے تھے' لیکن وہ انکار کر دیتے یا ٹال دیتے تھے' ایک بار لوگوں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حدیث بیان فرمائیے' بولے ہم لوگ بوڑھے ہوئے اور بھول گئے حدیث کی روایت کرنا تو نہایت سخت کام ہے۔

ایک بار لوگوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کی درخواست کی تو فرمایا کہ انشاء اللہ[1]

جو صحابہ روایت کرتے تھے' وہ بھی نہایت کم حدیثیں بیان کرتے تھے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کثرت روایت سے مجھے یہ حدیث روکتی ہے[2] من کذب علی متعمدا الخ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مہینے میں صرف دو یا تین حدیثوں کی روایت کرتے تھے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ کثرتِ روایت سے روکتے تھے۔

حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو عراق بھیجا تو ہماری مشایعت کی اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ چلتا ہوں؟ سب نے کہا یہ ہماری ہمت افزائی ہے بولے ہاں' لیکن تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو' جو تلاوتِ قرآن میں شہد کی مکھیوں کی طرح ترنم ریز ہے' پس ان کی تلاوت میں خلل انداز نہ ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بہت کم بیان کرنا اور میں تمہارا شریک رہوں گا۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حدیث بیان کرتے تھے تو روایت کی ذمہ داری سے گھبرا اٹھتے تھے حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ ایک تابعی تھے' ان کا بیان ہے کہ میں ہر جمعرات کو بلاناغہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا' لیکن ان کی زبان سے کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ نہیں سنا' ایک دن یہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تو گردن جھکا لی' میں نے دیکھا تو ان کی قمیص کے تکمے کھلے ہوئے تھے' آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں

---

[1] دارمی ص ۴۶۔ [2] بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [3] دارمی ص ۴۶۔

[4] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

گردن کی رگیں پھول گئیں تھیں حدیث کی روایت کرتے تھے' تو احتیاطاً کہتے جاتے تھے' اس سے کم یا اس سے زیادہ' اس کے قریب یا اس کے مشابہ یعنی یقینی طور پر نہیں کہتے تھے کہ یہی الفاظ ہیں۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان کرتے تھے تو گھبرا اٹھتے تھے' اور کہتے تھے کہ یہ الفاظ ہیں یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں جب حدیث بیان کروں تو مجھے یہ گوارا ہے کہ مجھ پر آسمان پھٹ پڑے بہ نسبت اس کے کہ آپ کی طرف اس حدیث کا انتساب کروں جس کو آپ نے نہیں فرمایا۔[3]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو ہند رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ وہ اپنے بستر پر ایک چھڑی رکھ کر بیٹھتے تھے۔ جب ان کے لڑکے اور بھتیجے علم حدیث کی تعلیم کے لیے آتے اور کہتے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو چھڑی اٹھا کر فرماتے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر روایت کر سکتے ہو۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس حزم و احتیاط سے روایت کرتے تھے اسی حزم و احتیاط کے ساتھ ان کو قبول بھی کرتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی صحابی روایت کرتے ہیں تو میں ان سے قسم لیتا ہوں جب وہ قسم کھا لیتے ہیں تو میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں۔[5]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت نرم خو تھے' لیکن روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کی مداہنت نہیں کرتے تھے' ایک بار دادی کی میراث کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک روایت کی تو فرمایا کہ شاہد لاؤ' حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی تو اس کو قبول کیا۔[6]

تمام صحابہؓ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متشدد فی الحدیث تھے' ایک بار زدو کوب میں ایک عورت کا حمل ساقط ہو گیا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی دیت کے متعلق

---

[1] ابوداؤد باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] دارمی ص ۴۶۔ [3] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علی قتل الخوارج۔ [4] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو ہند رضی اللہ عنہ۔ [5] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار۔ [6] ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی الجدۃ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام یا ایک لونڈی اس کی دیت میں دلوائی ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر شہادت طلب فرمائی تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی۔[1]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ابو موسیٰ اجازت چاہتا ہے اشعری رضی اللہ عنہ اذن چاہتا ہے' عبداللہ بن قیس استیذان کا خواستگار ہے' تین بار کی اذن طلبی پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو واپس آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر پوچھا کیوں واپس چلے گئے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تین بار اذن نہ ملے تو واپس چلے آؤ' فرمایا ''اس حدیث پر گواہ لاؤ'' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو کہا کہ میں تم کو متہم کرنا نہیں چاہتا تھا' یہ تشدد صرف اس خوف کی بناء پر تھا کہ لوگ جھوٹی روایتوں کے کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں' لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس تشدد کو دیکھ کر کہا' عمر! اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا عذاب نہ بنو۔[2]

ایک بار حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ بازار میں چادر خرید رہے تھے' لوگوں نے پوچھا کیا کرو گے؟ بولے اس کو صدقہ میں دوں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا اور چلے گئے بعد کو ملے تو کہا کہ وہ چادر کیا ہوئی' انہوں نے کہا میں نے بی بی پر صدقہ کر دیا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بی بی کو جو کچھ دو گے وہ صدقہ ہو گا' بولے عمرو رضی اللہ عنہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء نہ کرو' چنانچہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے اور اس حدیث کی تصدیق کرائی۔[3]

ایک بار حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ ' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسی تشدد واحتیاط کی بناء پر قید کر دیا اور کہا یہ حدیثیں روایت کرتے ہو؟[4]

ایک بار کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بھی تم اسی

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب دیت الجنین۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان و بخاری کتاب الاستیذان۔ [3] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۹۴۔ [4] المعتصر من المختصر من مشکل آلاثار للطحاوی ص ۴۵۹۔

طرح حدیثوں کی روایت کر سکتے تھے؟ بولے "اگر ایسا کرتے تو کوڑا کھاتے"۔[1]

اس تشدد کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روایتیں اس قدر منقح ہو گئیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے والی حدیثیں روایت کی جائیں' کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی معاملات میں ڈرایا کرتے تھے۔[2]

روایت حدیث کا مقصد:

ثواب آخرت کے علاوہ علم حدیث چونکہ دنیوی عزت و جاہ کا ذریعہ تھا' اس لیے اخیر زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے' جو صرف حصول عزت کے لیے حدیثیں بناتے تھے' اور ان کی روایت کرتے تھے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت حدیث کا مقصد حصول ثواب اخروی کے سوا اور کچھ نہ تھا' یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ اس امانت کو اس وقت ادا کرتے تھے جب دنیوی عزت ہر شخص کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے' اور ہر امین کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے امانت ادا نہیں کی تو خدا کے نزدیک ماخوذ ہوگا' چنانچہ ایک صحابی نے انتقال کے وقت ایک حدیث کی روایت کی اور کہا میں صرف حصول ثواب کے لیے اس کی روایت کرتا ہوں۔[3]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرے گا وہ جنتی ہوگا' لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اس کا عام اعلان نہ کیا جائے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اس راز کو چھپایا' لیکن دم نزع خوف کتمان سے اس راز کو افشا کر دیا۔[4]

عبیداللہ بن زیاد رضی اللہ عنہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آئے تو بولے میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں' اگر مرض الموت میں مبتلا نہ ہوتا تو نہ بیان کرتا' آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو امیر مسلمانوں کی خیر خواہی نہ کرے گا' وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] مسلم کتاب الزکوۃ باب النہی عن المسئلہ۔ [3] ابوداؤد باب ماجاء فی الہدی فی المشی الی الصلوۃ۔ [4] مسلم کتاب الایمان باب من لقی اللہ بالایمان وہو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار۔ [5] مسلم کتاب الایمان باب استحقاق الوالی الغاش لرعیۃ النار

صحابہؓ کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ کس قدر تھا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ زبانی روایتیں کرتے تھے' تاہم ان کے پاس حدیث کے بعض تحریری ذخیرے بھی موجود تھے' اخیر زمانے میں زکوٰۃ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستور العمل مرتب فرمایا تھا اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محفوظ رکھا تھا' چنانچہ وہ مدتوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں محفوظ رہا اور وہیں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقل لی۔[1]

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۵۰۰ حدیثیں بھی لکھی تھیں لیکن پھر اس مجموعہ کو جلا دیا۔

فتح مکہ کے بعد آپؐ نے جو خطبہ دیا تھا' اس کے متعلق یمن کے ایک صحابی ابوشاہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے لیے لکھوا دیا جائے' چنانچہ آپؐ نے اس کو لکھوا دیا۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس احکام کا ایک مجموعہ تھا جس کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں قرآن مجید اور اس صحیفہ کے سوا کچھ اور نہیں لکھا۔[3] یہ صحیفہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے' چنانچہ ایک صحابی کو انہوں نے اپنی تلوار کی میان سے نکال کر اس کو دکھایا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپؐ سے جو کچھ سنتے تھے' لکھ لیتے تھے' قریش نے ان کو منع کیا کہ آپ مختلف حالتوں میں گفتگو کرتے ہیں' اس لیے آپ کا ہر ارشاد حدیث نہیں ہوسکتا' انہوں نے آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ لکھا کرو اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔[5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے تھے'

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ السائمۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب تحریم مکہ و بخاری کتاب العلم۔ [3] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی تحریم المدینۃ۔ [4] ابوداؤد کتاب الحدود باب ایقاذ المسلم من الکافر۔ [5] ابوداؤد کتاب العلم باب فی کتابۃ العلم۔

بیٹھ کر لکھتے جاتے تھے' آپ نکلے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتاب بھی لکھی جائے گی؟ اس لیے ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو جمع کر کے جلا دیا۔[1]

فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اشخاص اور مختلف قبائل کے نام جو فرامین لکھوائے تھے وہ اگرچہ زیادہ تر شخصی حیثیت رکھتے تھے' تاہم ان سے بھی شرعی مسائل مستنبط ہو سکتے تھے' اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کا جو تحریری ذخیرہ جمع کیا تھا' اسی سلسلہ میں یہ بھی داخل ہیں اس قسم کے فرمان متعدد صحابہ کے پاس محفوظ تھے' حضرت مجاعہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کو قبیلہ بنوسدوس نے قتل کر دیا تھا' وہ آپ کے پاس آئے' اور دیت طلب کی' آپ نے فرمایا کہ میں مشرک کی دیت تو نہیں دے سکتا' لیکن ایک فرمان لکھ دیا کہ مشرکین بنو ذہل کے یہاں سے جو خمس آئے اس میں سے ان کو سو اونٹ دیئے جائیں چنانچہ انہوں نے ایک حصہ وصول کر لیا' جو باقی تھا اس کو وصول کرنے سے پہلے بنو ذہل نے اس کا معاوضہ دوسرے ذرائع سے پورا کر دیا۔[2]

حضرت یزید بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کھڑے تھے کہ پراگندہ مو شخص ہاتھ میں سرخ چمڑا لیے ہوئے آیا' ہم نے اس کو لے کر دیکھا تو وہ فرمان تھا ہم نے پوچھا اس کو کس نے لکھا ہے بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔[3]

جن لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایتیں کیں انہوں نے احادیث کا کس قدر تحریری ذخیرہ فراہم کیا:

خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان کو اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[4] لیکن بہت سے صحابہ کتابت حدیث کو جائز سمجھتے تھے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عام حکم دیا تھا کہ "قیدو العلم بالکتاب" یعنی علم کو لکھ لیا کرو۔

---

[1] مسند جلد ۳ ص ۱۹۹۔ [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی۔

[3] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب ماجاء فی سہم الصفی۔ [4] مسند دارمی صفحہ ۶۷ باب من لم یر کتابت الحدیث

بشیر بن نہیک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ سنتا تھا لکھ لیتا تھا' جب ان سے رخصت ہونے لگا' تو اس مجموعہ کو دکھا لیا' انہوں نے اس کی تصدیق کی' سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ رات کو مکہ کے راستہ میں چلتا تھا' وہ حدیث بیان کرتے تھے تو میں اپنے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا' پھر صبح کو صاف کر لیتا تھا' حضرت براء رضی اللہ عنہ کے تمام تلامذہ قلم سے اپنی ہتھیلیوں پر لکھتے تھے' حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تمام حدیثیں ان کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو خود حدیث لکھوائی اور اس نے لکھ لی۔[1]

حضرت زید بن ثابت حدیثوں کے لکھنے کے مخالف تھے' لیکن مروان بن حکم نے ان کو اپنے یہاں بلوا کر بیچ میں ایک پردہ ڈال دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو چپکے سے لکھتا جائے۔[2]

غرض اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے زمانے میں فن حدیث مدون ہو چکا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انہی اجزائے پریشان کو ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کر دیا۔[3]

مدارج حدیث کی تعیین:

حدیث کے مختلف مدارج ہیں بعض روایتیں متواتر ہوتی ہیں یعنی ان کی روایت ایک جم غفیر کرتا ہے' بعض روایتیں مشہور ہوتی ہیں' جو اگرچہ درجہ تواتر کو نہیں پہنچتیں تاہم ہر زمانے میں بہ کثرت لوگ ان کی روایت کرتے ہیں' بعض حدیثوں کی روایت کا سلسلہ چند اشخاص تک محدود رہتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی شخص کسی حدیث کی روایت کرتا ہے' یہی روایتیں ہیں جن کو اصطلاح میں خبر احاد کہتے ہیں' اس اختلاف مدارج کا اثر ان فقہی احکام پر پڑتا ہے جو ان حدیثوں میں مذکور ہوتے ہیں' یا ان سے مستنبط کیے جاتے ہیں' قطعیت کے لحاظ سے خبر احاد متواتر یا مشہور روایتوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس بنا پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ خبر آحاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص یا تنسیخ ہو سکتی ہے' یا نہیں؟ امام

---

[1] مسند دارمی ص ۶۸' ۶۹ باب من رخص فی کتابۃ العلم۔ [2] مسند جلد ۲ ص ۱۹۹۔ [3] مسند دارمی صفحہ ۶۶

شافعیؒ کا مذہب ہے کہ خبر احاد کے ذریعہ سے قرآن مجید کے کسی حکم عام کی تخصیص بلکہ تنسیخ بھی کی جاسکتی ہے۔ اس وقت ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اس موقع پر صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث کے مختلف مدارج قائم کر لیے تھے۔ اور اس اختلاف مدارج کا جو اثر احکام پر پڑ سکتا تھا' اس کے متعلق خود انہوں نے اپنی اجتہادی رائے قائم کر لی تھی۔

قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن دے دی جائے تو جب تک ایام عدت گذر نہ جائیں شوہر بی بی کو گھر سے نکال نہیں سکتا۔

وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ. ''اور ایام عدت میں ان کو گھروں سے نہ نکالو''۔

اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایام عدت میں عورت کو سکنی کا حق حاصل ہے' اب صرف بحث ہے کہ اس کو نان ونفقہ کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں اگرچہ اس کے متعلق صریح حکم نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں حاملہ عورتوں کے متعلق بہ تصریح حکم دیا گیا ہے کہ اگر حاملہ عورتوں کو طلاق دی جائے تو جب تک وضع حمل نہ ہو' شوہر کو نان ونفقہ دینا ہوگا۔

﴿اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (قرآن)
''اگر وہ حاملہ ہوں تو زمانہ وضع حمل تک ان کے نان ونفقہ کے کفیل رہو''۔

حاملہ عورت کے وضع حمل کا زمانہ اس کی عدت کا زمانہ ہوتا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت کا نان ونفقہ کا بار شوہر پر ہے' اس کے علاوہ عورت کو جب سکنی کا حق حاصل ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نان ونفقہ کا بار بھی شوہر ہی پر ہوگا۔

قرآن مجید کا یہ حکم قطعی ہے' اس لیے صرف قطعی دلائل ہی سے اس کی تنسیخ یا تخصیص ہوسکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق بائن دی تھی' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو نان نفقہ اور سکنی کے حق سے محروم کر دیا تھا' لیکن چونکہ یہ خبر احاد تھی' جس کے ذریعہ سے قرآن مجید کے احکام منصوصہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا۔

ما کنا لندع کتاب ربنا و سنة نبینا صلی الله علیه وسلم لقول امراة لا ندری احفظت ام لا.

''ہم خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے' خدا جانے اس نے اصل واقعہ کو یاد بھی رکھا یا کہ نہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم زبان تھیں' ان کا خیال تھا کہ آپ ؐ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس بنا پر گھر سے منتقل کر دیا تھا' کہ ان کا گھر سنسان اور آبادی سے دور تھا۔ یہ ایک خاص حالت تھی جس پر خاص ضرورت نے مجبور کیا تھا' کوئی حکم عام نہ تھا[1]

درایت:

حدیثوں کے متعلق روایت کی حیثیت سے بحث صرف راوی کے عوارض و خصوصیات کی بناء پر ہوتی ہے۔ لیکن درایت کی رو سے جب کسی حدیث کی تنقید کی جاتی ہے تو راوی بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور خارجی عوارض و اسباب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اگرچہ درایت کے تمام اصول و قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے' تاہم اس کی ابتداء ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے راوی سے قطع نظر کر کے اور حیثیتوں سے بھی روایت پر نظر ڈالی تھی' ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ جو چیز آگ سے پکا دی جائے اس کے استعمال سے وضوء واجب ہو جاتا ہے' اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا کہ اس بناء پر تو ہم کو روغن اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضوء کرنا پڑے گا۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جب کوئی مسلمان اس کو حالت نماز میں پا لیتا ہے تو اس وقت خدا سے جو کچھ مانگتا ہے خدا اس کو دے دیتا ہے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی جستجو ہوئی' اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کو معلوم کر لیا کہ وہ جمعہ کے دن کی سب سے آخری ساعت ہے' انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی نفقة المبتوتة۔ [2] ترمذی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار

بیان کیا تو بولے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے تو فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس کو حالت نماز میں پالے' حالانکہ دن کی آخری ساعت میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔[1]

اس باب میں عائشہ رضی اللہ عنہا خاص طور پر ممتاز ہیں' انہوں نے درایت کی رو سے جن احادیث پر اعتراضات کیے ہیں ان سے درایت کے بعض اصول بھی قائم ہوتے ہیں' مثلاً ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ مردے پر اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ خود قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ ''ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا''۔

اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ کوئی روایت نصوص قرآنی کے مخالف نہیں قبول کی جا سکتی' چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں پر اعتراضات کیے' مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں' جو شخص یہ روایت کرے وہ دروغ گو ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾

''خدا کو کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے''۔

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت' گھوڑے اور گھر میں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾[2]

''زمین میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں''۔

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

﴿ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ﴾ ''خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پالیا؟''۔

---

[1] ابوداؤد' کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب الجمعہ۔

[2] یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ ص ۸' ۱۷' ۱۸' ۲۱ میں موجود ہیں اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

ما انتم باسمع منهم و لكن لا يجيبون.

''تم ان سے زیادہ نہیں سنتے' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپؐ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

انهم ليعلمون الآن ما كنت اقول لهم حق.

''وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا''۔

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی ﴾ (سورۃ الروم آیت ۵۲) ﴿وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴾ (سورہ فاطر آیت ۲۲)

''اے پیغمبر! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے تھے۔[1]

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ان کے ایک شاگرد نے جوازِ متعہ کی روایت کی نسبت پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا' بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر یہ آیت پڑھی۔

﴿ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴾

''جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں''۔

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں۔[2]

---

[1] بخاری غزوۂ بدر۔ [2] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں باپ بچہ) بدتر ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے' واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے علاوہ ولدالزنا بھی ہے" آپؐ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے' یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے' یہ ایک خاص واقعہ تھا' عام نہ تھا' خدا خود فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾

"کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا"۔

یعنی قصور تو ماں کا ہے' بچے کا کیا گناہ ہے[1] جس کی بناء پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

احادیث میں اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جن روایات میں کسی قسم کا اشتباہ ہوسکتا تھا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر تنقید کر کے اس مقدس فن کو اغلاط و اوہام سے پاک کر دیا۔

طبقات الصحابہ رضی اللہ عنہم:

اگرچہ[2] محدث ابوزرعہ کے قول کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ تاہم علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں جن صحابہ کا تذکرہ کیا ہے اور جن کی نسبت لکھا ہے کہ صحاح میں ان سے حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد صرف ایک سو پانچ ہے' لیکن تفحص و تلاش سے اس پر اور صحابہ کے ناموں کا بھی اضافہ ہوسکتا ہے' چنانچہ مسند ابوداؤد طیالسی جو دوسری صدی کے اخیر میں تصنیف ہوئی ہے اس میں تقریباً ڈھائی سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں ہیں۔

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابہ میں اٹھائیس صحابہ ایسے ہیں جن کے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں' لیکن ان اٹھائیس صحابہ میں عام محدثین کی تصریح کے مطابق ۶ صحابہؓ سب سے زیادہ کثیر الروایات ہیں' اور علم حدیث میں

---

[1] اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔ [2] یہ پورا ٹکڑا مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون شائع شدہ الندوہ بابت اگست ۱۹۱۹ء سے حرف بحرف منقول ہے۔

نصف سے زیادہ صرف ان ہی کی روایتیں ہیں اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے کم از کم چالیس حدیثیں میری امت کو پہنچا دیں اس کا حشر علماء کے ساتھ ہوگا' اس لیے محدثین نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہوں گی وہ قلیل الروایات شمار کیے جائیں گے' اس بنا پر قلت و کثرت روایت کی حیثیت سے محدثین نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے چار طبقے قرار دیئے ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
۲۔ دوسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں۔
۳۔ تیسرا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں۔
۴۔ چوتھا طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں۔

لیکن چونکہ پانچ سو سے چالیس تک کے رواۃ زیادہ ہیں' اس لیے ہم نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں' سو سے پانچ سو تک ایک طبقہ اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ' اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ کے پانچ طبقہ قرار دیئے ہیں:

۱۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں۔
۲۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں مگر ہزار سے کم۔
۳۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم۔
۴۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں مگر سو سے کم۔
۵۔ وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس سے کم ہیں۔

عام محدثین اگرچہ پہلے طبقے میں صرف چھ صحابہ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو داخل کرتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے کثیر الراویہ صحابہ میں آٹھ بزرگوں کا نام لیا ہے چنانچہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین باعتبار کثرت وقلت روایت حدیث بر چہار طبقہ اند مکثرین کہ:

"مرویات ایشان ہزار حدیث فصاعداً یا زیادہ' متوسطین کہ مرویات ایشان پانچ

صد حدیث فصاعداً باشد بمثل ابو موسیٰ اشعری براء بن عازب وجمیعکہ مرویات الیشان چہل حدیث باشد فصاعداً تا سہ وصد و چہار صد در حدیث شریف آمدہ است من حفظ علی امتی اربعین حدیثا حشر مع العلماء او کما قال و مقلین کہ مرویات الیشان تا چہل نمی رسد' جمہور محدثین گفتہ اند کثیر الروایات کہ مکثرین از صحابہ ہشت کس اند' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وعبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وانس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ[1]

لیکن شاہ صاحب کا دعویٰ محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں:

عن احمد بن حنبل قال ستة من اصحابه النبی صلی اللہ علیہ وسلم اكثروا الرواية عنه و عمروا ابو هريرة و ابن عمر و عائشه و جابر بن عبدالله و ابن عباس و انس.

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ چھ صحابہ کثیر الروایات ہیں اور انہوں نے طویل عمریں پائی ہیں' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ' ابن عمر رضی اللہ عنہما ' عائشہ رضی اللہ عنہا ' جابر رضی اللہ عنہ ' ابن عباس رضی اللہ عنہما ' انس رضی اللہ عنہ''۔

علامہ عینی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

و كانت واحد الستة الذين هم اكثر الصحابة رواية.[2]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان چھ صحابہ میں تھیں جو کثیر الروایۃ ہیں''۔

لیکن اصل یہ ہے کہ عام محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام کثیر الروایت صحابہ کے ساتھ نہیں لیا' حالانکہ ان کی مرویات ایک ہزار سے زیادہ ہیں[3] شاہ صاحب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو طبقہ اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ ان کی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے[4] اس لیے کثیر الروایت صحابہ جن کا نام طبقہ اول میں لیا جا سکتا۔

---

[1] ص ۲۱۴ مقصد دوم۔ [2] عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۴۵۔ [3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۳۵۔
[4] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰۸۔

ہے سات ہیں' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔

شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے حالانکہ ان دونوں کی حدیثیں پانچ سو سے بہت کم ہیں' اس لیے یہ لوگ دوسرے طبقہ میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں داخل ہیں۔

مرویات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد:

بہرحال قلت وکثرتِ روایت کی بنا پر صحابہ کے پانچ طبقے ہیں جن کے نام اور تعداد اور روایات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

طبقہ اوّل:

یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں' اس طبقے میں سات بزرگ ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
①	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴
②	حضرت عبداللہ بن بن عباس رضی اللہ عنہما	۲۶۶۰
③	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
④	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۶۳۰
⑤	حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	۱۵۴۰
⑥	حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ	۱۲۸۶
⑦	حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷۰

طبقہ دوم:

یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زائد ہیں اس طبقہ میں صرف چار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ

①	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۸۴۸
②	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما	۷۰۰
③	حضرت علی رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب	۵۸۶
④	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۵۳۹

طبقہ سوم:

یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں اس طبقہ میں چھبیس صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱۔	ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۳۷۸
۲۔	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۳۶۰
۳۔	حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ	۳۰۵
۴۔	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۲۸۱
۵۔	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۱۵
۶۔	حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ	۱۸۸
۷۔	حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	۱۸۱
۸۔	حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	۱۷۹
۹۔	حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ	۱۷۰
۱۰۔	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۱۱۔	حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۱۲۔	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۵۷
۱۳۔	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ	۱۵۰
۱۴۔	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۱۵۔	حضرت جابر بن سمرہ	۱۴۶

۱۶۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۴۲
۱۷۔	حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	۱۳۶
۱۸۔	حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۱۹۔	حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۲۰۔	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	۱۳۰
۲۱۔	حضرت ثوبان مولی النبی ﷺ	۱۲۷
۲۲۔	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	۱۲۸
۲۳۔	حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ	۱۲۴
۲۴۔	حضرت سمرہ بن جندب فزاری رضی اللہ عنہ	۱۲۳
۲۵۔	حضرت ابومسعود عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۰۲
۲۶۔	حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ	۱۰۰

طبقہ چہارم:

یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں ۳۴ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱۔	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	۹۵
۲۔	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۹۲
۳۔	حضرت ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ	۹۲
۴۔	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	۹۰
۵۔	حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ	۸۱
۶۔	حضرت کعب بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ	۸۰
۷۔	حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ	۷۸
۸۔	حضرت سلمہ بن اکوع	۷۷

۳۲۔	حضرت حکیم بن حزام اسدی رضی اللہ عنہ	۴۰
۳۳۔	حضرت سلمہ بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ	۴۰

طبقہ پنجم:

یعنی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں اس طبقہ میں پچپن صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں:

نمبر	نام	تعداد احادیث مرویہ
۱۔	حضرت بیر بن عوام رضی اللہ عنہ	۳۸
۲۔	حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا	۳۴
۳۔	حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ	۳۲
۴۔	حضرت عیاض بن حماد تمیمی رضی اللہ عنہ	۳۰
۵۔	حضرت مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ	۲۸
۶۔	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	۲۵
۷۔	حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا	۲۴
۸۔	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ	۲۵
۹۔	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	۲۲
۱۰۔	حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا	۲۱
۱۱۔	حضرت اسید بن حضیر اشہلی رضی اللہ عنہ	۱۸
۱۲۔	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	۱۸
۱۳۔	حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ	۱۸
۱۴۔	حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا	۱۵
۱۵۔	حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ	۱۴
۱۶۔	حضرت معاویہ بن حکیم سلمی رضی اللہ عنہ	۱۳
۱۷۔	حضرت عروہ بن ابی جعد الاسدی	۱۳

۱۸۔	حضرت یسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا	۱۱
۱۹۔	حضرت عروہ بن مفرس رضی اللہ عنہ	۱۰
۲۰۔	حضرت مجمع بن یزید رضی اللہ عنہ	۱۰
۲۱۔	حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ	۷
۲۲۔	حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	۷
۲۳۔	حضرت قبیصہ بن مخارق عامری رضی اللہ عنہ	۶
۲۴۔	حضرت عاصم بن عدی قضاعی رضی اللہ عنہ	۶
۲۵۔	حضرت سلمہ بن نعیم اشجعی رضی اللہ عنہ	۵
۲۶۔	حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ	۵
۲۷۔	حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ	۵
۲۸۔	حضرت سائب بن فلاح رضی اللہ عنہ	۵
۲۹۔	حضرت خفاف غفاری رضی اللہ عنہ	۵
۳۰۔	حضرت ذو مخبر حبشی رضی اللہ عنہ	۵
۳۱۔	حضرت مالک بن ہبیر کندی رضی اللہ عنہ	۴
۳۲۔	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۴
۳۳۔	حضرت ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہ	۲
۳۴۔	حضرت کعب بن عیاض اشعری رضی اللہ عنہ	۲
۳۵۔	حضرت کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ	۲
۳۶۔	حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	۲
۳۷۔	حضرت جدانہ بنت وہب رضی اللہ عنہا	۲
۳۸۔	حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ	۱
۳۹۔	حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ	۱
۴۰۔	حضرت کلثوم بن علقمہ	۱

ان کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے ہیں چونکہ وہ صغار صحابہؓ ہیں اور ان کی روایت کتب حدیث میں اس قدر کم ہے کہ وہ شمار میں نہیں آئی' اس لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ مختلف طبقات میں ہم نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لیا ہے ان کی مجموعی تعداد ایک سو پچیس ہے اور مسلمانوں کے پاس احادیث کا جو سرمایہ باقی ہے وہ انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

علم فقہ

علم فقہ کی تدوین و ترتیب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مساعی جمیلہ کا جو حصہ شامل ہے اس کی تاریخ حسب ذیل عنوانات میں بیان کی جا سکتی ہے۔

1. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر علم فقہ کی تعلیم حاصل کی؟
2. فقہائے صحابہؓ کے کس قدر طبقات قائم ہوئے؟
3. انہوں نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی؟ اور فقہ کے مسائل کیونکر مدون کیے؟
4. انہوں نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کیے؟
5. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر فقہ کی تعلیم حاصل کی:

عہد نبوت میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے' سوال و استفسار کے ذریعہ سے بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کیے جا سکتے تھے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ تو فرطِ ادب سے' اور کچھ اس لیے کہ خود قرآن مجید نے سوالات کرنے کی ممانعت کر دی تھی آپؐ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے۔ مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ مسائل دریافت کیے تھے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں[1]، اس بناء پر آپؐ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپؐ کے تمام اعمال مثلاً وضو' نماز' روزہ' زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن و امارات سے ان کے شروط' و ارکان کو مباح' واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے[2]

صحابیات کو بے شبہ اس طریقہ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا تھا' اس کے ساتھ بہت سے مخصوص نسوانی مسائل عام طور پر بیان بھی نہیں کر سکتے تھے' اس لیے ان کو زیادہ

---

[1] مسند دارمی ص ۲۹۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ ۱۱۲

تو آپؐ سے سوال و استفسار کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اور اس طرح فقہ کے بہت سے مسائل واضح اور منقح ہو جاتے تھے۔ انصاریہ عورتیں اس باب میں خاص طور پر ممتاز تھیں' چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعتراف ہے:

نعم النساء نساء الانصار لم یکن منعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین [1]

''انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھی''۔

جو صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ سے باہر رہتے تھے' ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں ملتا تھا' اس لیے وہ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند روز قیام کرتے تھے' اور فقہی تعلیم حاصل کر کے واپس جاتے تھے' تو خود اپنی قوم کے معلم بن جاتے تھے' چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت انہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے:

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ [2]

''تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب اپنی قوم میں واپس جائے تو ان کو ڈرائے شائد وہ لوگ ڈر جائیں''۔

چنانچہ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی متعدد سفارتوں کا ذکر ہے جو قبائل عرب سے آپؐ کی خدمت میں آئیں' اور مذہبی تعلیم حاصل کر کے واپس گئیں' وفد عبدالقیس نے خدمت مبارک میں آ کر عرض کیا ہم ایک طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں اور درمیان میں کفار مضر حائل ہیں اس لیے اشہر حرم کے سوا حاضر خدمت نہیں ہو سکتے' ہم کو وہ احکام سکھائے جائیں جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں' آپؐ نے ایمان' نماز' زکوٰۃ' روزہ' اور خمس کا حکم دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور کہا کہ اس کو یاد کر لو' اور پلٹ کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرو۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضوع الدم۔

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۸۸۔

[3] بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی ﷺ وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان و العلم۔

قبیلہ بنو سعد کی طرف سے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ آئے اور نماز اور روزے وغیرہ کے متعلق چند سوالات کر کے کہا' کہ میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔[1]

غرض اس طرح اکثر صحابہ فقہ کے ضروری اور عملی مسائل سے واقف ہو گئے تھے۔

طبقات فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم:

فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں:

① مکثرین' یعنی وہ صحابہ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔

② مقلین' یعنی وہ صحابہ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔

③ متوسطین' یعنی وہ صحابہ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما داخل ہیں' علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں' چنانچہ ابوبکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

دوسرے طبقے میں بکثرت اصحاب داخل ہیں اور ان سے صرف دو ایک مسائل منقول ہیں' یہاں تک کہ ان سب کے مسائل کو ایک مختصر سے رسالے میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

متوسطین میں صرف تیرہ صحابی یعنی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شامل ہیں' اور ان سب کے فتاویٰ کو علیحدہ علیحدہ مختصر رسالوں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔[2]

---

[1] بخاری کتاب العلم باب القراءۃ والعرض علی المحدث۔ [2] اعلام الموقعین ص ۱۳ میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین کو کیونکر فقہ کی تعلیم دی:

موجودہ فقہ کی بنیاد صرف چار صحابہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ نے ڈالی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ فقہ کی تعلیم دیتے تھے' اور ان کے تلامذہ ان کے احکام وفتاویٰ کو لکھ لیا کرتے تھے' چنانچہ علامہ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

لم يكن احدله اصحاب معروفون حلروا افتياه و مذاهبه في الفقه غير ابن مسعود[1]

''ابن مسعود کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاویٰ اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا''۔

ان کے تلامذہ میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نہایت نامور ہوئے' علقمہ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور انہوں نے فقہ کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے عہد میں فقہ کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار ہو گیا' جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے انہی سے تعلیم پائی ہے اس لیے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ واحکام پر قائم ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

كان ابو حنيفة رحمہ اللہ الزمهم بمذهب ابراهيم و اقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله.[2]

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ابراہیم اور ان کے اقران کے مذہب کے سخت متبع تھے اور اس سے بہت کم ہٹتے تھے''۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہتے تھے اور ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا' اور ان کے تمام تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیّب عطاء بن یسار' عروہ' اور قاسم وغیرہ نہایت ممتاز تھے' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی مدینہ ہی میں مقیم تھے اور ان کی روایتوں کے سب سے بڑے جامع حضرت نافع تھے' امام مالک نے انہی دونوں بزرگوں کے تلامذہ یعنی نافع سعید بن مسیب عروہ اور قاسم سے تعلیم حاصل کی تھی[3] اس لیے انہوں نے انہی کے مذہب پر اپنی فقہ کا سنگ بنیاد رکھا چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

و لذلك نرى مالكا يلازم محجهتم.[4]

---

[1] اعلام الموقعین ص ۳۲۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۶۔ [3] الدیباج المذہب تذکرہ امام مالک

[4] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶۔

"اس لیے مالک اہل مدینہ کی روش کو لازم پکڑتے ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ نے مکہ کو دار العلوم بنایا تھا' چنانچہ جب فقہ کی تدوین و ترتیب کی ابتداء ہوئی تو سب سے پہلے انہی مقامات میں کتابیں لکھی گئیں' امام مالک اور عبدالرحمٰن بن ابی ذیب نے مدینہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتابیں لکھیں جن میں امام مالک کی کتابوں کو نہایت قبول عام حاصل ہوا۔[1]

تدوین مسائل:

جن مسائل کے متعلق مصرح حدیثیں موجود تھیں اور ان میں باہم کوئی تعرض نہیں تھا ان کی بناء پر فتویٰ دینا نہایت آسان کام تھا اور اس فرض کو بہت سے صحابہ انجام دیتے تھے' لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہیں تھی:

۱۔ ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط و اجتہاد تھا' اور اس باب میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خاص طور پر ممتاز تھے' چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔[2]

و اما غیر هولاء الا ربعة فکانو ایرون دلالة و لکن ما کانو ایمیزون الرکن و الشرط من الاداب و السنن و لم یکن لهم قول عند تعارض الا خبار و تقابل الدلائیل الا قلیلا کابن عمر و عائشة و زید بن ثابت.

"ان چاروں کے سوا اور صحابہ مطلب سمجھتے تھے لیکن ارکان و شرائط یعنی آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے اور جن روایتوں میں تعارض ہوتا تھا یا دلائل متضاد قائم ہوتے تھے' ان میں بہت کم دخل دیتے تھے' مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما' عائشہ رضی اللہ عنہا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ"۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ تھا' کہ جو مسائل پیش آتے تھے ان کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے تھے' یہاں تک کہ وہ حل ہو جاتا تھا۔

---

[1] حجۃ البالغہ ص ۱۱۶۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا' جس پر وہ غور وفکر کرتے رہے' جب کتاب وسنت سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی رائے قائم کی' لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو بے حد مسرور ہوئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف رائیں قائم کرتے تھے' ان کو بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے تھے' اور ان میں محو واثبات کرتے رہتے تھے' چنانچہ پھوپھی کے متعلق ایک یادداشت لکھی جس کو اخیر میں مٹا دیا۔

۳۔ بہت سے مسائل تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے طے کیے جاتے تھے' اور ان پر گویا تمام صحابہ کا اجماع ہو جاتا تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ کی ابتداء کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بکثرت کام لیا' شاہ صاحب لکھتے ہیں:

كان من سيرة عمر انه كان يشاور الصحابة و يناظر هم حتى تنكشف الغمة و ياتيه الثلج فصار غالب قضا ياه و فتاواه متبعة في مشارق الارض و مغاربها.

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسائل فقہ کے متعلق مشورہ و مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے دل میں یقین واطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں ان کے فتاویٰ کی پیروی کی گئی''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اصول فقہ کے کس قدر مسائل ایجاد کیے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگرچہ استنباط مسائل کے لیے اصول وقواعد منضبط نہیں کیے تھے۔ تاہم ان کے مخوائے کلام سے اصول فقہ کے بہت سے قواعد معلوم ہو سکتے ہیں' مثلاً فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے ''العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب'' یعنی احکام کے استنباط میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ شارع کے الفاظ عام ہیں یا خاص اس سے بحث نہیں کہ حکم عام ہے یا خاص' مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا الخ اگرچہ بالتخصیص' خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' لیکن الفاظ میں خطبہ کی تخصیص نہیں ہے' بلکہ عام حکم ہے کہ قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر امام قرأت فاتحہ کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے' صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسی اصول کے قائل تھے' چنانچہ قرآن کی اس آیت:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾

''جولوگ چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیں''۔

کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی اور سونا چاندی کے جمع کرنے پر عذاب انہی کے ساتھ مخصوص ہے' لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اصرار تھا' کہ انھا فینا و فیھم[1] (وہ ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک روپیہ پیسہ کا جمع کرنا ناجائز تھا۔

فقہاء کا ایک اصول مفہوم مخالف ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ صرف نمازی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو گو اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بے نمازی لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے لیکن خوامخواہ اس کے مخالف جو نتیجہ نکلے گا وہ یہی ہوگا صحابہ نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک بنایا وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے' انہوں نے روایت بیان کی تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہوں گے۔[2]

فقہاء کا ایک اصول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی اصولاً تمام چیزیں مباح ہیں البتہ جب شارع ان کو حرام کر دیتا ہے تو حرام ہو جاتی ہیں' اس لیے جب تک تحریم کا کوئی سبب نہ ہو ہر چیز کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تالاب کے پاس اترے' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ہم سفر تھے' انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس میں درندے تو پانی نہیں پیتے؟

---

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ والذین یکنزون الذھب اگر وہ شانِ نزول ہی کو عام سمجھتے ہوں گے تو یہ مثال صحیح نہ ہوگی۔ [2] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نہ بتانا[1]

اس سے ثابت ہوا کہ جب حرمت کی کوئی ظاہری وجہ موجود نہ ہو تو اباحت اشیاء کے لحاظ سے ہر چیز سے بے تکلف فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے ایک اصول یہ قائم کیا ہے کہ حدود شرعیہ شبہات سے زائل ہو جاتی ہیں مثلاً بیٹا اگر باپ کی کوئی چیز چرائے تو اس شبہ کی بناء پر کہ وہ باپ کے مال میں اپنا حق سمجھتا تھا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض موقعوں پر اس اصول سے کام لیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ کیا کہ میرے غلام نے میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی' فرمایا' کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا[2]

اصول فقہ میں سب سے اہم چیز قیاس ہے اور درحقیقت موجودہ فقہ کی تمام تر بنیاد قیاس ہی پر قائم ہے' تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مسائل فقہ میں صرف قرآن' حدیث' اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب تمدن کی وسعت نے گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے' اور قرآن و حدیث کی تصریحات ان جزئیات کے لیے کافی نہ ہوئیں تو قیاس کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قضاءت کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں بہ تصریح قیاس سے کام لینے کی ہدایت کی:

الفهم الفهم فيما يختلج فى صدرك مما لم يبلغلك فى الكتاب و السنة و اعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عند ذالك.

''جو مسائل تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملیں اور ان کی نسبت تمہیں خلجان ہو تو پہلے ان پر غور کرو' پھر ان کے مشابہ واقعات کو جمع کر کے ان پر قیاس کرو''۔

فقہاء نے قیاس کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں' ایک یہ کہ حکم قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو دوسرے یہ کہ مقیس و مقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

[1] موطائے امام مالک۔ [2] ایضاً

فرمان میں یہ دونوں شرطیں موجود ہیں پہلی شرط کے متعلق صاف تصریح ہے' (مما لم یبلغک فی الکتاب و السنة) اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے (و اعرف الامثال و الاشباہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسائل کا منشا کیا تھا؟:

عہد نبوت کے بعد جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ممالک مفتوحہ میں پھیلے تو ان کے سامنے نہایت کثرت سے نئے نئے مسائل اور نئے نئے واقعات آئے۔ اس لیے ان بزرگوں کو جو کچھ حدیثیں یاد تھیں۔ یا جو کچھ قرآن' و حدیث سے مستنبط ہوسکتا تھا ان کے مطابق ان کا جواب دیا۔ لیکن جن مسائل کے متعلق ان کا خزانہ معلومات احادیث وروایت سے خالی نہ تھا ان کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف کے مختلف اسباب پیدا ہوگئے۔ مثلاً

۱۔ ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سنا تھا لیکن دوسرے صحابی کو اس کے سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا' اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا' جس کی مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوا' مثلاً ایک عورت کا شوہر تعین مہر کیے بغیر مرگیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق استفتا کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معلوم نہیں ہے ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو اس کو مہر مثل اور میراث دلوایا اور عدت گزارنے کا حکم دیا' معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس جواب کے بعد شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عورت کے متعلق اس صورت میں یہی فتویٰ دیا تھا' جس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہایت مسرور ہوئے' دوسری صورت میں یہ کہ دو صحابیوں میں اختلاف ہوا اس کے بعد ایک حدیث نکل آئی' جس سے ایک صحابی کو اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا پڑا' مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص رمضان المبارک میں صبح تک حالت جنابت میں رہے اس کا روزہ صحیح نہیں ہوسکتا' لیکن بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ سے ان کو اس کے خلاف روایت مل گئی' تو انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا تیسری صورت یہ کہ حدیث تو ملی لیکن انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا' بلکہ خود حدیث کو ناقابل عمل قرار دیا۔

مثلاً ایک بار حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے شہادت دی کہ ان کے شوہر نے ان کو تین طلاق دی' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس سے ان کو نفقہ دلوایا' اور نہ اس کے مکان میں رہنے کی اجازت دی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کو قبول نہیں کیا' اور فرمایا کہ ایک عورت کے کہنے سے میں کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا' چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو سرے سے حدیث ہی نہیں معلوم ہوئی' مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما عورتوں کو سر منڈوانے ہی کا حکم کیوں نہیں دے دیتے' میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہاتی تھی اور مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا کہ تین بار سر پر پانی ڈال لوں۔

۲۔ یا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو دیکھا تو بعض نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا' مثلاً حج میں نزول تحصیب کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ وہ سنن حج میں سے ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ محض ایک اتفاقی واقعہ تھا۔

۳۔ یا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو مختلف صحابہ نے دیکھا اور وہم وظن کی بناء پر سب نے اس کی مختلف حیثیتیں قائم کر لیں مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہؓ نے مختلف رائیں قائم کی ہیں' بعض کے نزدیک آپ متمتع تھے' بعض کے نزدیک قارن تھے' اور بعض کے نزدیک مفرد تھے' چنانچہ جس طرح یہ وہم پیدا ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تشریح کی ہے۔

۴۔ سہو ونسیان کی بناء پر بھی بعض اختلافات پیدا ہوئے' مثلاً حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا تھا' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو سہو ونسیان کا نتیجہ قرار دیا۔

۵۔ بعض اختلاف روایت کے تمام جزئیات کے محفوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوئے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کی کہ "میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ نے اس روایت کو سنا تو فرمایا کہ

انہوں نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھا' واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مرگئی ہے اور اس کے اہل و عیال اس پر نوحہ کر رہے تھے' رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں' اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلطی سے رونے کو عذاب کی علت قرار دیا اور اس کی بناء پر ہر میت کے لیے اس حکم کو عام کر دیا' حالانکہ یہ دو الگ الگ واقعے تھے' اور ان میں باہم علت و معلول کا تعلق نہ تھا۔

۶۔ اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا' کہ صحابہ میں کسی حکم کی علت میں اختلاف پیدا ہوا' اس لیے اس کے نتائج بھی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے مثلاً احادیث میں جنازے کے لیے کھڑے ہو جانے کا حکم آیا ہے' جس کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں بعض صحابہؓ کے نزدیک اس کی علت تعظیم ملائکہ ہے اور اس صورت میں مسلمان اور کافر دونوں کے جنازوں کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے' کیونکہ فرشتے دونوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک خوف اور موت اس کا سبب ہے اور اس صورت میں بھی یہ حکم کافر اور مومن دونوں کے لیے عام ہے' لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ آپؐ نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ آپؐ کے سر کے اوپر سے گزر جائے اس لیے کھڑے ہو گئے اور اس صورت میں حکم صرف کافر کے لیے مختص ہے۔

۷۔ اختلاف کا ایک سبب الجمع بین المختلفین ہے' یعنی یہ کہ ایک چیز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دو متضاد حکم موجود ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان دونوں میں تطبیق دی تو باہم اختلاف پیدا ہو گیا' مثلاً رسول اللہ ﷺ نے پہلے غزوہ خیبر میں متعہ کی اجازت دی پھر غزوہ اوطاس میں اس کا حکم دیا' اس کے بعد اس کی ممانعت کر دی' آپؐ کے اس طرزِ عمل کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ متعہ کا اصل حکم اب تک باقی ہے' اجازت اور ممانعت دونوں ضرورت کی بناء پر تھیں اور بوقت ضرورت ان دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہے' لیکن عام صحابہ کا فتویٰ یہ ہے کہ متعہ کی اجازت محض ضرورۃً تھی' لیکن ممانعت نے اس کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔[1]

---

[1] یہ پوری بحث حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۱۳ اور ۱۱۴ سے ماخوذ ہے۔

علم اسرار الدین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ اگرچہ عقلی ترقی کا زمانہ نہ تھا' تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام واوامر مصالح عقلی کی بنا پر ہیں۔ اس بناء پر ان کو جب کوئی بات خلاف عقل نظر آتی تھی تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کر کے اپنی تشفی کر دیتے تھے' ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "بی بی کے ساتھ مباشرت کرنا ثواب کا کام ہے" اس پر صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اس میں کون سی ثواب کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ "اگر کوئی شخص کسی دوسری عورت سے ملوث ہوتا تو کیا گنہگار نہ ہوتا"؟ [1]

ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم لڑتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں اس پر ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول کیوں جہنمی ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزومند تھا۔ [2]

قرآن مجید میں قصر نماز کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾

"اگر تم کفار کی فتنہ انگیزی کے خوف سے قصر نماز کرو تو کوئی حرج نہیں"۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ رخصت مشروط بہ فتنہ ہے' ہر سفر پر اس آیت کا انطباق نہیں ہو سکتا' چنانچہ عرب میں امن وامان کے قائم ہونے پر بھی یہ حکم باقی رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور انہوں نے آپؐ سے اس کی وجہ دریافت فرمائی' ارشاد ہوا کہ یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے صدقے کو قبول کرو۔ [3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انہی استفسارات وسوالات نے درحقیقت علم اسرار الدین

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الضحیٰ۔ [2] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیۃ

[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ المسافر

کی بنیاد ڈالی اور اخیر زمانے میں امام غزالی' خطابی' اور ابن عبدالسلام وغیرہ اور سب سے اخیر میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک عظیم الشان عمارت قائم کر دی' چنانچہ خود شاہ صاحب لکھتے ہیں:

بعد ما مھد النبی ﷺ اصوله و فرع فروعه و اقتفى اثره فقهاء الصحابة کامیری المومنین عمرو علی و کزید و ابن عباس و عائشة وغیرهم بحثوا عنه و ابرز و اوجوها منه[1]

"رسول اللہ ﷺ نے اس فن کے اصول و فروع مرتب کیے اور فقہاء صحابہ مثلاً امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' ابن عباس رضی اللہ عنہما' عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا اتباع کیا' اس سے بحث کی اور اس کے وجوہ بیان کیے"۔

شاہ صاحب نے بالتخصیص جن صحابہ کا نام لیا ہے انہوں نے احکام شرعیہ کے جو علل و اسباب بیان کیے ہیں وہ کتب احادیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں' مثلاً آپ صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ ادا کرنے کے لیے تشریف لائے تو صحابہ کرام کو طواف کی حالت میں دوڑ کر اور اکڑ کر چلنے کا حکم دیا' جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں ایک وبائی بخار پھیلا ہوا تھا' جس میں اکثر صحابہ مبتلا تھے' طواف میں ضعف کا اثر محسوس ہوتا تھا' تو کفار شماتت کرتے تھے' کہ مدینہ کے بخار نے ان کو چور کر دیا' اس بناء پر آپ ؐ نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ ضعف کا اثر محسوس نہ ہونے پائے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ حکم محض ایک وقتی سبب کی بناء پر دیا گیا تھا اور جب وہ زائل ہو گیا تو اس حکم کو بھی بدل جانا چاہیے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کو یہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ "اب اسلام کو قوت حاصل ہو گئی اور کفار فنا ہو گئے' تاہم چونکہ یہ عہد نبوت کی یادگار ہے اس لیے ہم اس کو قائم رکھتے ہیں"۔[2]

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک پھل کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جائے اس کو فروخت نہیں کرنا چاہیے' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لوگ عہد رسالت میں پھلوں کو فروخت کر ڈالتے تھے' لیکن جب فصل کا زمانہ آتا تھا' اور

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۔ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الرمل۔

بائع قیمت کا تقاضا کرتا تھا تو مشتری حیلے حوالے کرتا تھا۔ کہ پھل کو فلاں فلاں روگ لگ گئے' اس طرح جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہ کثرت مقدمات آنے لگے تو آپؐ نے یہ حکم دیا[1]

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ غسل جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ بولے نہیں' غسل جمعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ابتداء میں تمام صحابہ نہایت مفلس تھے۔ کمبل پہنتے تھے' اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لاد کر چلتے تھے' مسجد نہایت تنگ تھی' ایک دن تپتے ہوئے دن میں رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے لوگ پسینے میں شرابور تھے۔ اور اس کی بو سے ہر شخص کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی' اس لیے آپؐ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور خوشبو لگا کر آؤ' لیکن اب خدا کے فضل سے یہ حالت بدل گئی ہے' اب لوگ بال کے کپڑے نہیں پہنتے' محنت مزدوری نہیں کرتے' مسجد وسیع ہو گئی ہے اور پسینہ کی بو پھیل کر لوگوں کو اذیت نہیں دیتی[2] اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم کا وجود عدم علت کی وجود و عدم پر مبنی ہوتا ہے اور اب چونکہ غسل جمعہ کی علت موجود نہیں ہے اس لیے وہ واجب بھی نہیں۔

لیکن ان بزرگوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[3] نے سب سے زیادہ ان اسرار کی پردہ دری کی ہے اور بکثرت مسائل کے علل واسباب بیان کیے ہیں' مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی' اس لیے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی' لیکن جب اخیر زمانے میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف صاف کہہ دیا۔

لو ادرک رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعه نساء بني اسرائيل.[4]

''عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لیے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں''۔

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب بیع الثمار قبل ان یبدأ وصلاحہا۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ۔ [3] ماخوذ از سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ [4] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد۔

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں' مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد و وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں بتدریج اوامر ونواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے' کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا' اس لیے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا' جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام قوانین اور اوامر ونواہی نازل ہوئے۔ اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا۔ تو دفعتاً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

انما نزل اول ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة و النار حتى اذا تاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام و الحلال و لونزل اول شئى لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداو لونزل لا تزنو القالو الا ندع الزنا ابد القد نزل بمكة و انا جارية العب بل الساعة موعدهم و الساعة ادهى و امرو ما نزلت سورة البقرة و النساء الأ و انا عنده[1]

"قرآن کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل سورت ہے جس میں جنت دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام لانے کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال وحرام اترا' اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیؤ تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے' مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے' سورۂ بقرہ اور سورہ نساء جب اتری تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں تھی"۔

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ کے قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے' جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں

[1] باب تالیف القرآن۔

رکاوٹ پیدا کرتے تھے قتل ہو گئے۔ انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا' چونکہ اب ادعا کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا' اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کیے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے' یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ چینی کو حل کیا ہے' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا:

کان یوم بعاث یوما قدمه الله لرسول صلی اللہ علیہ وسلم فقدم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و قد افترق ملوئهم و قتلت مسٰوٰتهم و جرحو فقدمه الله لرسوله فی دخولهم الاسلام فی الجاهلیة.

''جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی' اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے' اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا تھا''۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں' قصر کی حالت میں ان کی دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے۔

فرضت الصلوة رکعتین ثم هاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرضت اربعار ترکت صلوة السفر علی الاول[1]

''مکہ میں دو رکعتیں نماز فرض تھیں جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی''۔

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں' اس لیے بظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں:

---

[1] بخاری باب ہجرت

و هم عمر انما نهى رسول الله ﷺ عن الصلوة يتحرى طلوع الشمس و غروبها[1]

''عمر رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا' آپ ﷺ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے''۔

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو' آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو' احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے' اس بناء پر لوگ بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں' ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں؟ جواب دیا:

حين حطمه الناس.[2]

''یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا یعنی آپ کمزور ہو گئے''۔

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے' ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعت کے بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا یہ جواب دیتی ہیں:

فانها وتر النهار.[3] ''مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیوں کہ وہ دن کی وتر ہے''۔

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں۔ لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں:

و صلوة الفجر لطول قرآتهما.[4]

''نماز فجر میں رکعت کا اضافہ اس لیے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں''۔

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قراءت نے پورا کر دیا۔

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۴۔ [2] ابوداؤد باب صلوۃ القاعد۔ [3] مسند ج ۶ ص ۲۴۱۔ [4] مسند ج ۶ ص ۲۴۱۔

اہل جاہلیت عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ نہیں بیان کرتے تھے کہ جاہلیت میں اس دن روزہ کیوں رکھا جاتا تھا' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

كانوا يصومون يوم عاشوراء قبل ان يفرض رمضان و كان يوم تستر فيه الكعبة۔[1]

''اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا''۔

باوجود یہ کہ آپ ﷺ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے' لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ ﷺ نے تراویح نہیں پڑھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن آپ ﷺ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ لوگ بھی شریک ہو گئے' دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا اور تیسرے دن بھی لوگ جمع ہوئے چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی' لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے صبح آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم يخف على شانكم الليلة و لكنى خشيت ان تفرض عليكم صلوة الليل فتعجزوا۔

''رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی' لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا کرنے سے قاصر رہو''۔

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا' بعض مقامات میں ڈوڑنا کہیں کھڑا ہونا کہیں کنکری مارنا' بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبيت و بالصفا و المروة و رمى الجمار لا قامة ذكر الله عزوجل۔[2]

''خانہ کعبہ صفا مروہ کا طواف' کنکری پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لیے ہے''۔

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۴۔ [2] مسند احمد ج ۶ ص ۶۴۔

زمانے میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا' چونکہ حج یادگار ابراہیم ہے اس لیے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا ہے۔

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام کی ایک وادی ہے' جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا' اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس میں قیام فرماتے رہے' اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سنت نہیں سمجھتیں تھیں' اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں۔

انما نزل رسول الله ﷺ لا نه كان منزلا اسمح لخروجه.

''آپ نے یہاں صرف اس لیے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم زبان ہیں۔[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے' بہت سے صحابہ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے' لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان ہی لوگوں میں ہیں' اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں۔

لا و لكن لم يكن يضحى منهم الا قليل ففعل ذلك ليطعم من ضحى من لم يضح.[2]

''یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن بعد حرام ہو جاتا ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے' اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں' جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے' یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں پڑا تو اس کو منسوخ فرما دیا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[3]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہے' جس کو حطیم کہتے ہیں' اور

---

[1] مسلم کتاب استحباب النزول بالمحصب و مسند ج ۶ ص ۱۹۰ [2] مسند ج ۶ ص ۱۰۲۔ [3] مسلم کتاب الذبائح

طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں' لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ''ہاں'' عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس مایہ نہ تھا' اس لیے اتنا کم کر دیا' پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا' اس لیے کیا کہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں' اور جس کو چاہیں روک دیں۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر' عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا' لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنی اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمؑ کے مجدد کی حیثیت سے آپؐ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے' لیکن آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرما دی' کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تیری قوم اگر کفر کے زمانے سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمی پر تعمیر کراتا۔[2]

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں جا کر آباد ہو جانا' خواہ وہ جہاں پہلے آباد تھے کیسے ہی امن وامان کا ملک ہو لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے:

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احدهم بدينه الى الله و الى رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام و اليوم يعبدربه حيث شاء لكن جهاد و نية.[3]

''اب ہجرت نہیں ہے' ہجرت اس وقت تھی' جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بناء پر ستایا نہ جائے' لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اب مسلمان جہاں

[1] مسلم کتاب الذبائح۔ [2] مسلم باب نقض الکعبہ۔ [3] بخاری باب الہجرت

چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں' لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ فی مرضه الذی لم یقم منه لعن الله الیهود و النصاری اتخذو اقبور انبیائهم مساجدا لو لا ذلک ابرز قبره غیر انه خشی ان یتخذ مسجدا۔[1]

"آپؐ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا' (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی' لیکن چونکہ اس کا خوف تھا' کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے"۔

لیکن با ایں ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ نظام شریعت میں حکم و مصالح کے ساتھ خود شارع بھی ایک موثر اعظم ہے اور جب وہ خود احکام کی علت بیان کرتا ہے تو دوسرے علل و اسباب بے کار ہو جاتے ہیں' مثلاً موزہ کا باطنی حصہ گرد و غبار سے آلودہ رہتا ہے' اس مسح کا محل وہی ہو سکتا ہے' لیکن احادیث میں موزے کی سطح ظاہری پر مسح کرنے کا حکم آیا ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ حکم بالکل الٹا ہے تاہم وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ شریعت کا دار و مدار بالکل عقلی اسباب پر نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا عمود خود شارع کی ذات ہے' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاه۔[2]

"اگر دین کا دار و مدار بالکل عقل پر ہوتا تو موزہ کا باطنی حصہ بالائی حصہ سے زیادہ مسح کا مستحق تھا"۔

لیکن خود بھی یہ علم اسرار الدین کا ایک اہم اصول ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] بخاری آخر کتاب الجنائز و مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۱۔ [2] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کیف المسح

کما اوجبت السنة هذه وانعقد عليها الاجماع فقد اوجبت ايضاً ان نزول القضاء بالايجاب و التحريم سبب عظيم في نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لا ثابة المطيع و عقاب العاصي.[1]

''جیسا کہ حدیث واجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام مبنی علی المصالح ہیں اسی طرح احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مصالح سے قطع نظر کر کے خود ایجاب وتحریم کا حکم بھی اطاعت گزار کے ثواب اور نافرمان کے عذاب کا بہت بڑا سبب ہے''۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۵۔

علم تصوف

صوفی اور تصوف:

اسلام میں تصوف ایک نوزائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے۔ قرآن مجید نے اہل صفہ کو جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے۔ فقراء کے لقب سے یاد کیا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ الخ.

''ان فقرائے مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے''۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ الخ.

''ان فقراء کے لیے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے''۔

اور اہل شام بھی اس کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے[1] اگرچہ علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے' بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانہ میں ملتا ہے۔ چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

''لیکن یہ کہنا کہ یہ ایک نو پیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے کی ہے محال ہے کیونکہ حسن بصریؒ کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا' حسن بصریؒ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور ان کو کچھ دینا چاہا لیکن انہوں نے نہیں لیا' ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہوگیا تھا' یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا' اس حالت میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا' اور طواف ہی کر کے واپس چلا جاتا تھا' پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا' اور اس کی طرف

---

[1] کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۶۔

اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے"۔[1]

لیکن جہاں تک تاریخی روایتوں سے ثابت ہے اسلام میں سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔[2]

اور اس قدر تو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس لقب کی ایجاد عہد صحابہ کے بعد ہوئی چنانچہ امام قشیری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کے سوا کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا' صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا' اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا' اس لئے اہل سنت والجماعت میں سے جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے' اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا"۔[3]

خود صاحب اللمع نے بھی اس قدر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے:

"اگر کوئی شخص[4] یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم

---

[1] کتاب اللمع مطبوعہ یورپ ص ۲۲۔ [2] کشف الظنون۔ [3] رسالہ قشیریہ ص ۹ ذکر مشائخ طریقت

[4] کتاب اللمع ص ۲۲ تصوف کے اشتقاق کے متعلق مختلف آرائیں ہیں بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی طرف نسبت ہے بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا اور بعض کے نزدیک صف ہے لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں کتاب اللمع میں ہے کہ صوفی کا لفظ پہلے صفوی تھا پھر ثقالت کی وجہ سے صوفی کرلیا گیا' صوف سے بے شبہ یہ لفظ ماخوذ ہوسکتا ہے جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں یہ امام قشیری کی رائے ہے' لیکن علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اگرچہ پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی عام خصوصیت نہیں' تاہم اکثر یہ لوگ پشمینہ پوش ہی ہوتے ہیں اس لیے یہ اشتقاق صحیح ہوسکتا ہے صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ اہل حدیث کی طرف اور فقہاء فقہ کی طرف منسوب ہیں لیکن صوفی کسی خاص وصف یا خاص علم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ وہ تمام علوم تمام صفات حسنہ اور تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہوتا ہے اور اس کو کسی خاص علم' خاص وصف اور خاص مقام کے ساتھ خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جس کی طرف اس کو منسوب کیا جاسکے' اس کے ساتھ اس کے حالات میں ہر وقت تجدد و تغیر ہوتا رہتا ہے اور وہ خدا سے ہمیشہ اضافہ کا خواستگار رہتا ہے' اس لیے اگر اس ←.....

صوفیہ کا ذکر نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا ہم اس زمانے میں عابد زاہد سیاح اور فقراء کے لفظ سے تو بے شبہ آشنا ہیں' لیکن کوئی صحابی صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا' تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جا سکتا' کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ وہ زیادہ عباد و متوکلین' فقراء اہل رضا' اہل صبر اور اہل تواضع و اخبات کے امام ہیں یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے' تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ ﷺ کی طرف

بقیہ .... کو کسی خاص وصف کی طرف منسوب کیا جائے تو ہر وقت ایک نئے وصف کی طرف منسوب کرنا پڑے گا' اس دشواری کی بناء پر اس کو ایک ظاہری خصوصیت یعنی پشمینہ پوشی کی طرف منسوب کیا گیا جو کہ انبیاء اولیاء اور صلحاء کا عام شعار ہے اور اس سے اجمالی طور پر صوفیہ کے تمام علوم' تمام اعمال اور تمام اخلاق کا پتہ چل جاتا ہے' خدا نے اصحاب عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کو حواری کہا ہے' یہ لوگ سفید کپڑے پہنتے ہیں اور خدا نے ان کو اسی طرح منسوب کر دیا' اعمال اور احوال کی طرف منسوب نہیں کیا' اسی طرح صوفیہ بھی ظاہری لباس کی طرف منسوب کر دیئے گئے (ص ۲۰) ماخذ اور اشتقاق سے قطع نظر کر کے اگر اس لفظ پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو اصل میں یہ لفظ سین سے اور اس کا مادہ سوف تھا' جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں' دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عرب زبان میں آیا' اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا' اس لیے لوگوں نے ان کو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا' رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا' یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند میں کی ہے اور صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے' چنانچہ وہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں:

و اعلم ان الاشراقین من الحکماء الالین کالصوفیین فی المشرب و الاصطلاح و لا یبعدان یوخذ هذا الاصطلاح من اصطلاحهم.

حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے اور اگر یہ اصطلاح ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ (الغزالی)

ہے جو بزرگ ترین صفت سے ہے یہ تو محال ہے کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جا سکے''۔

خانقاہیں:

اس لقب کی طرح تصوف کی دوسری یادگاریں بھی دور صحابہؓ کے بہت بعد عالم وجود میں آئیں' خود صحابہؓ کے زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''زمانہ بہت آگے بڑھ گیا اور امت میں تفریق پیدا ہو گئی اور ہر قوم نے دین کا ایک شعبہ لے لیا' جس میں خود اپنی طرف سے اضافے کر لیے' سلاطین و امراء نے قلعے بنوائے حالانکہ قلعے وغیرہ قدیم زمانہ میں صرف سرحدوں پر بنائے جاتے تھے' تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک حملہ کر دے اور ان کے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو' اور اہل علم کے لیے مدارس اور اہل عبادت کے لیے خانقاہیں تعمیر کی گئیں' میرا خیال ہے کہ سلطنت سلجوقیہ میں ان چیزوں کا عام رواج ہوا اور سب سے پہلے نظام الملک کے زمانہ وزارت میں اہل علم کے لیے مدارس اور مساکین کے لیے رباطات تعمیر کی گئیں اور ان پر اوقاف کیے گئے' اگرچہ اس سے پہلے بھی مدارس اور رباطات کا پتہ چلتا ہے' لیکن میرے خیال میں ان پر کوئی عام وقف نہیں کیا گیا تھا' بلکہ یہ مخصوص مقامات میں سے تھے' امام معمر بن زیاد نے اخبار الصوفیہ میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ کے لیے پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر کی گئی''۔[1]

اجزائے تصوف کی بے اعتدالی:

ان ظاہری یادگاروں کے علاوہ تصوف کے باطنی قوام میں بھی جو غیر معتدل تخلخل پیدا ہوا وہ دور صحابہؓ کے بعد ہوا خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اگرچہ تصوف کے تمام عناصر کا مجموعہ تھی' تاہم ان میں کسی عنصر کی خاصیت حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی' علامہ ابن تیمیہ نے صوفیوں کی جو مخالفت کی ہے' وہ انہی عناصر کے غیر معتدل خواص و کیفیات کی بناء پر کی ہے' ورنہ ان کو تصوف کے حقیقی اجزاء سے کوئی اختلاف نہیں' چنانچہ اپنے فتاویٰ کے

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۵۹ و ۴۶۰۔

مختلف مقامات میں اس پر تفصیلی بحثیں کی ہیں اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قرأت کی فرمائش کرتے تھے۔ اور باقی لوگ سنتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اے ابوموسیٰ ہم کو ہمارے خدا کی یاد دلاؤ تو وہ پڑھتے تھے اور وہ لوگ سنتے تھے' بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے' کہ آؤ بیٹھ کر کچھ دیر کے لیے ایمان لائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ کئی بار نفل باجماعت پڑھی' اور اہل صفہ کے پاس آئے' ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا آپؐ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور سنتے رہے' سماع اور ذکر مشروع کے وقت دل میں جو خوف پیدا ہوتا ہے آنکھوں سے جو آنسو جاری ہو جاتے ہیں بدن کے جو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' وہ کتاب وسنت کی تصریحات کے موافق بہترین اوصاف ہیں' لیکن سخت بے چینی' غشی' موت اور چیخ و پکار کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص مجذوب ہو تو اس کو کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی' جیسا کہ تابعین اور ان کے بعد لوگوں میں اس کا منشا یہ تھا کہ قلب پر ایک قوت دھکا پہنچاتی تھی' اور خود ان کا دل اور ان کی طاقت اس حملے کو برداشت نہیں کرسکتی تھی' لیکن اس حالت میں تمکن وثبات جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تھا' افضل ہے' البتہ زبردستی سکون ووقار پیدا کرنا بھی برا ہے' اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جس سماع سے دل کی اصلاح ہوسکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے لیکن بعض فرقوں نے اس سماع کو بھلا کر قصائد سننا شروع کیے' تالیاں بجانے لگے' اور الاپنا شروع کیا' جو کفار کی سیٹی بجانے سے مشابہ ہے جس کی خدا نے برائی بیان کی ہے''۔[1]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''فنا کی قسمیں ہیں جن میں ایک قسم کو کامل ترین انبیاء اور اولیاء دوسری قسم کو متوسط درجے کے اولیاء اور صحابہ اور تیسری قسم کو منافقین' ملحدین اور مشبہین نے اختیار کیا ہے' پہلی قسم کی فنا ارادہ ماسوی اللہ میں اس طرح فنا ہو جانا ہے کہ خدا کے سوا کسی

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج اول ص ۱۸۵' ۱۸۶۔

دوسرے کی محبت کسی دوسرے کی عبادت' کسی دوسرے پر توکل اور کسی دوسرے کی تلاش نہ ہو شیخ ابو یزید کے اس قول کا کہ' میں یہ چاہتا ہوں کہ بجز اس چیز کے کہ جس کو وہ چاہتا ہے دوسری چیز کو نہ چاہوں؟ یہی مطلب ہے قرآن مجید کی اس آیت میں' الامن اتی اللہ بقلب سلیم میں سلیم سے مراد یہ ہے کہ ماسوائے اللہ' ماسوائے عبادت اللہ سے ماسوائے ارادۃ اللہ ماسوائے محبت اللہ سے محفوظ ہو' بہر حال اگر اسی کا نام فنا ہے' تو یہ اسلام کا اول بھی ہے آخر بھی' دین کا باطن بھی ہے اور ظاہر بھی۔

دوسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ ماسوا کے شہود سے فنا ہو' اور جن سالکین کا کمزور دل خدا کے ذکر' خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف کھنچ جاتا ہے' ان کو فنا کا یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے سوا نہ کسی دوسرے کو دیکھتے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کے دل میں کھٹکتی' اس آیت میں واصبح فوادام موسی فارغا میں ان کے نزدیک فارغ سے یہ مراد ہے کہ موسیٰ کی ماں کا دل موسیٰ کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی تھا' یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے پاؤں ڈگمگا گئے' اور اس نے یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ یہ اتحاد ہے اور عاشق معشوق کے ساتھ اس قدر متحد ہو گیا ہے کہ دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہا' لیکن یہ غلطی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی بہر حال فنا کا یہ درجہ نقصان سے خالی نہیں' اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین اولین اور انصار نے بھی اس درجہ کو اختیار نہیں کیا' یہ درجہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد پیدا ہوا' اسی طرح تصوف کے وہ تمام مدارج جس میں عقل و تمیز گم ہو جائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد پیدا ہوئے' کیونکہ مدارج ایمانیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامل ترین' قوی ترین اور راسخ ترین تھے' جنون' غشی' طاری بے خودی اور وارفتگی کا ان کے پاس گزر نہیں ہو سکتا تھا' ان چیزوں کی ابتداء بصرہ کے عبادت گزار تابعین سے ہوئی' کیونکہ انہی میں لوگ تھے' جن پر قرآن کے سننے سے غشی طاری ہو جاتی تھی اور انہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس حالت میں مر جاتے تھے' مثلاً ابو جہرہ

الضریر اور زرارہ بن ابی اوفی قاضی بصرہ' شیوخ صوفیہ میں بعض لوگوں نے اسی عالم میں بعض باتیں ایسی کہہ دی ہیں کہ اگر وہ ہوش میں ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انہوں نے غلطی کی ہے' مثلاً ابو یزید' ابوالحسن نوری' ابو بکر شبلی وغیرہ سے اس قسم کے اقوال مذکور ہیں' لیکن ابوسلیمان دارانی' معروف کرخی' فضل بن عیاض بلکہ جنید وغیرہ کے ہوش وحواس بھی ہمیشہ صحیح رہتے تھے' اور فنا کے اس گروپ میں نہیں پڑتے تھے' بلکہ یہ لوگ وسعت علم اور صحت تمیز کی بناء پر ہر چیز کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتے تھے' اور ان کو نظر آتا تھا کہ تمام مخلوقات حکم خداوندی سے قائم ہیں اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہیں' بلکہ اس کے سامنے سر نیاز خم کیے ہوئے ہیں اس لیے ان کو اس سے بصیرت حاصل ہوتی ہے' اور خلوص' توحید اور عبادت کا جو جذبہ ان کے دل کے اندر تھا ان کو ان چیزوں سے اور مدد ملتی تھی' قرآن مجید نے اسی حقیقت کی دعوت دی ہے' اور کامل ترین مومنین اور اہل عرفان نے اس کو محفوظ رکھا ہے' ہمارے پیغمبر رسول اللہ ﷺ ان سب کے امام اور ان سب میں کامل ترین ہیں' یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں اگرچہ آپؐ نے خدا کی بہت سی نشانیاں دیکھی ہیں اور خدا نے آپؐ سے بہت کچھ سرگوشیاں کیں' بایں ہمہ آپؐ کے حالات میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا' اور آپؐ پر اس کا کوئی اثر طاری نہیں ہوا' بخلاف اس کے حضرت موسیٰ پر ایک جھلک میں غشی طاری ہوگئی۔

تیسری قسم کی فنا کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں' اور خالق کا وجود بعینہٖ مخلوق کا وجود ہے' اس بناء پر خدا اور بندے میں کوئی فرق نہیں' تو فنا کا یہ درجہ ان گمراہ لوگوں نے اختیار کیا ہے جو حلول واتحاد میں پڑ گئے ہیں۔[1]

اصطلاحات تصوف:

تصوف کی موجودہ اصطلاحات میں بھی عہد نبوت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم تک کوئی اصطلاح نہیں قائم ہوئی لیکن اگر اس ظاہری لقب' اس رسمی خانقاہ اس بے اعتدالی اور ان ظاہری

---

[1] ملخص از فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۳۷' ۳۳۸' ۳۳۹

اصطلاحات سے قطع نظر کر لی جائے تو تصوف کے تمام حقیقی اجزاء خود بخود سامنے آ جاتے ہیں۔

سلسلہ تصوف:

عہد نبوت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں پیدا ہوئے اور تصوف کے ابتدائی سلسلہ کی ظاہری یادگاریں بھی اسی زمانہ میں قائم ہو گئیں' چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں:

''اما خرقہ پس اصلش الباس آنحضرت است ﷺ عمامہ را بہ عبدالرحمٰن ابن عوف درو قتیکہ امیر لشکر گردانید' اما بیعت پس وجود آن و اعتبار بآن از حضرت محمد ﷺ مستفیض یقینی است کما لا یخفی''۔[1]

تاہم اس زمانے تک تصوف کا سلسلہ ان ظاہری آداب سے قائم نہیں ہوتا تھا بلکہ صوفیانہ حلقوں کی شیرازہ بندی صرف روحانی رشتوں سے ہوتی تھی چنانچہ شاہ صاحب اسی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس صوفیہ صافیہ ارتباط الیشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادب بآداب تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت دور زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت وارتباط سلسلہ بہیہ امور محقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمی کند و خرقہ و بیعت را اصلے ہست از سنت سنیہ''۔[2]

شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس نکتہ کی اور بھی زیادہ توضیح کی ہے' چنانچہ اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اس مقام پر ایک نکتہ ہے جس کو لازمی پیش نظر رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم' عہد تابعین اور عہد تبع تابعین تک مشائخ کے ساتھ تلامذہ کا تعلق بیعت اور خرقہ پوشی کے ذریعہ سے نہ تھا' صرف صحبت کے ذریعہ تھا' اور وہ لوگ ایک شیخ' یا ایک سلسلے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے' بلکہ ہر ایک شخص بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کرتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتا تھا' اس لیے ان کا سلسلہ مخصوص طور پر کسی ایک صحابی تک نہیں پہنچایا جا سکتا' بجز اس صورت

[1] کتاب مذکور ص ۳۔ [2] ایضاً

کے کہ خود ان کو اعتراف ہو کہ ان پر کسی خاص صحابی کی صحبت کا اثر زیادہ پڑا ہے۔ یا انہوں نے ان کا فیض صحبت مدتوں تک اٹھایا ہے یا وہ کسی خاص صحابی کے اصحاب مشہور ہو گئے ہیں' اور یہ ان کی ایک علامت قرار پا گیا ہے"۔[1]

باایں ہمہ صوفیانہ حلقوں اور صوفیانہ سلسلوں میں خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین میں شیخین یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا روحانی فیض سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے' چنانچہ شاہ صاحب ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں:

"بعد فقہ' اعظم علوم علم احسان (تصوف) است اعنی آنچہ امروز باسم علوم سلوک مسمی شود وقوت القلوب و احیاء العلوم دران مصنف شدہ است و اعظم توسط کبرائے امت درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسائر امت او آنست کہ بزبان حال و بزبان قال ہر دو آن علوم را و آن مقامات واحوال را بمردمان تعلیم فرمایند و تربیت کند یاران را بہر دو زبان واز دے آن علوم در آفاق شہرت گردد اقاصی و ادانی ازاں مستفید شوند' چنانچہ دریں کتاب بہاشی کثیر از حضرت شیخین معلوم کردہ باشی"۔[2]

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھتے ہیں:

الفصل السابع فی بقاء سلسله الصحبة الصوفية المبتداء ة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا هذا ابو اسطتة امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و لنذکر ههنا سلسلة اهل العراق فانهم اکثر المسلمین اعتناء سلسلة الصحبته الصوفية[3]

"ساتویں فصل صوفیہ کے اس سلسلے کے قیام و بقاء میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے شروع ہو کر آج تک بواسطہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قائم ہے اور ہم اس موقع پر صرف اہل عراق کا سلسلہ بیان کرتے ہیں' کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں میں سب سے زیادہ صوفیہ کے سلسلے کا لحاظ کرتے ہیں"۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سلسلہ تصوف کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شروع کر کے حضرت جنید بغدادی تک پہنچایا ہے اور لکھا ہے:

---

[1] ازالتہ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵۔ [2] ازالتہ الخفاء ص ۶۔ [3] ازالتہ الخفاء مقصد دوم ص ۱۸۵

و سلسلة اشهر من ان يحتاج الى بيان.

''حضرت جنید بغدادی کا سلسلہ اس قدر مشہور ہے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں''۔

لیکن صوفیہ کے نزدیک تصوف کے اکثر سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔ چنانچہ ہم اس موقع پر تمام مشہور سلسلوں کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں' جس سے اس کا اندازہ ہوگا۔

نام سلسلہ	نام مستفید	نام منسوب الیہ	کیفیت
نقشبندیہ	حسن بصری	حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	یہ سلسلہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور مکہ و مدینہ میں بھی اس کا رواج ہے۔
قادریہ	ایضاً	حضرت علی رضی اللہ عنہ	یہ سلسلہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔
چشتیہ	ایضاً	ایضاً	یہ سلسلہ ہندوستان میں بہت مشہور و مقبول ہے۔
کبرویہ	حسن بصری	حضرت علی رضی اللہ عنہ	یہ سلسلہ توران اور کشمیر میں مشہور ہے۔
شاذلیہ	ایضاً	ایضاً	یہ سلسلہ مغرب' مصر' سوڈان اور مدینہ میں شہرت رکھتا ہے۔
شطاریہ[1]	ایضاً	ایضاً	یہ سلسلہ ہندوستان میں مشہور ہے۔

یہ تمام سلسلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے شروع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت حسن بصری تک منتہی ہوتے ہیں اور باتفاق اہل تصوف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کیا ہے لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ استفادہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں:

---

[1] یہ نقشہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے مرتب کیا گیا ہے۔

و الحسن البصری ینسب الی سیدنا علی رضی اللہ عنہ عند اھل السلوک فاطعة و ان کان اھل الحدیث لا یثبتون ذالک و قد انتصر الشیخ احمد القشاشی لا ھل السلوک بکلام و ان شاف فی الکتاب العقد الفرید فی سلاسل اھل التوحید[1]

''اور حسن بصری تمام اہل تصوف کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں' لیکن اہل حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے' اور شیخ احمد قشاشی نے ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اپنی کتاب العقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں اہل تصوف کی تائید کی ہے''۔

اہل تصوف نے رسم خرقہ پوش کی ابتداء بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے کی ہے لیکن علامہ ابن خلدون کے نزدیک تصوف پر شیعیت کا جو اثر پڑا ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف خرقہ کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے چنانچہ مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

حتی انھم کما اسندوا الباس خرقة التصوف لیجعلوہ اصلالطر یقتھم و تخلیتھم رفعوہ الی علی رضی اللہ عنہ و ھو من ھذا المعنی ایضًا و الا فعلی رضی اللہ عنہ لم یختص من بین الصحابة تخلیة و لا طریقة فی لباس و لا حال بل کان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما از ھدالناس بعد رسول اللہ ﷺ و اکثر ھم عبادة و لم یختص احد منھم فی الدین بشی یوثر عنہ فی الخصوص بل کان الصحابة کلھم اسوة فی الدین و الزھد و المجاھدة.[2]

''یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے خرقہ پوشی کو اپنے لیے اصل بنانا چاہا تو اس کی سند کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچایا' لیکن اس کا فلسفہ بھی یہی ہے (یعنی تصوف پر شیعیت کا اثر) ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تخلیہ یا لباس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی خاص

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۱۔ [2] ایضاً ص ۵۱۸ ۔

طریقہ نہ تھا' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عبادت گزار تھے' لیکن دینی معاملات میں ان کا کوئی قابل روایت مخصوص شیوہ نہ تھا' بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم دین زہد اور مجاہدہ میں نمونہ تھے''۔

شاہ صاحب کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' چنانچہ انتباہ میں لکھتے ہیں:

''شیخ مجاہد الدین بغدادی در کتاب تحفۃ البررہ آوردہ است کہ نسبت خرقہا متصل است بہ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بہ حدیث درست متصل مستفیض وفرمودہ است کہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خرقہ پوشانید امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ وتمام این سلسلہ راذکر کردہ است والمحققون من اہل الحدیث ینکرون ہذا الاتصال من النبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔[1]

تصوف صحابہ رضی اللہ عنہم :

اس تاریخی تمہید کے بعد اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تصوف کن اجزاء پر مشتمل تھا؟ اور اس کو متاخرین کے تصوف پر کیا امتیاز حاصل تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تصوف عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک کوئی خاص صوفیانہ عقیدہ قائم نہیں ہوا تھا' غالباً صوفیانہ عقائد کی تولید فلسفہ وحکمت کے رواج اور دوسری قوموں اور فرقوں کے اختلاط اور میل جول سے ہوئی' مثلاً اہل تصوف کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان عالم اصغر ہے' لیکن یہ عقیدہ جس طرح فلسفہ کی آمیزش اور اثر سے پیدا ہوا' جس طرح اس پرتہ بہ تہ گمراہی اور ضلالت کے ردے چڑھتے گئے اور اس کا جو انجام ہوا اس کی نسبت علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

و قد اخذو امن الفلاسفة قولهم الانسان هو العالم الصغير و هذا قريب و ضموا اليه ان الله هو العالم الكبير بناء على اصلهم الكفرى فى وحدة الوجود' و ان الله عين وجوة المخلوقات فالا نسان من بين المظاهر هو الخليفة الجامع من اسماء و الصفات و يتفرع على هذا ما يصيرون اليه من

---

[1] انتباہ ص ۱۲۳

دعوی الربوبیة الا لوھیة المخرجة لھم الی الفرعونیة و القر مطیة و الباطنیه.[1]

''صوفیہ نے فلاسفہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ انسان عالم اصغر ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہ تھی' لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنی کافرانہ اصل یعنی وحدت الوجود کی بناء پر اس عقیدہ کو بھی ملا دیا کہ خدا عالم اکبر ہے اور انسان تمام مظاہر عالم میں سے خدا کے اسماء و صفات کا جامع ہے اور یہ لوگ ربوبیۃ اور الوہیت کا جوان کو فرعونیت' قرامطیت اور باطنیت تک پہنچا دیتی ہے اسی عقیدہ کی بناء پر دعویٰ کرتے ہیں''۔

لیکن صوفیہ کو عقیدہ وحدت الوجود کی تعلیم خود فرقہ باطنیہ نے دی چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

ثم ان ھو لاء المتاخرین من المتصوفة المتکلمین فی الکشف و فیما و راء الحس تو غلوا فی ذلک فذھب الکثیر منھم الی الحلول و الوحدة کما اشرنا الیه و ملئوا الصحف منه مثل الھدوی فی کتاب المقامات له و غیره و تبعھم ابن العربی و ابن سبعین و تلمیذ ھما ابن العفیف و ابن الفارض و النجم الاسرائیلی فی قصائد ھم و کان سلفھم مخالطین للا سما عیلیة المتاخرین من الرافضة الدائنین ایضا بالحلول و الوھیة الائمة مذھبا لم یعرف لا و لھم فاشرب کل و احد من الفریقین مذھب الاخرو اختلط کلامھم و تشابھت عقائدھم.[2]

''پھر ان متاخرین صوفیہ نے جو کشف اور عالم تجرید کے متعلق بحث کرتے تھے اس میں غلو و مبالغہ کیا' اس لیے بہت سے لوگوں نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ قائم کر لیا' اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا' مثلاً ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ میں ابن عربی' ابن سبعین اور ان دونوں کے تلامذہ ابن عفیف ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد میں انہی کی تقلید کی' ان لوگوں کے آباء و اجداد متاخرین اسماعیلیہ رافضیوں سے میل جول رکھتے تھے' جنہوں نے حلول اور ائمہ کی خدائی کا عقیدہ قائم کر لیا تھا' حالانکہ ان کے اسلاف سے یہ عقیدہ منقول نہیں' اس

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۶۱۔ [2] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۸۔

لیے ہر دو فریق نے ایک دوسرے کا مذہب قبول کر لیا' ان کا کلام گڈ مڈ ہو گیا اور ان کے عقائد ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے''۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان گمراہ کن اثرات سے بالکل محفوظ تھے ان کے سامنے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تھی' جو روحانیت اور اخلاق کا سرچشمہ تھی' صحابہؓ نے اسی شمع ہدایت سے اقتباس نور کیا تھا' اس لیے ان کے اجزائے تصوف میں روحانیت' اخلاق' عمل' عبادت' زہد' توکل' صبر' اور استقامت وغیرہ کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا' چنانچہ صوفیہ کرام نے اپنی تصنیفات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان روحانی اور اخلاقی خصوصیات کو نہایت اہمیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے اور ہم ایک خاص ترتیب کے ساتھ ان کو اس موقع پر درج کرتے ہیں۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

تصوف میں حضرات صوفیاء کی سب سے بڑی سند حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

''صاحب کشف المحجوب در مدح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کلمہ دارد ان الصفا صفۃ الصدیق رضی اللہ عنہ ان اردت صوفیا علی التحقیق از آنچہ صفاء اصلے ہست وفرعے اصلش انقطاع دل است از اغیار وفراغش خلو دل است از دنیائے غدار وایں ہر دو

---

[1] اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سادہ تصوف کے تمام عنوانات امام ابوالقاسم قشیری نے اپنے مشہور رسالے میں قائم کر دیئے ہیں' لیکن ان عنوانات کے تحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ' صحابہ تابعین اور مشائخ کے جو واقعات درج کیے ہیں' ان میں بعض جگہ رواۃ کے سلسلہ وسند کا ذکر کیا ہے' بعض جگہ ان کو مرسل چھوڑ دیا ہے' اور زیادہ تر وہ ان واقعات کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ کہا گیا ہے' جس واقعے کی سند بیان کرتے ہیں وہ بھی کبھی صحیح کبھی ضعیف اور کبھی موضوع ہوتی ہے' غرض تصوف ورقاق کی کتابوں میں جو آثار منقول ہوتے ہیں ان میں صحیح ضعیف اور موضوع ہر قسم کے آثار ہوتے ہیں' (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ا ص ۱۹۸' ۱۹۹) ہم نے اس عنوان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اکثر واقعات کتاب اللمع سے لیے ہیں لیکن تصوف کی عام کتابوں کی طرح اس کا بھی یہی عمل ہو گا' اس لیے ہم ان تمام واقعات کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں' ہم نے ان کو صرف اس لیے نقل کر دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ صوفیہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا خیال تھا' بہ ایں ہمہ ان میں سے متعدد واقعات احادیث میں بھی مذکور ہیں۔ مقصد دوم ص ۲۱۔

صفت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ است پس امام اہل ایں طریقہ اوست انتہی کلامہ"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واسطی کا قول ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلے تصوف کا راز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان نے اشارۃ فاش کیا' جس سے اہل فہم نے لطائف اخذ کیے اور وہ راز یہ تھا کہ جب وہ اپنی تمام مملوکات سے دست بردار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا' تو انہوں نے اپنے خدا کا نام لیا' پھر رسول کا اور حقائق تفرید میں اہل توحید کے لیے یہ ایک عظیم الشان اشارہ ہے' اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے اشارات ہیں' جن سے اور دوسرے لطائف نکلتے ہیں' جو اہل حقیقت کو معلوم ہیں چنانچہ علامہ ابونصر ابن علی السراج الطوسی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

و لابی بکر رضی اللہ عنہ معان اخر مما تعلق بھا اھل الحقائق و ارباب القلوب و ان ذکر ناجمیع ذلک طال الکتاب۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات میں اور بھی متعدد معانی جمع ہو گئے تھے' جن کے ساتھ اہل حقیقت اور ارباب قلوب نے تمسک کیا ہے' لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو کتاب میں طوالت پیدا ہو جائے گی"۔

مثلاً ان کے توکل کا یہ حال تھا کہ تمام مال خدا کی راہ میں دے دیا اور فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے میں نے صرف خدا اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا ہے' ورع وتقویٰ کی یہ حالت تھی کہ ایک بار اپنے غلام کے ہاتھ سے دودھ پیا اور جب معلوم ہوا کہ دودھ مشتبہ تھا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی' حزم واحتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اول شب میں وتر ادا کرتے تھے کہ مبادا سو نہ جائیں' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر شب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احتیاط کو پیش نظر رکھا' اور عمر رضی اللہ عنہ نے قوت کو کف لسان کا اس قدر خیال تھا کہ ایک بار وہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو منع فرمایا' انہوں نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھ کو کن کن گھاٹوں میں اتارا ہے خاکسار اتنے بڑے تھے کہ ایک بار ایک امیر کی مشایعت کی تو انہوں نے کہا کہ یا آپ سوار ہو لیں یا میں

خود سواری سے اتر آؤں بولے نہ تم کو سواری سے اترنا چاہیے نہ مجھ کو سوار ہونا چاہیے' میرے یہ قدم راہ خدا میں محسوب ہوں گے زاہد اتنے بڑے تھے کہ مرض الموت میں ان کے جسم پر زعفرانی یا گیروے رنگ کا جو کرتا تھا اس کو اتروا لیا تھا اور کہا اس کو دھوڈالو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وجہ پوچھی تو بولے کہ مردے سے زیادہ زندہ لوگوں کو نئے کپڑے کی ضرورت ہے' کبر و غرور سے اس قدر پاک تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے غرور سے زمین پر کپڑا لٹکایا خدا قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ تو بولے کہ میرے کپڑے کا ایک جانب اگر احتیاط نہ کروں تو لٹکتا ہے' لیکن آپ نے فرمایا کہ تم غرور سے ایسا نہیں کرتے یہ بخاری کی روایت ہے لیکن ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں کہ خدا نے تم کو غرور سے نکال لیا ہے' استعفاف اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اونٹنی کی مہار زمین پر گر پڑتی ہے لیکن کسی سے اٹھانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے' اور کہتے تھے کہ میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔[1] لیکن ان کے تمام روحانی اخلاق میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ان کا صبر و ثبات ہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ان کو آپ کی وفات کا یقین ہی نہیں آتا تھا' لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس موقع پر نہ صرف خود ثابت قدم رہے' بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رکھا' چنانچہ انہوں نے آپ کے وصال کی خبر سنی تو اپنے مکان سے جو مقام سنح میں واقع تھا' گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور مسجد میں آئے' لیکن کسی سے بات چیت نہیں کی' اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک کا رخ کیا' اور آپؐ کے چہرے مبارک سے کپڑا اٹھا کر بوسہ لیا' اور روئے اس کے بعد لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:

اما بعد من کان منکم یعبد محمد افان محمدا قد مات و من کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت قال اللہ و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل.

---

[1] یہ تمام اقوال ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۱' ۲۲' ۲۳ میں بحوالہ مذکور ہیں اور اُسوہ صحابہ حصہ اول میں بھی بعض واقعات گزر چکے ہیں۔

"اما بعد تم میں جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور جو لوگ خدا کو پوجتے تھے ان کا خدا زندہ ہے مرا نہیں خدا خود کہتا ہے محمدؐ صرف ایک پیغمبر ہیں اور ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں"۔

لوگوں پر اس خطبے کا یہ اثر پڑا کہ سب نے اس آیت کو یاد کر لیا اور کوئی شخص ایسا نہ رہا جو اس کی تلاوت میں مصروف نہ ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور میں زمین کی طرف جھکا جاتا ہوں۔

کسی نے حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کونوا ربانیین الخ کے کیا معنی ہیں' انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہو جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل لرز گئے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل کو جنبش نہیں ہوئی اور انہوں نے یہ خطبہ دیا کہ ایھا الناس من کان یعبد محمد الخ اور ربانی کا وصف امتیازی صرف یہ ہے کہ وہ حوادث عالم بھی جو مشرق و مغرب میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں' اس کے دل پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔

جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا فرمائی:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد فی الارض.

"اے اللہ! اگر مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر دنیا میں تیری پرستش نہ ہو گی"۔

تو اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صبر و شکر کی نمائش ہوئی' اور انہوں نے فرمایا کہ آپؐ اس طلب و سوال کو چھوڑ دیجئے' خدا نے آپؐ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر دیا ہے اس موقع پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیوں رسول اللہ ﷺ کے عزم و استقلال میں فرق آ گیا' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے؟ حالانکہ تمام اوصاف میں آپؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اکمل و افضل تھے' لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ قوی ایمان تھے' اس موقع پر حضرت ابوبکر کی ثابت قدمی ان کی

قوت ایمانیہ کا نتیجہ تھی' اور رسول اللہ ﷺ کا اضطراب آپؐ کے وفور علم کی بناء پر تھا' اسی وفور علم کا یہ نتیجہ تھا' کہ جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا' حالانکہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا' آپؐ نے خود فرمایا ہے:

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا.

''جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت''۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقامات تصوف کا امتیاز نہایت مشکل ہے' مثلاً یہی صبر و ثبات جس طرح تصدیق' ایمان و یقین کامل کا نتیجہ ہے' اسی طرح یہ وصف قساوت اور سنگدلی سے بھی پیدا ہو سکتا ہے' چنانچہ شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

''وگاہے صورت صبر مثلاً با سختی دل مشتبہ گردد و توکل با تہور مختلط شود و علی ہذا القیاس محققین صوفیہ علامات و خواص برائے امتیاز یکے بعد دیگرے بیان کنند''[1]

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صبر و ثبات سنگدلی کا نتیجہ نہ تھا' بلکہ قوت یقین کا نتیجہ تھا' ورنہ فطرتاً نہایت رقیق القلب تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

کان ابوبکر رجلا بکاء اذا قراء القرآن لا یملک عینیہ.

''ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رونے والے آدمی تھے' جب قرآن پڑھتے تھے تو اپنی آنکھوں پر قابو نہیں پاتے تھے''۔

خود رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر اگرچہ ان کی قوت ایمانیہ کا ظہور غیر معمولی صبر و ثبات کی صورت میں ہوا تاہم ان کی اصلی فطرت نمایاں رہی' اس لیے انہوں نے پہلے آپؐ کے چہرہ مبارک کا بوسہ لیا' روئے' اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

کتاب اللمع میں ہے:

و لاھل الحقائق اسوۃ و تعلق بعمر رضی اللہ عنہ بمعانی خص بذلک عمر رضی اللہ عنہ من اختیارہ لبس المرقعۃ و الخشونۃ و ترک الشھوات

[1] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۱۴۳

واجتناب الشبهات و اظهار الكرامات و قلة المبالاة لائمة الخلق عندانتصاب الحق و محق الباطل و مساواة الاقارب و الاباعد في الحقوق و التمسك بالاشد من الطاعات و اجتناب ذلك مماروى عنه و بيانه يطول.

''اہل حقیقت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات ان معانی کی بناء پر جو ان کے مخصوص ہیں ایک نمونہ ہے مثلاً پیوند لگے ہوئے موٹے کپڑے کا پہننا خواہشات نفسانی کا ترک کرنا' شبہات سے بچنا' کرامات کا ظاہر کرنا' قیام حق کے لیے ملامت خلق کی بہت کم پروا کرنا' حقوق میں قریب و بعید دونوں کو برابر رکھنا' سخت عبادتوں کو لازم کرنا' یہ تمام چیزیں ان سے مروی ہیں' لیکن ان کے بیان میں طوالت ہے''۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اس طوالت کو گوارا کر لیا ہے' اور تصوف فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے' جس کی تمہید دو مقدمات سے کی ہے اور پہلے مقدمہ میں تصوف کے تین اصول بتائے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تصوف کا دار و مدار تمام تر یقین پر ہے' لیکن جو یقین تقلید و استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ تصوف میں معتبر نہیں بلکہ وہ یقین معتبر ہے' جو اعمال خیر مثلاً روزہ' نماز اور ذکر و تلاوت سے پیدا ہوتا ہے' اگرچہ تمام مسلمان یہ اعمال ادا کرتے ہیں لیکن یہ یقین ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا' بلکہ اس کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) اخلاص فی العمل (۲) کثرت مقدار عمل مثلاً تہجد' اشراق اور اذکار صبح و شام (۳) کیفیت عمل مثلاً حضور' خشوع ترک حدیث نفس' وغیرہ قرآن و حدیث میں علم الاحسان یعنی علم تصوف کی تفسیر انہی اصول ثلاثہ کے موافق کی گئی ہے۔

۲۔ یقین پیدا ہونے کے بعد یقین طبیعت' نفس اور قلب کے درمیان سے مقامات پیدا ہوتے ہیں جن میں بہترین مقامات دس ہیں' توبہ' زہد' صبر' شکر' رجاء' خوف' توکل' رضا' فقر' اور محبت' ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں' مثلاً تشدد و تواضع وغیرہ خود آنحضرت ﷺ نے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان مقامات کی بشارت دی ہے' مثلاً صدیقیہ' محدثیہ' شہیدیہ' اور حواریت' لیکن یہ مقامات بعض اوقات مشتبہ ہو جاتے ہیں' مثلاً صبر

اور سنگ دلی میں اشتباہ ہو جاتا ہے' اور توکل و تہور کی حقیقت ملتبس ہو جاتی ہے' اس لیے صوفیہ نے ان کے امتیاز کے لیے ان کے خواص و علامات بتائے ہیں۔

۳۔ جب یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے تو انسان جو کچھ کہتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی یقین سے کرتا ہے اور یہ اس کی ایک مستمر عادت ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں کو یہ راز علانیہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے دو ذریعہ ہیں کرامات اور تربیت مریدین۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تصوف کے یہ تمام مدارج قولاً و فعلاً نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور مختلف حالات میں مواعظ' پند و نصیحت اور خط و کتابت کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی صوفیانہ تربیت فرمائی ہے' اس لیے شاہ صاحب کے الفاظ میں علمی حیثیت سے: اواعلم صوفیہ است بعلوم تصوف درامت مرحومہ۔

دوسرے مقدمے میں عام مشائخ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات و مقامات میں جو عظیم الشان فرق ہے' اس کی تفصیل کی ہے مثلاً عام مشائخ کے مقامات صرف قرآئن و امارات سے محروم ہو سکتے ہیں' فرض کرو کہ ایک شخص پر مصیبت میں رقت طاری نہیں ہوتی' اس لیے یا تو ہم خود کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقام صبر تک پہنچ گیا' یا وہ خود اپنے ذوق و وجدان کی بناء پر اس کی خبر دے سکتا ہے' لیکن یہ دونوں صورتیں قابل اطمینان نہیں ہیں' کیونکہ تصوف میں اکثر مقامات فاضلہ اور صفات طبیعہ میں اشتباہ ہو جاتا ہے' اور ایک وصف دوسرے وصف کی شکل میں نظر آتا ہے' اس لیے کرامات و مقامات کی شناخت ایک ظنی چیز ہے جو صرف اس شخص سے حسن حقیقت یا راویوں کے حسن ظن کی بناء پر تسلیم کی جا سکتی ہے' لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقامات تصوف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص و بشارت سے ثابت ہوئے ہیں' اور روایت متفقہ نے ان کو اس قدر یقینی کر دیا ہے کہ ان پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہو گیا ہے' اس کے بعد شاہ صاحب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقامات تصوف کو ایک فلسفیانہ انداز سے بیان کیا ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

''خدا نے نفس انسانی کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں' ایک قوت عاملہ اور دوسری قوت عاقلہ' جب قوت عاملہ کی تہذیب اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی کا نام

عصمت ہو جاتا ہے اور قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجہ کمال کا نام وحی ہے' عام طور پر لوگ ان دونوں قوتوں کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے' البتہ ان کے نمونے اور قائم مقام موجود ہیں اور جب یہ دونوں قائم مقام جمع ہو جاتے ہیں' تو ان سے مختلف نتائج کا ظہور ہوتا ہے' مثلاً ایسا شخص لوگوں کا مرشد یا کسی پیغمبر کا خلیفہ ہو جاتا ہے' اس لحاظ سے وحی کی قائم مقام محدثیت فراست اور وحی کے ساتھ موافقت رائے ہے' عصمت کا قائم مقام یہ ہے کہ شیطان ایسے کامل ترین شخص کے سائے سے بھی بھاگ جائے' اور ان دونوں قائم مقاموں کے اجتماع سے شہیدیت کا درجہ اور پیغمبر کی نیابت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے''۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھ کر اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں یہ اوصاف کس قدر پائے جاتے ہیں' حدیث شریف میں آیا ہے:

لقد كان فيما كان قبلكم من الامم محدثون فان يكن في امتي احد فهو عمر بن الخطاب.

''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان میں محدثین تھے' اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے''۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

لو كان نبي بعدي لكان عمر بن الخطاب.

''اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بات کہتے تھے' اور اس کی تصدیق میں قرآن نازل ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب اختلاف ہوتا تھا' تو قرآن' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان الله جعل الحق على لسان عمر و قلبه.

"خدا نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر موقوف رکھ دیا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا:

یا عمر ما لقیک الشیطان سالکا فجا الا سلک فجا غیر فجک.

"اے عمر! جب شیطان تم سے کسی راستہ میں ملتا ہے تو اپنا راستہ بدل لیتا ہے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صوفیانہ اخلاق میں تمکین و استقامت شرم و حیاء اور دخول فی السعات سب سے زیادہ نمایاں ہیں' ان کی تمکین و استقامت کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ شہید کیے گئے' اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہیں کی کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہیں دیا اور قرآن کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا' یہاں تک کہ جب شہید ہوئے تو قرآن مجید شرابور ہو گیا اور آیت فسیکفیکھم اللہ و ھو السمیع العلیم پر ان کے خون کے قطرے ٹپکے' شرم و حیا کا یہ حال تھا کہ گھر کا دروازہ بند ہوتا تھا لیکن کپڑا اتار کر نہیں نہاتے تھے[1] حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے ان کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

انی اغتسل فی البیت المظلم فانطوی حیاء من اللہ تعالٰی.

"میں تاریک گھر میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ و خم کھاتا رہتا ہوں"۔

اور لکھا کہ:

و ھو غیر الحیاء الذی ھو من مقامات النفس و یتولا من رویۃ عزۃ اللہ تعالی و جلالہ مع ملاحظۃ عجزہ عن القیام بحقہ و تلبسہ بالأدناس البشریۃ.[2]

"اور یہ حیا اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس سے ہے' یہ حیاء خدا کی عزت اور جلال کے دیکھنے سے اور اس کے ساتھ یہ خیال کرنے سے کہ میں اس کے حق کے ادا کرنے سے قاصر ہوں' اور انسانی گندگی کے ساتھ ملوث ہونے سے پیدا ہوتی ہے"۔

احادیث میں بھی ان کے جو فضائل و مناقب مذکور ہیں ان میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ان کو صاحب الحیاء والایمان کہا جاتا ہے' دخول فی السعاۃ انبیاء اور

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۲ مسند عثمانؓ۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۷۱

صدیقین کا مخصوص وصف ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی ہو ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو یحییٰ بن معاذ سے صوفی کے اوصاف پوچھے گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ لوگوں کے ساتھ بھی ہو اور لوگوں سے جدا بھی' حضرت ابن الجلاء سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کس کو کہتے ہیں؟ بولے کہ وہ جس چیز کو لے غیروں کے لیے لے' اپنے لیے نہ لے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی یہی حالت تھی' چنانچہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں جو فیاضیاں کیں' وہ اسی وصف کا نتیجہ تھیں' خود ان کا بیان ہے کہ اگر اسلام کی ضروریات کو پورا کرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں اس مال و دولت کو ہرگز جمع نہ کرتا۔

سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ یہ درجہ صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کے حکم کو جانتا ہے' خدا جب اور جس قدر مال کے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو رک جاتا ہے' وہ مال و دولت کو حقوق کے لیے محفوظ رکھتا ہے' نہ کہ حظوظ کے لیے' اس کی مثال بعینہٖ ایک وکیل کی ہوتی ہے جو اپنے موکل کے مال میں مالکانہ تصرف تو کرتا ہے لیکن اس کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کرتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

صوفیہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ علم تصوف کا ماخذ ہیں انہوں نے خود ایک موقع پر اپنے قلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ اس میں ایک علم ہے' کاش میں اس کا حامل پاتا۔ جنید بغدادی کا قول ہے کہ اگر وہ لڑائیوں میں مشغول نہ رہتے تو ہم اس علم کو (تصوف) کے بہت سے نکات بتا جاتے' کیونکہ ان کو علم لدنی حاصل تھا' بایں ہمہ انہوں نے بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جن پر تصوف کی بنیاد قائم ہے' مثلاً ایک شخص نے ان سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے' صبر' یقین' عدل' اور جہاد' پھر صبر کے دس مقامات کی تفصیل بیان کی' صاحب کتاب اللمع اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

فان صح ذلک عنه فهو اول من تکلم فی الاحوال و المقامات.

''اگر ان سے یہ روایت صحیح ہے تو پہلے شخص ہیں جس نے مقامات اور احوال کی تفصیل بتائی ہے''۔

صوفیانہ حیثیت سے ان کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بہت سے صوفیانہ نکات بیان کیے ہیں' اور بیان کو معانی اور احوال پر فضیلت حاصل ہے خدا خود کہتا ہے:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ "یہ لوگوں کے لیے بیان ہے"۔

علمی حیثیت کے علاوہ عملی اور اخلاقی حیثیت سے بھی وہ صوفیہ کے لیے نمونہ و مثال ہیں' ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ایک بار بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دینار و درہم تم میرے علاوہ کسی کو اپنا فریفتہ بناؤ' ایک بار انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ' اگر اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو اپنی قمیض میں پیوند لگاؤ' اپنا جوتہ ٹانکو اپنے رشتہ امید کو کوتاہ کرو' اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ' ایک بار انہوں نے مزدوری کر کے کچھ کھجوریں حاصل کیں' اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے جن کو آپؐ نے وجہ معاش میں صرف کیا' جب وہ شہید ہوئے تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر چڑھ کر کہا کہ اے کوفہ والو' امیر المومنین تمہارے سامنے شہید ہوئے لیکن خدا کی قسم انہوں نے دنیوی چیزوں میں صرف چار سو درہم چھوڑے ہیں جن کو انہوں نے ایک غلام کے خریدنے کے لیے علیحدہ کر لیا تھے۔

ان کے خوف خدا کا یہ حال تھا' کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو کانپ اٹھتے تھے' اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا' اس حالت میں لوگ ان کا حال پوچھتے تو فرماتے تھے' کہ اس امانت کو ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے' جس کو خدا نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا' لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا' اور ان سے ڈر گئے' مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا' اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں گا کہ نہیں' اس قسم کے واقعات کو نقل کر کے صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں:

و لعلی رضی الله عنه اشباه ذلک اکثر من الا حوال و الا خلاق و الافعال التی یتعلق بها رباب القلوب و اهل الا شارات و اهل المواجید من الصوفیة.

"حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں اس قسم کے بہت سے احوال اخلاق اور افعال ہیں جن کے ساتھ اہل دل' اشارات اور اہل وجد صوفیانہ تمسک کرتے ہیں"۔

اصحابِ صفہ:

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی زراعت اور تجارت وغیرہ بھی کرتے تھے' لیکن ان بزرگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر وقف کر دی تھی' ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے' اور جب شادی کر لیتے تھے' تو اس حلقے سے نکل جاتے تھے۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے رات کو ایک چبوترے پر پڑ رہتے' عربی زبان میں چبوترے کو صفہ کہتے ہیں' اور اسی بناء پر ان بزرگوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے' ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ جمع نہ ہو سکیں' چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے' کہ رانوں تک لٹک آتی' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ انہی بزرگوں میں تھے' ان کا بیان ہے کہ میں نے اہل صفہ میں ستر اشخاص کو دیکھا کہ ان کے کپڑے رانوں تک نہیں پہنچتے تھے' اس لیے جب نماز پڑھتے تھے اور رکوع میں جاتے تھے' تو اپنے ہاتھ سے کپڑوں کو سمیٹ لیتے تھے' کہ کشف عورت نہ ہو جائے ایک بار مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان بزرگوں کا حلقہ تلاوت قائم تھا' لیکن ان میں ہر شخص دوسرے سے مل کر بیٹھا تھا' تاکہ ایک کی دوسرے کے ذریعے سے پردہ پوشی ہو۔

معاش کا طریقہ یہ تھا کہ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے' کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ لوگ اٹھا کر کھاتے کبھی دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا' اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے' باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے' تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے' اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے' اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے' اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین انصار پر تقسیم کر دیتے' یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو

اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض تھے اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ نہایت انس تھا۔ ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اور لوگوں کو ان کی تعظیم و تکریم پر آمادہ کرتے' ایک بار اہل صفہ کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلا دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شکایت سنی تو ان کی دل دہی کے لیے ایک تقریر کی جس میں فرمایا یہ کیا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ہمارے پیٹوں کو کھجوروں نے جلا دیا' کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ کھجور ہی اہل مدینہ کی غذا ہے یہ لوگ اسی کے ذریعہ سے ہماری مدد کرتے اور ہم بھی انہی کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرتے ہیں' خدا کی قسم ایک یا دو مہینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دھواں نہیں اٹھا ہے صرف پانی اور کھجور پر بسر اوقات ہے۔

آپؐ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ جب ایک دفعہ آپؐ سے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ ہاتھوں میں چکی پیتے پیتے نیل پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا' کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ بھوکوں مریں' خود قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے ان کا ذکر نہایت غم خواری کے لہجے میں کیا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الايه) وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (الايه) وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (الاية) ﴾

''صدقہ وزکوۃ ان فقراء کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں روک رکھے گئے ہیں اس لیے کسب معاش نہیں کر سکتے ان لوگوں کو نہ دھتکارو جو صبح و شام خدا کو پکارتے ہیں تم بھی ان لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے خدا کو پکارتے رہتے''۔

ایک بار ان میں ایک بزرگ حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ سے ایک خاص موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ مصالح بے اعتنائی فرمائی تو یہ عتاب آمیز آیت نازل ہوئی:

﴿ عَبَسَ وَ تَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴾

''اس نے منہ بنالیا اور پیٹھ پھیر لی جب کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا''۔
اس کے بعد جب آپؐ ان کو دیکھتے تو محبت اور عزت کے لہجے میں فرماتے:

يا من عاتبني فيه ربي عزوجل.

''اے وہ شخص! جس کے بارے میں مجھ پر میرے خدا نے عتاب کیا''۔

ان بزرگوں کا مشغلہ یہ تھا کہ راتوں کو عموماً عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھتے رہتے' ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا جس کے پاس رات کو جا کر پڑھتے تھے' اسی بناء پر ان میں سے اکثر لوگ قاری کہلاتے اور اشاعت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے [1]

عام صحابہ رضی اللہ عنہم:

خلفائے راشدین اور اہل صفہ کے بعد عام صحابہ کا درجہ ہے' جن کے متعلق صاحب کتاب اللمع لکھتے ہیں:

فاما غير اهل الصفة فقد روى عن كل واحد منهم ما انفرد وابه و خصوا به من الاحوال المرضية و الاعمال الذكية و مكارم الاخلاق ما تعلق بها اهل الحقائق من المتصوفة و يكثر ذكر ذالك و لكن نذكر طرقا ليستدل بذلك على مالم تذكره.

''اہل صفہ کے علاوہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ان میں ہر ایک کے متعلق بہت سے پسندیدہ حالات پاک اعمال اور مکارم اخلاق مروی ہیں اور ان میں سے اہل حقیقت نے استفادہ کیا ہے' لیکن ان کے ذکر میں طوالت ہے' اس لیے ہم صرف اس کا مختصر سا حصہ بیان کر دیتے ہیں تاکہ جو کچھ بیان نہیں کرتے ان کے ذریعہ سے ان پر استدلال کیا جائے''۔

چنانچہ صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ان کے جن اقوال و افعال سے استفادہ کیا ہے' ان میں بعض مرقق باتیں حسب ذیل ہیں۔[2]

---

[1] یہ حالات سیرۃ النبی ﷺ اور کتاب اللمع سے لیے گئے ہیں' سیرۃ النبی ﷺ کے الفاظ میں بھی ہم نے بہت کم تغیر کیا ہے۔ [2] لیکن ان کی صحت کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے خود حضرات صوفیہ پر ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ عذاب الٰہی کے خوف کے مارے کہتے تھے' کہ کاش میں خاک کا ذرہ ہوتا اور ہوا مجھ کو اڑا لے جاتی' لیکن میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ "جہنم ان سب کے اجتماع کی جگہ ہے"۔

تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کو سن کر ایک چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھ کر بھاگے' اور متصل تین دن تک غائب رہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جاہلیت میں ایک تاجر تھا اس کے بعد جب اسلام لایا تو تجارت اور عبادت دونوں کو ساتھ ساتھ کرنا چاہا لیکن دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں' اس کے بعد عبادت کو اختیار کر لیا۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی بہترین عبادت کیا تھی؟ بولیں تفکر اور اعتبار۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کے تعلق نے میرا کوئی دوست باقی نہیں رکھا' قیامت کے خوف نے میرے بدن پر گوشت نہیں چھوڑا اور ثواب آخرت کے یقین نے میرے گھر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی۔

حبیب بن مسلمہ نے ان کے پاس ایک ہزار درہم بھیجے' لیکن انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ہمارے یہاں بکریاں ہیں جن کو ہم دوہتے ہیں' ایک سواری ہے جس پر سوار ہوتے ہیں' اس کے علاوہ ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' لیکن انہوں نے اس کو واپس کر دیا' پھر دوبارہ آیا اور سوال کیا تو اس کو کچھ دیا اور فرمایا کہ خدا نے ہی تجھے دیا اور خدا ہی نے تجھے واپس کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دو مکروہ چیزیں یعنی موت اور فقر کس قدر محبوب ہیں' ان میں سے جس چیز کے ساتھ ابتداء کی جائے میں اسی پر راضی ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حوض پر لاغر اندام لوگ وارد ہوں گے کہ جب رات آتی ہے تو وہ رنج و غم کے ساتھ اس کا

استقبال کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم مجروح لوگ عہد نبوت میں صرف مسجد میں سوتے تھے' ہمارے پاس کوئی مکان نہ تھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے سب سے زیادہ خوش گوار دن وہ ہوتا ہے جب میں اہل وعیال کے پاس جاتا ہوں اور وہ اپنی تنگ دستی کا گلہ کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ ایک گھنٹے کی خواہش نفسانی انسان کو طویل رنج وغم میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حضرت ابوفردہ رضی اللہ عنہ ایک میل چلے لیکن اس میں خدا کو یاد نہیں کیا' پھر پلٹ کر ایک میل تک خدا کو یاد کرتے ہوئے چلے اور اخیر میں پہنچ کر کہا کہ اے اللہ ابوفردہ رضی اللہ عنہ کو نہ بھولنا کیونکہ وہ تجھ کو نہیں بھولتا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ چیونٹیوں کو روٹی چورا کر کے کھلایا کرتے تھے' کیونکہ ان کو ان پر رحم آتا تھا۔

حضرت زرارہ ابن اوفی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں امامت کی اور یہ آیت:

﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ﴾

''جب صور پھونکا جائے گا تو یہ نہایت سخت دن ہوگا''۔

پڑھی تو زمین پر گر کر جان دے دی' اس قسم کے بہت سے اقوال کتاب اللمع میں مذکور ہیں اور تصوف کی دوسری کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں' لیکن محدثانہ حیثیت سے ان کی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا' اس لیے ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تصوف صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت:

تصوف کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں لیکن تصوف کی جو حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانیت اور اخلاق کا معیار قرار دی جا سکتی ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''شریعت نے جن چیزوں کو واجب یا حرام قرار دیا ہے انہی کا نام عمل ہے لیکن ان اعمال میں یہ حیثیت ملحوظ ہے کہ وہ ایسے روحانی اوصاف پیدا کریں جو قیامت کے دن روح کے لیے مفید یا مضر نہ ہوں وہ ان اوصاف کو پڑھائیں' اس کی وضاحت

کریں اور اس کا قالب اور مجسمہ بنیں' اب ان اعمال پر دو حیثیتوں سے بحث کی جا سکتی ہے ایک تو یہ ہے کہ تمام لوگوں کے لیے لازم اور ضروری کر دیئے جائیں جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ مواقع انتخاب کیے جائیں جہاں ان اعمال سے یہ روحانی اوصاف پیدا ہو سکیں اور ایسا واضح طریقہ اختیار کیا جائے کہ لوگوں سے علی رؤس الاشہاد ان پر مواخذہ کیا جا سکے' کہ وہ حیلہ حوالہ نہ کر سکیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی بنیاد ضبط و اعتدال پر قائم کی جائے دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان اعمال سے لوگوں کی تہذیب نفس ہو' اور ان سے جن روحانی کیفیات کا پیدا کرنا مقصود ہے وہ پیدا ہو سکیں' ان کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ روحانی اوصاف معلوم کرائے جائیں پھر یہ بتایا جائے کہ یہ اعمال ان کو کیوں کر پیدا کر سکتے ہیں' لیکن اس کی بنیاد ایک تو ذوق سلیم پر ہے اور دوسرے اس پر کہ خود صاحب شریعت پر ان کو محمول کر دیا جائے' پس پہلی حیثیت سے جو علم ان اعمال سے بحث کرتا ہے وہ علم شریعت ہے اور دوسری حیثیت سے ان پر علم الاحسان (علم تصوف) میں بحث کی جاتی ہے' اس بناء پر جو لوگ الاحسان کے مباحث پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے' ایک تو یہ کہ خود ان اعمال پر نگاہ رکھیں' وہ اوصاف مطلوبہ تک پہنچاتے ہیں یا کہ نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات یہ اعمال ریاکاری' شہرت طلبی' اور الفت و عادات کی بناء پر کیے جاتے ہیں ان میں اترانے' احسان کرنے اور اذیت دینے کے جذبات شامل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور بسا اوقات وہ اس طرح انجام پاتے ہیں' کہ نفس کو ان سے تنبہ نہیں حاصل ہوتا۔ جو محسنین کے شایان شان ہو (اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی تنبہ حاصل کر لیتے ہیں) مثلاً جو شخص صرف فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کیفیت اور مقدار میں کچھ اضافہ نہیں کرتا وہ پاکیزہ نہیں ہوتا دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ خود ان روحانی اوصاف پر نگاہ رکھے ان کو جانیں پہچانے اور علی وجہ البصیرۃ اعمال کو بجا لائے' تا کہ وہ اپنے نفس کا طبیب ہو''[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ابواب الاحسان

اسی فن کا نام علم الاحسان ہے:

اور اس میں جن اصولی اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں:

① ایک طہارت جو انسان کو عالم ملکوت سے مشابہ کر دیتی ہے۔

② دوسرے عجز و نیاز جو عالم جبروت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔

③ تیسرے سماحت جس کا منشا یہ ہے کہ قوت ملکیہ' محرکات بہیمیت مثلاً حصول لذت انتقام غصہ' اور بخل اور جاہ وغیرہ کے تابع نہ ہو' سماحت ہی سے متعدد اخلاق پیدا ہوتے ہیں' یعنی اگر شکم پری اور شہوت رانی کی خواہش کے ساتھ اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کا نام عفت ہے' اور اگر عیش طلبی کے ساتھ اس کو ملایا جائے تو اس کا نام زہد و تقشف ہے' اور اگر پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ اس کو مخلوط کیا جائے تو اس کا نام عفو و درگزر ہے' اگر جذبہ انتقام کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہے' اور منہیات شریعت کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو تقویٰ ہے' اور صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کا نام ہے انقطاع عن الدنیا' فناء عن الخصائص البشریہ یا حریت ہے' غرض وہ لوگ اس خصلت کو مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

④ چوتھے عدالت اور اس کا نام ملکہ ہے۔ جس سے ایک عادلانہ نظام قائم ہوتا ہے۔ جس سے تدبیر منزل اور سیاست مدن وغیرہ کی نہایت آسانی کے ساتھ اصلاح ہوتی ہے' اس ملکہ کی مختلف حیثیتوں سے مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں اگر انسان کے معمولی حالات یعنی اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے۔ میں اس کا لحاظ رکھا جائے تو اس کا نام ادب ہے۔ اگر مال و دولت کے جمع کرنے میں اس کو استعمال کریں تو اس کا نام کفایت شعاری ہے' اگر تدبیر منزل میں اس کا لحاظ رکھیں تو اس کا نام حریت ہے' اگر تدبیر ممالک میں اس کو پیش نظر رکھیں تو اس کا نام سیاست ہے' اگر بھائی بند' اور دوست و احباب کی اجتماعی زندگی میں وہ ملحوظ رہے تو اس کا نام حسن معاشرت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اخلاق کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں؟

''تو شریعت نے طہارت کے لیے وضو اور غسل اور عجز و نیاز کے لیے نماز' ذکر

تلاوت کو فرض کیا ہے اور جب یہ تمام چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تو اس کو سکینہ اور وسیلہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

انه اقربهم الى الله و سيلة.

''وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں از روئے وسیلہ کے خدا سے نزدیک تر ہیں''۔

اس کا یہی مطلب ہے' شارع علیہ السلام نے اس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

الطهور شطر الايمان.

''پاکی نصف ایمان ہے''۔

اور عجز و نیاز کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك.

''احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو' کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے''۔

''طہارت اور عجز و نیاز کے حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سنن انبیاء کا اتباع کیا جائے ان کی روح اور ان کی روشنی کا لحاظ رکھا جائے اور ان کے اذکار اور ہیات کے تحفظ کے ساتھ ان کی کثرت کی جائے' مثلاً طہارت کی روح باطنی نور ہے' انس ہے انشراح ہے' بیہودہ تخیلات' گھبراہٹ پریشانی اور اضطراب کا دور ہو جانا ہے اور نماز کی روح حضور قلب' جبروت کا نظارہ خدا کی محبت آمیز تعظیم اور اطمینان و سکون ہے' اور تلاوت کی روح یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف شوق و تعظیم کے ساتھ متوجہ ہو اور اس کے مواعظ احکام' امثال اور قصص پر غور کرے اور دعا کی روح یہ ہے کہ تمام قوتوں کا مرجع خدا کی ذات کو سمجھے اور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جائے' اور مناجات کی لذت حاصل کرے''۔

''سماحت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ لذت انتقام اور بخل وغیرہ کے مواقع سے زیادہ تر الگ رہے' خدا کا ذکر کرے اور عالم تجرد کی طرف اپنی توجہ کو

مبذول رکھے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں"۔

استوی عندی حجرها و مدرها.

"میرے نزدیک زمین کا کنکر پتھر سب یکساں ہے"۔

اسی عالم تجرد کی طرف اشارہ ہے:

"اور عدالت' لطف و کرم' محبت و مودت اور رقیق القلبی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ امور کلیہ کا لحاظ رکھا جائے اور انجام پر نظر رہے' لیکن سماحت اور عدالت میں بعض حیثیتوں سے تناقض و تضاد ہے' کیونکہ حصول سماحت کا ذریعہ یہ ہے کہ عالم تجرد کی طرف انسان کا میلان ہو اور اس کے لیے قطع تعلق اور تخلیہ کی ضرورت ہے' لیکن عدالت لطف و کرم محبت و مودت سے حاصل ہوتی ہے (جس کے لیے اجتماع و مباشرت ضروری ہیں) اس لیے اکثر لوگوں کے لیے یہ دونوں چیزیں باہم متضاد ہیں بالخصوص اہل تجاذب کے لیے تو بالکل ایک دوسرے کی نقیض ہیں' یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل اللہ اہل و عیال کو چھوڑ کر دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور عام طور پر جب لوگ بال بچوں سے ملتے ہیں تو ان کو خدا بھول جاتا ہے[1] لیکن انبیاء علیہ السلام نے دونوں کا لحاظ رکھا ہے' اس لیے ان دونوں کے قواعد و اصول کو نہایت احتیاط کے ساتھ منضبط کر دیا ہے' بہت سے افعال اور بہت سی کیفیات ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق یا ان اخلاق کے برعکس اثر کرتی ہیں' یعنی وہ فرشتوں یا شیطانوں کا مزاج پیدا کرتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے" "تم لوگ فرشتوں کی طرح صف کیوں نہیں سیدھی کرتے؟ ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسی دعائیں سکھائی ہیں جو ہمیشہ عجز و نیاز کو پیدا کرتی رہتی ہیں' صبر اور فیاضی کا حکم دیا ہے' اور موت کے یاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور دنیا کو حقیر بتایا ہے' اور خدا کی عظمت اور قدرت کے متعلق غور و فکر کی ہدایت کی ہے' اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ سماحت حاصل ہو۔

[1] اس موقع پر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو آگے آئے گی۔

عیادت صلہ رحمی احسان' اقامت حدود امر بالمعروف نہی عن المنکر اور سلام کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تا کہ عدالت کا ملکہ پیدا ہو"۔

مقامات واحوال:

منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں' جن کو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں' اور یہی اوصاف تصوف اور فلسفہ اخلاق میں مابہ الامتیاز ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک اگر چہ یہ اصطلاح نہیں پیدا ہوئی تھی' تاہم جن چیزوں کو مقامات واحوال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سب کے سب ان کی روحانی دنیا میں موجود ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے' اور ہر مقام پر اور حال کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف روحانی سے دی ہے' شاہ صاحب کا بیان اگر چہ اہل حدیث اور اہل تصوف دونوں کے لیے نہایت دلآویز ہے' تاہم بخوف طوالت ہم اس کا نہایت اجمالی خلاصہ درج کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں:

"علم تصوف کے چند نتائج یعنی مقامات اور احوال اس علم کے حاصل ہونے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور جو حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں' ان کی شرح دو مقدمات پر موقوف ہے ایک عقل' قلب اور نفس کے اثبات اور ان کی حقیقت کے بیان پر اور دوسرے اس بیان پر کہ یہ مقامات اور احوال تینوں چیزوں سے کیوں کر پیدا ہوتے ہیں' تو تم کو جاننا چاہیے کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جو عقل' قلب اور نفس کے نام سے موسوم ہیں اور وہ نقل' عقل' تجربہ اور عقلاء کے اتفاق سے ثابت ہیں' عقل کے اوصاف اور اس کے افعال میں یقین' شک وہم ہر نو پیدا چیز کے اسباب وعلل کی تلاش' جلب منفعت اور دفع مضرت کی تدبیر وغیرہ داخل ہیں"۔

"غصہ' دلیری' محبت' بزدلی' رضامندی' ناراضگی' وفاء' جاہ پرستی' فیاضی' بخل اور امید وبیم وغیرہ قلب کا وصف اور قلب کا کام ہے' نفس کے اوصاف واعمال میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اطعمہ واشربہ لذیذہ کی حرص اور عورتوں کی محبت اور ان کا عشق ہے"۔

اب مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ:

''جب کوئی شخص خدا کی کتاب اور پیغمبر کی ہدایات پر ایسا مکمل ایمان لاتا ہے جو اس کے تمام قوائے قلبیہ اور نفسیہ کی رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے پھر اس کے بعد ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضاء و جوارح کے ساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے اور مستمراً ان اعمال کو بجا لاتا رہتا ہے' تو ان تینوں لطیفوں کے اندر عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے' گویا خشک پودے کو خوب سینچ دیا جاتا ہے اس لیے اس کی تمام شاخوں اور پتوں میں رطوبت موجزن ہو جاتی ہے' پھر اس سے پھول اور پھل نکلتے ہیں' اسی طرح یہ تینوں لطیفے عبودیت میں شرابور ہو جاتے ہیں اور ان کے رذیل ترین طبعی اوصاف صفات ملوکیت سے بدل جاتے ہیں' اب اگر ان اوصاف کو ملکات راسخہ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے' اور ان کے افعال میں مستمراً ہمواری اور یک رنگی پائی جاتی ہے' تو انہی کا نام مقامات ہے اور اگر وہ بجلی کی طرح کوند کر پھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان میں ثبات وقرار نہیں پیدا ہوتا (مثلاً خواب یا غیب کی آواز یا مدہوشی وغیرہ) تو ان کو احوال اور اوقات کہتے ہیں' اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کے مناسبات جمع ہو جائیں وہ اس کی تصدیق کرے اس لیے عقل کی تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ شرعی امور پر اس طرح یقین کرے کہ گویا وہ اس کو علانیہ نظر آتے ہیں' مثلاً جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گویا مجھ کو عرش الٰہی علانیہ نظر آتا ہے' اب کہنے کی بات یہ ہے کہ جو مقامات اور احوال سے تعلق رکھتے ہیں' ان میں اصلی چیز یقین ہے اور یقین ہی سے مختلف مقامات مثلاً توحید' اخلاق' توکل' شکر' انس' ہیبت' تفرید' صدیقیت اور محدثیت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یقین کامل ایمان ہے بحر حال یقین کامل کے بعد بہت سی شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں' جن میں

ایک شکر ہے اور انسان جب تک اپنی گزشتہ زندگی میں قدرت کے عجائبات سے متنبہ نہ ہوتا رہے شکر کی تکمیل نہیں ہوتی' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے آخری حج سے واپس آنے لگے' تو فرمایا کہ خدا کا شکر ہے خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے میں اس وادی (ضجنان) میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا جو نہایت سخت تھے' جب میں کام کرتا تھا تو مجھ پر بگڑتے تھے اور جب میں کام میں کوتاہی کرتا تھا تو مجھے مارتے تھے' لیکن آج یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

یقین کی دوسری شاخ ہیبت الٰہی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک چڑیا کو دیکھ کر کہا کہ' تجھ کو اے چڑیا یہ حالت مبارک کاش میں تیری طرح ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھ کر پھل کھاتی ہے' اور اڑ جاتی ہے' تجھے خدا کو اس کا کچھ حساب دینا نہیں پڑتا۔

یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے اور دونوں میں حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرۃً انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں اب اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں' اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں:

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾

انہی دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے لیکن صدیق اور محدث میں فرق یہ ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے' جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد متاثر ہوتی ہے' اس لیے جب وہ پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ اس کو اپنی روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے' گویا اس کا علم تقلیدی نہیں ہوتا بلکہ خود اس کے اندر سے ابال کھاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت جو یہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے تو وہ حضرت جبرئیل کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے' اس سے اسی امر کی طرف

اشارہ ہے' صدیق کے چند اور خصائص ہیں ایک تو وہ پیغمبر کی محبت اور ہمدردی میں اپنی جان و مال تک کو قربان کر دیتا ہے کسی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا' پیغمبر کی صحبت میں اکثر رہتا ہے اور خواب کی تعبیر بہت صحیح بیان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے' صدیق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے[1]

اور محدث کا خاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے[2] اور صدیق خلافت کا سب سے بڑا مستحق ہوتا ہے اور اس کے بعد محدث کو یہ استحقاق حاصل ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرو۔

عقل کے احوال میں ایک حال تجلی ہے جس کی تین قسمیں ہیں ایک تجلی ذات جس کا نام مکاشفہ ہے دوسری تجلی صفات ذات جو نور کا مقام ہے' تیسری تجلی حکم ذات اور وہ آخرت اور تمام آخروی چیزوں کا انکشاف ہے۔

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ انسان مخلوقات میں خدا کے افعال کو پیش نظر رکھے اور اس کے اوصاف کو نگاہ میں رکھے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر خدا کی قدرت کا یقین غالب ہو جائے گا' اور وہ عالم اسباب سے نکل کر بے خوف ہو جائے گا' اور اسباب سے اعانت نہ حاصل کرے گا' اور اس کو یقین آ جائے گا کہ خدا اس سے واقف ہے اس لیے وہ اس کی بارگاہ میں مرعوب و مدہوش ہو جائے گا' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے' یہ درجہ نور کا مقام ہے' اس لیے ہے کہ نفس اس حالت میں مختلف انوار سے روشنی حاصل کرتا ہے' اور نور کے ایک عالم سے نکل کر نور کے دوسرے عالم میں اور ایک مراقبہ سے

---

[1] یہ تمام خصائص وعلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں جمع تھے۔

[2] یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے۔

دوسرے مراقبہ میں جاتا ہے' بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں تعدد اور تغیر نہیں ہوتا' دوسری حیثیت یہ ہے کہ انسان کو صفت ذات یعنی خدا کے وہ افعال جو بواسطہ امر کن کے صادر ہوتے ہیں بلا توسط اسباب خارجیہ کے نظر آئیں' اور اس حالت میں نور کا مظہر وہ مثالی صورتیں ہیں جو عارف کو اس وقت نظر آتی ہیں جب وہ اس دنیا سے گم ہو جاتا ہے' تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کے معنی یہ ہیں کہ انسان چشم بصیرت سے عذاب آخروی کو دنیا و آخرت میں دیکھے' اور اس کو اس طرح محسوس کرے جس طرح بھوکا بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے''۔

تو پہلی (تجلی ذات یعنی مکاشفہ) کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما طواف کر رہے تھے اسی حالت میں کسی شخص نے ان کو سلام کیا جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا اس نے ان کے بعض رفقاء سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ''ہم اس جگہ خدا کا نظارہ کر رہے تھے''۔

تجلی صفات ذات کی دو حیثیتوں میں سے پہلی حیثیت کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ مجھ کو طبیب ہی نے بیمار بنایا اور دوسری حیثیت سے مثال یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک روحانی سائبان میں چراغ کے مثل روشنیاں دیکھیں اس کی ایک مثال احادیث میں یہ بھی مروی ہے کہ دو صحابی[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اندھیری رات میں نکلے۔ تو ان کو اپنے سامنے دو چراغ نظر آئے یہاں تک کہ جب یہ دونوں بزرگ علیحدہ ہوئے تو ان میں ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہو گیا اور ایک مثال حدیث میں بھی مروی ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس نور نظر آتا ہے۔

تجلی حکم ذات یعنی تجلی آخرت کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا کہ حنظلہ کیسے ہو؟ انہوں نے کہا حنظلہ منافق ہو گیا بولے کہ سبحان اللہ کیا کہتے ہو؟ بولے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہم کو جنت اور دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو وہ ہم کو گویا آنکھوں سے نظر آ جاتی ہیں' لیکن آپ سے الگ ہو کر اہل و عیال سے ملتے ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں تو اکثر ان کو بھول جاتے ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوتا ہے' اس خلش کو مٹانے کے لیے دونوں بزرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور واقعہ بیان کیا' تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہمیشہ تمہاری یہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے آ کر مصافحہ کرتے' حنظلہ کبھی اس میں رہو (یعنی ذکر میں) اور کبھی اس میں (یعنی اہل و عیال میں) اس آخری قول سے گویا آپ نے اشارۃً یہ بتایا کہ احوال میں استمرار اور مداومت نہیں پائی جاتی۔

اس کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خواب میں جنت اور دوزخ کا دیکھنا بھی ہے' احوال عقلی کی ایک شاخ فراست صادقہ ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض باتیں کہتے تھے اور میں خیال کرتا تھا کہ یوں نہیں بلکہ یوں ہو گی' لیکن اس کا وقوع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیال کے مطابق ہوتا تھا۔

احوال عقلی میں ایک چیز محاسبہ بھی ہے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا.

''حساب لینے سے پہلے اپنے نفس کا حساب لے لو''۔

احوال عقلی میں ایک چیز حیا ہے' اور وہ اس حیا سے مختلف ہے جو مقامات نفس میں سے ہے' اور وہ صرف خدا کی عظمت و جلال اور اپنے عجز و درماندگی کے اعتراف سے پیدا ہوتی ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اندھیری کوٹھڑی میں بھی نہاتا ہوں تو خدا کی شرم سے پیچ و تاب کھاتا ہوں اس سے یہی حیاء مراد ہے مقامات قلب میں پہلا مقام جمع ہے اور اس کو صوفیہ ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں' اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصلی مقصود آخرت ہو اور دنیا کو ایک حقیر چیز

سمجھے' حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کا مقصد صرف آخرت ہو خدا اس کے مقصد کی حفاظت کرتا ہے' اور جس شخص کے بہت سے مقاصد ہوں تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس میدان میں مرتا ہے' جب یہ مقصد سمٹ جاتا ہے' اور انسان ظاہراً و باطناً عبودیت پر قائم رہتا ہے تو خدا اور خدا کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے' اور اس محبت سے ایمان کو صرف اسی قدر ترقی نہیں ہوتی کہ خدا مالک الملک ہے اور پیغمبر سچا ہے اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے' بلکہ ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے' جو پیاسے کو پانی دیکھ کر ہوتی ہے' حدیث شریف میں آیا ہے کہ اے اللہ! اپنی محبت کو میرے لیے سرد پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا' آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں تمہارے لیے تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ترین نہ ہوں' تم مومن نہیں ہو سکتے' انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ مجھے میری اس روح سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو کے درمیان ہے' آپ نے فرمایا کہ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس شخص نے خدا کی خالص محبت کا مزا چکھ لیا' اس کا منہ دنیا سے پھر جائے گا' اور اس کو تمام دنیا سے وحشت ہو جائے گی۔

جب خدا کے ساتھ ایک مومن کی محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے' اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں' جن میں ایک استجابت سوال اور استجابت دعا ہے' چنانچہ آثار صحابہ میں استجابت دعا کی متعدد مثالیں ملتی ہیں' مثلاً جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابو سعدہ کو یہ بد دعا دی کہ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو تو اس کی عمر دراز کر (یعنی ارزل عمر تک پہنچا) اس کی احتیاج کو بڑھا اور اس کی عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال دے تو انہوں نے جو کچھ کہا وہی ہوا' یا جب حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اروی بنت اوس کو بد دعا دی کہ اگر وہ جھوٹی ہے تو اے اللہ! اس کو اندھا کر دے' اور اسی زمین پر (جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کو مار ڈال تو ان کی یہ دعا حرف بحرف مقبول ہوئی۔

مقامات قلب میں دو مقام ایسے ہیں جو ان نفوس کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو پیغمبروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے' گویا یہ دونوں مقام بمنزل صدیقیت اور محدثیت کے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا تعلق نفس کی قوت عقلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ قلب کی قوت عملیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ شہید اور حواری کے مقامات ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے اور مواطن ملکوت میں سے کسی موقع پر جس میں خدا سرکشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے دین کی مدد کرتا ہے' اور حواری وہ ہے جو پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے' مدتوں اس کی محبت میں رہتا ہے' اور اس کو پیغمبر سے تعلقات قرابت ہوا کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بشارت دی ہے کہ وہ حواری اور شہید ہیں' پھر حواری کی مختلف قسمیں ہیں' ان میں بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہیں' اور نجباء و اتقیاء بھی انہی لوگوں میں سے پیدا ہوتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل صحابہ میں اکثر میں ان اوصاف کو نمایاں کیا ہے' آپ نے فرمایا ہے کہ تمام پیغمبروں کے سات نجباء ہوتے ہیں اور میرے چودہ ہیں' لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ کون کون لوگ ہیں فرمایا میں میرے دونوں بیٹے' حسن و حسین' جعفر' حمزہ' ابوبکر' عمر' مصعب بن عمیر' بلال' سلمان' عمار' عبداللہ بن مسعود' ابوذر' مقداد رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مقامات قلب میں ایک مقام شکر کا ہے' یعنی اس مقام میں نور ایمان عقل سے چھن کر دل میں آتا ہے اور انسان تمام دنیوی مصلحتوں کو چھوڑ کر ایسی باتوں کو چاہنے لگتا ہے' جن کو لوگ عادتاً نہیں چاہتے' کیونکہ اس کی حالت مخمور کی سی ہو جاتی ہے' جس سے عقل و عادت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسی مقام میں فرمایا ہے کہ خدا کے شوق میں موت سے محبت رکھتا ہوں اور مرض کو چاہتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا کے سامنے خاکسار بننے کے لیے فقر کو دوست رکھتا ہوں' حضرت ابوذر غفاری مال و دولت سے جو فطری'

نفرت رکھتے تھے وہ اسی مقام کا نتیجہ تھی۔

احوال قلب میں ایک حال کا نام غلبہ ہے' جس کی دو قسمیں ہیں' ایک غلبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے' جب مومن کا دل نور ایمان سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ وہ چھلک اٹھتا ہے اور قلب اس کو سنبھال نہیں سکتا تو اس حالت میں وہ بعض باتوں کے اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے' چاہے وہ شریعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ شریعت بہت سے مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے اور اس مومن کا قلب ان مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتا' مثلاً کبھی وہ رحم کرنا چاہتا ہے' اور شریعت اس موقع پر رحم کی اجازت نہیں دیتی' خدا خود کہتا ہے:

﴿ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ ﴾

''تم کو دینی معاملات میں ان دونوں پر رحم نہیں کرنا چاہئے''۔

بعض اوقات اس کے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے' اور شریعت اس موقع پر لطف و کرم چاہتی ہے' جس کی مثال اہل ذمہ ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حال میں غلبہ کی اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں' مثلاً جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم سے قلعہ سے نکلے اور انہوں نے حضرت لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ذبح کیے جاؤ گے' پھر افشائے راز پر ان کو ندامت ہوئی اور سیدھے مسجد میں جا کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک خدا میری توبہ قبول نہ کرے گا' میں یہاں سے نہ ٹلوں گا' یا مثلاً مقام حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے دب کر صلح کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حمیت اسلام سے از خود رفتہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر نہیں ہیں؟' انہوں نے کہا: ہیں! بولے کیا ہم مسلمان نہیں؟ انہوں نے کہا ہیں! بولے کیا یہ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہیں! بولے تو پھر ہم کیوں مذہبی معاملات میں دب کر صلح کرتے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر رسول

اللہ ﷺ کی اطاعت کرو کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں' ان کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسی قسم کے سوالات کیے' آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا' اور فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں' اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا' خدا مجھے ضائع نہ کرے گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد کو اس صلح کے مصالح کو سمجھا تو ان کا بیان ہے کہ اس والہانہ بے ادبی کے کفارے میں میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا اور صدقہ دیتا رہا' غلام آزاد کرتا رہا' نماز پڑھتا رہا' یا مثلاً جب ابوطیبہ جراح نے آپ کو پچھنا لگایا تو آپ کا خون پی گئے' خون حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس کو حالت غلبہ میں پیا تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو معذور رکھا۔

شریعت میں غلبہ کی ایک قسم اور بھی ہے جو اس سے زیادہ مکمل ہے' یعنی جن نفوس کو پیغمبروں کے نفوس سے مشابہت ہوتی ہے' جب وہ فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں' تو اگر وہ فیضان ان کی قوت عقلیہ کو پہنچتا ہے تو اس کو فراست اور الہام کہتے ہیں' اور اگر قوت عملیہ اس فیضان کو قبول کرتی ہے تو وہ عزم یا توجہ یا نفرت یا رکاوٹ کی صورت اختیار کر لیتا ہے' مثلاً جب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد کے ایفاء کی درخواست کرتا ہوں' اے اللہ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تیری پرستش نہ ہو؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بس اب رسول اللہ ﷺ یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے:

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾

''کفار کی جمعیت ٹوٹ جائے گی وہ پیٹھ پھیر لیں گے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ فیضان الٰہی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلب میں ایک میلان پیدا ہوا' جس سے انہوں نے رسول اللہ کے اس الحاح وزاری کو

پسند نہیں کیا' اور آپ کو روک دیا' آپ نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ ایک سچی خواہش ہے' اس لیے خدا کی مدد کا اظہار کرتے ہوئے اور اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو روک دیا' لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا اور میں نے اسے اختیار کر لیا لیکن اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ﴾

''ان میں کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو خود تعجب ہے کہ میں نے ایسی دلیری کی' حالانکہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ عالم تھے۔

غلبات کے اقسام میں ایک غلبہ خوف بھی ہے اس حالت میں انسان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا جسم کانپنے لگتا ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ غلبہ اکثر طاری ہو جاتا ہے' اور اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکتے تھے' حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ آیت:

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ﴾

سنی تو میرا دل اڑنے لگا۔

احوال قلب میں سے ایک حال یہ ہے کہ انسان صرف خدا کی اطاعت کو اختیار کر لیتا ہے' اور اس کو بقیہ چیزوں سے نفرت ہوتی ہے' اس لیے جو چیزیں اس اطاعت میں خلل انداز ہوتی ہیں ان کو بھی وہ الگ کر دیتا ہے' حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے دفعتاً ایک خوش رنگ چڑیا آ کر گنجان شاخوں میں الجھ گئی اور پھڑ کنے لگی' وہ اس دلچسپ منظر کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوئے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں' اس لیے اس باغ کو صدقہ

کر دیا''۔

اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوا ہو گا کہ اگر تصوف' اخلاق' روحانیت اور مقامات اور احوال کا نام ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دل اس کا اصلی ماخذ اس کا اصلی سر چشمہ تھا لیکن اگر صرف جبہ، خرقہ، رقص و سرور اور حال و قال اس کے اجزاء ہیں تو ہندوستان اور دوسرے ممالک اسلامیہ کی خانقاہیں اس کا بہترین مرکز ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جھونپڑیوں میں اس کا پتہ نہیں مل سکتا۔
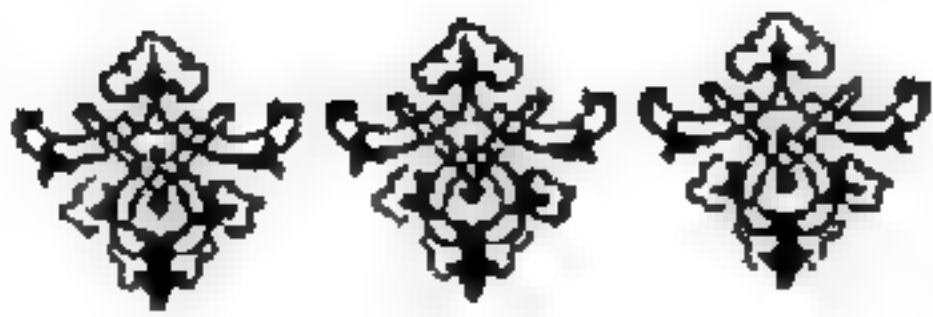
علم الانساب

علم الانساب اس علم کا نام ہے جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔ عہد صحابہ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب و عجم میں اختلاط پیدا کر دیا تو اس وقت اگرچہ اس فن کی اہمیت زائل ہو گئی۔ تاہم چونکہ عرب کو اپنے حسب ونسب پر ہمیشہ فخر وغرور رہا' اس لئے زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام دونوں میں یہ فن نہایت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا' خود قرآن مجید میں بھی اس فن کی اہمیت اور ضرورت کو بہ تصریح بیان کیا گیا ہے۔

﴿ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾

''ہم نے خاندان اور کنبوں میں تمہاری تقسیم اس لئے کی ہے کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ''۔

چونکہ اشعار عرب میں مدح وذم کے موقعوں میں اکثر حسب ونسب سے تعرض کیا جاتا تھا' اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حفظ اشعار کو جن اسباب کی بناء پر ضروری قرار دیا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو علم الانساب کی تعلیم ہوتی ہے' چنانچہ ایک فرمان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

مر من قبلک يتعلم الشعر فانه يدل على معالی الا خلاق وصواب الرائ و معرفة الانساب.

''لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔''

بہر حال جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ علم نہایت اہم خیال کیا جاتا تھا' اور تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے[1] یہی وجہ ہے

---

[1] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۲۳

کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کفار کی ہجو کہنے کا حکم دیا' تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا۔

ائت ابا بکر فانه اعلم بانساب القوم منک.

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں''۔

چنانچہ ان کی ہدایت کے بموجب انہوں نے کفار کے حسب ونسب پر طعن و تشنیع شروع کی تو خود کفار بے اختیار بول اٹھے :

ان هذا الشعر ماغاب عنه ابن ابی قحافه [1]

''ابن ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان اشعار سے بے تعلق نہیں ہیں''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا' اور اس علم کو انہوں نے اپنے باپ خطاب سے سیکھا تھا' چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ اس فن کے ماہر خیال کیے جاتے تھے' اور انہوں نے اس فن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا' حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ نے حضرت جبیر بن معطمؓ سے اس کی تعلیم حاصل کی اور ان سے محمد بن سعید بن میبّب نے اس علم کو سیکھا [3] اس طرح اسلام میں اس علم کا سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات سے قائم ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی علم الانساب کی بہت بڑی ماہر تھیں' چنانچہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ما رایت احدا من الناس اعلم ....

بحدیث العرب والنسب من عائشة. [4]

''میں نے کسی کو ایام عرب اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نہیں دیکھا''۔

لیکن یہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا فیض تربیت تھا۔

---

[1] استیعاب تذکرہ حسان بن ثابتؓ۔ [2] کتاب البیان والتبیین ج ا ص ۱۱۷۔

[3] کتاب البیان والتبیین ا ص ۱۱۷' ۱۳۳۔ [4] تذکرۂ ذہبی ترجمہ عائشہؓ۔

علم تاریخ

اسلام سے پہلے اگرچہ عرب میں اور علوم وفنون موجود نہ تھے' تاہم علم الانساب 'ایام العرب' اور شعر وشاعری نے فن تاریخ کا کافی ذخیرہ فراہم کردیا۔ اگرچہ اب تک کسی کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا' تاہم زبانی عام روایتوں نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ رکھا تھا' اسلام کے بعد اگرچہ صحابہ کرام مختلف مہمات میں مشغول ہوگئے' لیکن انہوں نے عرب کے اس علمی سرمایا کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس کو محفوظ رکھا' چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر نشست فرماتے تھے' تو صحابہ کرام اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عموماً ان کی مجلسوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہوتا ہے تھا اور اشعار پڑھے جاتے تھے۔[1]

عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے' جو صحابہ خاص طور پر علم الانساب اور ایام العرب کے ماہر خیال کئے جاتے تھے' ان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے مقدم تھے' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا' ان کے بعد حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اس فن کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیض تربیت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملا تھا' اس لئے ان کو بھی ان فنون میں بہت بڑی دستگاہ حاصل تھی' چنانچہ مسند ابن حنبل میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ:

کان عروہ یقول لعائشة یا امتاہ لا اعجب من فھمک اقول زوجة رسول اللہ ﷺ و بنت ابی بکر و لا اعجب من علمک بالشعر و ایام الناس اقول ابنته ابی بکر و کان اعلم الناس او من اعلم الناس و لکن اعجب من علمک بالطب کیف ھو و من این ھو۔[2]

---

[1] الادب المفرد باب الکبر۔ [2] مسند ج ۶ ص ۶۷۔

''حضرت عروہ رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہتے تھے کہ اے ماں مجھے تمہاری سمجھ پر تعجب نہیں آتا' کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور آپ کو ایام عرب اور شاعری کا علم حاصل ہے مجھے اس پر بھی تعجب نہیں ہوتا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں جو لوگوں میں بہت بڑے عالم تھے' لیکن میں آپؓ کے علم طب پر متعجب ہوں کہ یہ آپ کو کیونکر آیا؟ کہاں سے آیا؟''۔

خود احادیث میں انہوں نے اس کثرت سے تاریخی واقعات کی روایت کی ہے کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حالات قبل الاسلام' اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک متوسط درجہ کا تاریخی رسالہ مرتب ہوسکتا ہے لیکن خلفائے راشدین کے زمانے تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینوں میں محفوظ تھیں' سفینوں میں نہیں آتی تھیں' لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں یہ کمی بھی پوری ہوگئی' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فن تاریخ سے نہایت شغف تھا' اسلئے معمولاً روزانہ رات کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں بسر کرتے تھے' اس کے بعد سو جاتے تھے' پھر اٹھتے تھے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا تھا' چنانچہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے:

ویسمر الی ثلث اللیل فی اخبار العرب و ایامها والعجم و ملوکها وسیاستها لرعیتها و سائر ملوک الامم وحروبها ومکائدها وسیاستها لرعیتها وغیر ذالک من اخبار الامم السابقة ثم یدخل فینام ثلث اللیل ثم یقوم فیقعد فیحضر الدفاتر فیها سیر الملوک واخبارها والحروب و المکائد فیقرأ ذلک علیه غلمان مرتبون [1]

''وہ ایام عرب' اخبار عجم وسلاطین عجم ان کے طریقہ حکمرانی اور تمام قوموں کے بادشاہوں ان کی لڑائیوں کی داد گھات ان کے طرز جہانبانی اور دوسری گزشتہ قوموں کے حالات تہائی شب کے برابر سنتے تھے' پھر اندر جا کر تہائی شب تک سوتے تھے' پھر اٹھ کر بیٹھتے تھے تو کتابیں لائی جاتی تھیں جن میں بادشاہوں کے

[1] مروج الذہب بر حاشیہ نفح الطیف ج دوم ص ۴۲۵۔

حالات و واقعات اور لڑائیوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اور ان کے وہ لڑکے پڑھ کر سناتے تھے جو اس کام پر مامور تھے۔"

اس تاریخی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو و تلاش تھی' چنانچہ ان کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ عبیدہ بن شریہ کو بلایئے کہ وہ حمیر کے واقعات اور حالات کا سب زیادہ ماہر ہے' چنانچہ انہوں نے اس کو طلب کیا تو اس نے ان معلومات کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کر دیا،[1] اور غالباً یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام میں لکھی گئی' اور اس لحاظ سے اسلام میں فن تاریخ کی ابتداء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں ہوئی؟

شعر و شاعری[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ ملکی مہمات' مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے۔ تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا۔ اس لئے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے' دوسروں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلیٰ پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے' اشعار پڑھتے تھے ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے۔[3]

اس مقدس صحبت کے علاوہ انکی مجالس میں عام طور پر شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا' اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی' چنانچہ الادب المفرد میں ہے:

لم یکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متحزقین و لا متماوتین وکانو اینتا شدون الشعر فی مجالسھم و یذکرون امر جاھلیتھم۔[4]

---

[1] اصابہ تذکرہ عبید بن شریہ۔ [2] شاعری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مفاخر میں داخل نہیں ہے' اس لئے ہم نے اس عنوان کو کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ' کے نام سے حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے' جن لوگوں کو صحابہ کرامؓ کے اشعار کا زیادہ شوق ہو وہ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

[3] نسائی کتاب الامامۃ باب قعود الامام فی مصلاہ بعد التسلیم۔ [4] ادب المفرد باب۔

''اصحاب رسول خشک مزاج اور مردہ دل نہ تھے' وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے' اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے''۔

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی میں مصروف رہتے تھے' تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے' ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے لوگوں نے حضرت خوات رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''ضرار بن خطاب کے اشعار سناؤ'' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو'' چنانچہ وہ صبح تک متصل اپنے اشعار پڑھتے رہے' صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب بس کرو''[1]۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے رات بھر اشعار پڑھوائے' جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا' بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تھا اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے[2] اس کے ساتھ بہت بڑے ناقد فن تھے اور تمام شعراء کے کلام کے متعلق اس قدر صحیح رائے رکھتے تھے کہ تمام اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شعر کا پرکھنے والا نہ تھا' چنانچہ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں:

و کان من انقدز مانه للشعر و انقدهم فيه معرفة۔[3]

''یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور روشناس تھے''۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے:

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔[4]

''یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے''۔

---

[1] اصابہ تذکرہ حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ۔ [2] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۹۸

[3] کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء ج ۱ ص ۱۲ [4] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷۔

خود ان کے زمانے کے مشہور شعراء نے ان کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے چنانچہ انہوں نے حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا ہجو گوئی کے جرم میں قید کر دیا تھا' لیکن جب اس کو رہا کیا تو فرمایا کہ اب ہجو مقذع نہ کہنا' اس نے کہا اے امیر المومنین ہجو مقذع کیا چیز ہے؟ بولے یہ کہ تم کسی کو کسی پر ترجیح دو' یا ایک شخص کی مدح اور اس کے مقابل میں دوسرے کی ہجو کرو اس نے یہ سن کر کہا اے امیر المومنین آپ تو مجھ سے بھی زیادہ اسالیب شعر کے ماہر ہیں[1]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا' لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کر لیا تھا' امرء القیس زہیر' نابغہ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے' اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضیلت انہی تینوں میں محدود ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی' اور جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ تھے' انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ کون؟ فرمایا زہیر' انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی؟ اس کے جواب میں یہ الفاظ فرمائے:

كان لا يعاضل بين الكلام و لا يتبع حواشيه و لا يمدح الرجل الا بما فيه۔[2]

''وہ نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا' اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی۔ اور جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں''۔

اور ناقدین فن نے بھی زہیر کی جو خصوصیتیں بتائی ہیں وہ یہی ہیں۔

زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے۔ اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے' فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

اتتک عاريا خلقا يثابى   على خوف تظن بى الظنون

---

[1] کتاب العمدہ ج ۲ ص ۲۳۸۔ [2] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء ج ا ص ۲۶۲

لوگوں نے کہا نابغہ کا پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

خلفت فلم اترک لنفسک ریبة　　　و لیس و ر الله للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کا' فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔[1]

بااین ہمہ نہ وہ امرالقیس کی اُستادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے' ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی' تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے:

سابقهم خشف لهم عين الشعر فاقتصر عن معان اعور اصح بصر.[2]

''وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا اس نے اندھے مضامین کو بینا کیا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے' ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے' یہ شعر آیا:

و ان الحق مقطعه ثلاث　　　یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محذوذ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا' ایک اور دفعہ عبدة بن الطبیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے' اس شعر کو سن کر:

و المرء ساع لامر لیس یدرکه　　　و العیش شیخ الشقاق و تامیل

پھڑک اٹھے اور دوسرا مصرعہ بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا۔[3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگرچہ زہد مجسم تھے' تاہم شعر و سخن کے بڑے اداشناس تھے اور خود شعر کہتے تھے' چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا ہے' جس کے چند شعر یہ ہیں:

امن طیف سلمی بالبطاح الدمائث

ارقت او امر فی العشیرة حادث

''تم وادی میں سلمی کے خیال سے جاگتے رہے یا کوئی واقعہ قبیلہ میں پیش آیا۔

---

[1] آغانی تذکرہ نابغہ ج ۹ ص ۱۵۵ جن اشعار کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ہے آغانی میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ [2] کتاب العمدہ ج ۱ ص ۵۹ باب المشاہیر من الشعراء۔ [3] کتاب البیان و التبیین مطبوعہ مصر ص ۹۷۔۹۸۔

تری من لوی فوقة لا تصدها

عن الکفر تذکیر و لا بعث باعث

تم قبیلہ لوی کے ایک گروہ کو دیکھتے ہو کہ اس کو کفر سے نہ وعظ و پند روک سکتی نہ نبوت بعثت۔

رسول اتاهم صادق فكذبوا

عليه و قالو الست فينا بما كث

ان کے پاس ایک سچا پیغمبر آیا جس کو ان لوگوں نے جھٹلایا' اور کہا کہ تم ہم میں ٹھہرنے والے نہیں ہو۔

اذا ما دعونا هم الى الحق ادبروا

و هر واهرير المحجرات اللوائث

جب ہم نے ان کو دعوتِ حق دی تو ان لوگوں نے پشت پھیر لی اور کتے کی طرح بھونکنے لگے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخلاقی اشعار کا نمونہ یہ ہے:

غنى النفس يغنى النفس حتى يكفها

و ان عضها حتى يضربها الفقر

نفس کی بے نیازی نفس کو بے نیاز کر دیتی ہے گو اس کو احتیاج کاٹ ہی کیوں نہ کھائے۔

و ما عسق فاصبر لما يقتها

بكائنة الا استيقها يسر

اگر تنگ دستی پر صبر کرو گے تو فراخ دستی لازمی طور پر حاصل ہوگی"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غزوہ صفین کے متعلق نہایت پرجوش اشعار کہے ہیں' چنانچہ اس غزوہ میں قبیلہ ہمدان کی اعانت کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے:

و لما رايت الخيل ترجم بالقنى

نواصيها حمر الخور دو امى

"اور جب میں نے ان گھوڑوں کو دیکھا جن کے سینے سرخ اور خون سے آلودہ تھے"۔

و اعرض نقع فى السماء كانه

عجاجة دجن ملبس بقتام

اور آسمان کی فضا' نہایت تاریک اور سیاہ گرد وغبار سے بھر گئی۔

و نادی ابن هند فی الکلاع و حمیر
و کنـدة فی لخم و حی جذامذ

اور ابن ہند نے قبیلہ کلاع' حمیر کندہ' لخم اور جدام کو پکارا۔

تیـممـت همـدان الذین هم' هم
اذا نـاب دهـر جنتـی و سهـامی

تو میں نے ہمدان کی طرف رخ کیا جو حوادثات میں میرے سپر اور میرے تیر ہیں۔

فـجاوبنی من خیل همدان عصبة
فـوارس مـن هـمـدان خیـر لیـام

تو ہمدان کے ایک گروہ نے میری صدا پر لبیک کہا' جو نہایت شریف سوار تھے۔

فـخاضوا لظاهاوا ستطار و اشراه ها
وکـانـوا الـذی ایهـجـا کشرب مدم

وہ لوگ لڑائی کے شعلوں میں گھس گئے اور اس کی چنگاریوں کو بکھیر دیا اور جنگ میں شرابیوں کی طرح متوالے نظر آئے۔

فـلو کـنـت بـوابا علی باب جنة
لـقـلـت لهـمـدان ادخلو ابسلام

''تو اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو ہمدان سے کہتا کہ اطمینان کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ''۔

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہؓ تھے سب کے سب شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے' چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالے سے لکھا ہے:

و لم یبق من الصحابة من لم یقل الشعرا و یتمثل به[1]

''کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو' یا نہ پڑھا ہو''۔

اور کتاب العمدہ میں خود خاندان رسالت کے متعلق تصریح کی ہے:

---

[1] جمہرۃ العرب صفحہ ۱۴ بحوالہ آداب اللغۃ العربیہ للجرجی زیدان

و ليس من بني عبدالمطلب رجالا و نساء من لم يقل الشعر حاشي النبي صلی اللہ علیہ وسلم[1]

''بنو عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہا ہو''۔

اور اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

لیکن تمام صحابہ میں شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہیں ان چاروں بزرگوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مخضرمی شاعر ہیں۔[2] یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں شعر کہے ہیں' اور دونوں زمانوں میں داد سخن دی ہے' زمانہ جاہلیت میں وہ بہترین شاعر تسلیم کیے جاتے تھے' اور ملوک غسان سے جوان کے ممدوح تھے گراں قیمت صلے پائے تھے ان سلاطین کی مدح میں انہوں نے جو قصائد لکھے ہیں' ان میں عرب کے مشہور شاعر حطیہ نے اس شعر کو بہترین مدحیہ شعر تسلیم کیا ہے:

يغشون حتى ما قمر كلا بهم   لا يسئلون عن السواد المقبل

عبدالملک ابن مروان کا قول ہے:

ان امدح بيت قالته العرب بيت حسان هذا.

''اہل عرب نے جو بہترین مدحیہ اشعار کہے ہیں ان میں حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر سب سے بہتر ہے''۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شہری باشندوں میں اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے لوگ تھے' اس کے بعد قبیلہ عبدالقیس' پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تھے' لیکن ان سب میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سب سے بڑے شاعر تھے۔ زمانہ اسلام

---

[1] کتاب مذکورہ ج ۱ ص ۱۵۔ [2] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ حالات استیعاب وطبقات الشعر الابن قتیبہ سے ماخوذ ہیں۔

میں وہ خاص رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے اور یہ ان کا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حسان کو تمام شعراء پر جو ترجیح حاصل ہے اس کے تین سبب ہیں' ایک یہ کہ وہ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے' پھر رسول اللہ ﷺ کے شاعر ہوئے اس کے بعد زمانہ اسلام میں تمام یمن کے شاعر تسلیم کیے گئے' لیکن ان میں ان کا اصلی شرف یہ ہے کہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا شاعر منتخب فرمایا' چنانچہ مشرکین قریش میں عبداللہ ابن الزبعری رضی اللہ عنہ' ابوسفیان بن حارث' عمرو بن العاص' اور ضرار ابن خطاب نے آپ کی ہجوگوئی شروع کی تو آپ نے فرمایا:

ما یمنع الذین نصروا رسول اللہ ﷺ بسلاحھم ان ینصروہ بالسنتھم.

''جس قوم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد ہتھیار سے کی وہ اپنی زبان سے کیوں آپ کی مدد نہیں کرتی''۔

یہ سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کام کے لیے میں تیار ہوں' اس کے بعد آپ کی طرف سے کفار کی شاعرانہ مدافعت ان کا عام مشغلہ ہوگیا' اور بارگاہِ نبوی میں ان کی اس خدمت کو اس قدر حسن قبول حاصل ہوا کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

اھجھم و روح القدس معک. ''کفار کی ہجو کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہے''۔

ایک بار یہ دعا دی:

اللھم ایدہ بروح القدس. ''اے اللہ! روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کرو''۔

ایک دفعہ ان کی ہجوؤں کی ان الفاظ میں داد دی:

ان قولہ فیھم اشد من وقع النبل.

''کفار کے دلوں میں ان کے اشعار تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں''۔

آپ نے مسجد نبوی میں ان کے لیے ایک منبر بھی بنوایا تھا' جس پر بیٹھ کر وہ ان ہجو یہ اشعار کو سناتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک[1] رضی اللہ عنہ بھی مخضرمی شاعر ہیں' یعنی وہ زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور شاعر تھے' اور اسلام میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مخصوص شاعر ہونے کی حیثیت سے

---

[1] استیعاب و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

صاحب امتیاز ہوئے' چنانچہ استیعاب میں ہے: و انتدب لهجو المشركين ثلاثة من الانصار حسان بن ثابت و كعب بن مالك و عبدالله بن رواحه رضی اللہ عنہم۔

''مشرکین کی ہجو گوئی کی خدمت انصار کے تین شخصوں نے قبول کی' یعنی حسان بن ثابت' کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے''۔

لیکن ان تینوں بزرگوں کی ہجو گوئی کا مختلف موضوع تھا' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکین کے نسب پر حملہ کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان پر کفر کا الزام لگاتے تھے' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کو لڑائی کی دھمکیاں دے دے کر ڈراتے رہتے تھے' چنانچہ ایک روایت میں ہے' کہ قبیلہ دوس نے ان کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر اسلام قبول کیا:

قضينا من تهامة كل وتر و خيبر ثم اغمدنا السيوفا

''ہم نے تھامہ اور خیبر سے انتقام لے کر تلوار میان میں کر لی۔

نخبرها ولو نطقت لقالت قواطعهن دوسا او ثقيفا

اب ہم نے اپنی تلواروں کو قبائل کے انتخاب کا حق دے دیا ہے اگر وہ بولتیں تو دوس اور ثقیف کا نام لیتیں''

خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سنتے تھے اور داد دیتے تھے' ایک بار آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے' تو انہوں نے گھر سے نکل کر اشعار سنائے آپ نے ان کو سن کر فرمایا: اور ''انہوں نے پھر اشعار پڑھے'' آپ نے دوبارہ فرمایا:'' اور'' اسی طرح ان سے تین بار فرمائش کر کے اشعار سنے' اور اخیر میں فرمایا:

لهذا اشد عليهم من وقع النبل. ''کفار پر ان کی زد تیر سے زیادہ سخت ہے''۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ[1] نہایت بدیہہ گو شاعر تھے' چنانچہ ایک موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب حال اشعار سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے اسی وقت اٹھ کر برجستہ یہ اشعار سنائے:

انی تفرست فيك الخير اعرفه و الله يعلم ان ماخانني البصر

''میں نے آپ کی ذات میں نیکی کو دیکھا اور خدا کی قسم میری آنکھوں نے اس میں دھوکا نہیں کھایا''۔

انت النبی و من يحرم شفاعته يوم الحساب لقد ازری به القدر

''آپ پیغمبر ہیں اور جو شخص قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہے گا وہ بدقسمت ہے''۔

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تذکرہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ و آغانی تذکرہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

بخاری میں بھی ان کے متعدد رجز اور متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں' لیکن ان کی شاعری کا اصلی موضوع کفار کی ہجو گوئی تھی' اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ غزوۂ احزاب سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے کفار تم سے لڑائی نہ کریں گے' بلکہ تمہاری ہجو کہیں گے' تو مسلمانوں کی عزت کو تم میں کون محفوظ رکھے گا؟ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھے' اور فرمایا کہ "میں" اس کے بعد ان کا یہ مخصوص مشغلہ ہو گیا' چنانچہ وہ ہمیشہ کفار کی ہجو کہتے تھے' اور ان پر صرف کفر کا الزام لگاتے تھے' لیکن ان کے رفقاء یعنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے نسب پر حملہ کرتے تھے اور جنگ کی دھمکیاں دیتے تھے' جب تک کفر زمانہ جاہلیت کے نشہ میں تھا' کفار پر انہی دونوں بزرگوں کی ہجویں اثر کرتی تھیں' لیکن جب یہ نشہ اتر گیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کفار پر ان سے زیادہ اثر کرنے لگے۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ بھی مخضرمی شاعر ہیں اور ان کا شمار عرب کے بہترین شعراء میں ہے' عرب میں اسلام کا چرچا پھیلا تو وہ اور ان کے بھائی بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے' چنانچہ ایک مقام پر پہنچ کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور بجیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا' حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو یہ اشعار کہے:

الا ابلغا عنی بجیر ارسالة　　　علی ای شی ریب غیرک و لکا

"میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو کہ کس چیز کی طرف تمہاری غیرت نے تمہاری رہنمائی کی"۔

علی خلق لم تلف اما و لا ابا　　　علیه و لم تدرک علیه اخالکا

"اس خلق کی طرف جن پر نہ تمہاری ماں تھی نہ تمہارا باپ تھا اور نہ تمہارا بھائی"۔

سقاک ابوبکر بکاس رؤیة　　　فانهلک المامون منها و علکا

"ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تم کو چھلکتے ہوئے پیالے بار بار پلائے"۔

لیکن اس کے بعد خود مسلمان ہو گئے اور ایک قصیدہ کہا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے اور ارد گرد صحابہ کی صفیں تھیں' حضرت کعب رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پڑھنا شروع کیا' جب ان اشعار تک پہنچے:

ان الرسول لسیف یستضاء به　　　مهند من سیوف الله مسلول

"رسول اللہ دست خدا کی کھینچی ہوئی ایک ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

فی فتیتہ من قریش قال قائلھم ببطن مکة لھا اسلمو اذ ولوا

''قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نے مکہ میں اسلام لانے کے بعد کہا ہجرت کر جاؤ''۔

تو آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کعب کے ان اشعار کو سنو۔

آپ نے اس قصیدے کے صلے میں ان کو خود اپنی چادر عطا فرمائی' جس کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور ان کے بعد تمام خلفاء عیدین میں وہی چادر اوڑھ کر نکلتے تھے[1]

لیکن اس شاعرانہ ذوق کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اصلی منصب کو فراموش نہیں کیا' اس لیے ادبی حیثیت کے ساتھ زیادہ تر اخلاقی حیثیت سے اشعار عرب کی ترویج و اشاعت کی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان بھیجا:

مرمن قبلک یتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الا خلاق و صواب الرای و معرفة الانساب۔[2]

''لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو' کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتوں صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں''۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا اس کے الفاظ یہ تھے:

علموا اولادکم العلوم و الفرسیة رود وھم ما سارمن المثل و حسن من الشعر۔[3]

''اپنی اولاد کو تیرنا' اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور عمدہ اشعار یاد کراؤ''۔

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں:

رودوا من الشعر عنہ۔ ''ان سے پاکیزہ اشعار کی روایت کراؤ''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شعر کو ایک بہترین اخلاقی طاقت سمجھتے تھے' اور اسی بناء پر لوگوں کو اس کے یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے' چنانچہ ایک بار فرمایا:

یجب علی الرجل تادیب ولدہ و الشعرا علی مراتب الادب۔

''آدمی پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے' اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے''۔

ایک بار اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر لوگوں کو ہدایت کی:

اجعلوا الشعرا کبر ھمکم و اکثر و ابکم خلقا رایتنی لیلة الھریر بصفین و انہ ازید الحرب لشدة البلویٰ فما حملنی علی الاقامة الا ابیات عمرو بن الاطناب[4]

''شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمع نظر بنالو اور اس کے عادی ہو جاؤ' کیونکہ جنگ صفین میں

---

[1] آغانی و استیعاب و اصابہ تذکرہ حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ عنہ۔ [2] کتاب العمدہ ج اصفحہ ۱۰۔

[3] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ج اص ۲۱۳۔ [4] کتاب العمدہ ج اص ۱۰۔

لیلۃ الہریر کو میں نے بھاگنا چاہا تو مجھ کو عمرو بن الاطناب کے اشعار نے ثابت قدم رکھا"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شعر و شاعری کے وہ تمام عیوب بھی مٹا دیئے جو بداخلاقی کی طرف منجر ہوتے تھے' مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا' کہ شعراء علانیہ شریف عورتوں کا نام اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ کو بالکل مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی' اسی طرح ہجو گوئی کو بھی ایک جرم قرار دیا اور حطیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا' اس جرم میں قید کر دیا' لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ اہل ادب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانہ اسلام میں شاعری دفعتہً اپنے اوج کمال سے گر گئی' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو بحیثیت فن کے کسی قسم کی ترقی نہیں دی جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا' کہ عرب میں فخر و غرور' جنگجوئی' انتقام اور عشق و ہوس وغیرہ شاعری کا اصلی عنصر تھے اور اسلام نے ان تمام اخلاقی برائیوں کو مٹا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر مجسم بنا دیا تھا' اس لیے ان کی ذات میں خیر و شر کے یہ دونوں متضاد عناصر جمع نہ ہو سکے' چنانچہ اصمعی نے صاف صاف کہہ دیا:

الشعر نكد بابه الشر فاذا دخل فى الخير ضعف هذا حسان بن ثابت فحل من فحول الجاهليت فلما جاء الاسلام سقط شعره[1]

"شعر کو نیکی سے کوئی تعلق نہیں' اس کا دروازہ برائی ہے' جب وہ نیکی کے دروازے میں داخل ہوتا ہے تو کمزور ہو جاتا ہے' مثلاً حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شمار جاہلیت کے اکابر شعراء میں تھا' لیکن جب اسلام آیا تو ان کے اشعار پست ہو گئے"۔

خطابت اور تقریر

اہل عرب میں ابتداء ہی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا' اور خود زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے خطباء گزر چکے تھے' لیکن اس قوت سے جو کام لئے جا سکتے تھے زمانۂ جاہلیت میں ان کا دائرہ محدود تھا' اس لئے اس زمانے میں خطابت اور زور تقریر کو وہ اقتدار و اثر حاصل نہ ہو سکا' جو شعر و شاعری کو حاصل تھا' لیکن زمانہ اسلام میں یہ حالت بدل گئی اور سیاسی واقعات اور غزوات و فتوحات نے عرب کی پر جوش طبیعتوں کے لئے بہت سے نئے میدان کھول دیئے' جن میں ان کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا' اس بناء پر اسلام کے بعد اگرچہ عربی شاعری میں زمانہ جاہلیت کا زور باقی نہ رہا تاہم اس کی طاقت' خطابت اور تقریر کی طرف منتقل ہو گئی' اور

---

[1] طبقات الشعراء لابن قتیبہ تذکرہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن اس کے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو خطرناک اضطرابی حالت پیدا ہوگئی' اس کے مٹانے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ دیا وہ صرف چند فقروں پر مشتمل تھا۔

الا من کان یعبد محمد افان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت انک میت وانهم میتون وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین.

''ہاں ! جو لوگ پرستارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے' ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ محمد وفات پا چکے' لیکن جو لوگ پرستاران خدا ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ خدا زندہ ہے' مرا نہیں' خدا اپنے پیغمبر سے خود کہتا ہے تو مریگا اور تمام لوگ مریں گے' محمد تو صرف ایک پیغمبر تھے ان سے پہلے بھی اور پیغمبر گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ پھر رجعت قہقری کر جاؤ گے یقین کرو کہ جو لوگ مرتد ہو جائیں گے وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے اور خدا شکر کرنے والوں کو جلد جزائے خیر دے گا۔''

لیکن ان ہی چند فقروں کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور لوگ نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے' اس کے بعد جب خلافت کے لئے انصار ومہاجرین کے دو جتھے قائم ہو گئے اور انصار نے علانیہ کہا۔

منا امیر و منکم امیر۔ ''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے''۔

تو ان کی طرف سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک پرزور تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں۔

اما بعد فنحن انصار اللہ و کتیبة الاسلام وانتم معاشر المهاجرین رهط وقد دفت دافته من قومکم فانهم یریدون ان یختزلونا من اهلنا وان یخفونا من المر.

''ہم خدا کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں اور تم گروہ مہاجرین ہمارے یہاں نیازمندانہ آئے اور اب وہی لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کریں اور خلافت سے ہمیں روک دیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر تقریر کرنے کے لئے پہلے سے تیار تھے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو موقع نہیں دیا' اور خود تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں :

لا ولکنا الامراء وانتم الوزراء فانتم له اهل ولن یعرف هذا الامر الا هذا الحی من القریش هم اوسط العرب نسبا و دارا[1]

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر و کتاب المحاربین باب رجم الحبلی من الزنی اذا احصنت۔

"نہیں، لیکن ہم امراء ہیں اور تم وزراء تم بے شبہ اس کی اہلیت رکھتے ہو، تمام عرب حرف قریش کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے کیونکہ وہ خاندان ونسب کے لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا، لیکن اس تقریر کو سن کر انہوں نے اعتراف کیا:

فکان هو احلم منی واوقر والله ماترک من کلمة اعجبنی فی تزویری الاقال فی بدیهة مثلهااو افضل منها.

"وہ تقریر کرنے میں مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار تھے خدا کی قسم جن فقروں پر مجھ کو ناز تھا ان میں ایک کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سیاسی معاملات کے متعلق جو تقریریں کی ہیں، ان میں ایک طرف تو قدر جامعیت سادگی روانی اور وضاحت پائی جاتی ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، دوسری طرف اس قدر زور قوت اور جوش واثر پایا جاتا ہے کہ سننے والوں کے دل لرز اٹھتے ہیں۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ انہوں نے جو خطبہ دیا، اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے:

اللهم انی غلیظ فلینی اللهم انی ضعیف فقونی الا وان العرب جمل انف وقد اعطیت خطامه الا وانی حامله علی الحجة.

"اے اللہ! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر میں ضیف ہوں مجھے قوی بنا، ہاں عرب ایک سرکش اونٹ ہے جس کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، ہاں میں اس کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا"۔

ایک بار ایک تقریر کی جس میں امراء و عمال سے ان پرزور الفاظ میں خطاب کیا:

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمته الهدی یهدی بکم ولا تغلقو االابواب دونهم فیا کل قویهم ضعیفهم[1]

"ہاں! میں نے تم کو نہ امیر بنا کر بھیجا نہ ظالم و مستبد میں نے صرف تم کو ائمہ ہدیٰ بنا کر بھیجا تاکہ تم سے ہدایت حاصل کی جائے، رعایا پر اپنے دروازے بند کرو کہ قوی ضعیف کو کھا جائے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جب پہلی تقریر کرنا چاہی تو چونکہ پہلے سے تیار نہ تھے اس لئے خاموش ہو گئے، اور ان الفاظ میں معذرت کی:

انتم احوج الی الامام العادل من الامام القائل.

"تم کو بولنے والے خلیفہ سے زیادہ انصاف کرنے والے خلیفہ کی ضرورت ہے۔"

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷ یہ ایک نہایت پرزور اور مطول تقریر ہے، جس میں خلیفہ عمال اور رعایا کے حقوق وفرائض بیان کئے ہیں۔

لیکن تمام اہل ادب متفق اللفظ ہیں کہ اس سے زیادہ بلیغ معذرت آج تک کسی نے نہیں کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکثر خطبے زہد و قناعت پر دیئے ہیں' جو ادب و محاضرات کی کتابوں میں منقول ہیں' ان خطبوں میں اگرچہ عموماً سلاست و روانی پائی جاتی ہے' لیکن زور بلاغت کا عالم وہاں نظر آتا ہے' جہاں انھوں نے پولیٹیکل تقریر کی ہے اور قوم کو جنگ پر ابھارا ہے' مثلاً:

ایھا الناس المجتمعة ابدانھم المختلفة اھواء ھم کلامکم یوھن الصم الصلاب و فعلکم یطمع فیکم عدو کم وددت واللہ ان لی بکل عشر منکم رجلا من بنی فراس بن غنم صرف الدینار بالدرھم[1]

''اے وہ لوگو' جن کے جسم تو متحد ہیں لیکن مقاصد مختلف ہیں' تمہاری باتوں سے تو پتھر کی چٹانیں چور چور ہو جاتی ہیں' لیکن تمہارے افعال تمہارے دشمنوں کو تم پر چیرہ دستی' کی طمع دلاتے ہیں' خدا کی قسم اگر تمہارے دس آدمیوں کے بدلے میں مجھے بنی فراس بن غنم کا ایک آدمی بھی ملتا تو میں اس کے بدلے ایک اشرفی کو ایک درہم کے بدلے میں دے دیتا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اس قوت تقریر سے بڑی بڑی مذہبی خدمتیں انجام دی ہیں' حضرت ثابت ابن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کفار کی تقریروں کے جواب دینے کے لئے مامور فرمایا تھا' اس لئے وہ خطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے پکارے جاتے تھے مسیلمہ کذاب مدینہ میں آیا' تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ابتدائی سوال و جواب کے بعد یہ کہہ کر چلے آئے کہ یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں جو میری طرف سے تمہارا جواب دیں گے[2]

اقرع بن حابس وغیرہ جب اپنے خطباء و شعراء کے ساتھ آپ کی خدمت میں مناظرہ کے لئے آئے' تو انہوں نے ان کے خطیب کا جواب دیا' اور اقرع نے تسلیم کیا کہ وہ غالب رہے[3]

حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نہایت پر جوش خطیب تھے' حالت کفر میں وہ اسلام کی مخالفت میں تقریر کیا کرتے تھے' ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''ان کے نیچے کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے کہ تقریر کرنے میں زبان نہ چلنے پائے۔ آپ نے فرمایا میں ''مثلہ کرنا نہیں چاہتا' ممکن ہے کہ ان کی تقریر سے کبھی اسلام کو فائدہ پہنچے''[4] چنانچہ وہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب تمام عرب میں ارتداد کی ہوا چل گئی تو انہوں نے قریش کے سامنے ایک مطول تقریر کی جس کے چند فقرے یہ ہیں:

یا معشر قریش لا تکونوا آخر من اسلم و اول من ارتدو اللہ ان ھذا الدین لیمتدن امتداد الشمس والقمر من طلوعھما الی غروبھما۔

---

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۱۱۵۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب قصۃ الاسود العنسی۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ اقرع ابن حابس۔
[4] کتاب البیان والتبیین للجاحظ ج ا ص ۲۲۲۔

"اے گروہ قریش! یہ نہ ہو کہ تم سب کے اخیر میں تو اسلام لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ، خدا کی قسم یہ دین وہاں پہنچ جائے گا جہاں سے چاند سورج نکلتے اور ڈوبتے ہیں"۔
چنانچہ اسی تقریر کے اثر سے تمام قبیلہ قریش اسلام پر قائم رہا۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبش کو گئے تو کفار نے ان کو وہاں سے واپس لانے کیلئے مخفی طور پر بہت سی تدبیریں کیں، لیکن حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو جس موثر اور واضح طریقہ سے بیان کیا، اس نے ان کی تمام تدبیروں کو بے اثر کر دیا، انھوں نے کہا کہ "اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے قطع رحمی کرتے تھے، اور ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، ہم میں جو لوگ قوی تھے وہ ضعیف کو کھا جاتے تھے، یہ حالت تھی کہ خدا نے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا، جو ہم میں سے تھا، اور ہم اس کے نسب راست بازی، امانت اور پاکبازی سے واقف تھے اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا، کہ اس کو ایک سمجھیں، اس کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباؤاجداد جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، ان کی پرستش چھوڑ دیں، اس نے ہم کو سچائی، امانت داری اور صلہ رحمی کی تعلیم دی اور ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے اور محرمات اور خونریزی سے بچنے کا حکم دیا، بدکاری اور دروغ بیانی سے روکا اور یتیموں کے مال کھانے اور عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ایک خدا کی عبادت کرنے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کی ہدایت کی پس ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کی اتباع کی، ہم نے تنہا خدا کو پوجا، اس نے جن چیزوں کو ہم پر حرام کیا ہم نے اس کو حرام سمجھا، اور جن چیزوں کو حلال کیا ہم نے اس کو حلال قرار دیا، اس لئے ہماری قوم نے ہم پر دست تعدی دراز کیا، ہم کو اذیتیں دیں، اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ کرنا چاہا تاکہ ہم کو خدا کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پرستش کی طرف لائیں اور ہم جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب بھی ان کو حلال سمجھیں، تو جب انہوں نے ہم پر جبر و ظلم کیا، ہم کو تکلیفیں دیں اور ہمارے مذہب میں دست اندازیاں کیں تو ہم تیرے ملک میں چلے آئے اور سب لوگوں پر تجھ کو ترجیح دی، تیری ہمسائیگی سے توقعات قائم کیں اور یہ امید باندھی کہ تیرے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا، اے بادشاہ! نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ تم کو کلام الٰہی کا کوئی ٹکڑا یاد ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ "کہیعص" کی چند ابتدائی آیتیں پڑھیں تو نجاشی پر یہ اثر پڑا کہ روتے روتے داڑھی تر ہو گئی اور بے اختیار بول اٹھا کہ "خدا کی قسم یہ اور وہ جو موسیٰ علیہ السلام لائے ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، جاؤ کبھی تمھیں کفار کو واپس نہیں دے سکتا"۔[2]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سہیل بن عمروؓ [2] مسند ابن حنبل ج ا ص ۲۰۲۔

خاتمہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مؤثر زندگی کے تمام خال وخط تمہارے سامنے آ گئے' ان کے مذہب' اخلاق اور معاشرت کی روشن مثالیں تمہاری نگاہ سے گزر چکیں' ان کی حکومت وسیاست کے تمام کارنامے تم نے پڑھ لیے لیکن تمہارے دل نے ان کا کچھ اثر بھی قبول کیا؟ اگر ان اختر ان تابندہ کی روشنی نے تمہاری راتوں کو دن نہیں بنایا تو یہ تمہاری سیاہ بختی کی سب سے بڑی دلیل ہے لیکن ہر شخص تمہاری طرح سیاہ گلیم اور سیاہ بخت نہیں ہوسکتا' آج سے تیرہ سو برس پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف فضائل نے سینکڑوں اشخاص کو اپنا گرویدہ بنایا اور ان کے مذہبی اخلاقی اور علمی اثر نے دلوں کے اندر کی دنیا کو تہ وبالا کردیا' اگر تم خود صحابہ کرام کے مذہب اخلاق اور معاشرت وغیرہ کا اثر قبول نہیں کرتے تو کم ازکم دوسروں کی تقلید ومثال سے تو تم کو عبرت وبصیرت حاصل کرنا چاہیے۔

صحابہ کرام کا مذہبی اثر:

حضرت جندب بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک جادوگر کو ایک حدیث کے بموجب قتل کردیا اور اس جرم میں ان کو ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ نے سزائے قید دی لیکن جیلر ان کے صوم وصلوٰۃ کی پابندی سے اس قدر متاثر ہوا کہ خود ان کو رہا کردیا۔[1]

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنا کر روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز فجر میں بلند آہنگی کے ساتھ تکبیر کہی تو حضرت عمرو بن میمون الازدی رضی اللہ عنہ پر اس کا جو اثر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتے ہیں:

فالقیت محبّتی علیه فما فارقته حتی دفنته بالشام.

''میں ہمہ تن ان کا عاشق ہوگیا اور اس وقت تک ان کی صحبت سے الگ نہ ہوا جب تک شام میں ان کو دفن نہ کرلیا''۔

ان کے بعد یہ روحانی اثر ان کو کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جندب بن کعبؓ۔

لایا اور تادم مرگ اُن کی خدمت سے الگ نہ ہوئے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو مذہبی عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کے پاس آ کر طالب دعا ہوتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بصرہ سے کچھ لوگ آ کر طالب دعا ہوئے اور انہوں نے دعا کی۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعائے برکت کرتی تھیں۔[3]

امرائے بنوامیہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اثر تھا کہ یہ لوگ مذہبی معاملات میں ان کی اقتداء کو اپنا فرض سمجھتے تھے' چنانچہ ایک بار عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ مناسک حج میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرو' اس حکم کی بناء پر حجاج خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کیا ارشاد ہے؟ بولے کہ ''اب چلنا چاہیے'' اس نے کہا اس وقت' بولے ''ہاں'' بولا بدن پر پانی ڈال لوں تو حاضر ہوں۔[4]

یہ اثر نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ کفار پر بھی پڑتا ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی اور اس میں نماز ادا کرتے تھے' لیکن جب وہ نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو کفار پر کے اہل وعیال ان کی رقت خیز آواز سے اس قدر متاثر ہوتے تھے' کہ خود کفار کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں ان کے بچوں اور بیبیوں کو وہ شیدائے اسلام نہ بنالیں۔[5]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ میں خود رومیوں سے لڑ کر شہید ہوئے تھے تاہم ان کا یہ اثر تھا کہ جب قحط پڑتا تھا رومی ان کی قبر کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا مانگتے تھے۔[6]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اخلاقی اثر:

ہر مقدمہ میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی دیانت نے اس سے مستغنی کر دیا تھا' حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ پر ایک عورت نے غصب کا دعویٰ کیا' انہوں نے کہا ''جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے گا خدا زمین کے ساتوں طبق کو اس کے گلے کا طوق بنائے گا میں نے انکی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا' مروان کے یہاں مقدمہ پیش تھا' اس نے کہا اب میں آپ سے گواہ نہیں مانگتا۔[7]

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا آخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت۔ [2] ادب المفرد۔ [3] ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔ [4] نسائی کتاب الحج باب الرواح یوم عرفہ۔ [5] بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق [6] حسن المحاضرہ ج اص ۱۰۰۔ [7] مسلم کتاب البیوع باب تحریم الظلم وغصب الارض۔

امراء وسلاطین تو پھر بھی مسلمان تھے سب سے زیادہ یہ اثر کفار پر پڑتا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کفرزار مکہ کو چھوڑ کر نکلے تو راہ میں ابن الدغنہ مل گیا' جو عرب میں سید القارہ کے خطاب سے ممتاز تھا' اس نے پوچھا ''کہاں جاتے ہو؟'' بولے ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے' اب سیاحت کر کے خدا کی عبادت کروں گا'' اس نے کہا کہ تم جیسا شخص نہ وطن سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے' تم غریبوں کے لیے مال پیدا کرتے ہو' صلہ رحمی کرتے ہو' قوم کی دیت وتاوان اٹھاتے ہو' مہمان نوازی کرتے ہو' مصائب قومی میں اعانت کرتے ہو' میں تمہارا ضامن ہوں چلو اور اپنے ملک میں خدا کی پرستش کرو' چنانچہ وہ پلٹے اور چند شرائط کے ساتھ کفار نے ان کو عبادت گزاری کی اجازت دے دی۔[1]

حضرت نعیم بن عبداللہ النحام رضی اللہ عنہ نہایت فیاض صحابی تھے' اور قبیلہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کرتے تھے' کفار پر ان کی اس نیکی کا یہ اثر تھا کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تمام کفار نے روک لیا' اور کہا کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو اگر کوئی تم سے تعرض کرے گا تو سب سے پہلے ہماری جان تم پر قربان ہو گی۔[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علمی اثر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علمی فیوض وبرکات نے ایک چشمہ شیریں بنا دیا تھا۔ جس کے گرد تشنگان علم کا مجمع رہتا ہے' حضرت قزعہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جو'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے' ان پر ٹوٹے پڑتے تھے' میں نے انتظار کیا' جب بھیڑ بھاڑ چھٹی تو میں نے خود اپنا سوال پیش کیا۔[3]

حضرت سبیع بن خالد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں ایک تجارتی مقصد سے آیا' مسجد میں جا کر دیکھا کہ جوق در جوق لوگ ایک مشہور اور نمایاں شخص کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں' میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حجازی آدمی ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور کہا کہ ''تم ان کو نہیں جانتے ؟ یہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں۔[4]

حضرت ابوادریس خولانی کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں گیا' دیکھا کہ ایک

---

[1] بخاری باب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد النبی وعقدہ۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۳ تذکرہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام۔ [3] ابوداؤد کتاب الصیام باب الصوم فی السفر۔ [4] ابوداؤد کتاب الفتن۔

جوان جس کے دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں لوگوں کا پیشوا ہے' لوگ اگر کسی چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو اسی کی سند پکڑتے ہیں اور وہ جو کہہ دیتا ہے اس پر رک جاتے ہیں اور' میں نے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا" معاذ بن جبل"۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علمی عزت واثر کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ پوچھنا ہوتا تھا تو دوسرے سے اعانت وسفارش کا خواستگار ہوتا تھا' ہلال غزی کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو شفیع بنایا"۔[2]

حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے ان کے پاس حاضر ہوتے تھے' اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقرب حاصل تھا' اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے' جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے' اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے' اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے' جب میرے پاس کوئی خط آتا تو میں کہتی کہ اے خالہ یہ فلاں کا خط ہے' اور فلاں کا ہدیہ" فرماتیں کہ" جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو"۔[3]

عوام تو عوام امراء وسلاطین کی مغرور گردن بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علمی اثر کے سامنے جھک جاتی تھی۔ ایک بار امیر مکہ نے رویت ہلال کے متعلق خطبہ دیا اور اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ" تم میں ایک ایسا بزرگ ہے جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا مجھ سے زیادہ عالم ہے"۔[4]

خلفاء حضرت ایمن رضی اللہ عنہما کی فصاحت بیانی اور طلاقت لسانی کے اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خلیل الخلفاء کہا جاتا تھا' باوجودیکہ ان کے جسم پر برص کے داغ تھے' تاہم عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا تھا۔[5]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام اثر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ دینوی حیثیت سے ایک فقیر بے نوا تھے' لیکن عام اثر نے ان کو بادشاہ بنا دیا تھا' اس لئے جہاں جاتے تھے نہایت دھوم دھام سے ان کا استقبال

---

[1] موطائے امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ۔ [2] مسلم کتاب الطہارۃ باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔ [3] ادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء وجوابہن۔ [4] ابوداؤد کتاب الصیام باب شہادت رجلین علی رویۃ ہلال شوال۔ [5] حسن المحاضرہ للسیوطی جلد اصفحہ ۱۷۴۔

ہوتا تھا' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ شام کو گئے تو لوگ عین التمر تک استقبال کو آئے۔[1]

ایک شخص حج کو جا رہے تھے' راہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مل گئے اور باہم کچھ سوال و جواب ہوا انہوں نے مکہ پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں نے ایک شخص کو گھیر لیا ہے' بھیڑ بھاڑ کو چیرتے پھاڑتے وہاں تک پہنچے تو دیکھا کہ وہی بزرگ ہیں جو مقام ربذہ میں ملے تھے یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ۔[2]

ایک بار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ ایک شخص نے اپنا مریض اونٹ فروخت کیا' اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا کہ "میں نے ایک بڈھے کے ہاتھ میں جو ایسا ایسا تھا اونٹ کو بیچ دیا' اس نے کہا کہ غضب کیا وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے' وہاں سے دوڑا آیا اور اونٹ کو واپس لے جانا چاہا' مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خود ہی واپس کرنا پسند نہیں کیا۔[3]

ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بھائی نے ایک عرب گھرانے میں شادی کرنی چاہی' ان لوگوں نے کہا "اگر بلال رضی اللہ عنہ آئیں تو ہم شادی کر سکتے ہیں" حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو کہا کہ "میں بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ ہوں' اور یہ میرا بھائی ہے' لیکن اس کی مذہبی اور اخلاقی حالت اچھی نہیں ہے' اس لئے تمہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے" ان لوگوں نے کہا کہ تم جس کے بھائی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔[4]

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ ایک بار جہاد کی غرض سے شام کو روانہ ہوئے' تمام مکہ میں کہرام مچ گیا' اور تمام لوگوں نے اس کی مشایعت کی جب وہ مقام بطحاء میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے' اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو کر رونے لگے۔[5]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت اکدر رضی اللہ عنہ کی نہایت عزت کرتے تھے' اور چونکہ اپنی قوم پر ان کا نہایت اثر تھا' اس لئے ان کے ذریعے سے ان کی قوم ان کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے' جب جب مروان نے مصر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنی قوم کو اس کے خلاف میدان جنگ میں لا کر کھڑا کر دیا' مروان نے اہل مصر سے مصالحت کر لی' اور حضرت اکدر رضی اللہ عنہ کو ایک حیلہ سے بلا کر قتل کروا دیا جب وہ قتل ہو گئے تو تمام فوج نے شور کیا کہ "اکدر رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے" اس آواز کا سننا تھا کہ اسی ہزار آدمیوں نے مروان کے محل کو گھیر لیا' یہاں

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز صلوٰۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجہت۔ [2] موطائے امام مالک کتاب الحج باب جامع الحج۔ [3] بخاری کتاب البیوع باب شری الابل الہیم۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلالؓ۔ [5] استیعاب تذکرہ حضرت حارث ہشامؓ۔

تک کہ مروان نے ان کے خوف سے دروازہ بند کر لیا۔[1]

ایک بار حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو اور لوگ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو گئے' انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آتے ہو؟ بولے صرف اس لئے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ چلیں اور آپ کو سلام کریں۔[2]

بدو نہایت وحشی' خود غرض اور بے تعلق ہوتے ہیں' لیکن وہ بھی اس شدت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گرویدہ تھے۔ کہ ایک بار حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اونٹ کی تلاش میں صحرا میں پہنچے تو بدوؤں نے گھیر لیا' اور ان کے گرد طواف کرنے لگے۔[3]

امراء وسلاطین کا گروہ سخت مغرور ہوتا ہے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کا نشہ غرور بھی بالکل اتر جاتا تھا' ایک دفعہ زمانہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں میں نیزے کی نوک چبھ گئی' حجاج خود عیادت کو آیا' اور کہا کہ کاش ہم کو اس شخص کا پتہ لگ جاتا 'جس کے نیزے سے آپ کے پاؤں میں زخم لگا ہے'' بولے'' یہ تمہارا ہی قصور ہے کہ تم نے حدود حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دے دی۔[4]

ایک بار انہوں نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا اور طریقہ سنت کے موافق پہلے اپنے نام سے ابتداء کی عبدالملک کے حاشیہ نشینوں نے کہا کہ'' یہ بے ادبی ہے'' عبدالملک نے کہا'' ان کی ذات سے یہی غنیمت ہے[5] نہ صرف صحابہ' بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادنیٰ درجہ کے متوسلین تک بھی امراء وسلاطین کی نگاہ میں معزز ہو جاتے تھے۔

ایک بار عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شام میں لوگوں کا وظیفہ تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص اس غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ'' میں قریش سے ہوں'' انہوں نے کہا کہ قریش کی کس شاخ سے ہو؟ بولا بنو ہاشم سے'' فرمایا بنو ہاشم کے کس خاندان سے؟ بولا میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں' انہوں نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا میں بھی علی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں'' پھر اپنے

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۷۵ حضرت اکدر رضی اللہ عنہ مخضرمی صحابی تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت کفر میں دیکھا آپ کے وصال کے بعد اسلام لائے۔ [2] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۸۔ [3] ابوداؤد کتاب الحدود باب فی الرجل یزنی بحریمہ۔ [4] بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم۔

[5] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

خزانچی سے کہا کہ غلاموں کو کیا وظیفہ دیا جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ سو سے دو سو درہم تک۔ فرمایا "یہ علی رضی اللہ عنہ کا غلام ہے اس کو ۲۰۰ دینار دو" پھر کہا کہ اب اپنے ملک میں جاؤ ہر سال تم کو اس قدر رقم پہنچتی رہے گی، جتنی غلاموں کو ملتی ہے۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر عقائد پر:

خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت قبول نہ ہوگی۔ ایک بار خوارج کا ایک گروہ حج کے لئے روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت کر رہے ہیں، جہنمیوں کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا ایک قوم کو شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے گا" یزید فقیر بھی خوارج کے گروہ میں شامل تھے، انہوں نے اعتراض کیا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ خدا خود کہتا ہے:

﴿اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ کُلَّمَا اَرَادُوۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡ ا مِنۡهَا اُعِیۡدُوا فِیۡهَا﴾

"تو نے جس کو جہنم میں ڈال دیا پھر اس کو چھوڑ دیا، جب وہ لوگ جہنم سے نکلنے کا قصد کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے"۔

بولے تم قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کو بھی جانتے ہو؟ جہاں خدا آپ کو مبعوث کرے گا؟ کہا "ہاں" بولے "یہ آپ کا وہی مقام محمود ہے جس کی برکت سے خدا جس کو چاہے گا جہنم سے نکالے گا" اس کے بعد اور وقائع قیامت کا ذکر کیا، تو لوگوں پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کہا بھلا یہ بڈھا جھوٹی روایتیں بیان کر سکتا ہے، چنانچہ یہ لوگ پلٹے تو ایک آدمی کے سوا کوئی دوسرا شخص خارجی نہ رہ سکا۔[2]

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اثر سیاست پر:

اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آزادانہ نکتہ چینی اور عملی مخالفت سے مختلف سیاسی انقلابات پیدا کر دیئے ہیں۔

ایک بار حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے ان کو ان کا آنا ناگوار گزرا اور بولے کہ ہم تمہارے آنے سے کچھ خوش نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے، میں آپ کے سامنے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار۔

اس کو بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو مسلمانوں کا والی بنادے وہ اگر ان کی حاجتوں' ضرورتوں اور ناداریوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں چھپ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں' ضرورتوں ناداریوں سے آنکھ بند کر کے آڑ میں چھپ جائے گا'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ رعایا کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل شخص کو مقرر کر دیا۔[1]

ایک غلام ایک شخص کے باغ سے کھجور کا پودا چرا لایا۔ اور اپنے آقا کے باغ میں لگا دیا مروان بن الحکم اس وقت مدینہ کا گورنر تھا' صاحب باغ نے غلام پر مقدمہ دائر کیا اور مروان نے غلام کو حراست میں لے لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا' غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ کاٹا نہیں جاسکتا' اس نے کہا تو مروان کو بھی اس حدیث کی خبر کر دیجیے وہ گئے اور مروان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو اس نے غلام کو رہا کر دیا۔[2]

بیت المال سے مسلمانوں کا جو وظیفہ مقرر تھا' اخیر زمانے میں اس کی وصولی کے لئے ایک چٹ ملتی تھی۔ جس پر لکھا ہوتا تھا فلاں شخص کو اس قدر غلہ ملنا چاہیے' چنانچہ بعض لوگ یہ کرتے تھے کہ اس چٹ ہی کو فروخت کر ڈالتے تھے' چونکہ حدیث میں ہے کہ جب تک مال پر بائع کا قبضہ نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا اور مروان نے حکم دیا کہ یہ طریقہ موقوف کر دیا جائے راوی کا بیان ہے کہ اس حکم کی سختی کے ساتھ تعمیل کی گئی کہ میں نے پولیس کو دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھ سے ان رقعوں کو چھین رہی ہے۔[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فیما یلزم الامام من امر الرعیہ۔

[2] ابوداؤد کتاب الحدود باب لا قطع فیہ۔ [3] مسلم کتاب البیوع باب بطلان المبیع قبل القبض۔